بند قبا کھلنے لگی جاناں

سعدیہ عابد

سعدیہ عابد

قسط نمبر 1۔

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

"تایا ابو! مجھے آپ سے بات کرنی ہے"۔

"بیٹا! تو اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے؟ بلا جھجک بات کریں"۔

"تایا ابو! میں جاب کرنا چاہتی ہوں"۔ حسین کی بات پر سب ہی اُسے بڑی حیرانگی سے دیکھنے لگے تھے کیونکہ کسی کو بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ یہ سب کہے گی۔

"حسین بیٹا! آپ جانتی بھی ہیں کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"تایا ابو! میں جاب کرنا چاہتی ہوں اور یہ بات آپ سے میں نے بہت سوچ سمجھ کر کی ہے"۔ حسین کی سنجیدگی پر ذرا برابر فرق نہیں پڑا تھا، جبکہ وہ عموماً کافی غیر سنجیدہ ہی رہتی تھی اور اس کی سنجیدگی کی وجہ سے ہی نوید عالم کچھ متفکر ہوئے تھے۔

"آپ کو جاب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ پہلے آپ اپنی ایجوکیشن تو کمپلیٹ کر لیں"۔

"تایا ابو! میں ایک بزنس وومن بننا چاہتی ہوں"۔

"بیٹا! پہلے وومن تو بن جایئے، بزنس وومن بننے کی بات تو بعد میں آتی ہے، ابھی آپ کا انٹر تک کمپلیٹ نہیں ہوا اور آپ ہیں کہ بزنس وومن بننا چاہتی ہیں"۔ نوید عالم کے لبوں پر بڑی شریر مسکراہٹ نے بڑی تیزی سے جگہ بنائی

تھی۔

’’حنین! فضول باتیں بہت ہوگئیں، اب اُٹھو اور جا کر سوؤ‘‘۔

’’ممی! میں فضول باتیں نہیں کررہی، آئی ایم سیریس‘‘۔ اُسے ماں کا اس طرح بولنا پسند نہیں آیا تھا، اوپر سے تایا کی مسکراہٹ بھی اُس کا دل جلا رہی تھی۔

’’ساجدہ! آپ پلیز کچھ مت کہیں، میں حنین سے بات کررہا ہوں‘‘۔

’’بھائی صاحب! اس کا تو دماغ خراب ہے، نئے نئے خیالات اس کے دماغ میں آتے رہتے ہیں، ڈھنگ سے گھر کا تو یہ کوئی کام کر نہیں سکتی، چلی ہے جاب کرنے‘‘۔ نوید عالم کے اشارے پر وہ چپ کرگئیں تھیں۔

’’ممی! مجھے گھر کے کاموں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے، میں بزنس وومن بننا چاہتی ہوں اور پلیز تایا ابو! آپ مجھے آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دیں‘‘۔ حنین نے ماں اور تایا سے باری باری کہا تھا۔

’’مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے کہ آپ آفس جوائن کریں، لیکن ابھی یہ سب قبل از وقت ہوگا، آپ پہلے اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کریں اس کے بعد میں آپ کو آفس جوائن کرنے سے نہیں روکوں گا‘‘۔

’’تایا ابو! بعد میں تو میں کروں گی، لیکن آج کل میں فارغ ہوں تو میں آفس جوائن کرنا چاہتی ہوں، تاکہ مجھے کچھ ایکسپیرینس ہوجائے‘‘۔

’’حنین! جب بھائی صاحب نے کہا ہے کہ وہ تمہیں اجازت دے دیں گے تو پھر تم کیوں بحث کررہی ہو؟‘‘ انہوں نے بیٹی کو گھورا تھا۔

’’ممی! میں بحث نہیں کررہی‘‘۔

’’تو پھر بحث کرنا کس کو کہتے ہیں؟‘‘ اب کے انہوں نے اس کو ڈپٹا تھا۔

’’ساجدہ! ڈانٹ کیوں رہی ہو حنین کو؟ اگر بچی اپنے دل کی بات گھر والوں سے نہیں کرے گی تو پھر کس سے کرے گی؟‘‘ راشدہ نے مداخلت کی تھی۔

’’آپا بیگم! ہر وقت کی ضد اور بحث اچھی نہیں ہوتی، جب حنین سے کہا کہ جب وقت آئے گا تو اس کو جاب کرنے کی اجازت مل جائے گی تو یہ کیوں خاموش نہیں ہوجاتی؟‘‘

’’جب حنین مجھ سے بات کررہی ہیں تو آپ لوگوں کو بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے‘‘۔ اسے روتے دیکھ کر وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔

’’آئی ایم سوری بھائی صاحب!‘‘ ساجدہ نے قدرے شرمندگی سے اپنے جیٹھ کو دیکھا تھا اور معذرت طلب کی تھی۔

’’حنین! رونے کی ضرورت نہیں ہے بیٹا!‘‘

’’تایا ابو! مجھے معاف کردیں، میں آپ سے بحث نہیں کررہی، میں تو بس یہی چاہتی ہوں کہ آپ مجھے آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دیں‘‘۔

’’بیٹا! ابھی آپ کو بزنس کی نوہاؤ نہیں ہے تو میں کیسے آپ کو آفس جوائن کرنے کی اجازت دے سکتا ہوں‘‘۔

’’تایا ابو! جب میں آفس جوائن کروں گی تب ہی تو مجھے بزنس کی نوہاؤ ہوگی‘‘۔

’’حنین بیٹا! آپ میری بات سمجھ نہیں رہی ہو، آفس جوائن کرنا اتنا آسان نہیں ہے‘‘۔ وہ اسے سمجھا نہیں پارہے تھے۔

’’اگر مشکل ہے تو بھی میں مینج کرلوں گی تایا ابو!‘‘

’’حنین! میں آپ کو ابھی اجازت نہیں دے سکتا‘‘۔ انہوں نے گویا بات ہی ختم کردی تھی۔

’’لیکن کیوں تایا ابو؟ آپ مجھ پر بھروسا کرکے تو دیکھیں‘‘۔

’’میں نے یہ کب کہا کہ آپ پر بھروسا نہ ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں دے رہا ہوں میں، میں تو فی الحال اس لیے منع کررہا ہوں کہ جاب کرنا، آفس سنبھالنا ایک ٹف ٹائم ڈیوٹی ہے اور جس کو آپ مینج نہیں کرسکتیں، اس لیے پہلے تعلیم مکمل کریں تاکہ آپ کو پتہ ہو کہ آفس کیسے سنبھالتے ہیں؟‘‘

’’وہی تو میں سیکھنا چاہتی ہوں‘‘۔

’’کچھ بھی ایسے نہیں سیکھا جاتا حنین! ہر چیز وقت پر ہی اچھی لگتی ہے اور اگر میں آپ کو آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دوں تو آپ کیا کریں گی؟ آفس کے کام کے بارے میں آپ جانتی ہی کیا ہیں؟‘‘

’’تایا ابو! میں کسی بہت بڑی پوسٹ پر کام کرنے کے لیے نہیں کہہ رہی، میری ایجوکیشن کے مطابق جو آپ کو ٹھیک لگے‘‘۔

’’تمہاری ایجوکیشن ہی کتنی ہے؟ محض انٹر، اس کا بھی ابھی رزلٹ نہیں آیا‘‘۔

’’تو کیا انٹر کرکے کوئی جاب نہیں کرتا، کتنی ہی لڑکیاں اور لڑکے انٹر کے بعد بھی جاب کرتے ہیں، جب ان کو جاب مل جاتی ہے تو کیا مجھے اپنے گھر کے بزنس میں بھی ایڈجسٹ نہیں کیا جاسکتا؟‘‘

’’حنین! بس چپ کر جاؤ، سارے لحاظ بھولتی جارہی ہو تم، تایا سے دوبدو بحث کرتے تمہیں ذرا سی شرم نہیں آرہی‘‘۔

’’ممی!‘‘

’’شٹ اپ حنین! اُٹھو اپنے کمرے میں جاؤ، اب کچھ کہا تو بہت پٹو گی مجھ سے‘‘۔ اُسے منہ کھولتے دیکھ وہ درشتگی سے بولی تھیں اور وہ صوفے سے اُٹھی تھی اور کسی کو بھی دیکھے بغیر لاؤنج سے نکل گئی تھی۔

’’بھائی صاحب! حنین کی طرف سے میں آپ سے معافی.....‘‘

’’ساجدہ! حنین میرے لیے کوئی غیر نہیں ہے، میری اپنی بیٹی ہے‘‘۔

’’یہ آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے بھائی صاحب! کیا میں نہیں جانتی کہ حنین آپ کو کتنی عزیز ہے، جاوید کی موت کے بعد آپ نے ہی تو سارے لاڈ اُٹھائے ہیں، اپنے بچوں سے بڑھ کر حنین کا خیال رکھا، اس کی ہر خواہش پوری کی اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب جو سوچ لیتی ہے اسے پورا کروا کے ہی چھوڑتی ہے، اتنی ضد اور من مانی اچھی نہیں ہوتی، کل کو اگلے گھر جائے گی تو کون برداشت کرے گا یہ سب؟ مجھے تو سوچ سوچ کر ہی ہول اُٹھتے ہیں‘‘۔

’’پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ساجدہ! حنین میری ذمہ داری ہے، جسے میں آخری سانس تک خوش دلی سے اُٹھاؤں گا اور بچے والدین سے بھی ضد یا فرمائش نہیں کریں گے تو پھر کس سے کریں گے؟ آپ ہر وقت حنین کے پیچھے نہ پڑ جایا کریں، اگر ضد کر بھی رہی ہے تو اسے پیار سے سمجھایا جاسکتا ہے، بڑی ہوتی ہوئی اولاد پر ہر وقت تنقید کی جائے یا روک ٹوک، اس کا بُرا اثر پڑتا ہے، اس لیے پیار و محبت سے پیش آیا کریں، آپ کی روک ٹوک حنین پر بھی بُرا اثر ڈالے گی اور جب بات پیار و محبت سے سلجھائی جاسکتی ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ سختی سے پیش آئیں؟‘‘

’’نوید ٹھیک کہہ رہے ہیں ساجدہ! تم ہر وقت ہی حنین کے پیچھے پڑی رہتی ہو کہ اتنی دیر کیوں سوئیں، رات دیر تک کیوں جاگتی رہیں، کھانا بنانا سیکھو، سلائی سیکھو۔ وہ وقت کے ساتھ سب سیکھ لے گی، تم کیوں اتنی فکر مند ہوتی ہو؟

راشدہ نے شوہر کی حمایت میں بات آگے بڑھائی تھی۔

''آپا بیگم! میں بھی کیا کروں، اور بچیاں بھی تو ہیں، زرمین نے پورا کچن سنبھالا ہوا ہے اور شاز مین سلائی کڑھائی میں ماہر ہے اور حنین ہے کہ نہ چائے بنانا آتی ہے نہ ہی سوئی میں دھاگہ ڈال سکتی ہے، دونوں بچیوں کی طرح گھرداری میں انٹرسٹ لے تب اسے کچھ آئے گا، اُسے تو بزنس وومن بننے کا خبط ہو چلا ہے''۔ وہ بیٹی کی حرکتوں سے سخت نالاں تھیں۔

''وقت کے ساتھ سیکھ لے گی، تم پریشان نہ ہوا کرو''۔ راشدہ نے اپنا ہاتھ تسلی بھرے انداز میں ساجدہ کے ہاتھ پر رکھا تھا، راشدہ اور ساجدہ دو بہنیں جو شادی کے بعد جٹھانی دیورانی بن گئیں، نوید اور جاوید دو بھائی اور ایک بہن فریدہ۔ نوید سب سے بڑے تھے اور ان کی دو بیٹیاں زرمین اور شاز مین اور اکلوتا بیٹا اسجد جو بہنوں سے بڑا تھا۔ اسجد نے بی بی اے کرنے کے بعد باپ کا بزنس سنبھال لیا تھا، زرمین نے گریجویشن کے بعد اپنی مرضی سے تعلیم کو خیرباد کہہ دیا تھا، شاز مین بی ایس سی کے آخری سال میں تھی۔ جاوید عالم کا انتقال بہت ہی کم عمری میں ہو گیا تھا ان کو کینسر تھا اور علاج کروانے کے باوجود مالکِ حقیقی کی مرضی کے تحت روبہ صحت نہ ہو سکے اور دنیا سے منہ موڑ گئے، اُس وقت جاوید کی اکلوتی بیٹی حنین محض 4 برس کی تھی، نوید عالم اور راشدہ نے بہت کوشش کی کہ ساجدہ دوسری شادی کر لیں مگر وہ کسی طور راضی نہ ہوئیں، جس طرح جاوید کی زندگی میں وہ رہتے تھے ویسے ہی رہ رہی تھیں، دونوں بھائی جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتے تھے حنین نے انٹر سائنس کے ایگزامز دیئے تھے، حنین کو باپ کی کمی محسوس نہ ہو اس لئے نوید عالم نے اسے اپنے تینوں بچوں سے زیادہ محبت و چاہت اور توجہ دی تھی اور گھر والوں کی توجہ نے ہی اسے کافی ضدی اور موڈی بنا دیا تھا، فریدہ کے دو بیٹے ارحم الحسن اور راحم الحسن تھے۔ ارحم نے سی ایس ایس کیا تھا اور حال ہی میں پولیس میں بھرتی ہوا تھا۔ زرمین کی ہم عمر مائدہ نے بھی گریجویشن کیا تھا اور مائدہ کی اسجد سے اور شاز مین کی راحم سے 3 ماہ قبل ہی بڑی دھوم دھام سے منگنی ہوئی تھی، فریدہ کے شوہر یوسف ایئرفورس سے وابستہ تھے، حال ہی میں انہوں نے ریٹائرمنٹ لی تھی، جبکہ راحم کو اس شعبے سے دلچسپی نہ تھی اس لئے اس نے انجینئرنگ کی ڈگری لی اور ایک ملٹی نیشنل کمپنی سے وابستہ تھا۔ تینوں گھرانوں میں بے حد محبت اور انسیت تھی، ان لوگوں میں رشتوں کی اصل مٹھاس شدت سے محسوس کی جا سکتی تھی جبکہ آج کل کا دور کہ جس میں جوائنٹ فیملی سسٹم تقریباً ختم ہو رہا ہے اور قریبی رشتے دار بھی ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کی آپسی محبت اور یگانگت قابلِ ذکر ہی تھی کیونکہ اپنوں کو سمجھنا اور ان کی قدر کرنا آج کل کے دور میں بہت کم نظر آتا ہے۔

☆..........☆..........☆

''پھپھو! اس دفعہ آپ نے کافی دنوں بعد چکر لگایا ہے، سچ میں آپ کو بہت مس کر رہی تھی''۔ شاز مین لاڈ سے بولی تھی۔

''پھپھو کو مس کر رہی تھیں یا پھپھو کے بیٹے کو مس کیا جا رہا تھا؟'' چلغوزوں کی پلیٹ سے انصاف کرتی حنین کے شرارت سے کہنے پر شاز مین بُری طرح جھینپ گئی تھی اور جھینپ مٹانے کو اُس کے بازو میں چٹکی کاٹی تھی۔

''ہر وقت فضول بولا کرو''۔

''لو بھئی نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے''۔ وہ بازو کو سہلاتے ہوئے بولی تھی اور فریدہ ہنسنے لگی تھیں اور ہنستے ہوئے اُسے چھیڑنے کو بولی تھیں۔

''شاز مین بیٹا! کیا حنین سچ کہہ رہی ہے؟ یاد مجھے نہیں بلکہ.....!'' جان کر انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر شرارت

بھری نگاہوں سے اُسے دیکھا تھا۔

''آپ بھی نا پھپھو! اس کو تو بکواس کرنے کی عادت ہے، میں آپ کے لئے چائے لے کر آتی ہوں''۔ اس کا خوبصورت چہرہ اناری ہو چلا تھا اور اُس نے وہاں سے بھاگ جانے میں ہی عافیت جانی تھی۔

''زرمین! آپی سے کہہ دینا چائے بنانے کے لئے، جوشاندہ پینے کا بالکل بھی موڈ نہیں ہے''۔ حنین نے پیچھے سے آواز لگائی تھی۔

''تم سے تو اچھی چائے بناتی ہوں، تمہیں تو یہ بھی شاید پتہ نہ ہو کہ چائے بناتے وقت ڈالتے کیا کچھ ہیں؟'' اس نے مڑ کر کہتے ہوئے حساب بے باک کیا تھا اور سب ہی جانتے تھے کہ شاز مین نے بالکل سچ کہا ہے اس لئے فریدہ اور راشدہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی جبکہ ساجدہ کو فکروں نے آ گھیرا تھا۔

''ساجدہ بھابی! آپ کیوں خاموش بیٹھی ہیں؟''

''ہاں... نہیں.... میں بچیوں کی نوک جھونک سن رہی تھی، تم آتے ہوئے مائدہ کو بھی لے آتیں''۔

''نہیں بھابی! اچھا نہیں لگتا، یہ مائدہ کی ہونے والی سسرال ہے ہمسرال میں شادی سے پہلے آنا کچھ معیوب سی ہی بات ہے''۔

''تم بھی کن زمانوں کی بات کرتی ہو فریدہ! زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے اور مائدہ کا یہ سسرال بعد میں، ماموں کا گھر پہلے ہے، اس لئے اُس کے آنے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے''۔ راشدہ نے کھلے دل و سچائی سے کہا تھا۔

''بھابی بیگم! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، مگر احتیاط کرنا اچھی بات ہے''۔

''فریدہ کی بات اپنی جگہ درست ہے مگر منگنی نہ جانے ابھی کتنے ماہ یا سال رہے، تو بچے کیا ماموں اور پھپھو کے گھر ہی نہیں جائیں گے؟''

''ممی! تو بچوں کی جلدی شادی کر دیں، ویسے ہی انتظار اب نہیں ہوتا''۔ چائے کی ٹرالی لاتی شاز مین کو دیکھ کر وہ شرارت سے بولی تھی۔

''ساجدہ بھابی! حنین نے مشورہ تو کافی درست دیا ہے، اس بارے میں سوچا جا سکتا ہے''۔ فریدہ کی بات پر حنین نے فخر سے فرضی کالر کھڑے کیے تھے اور وہ محض بیٹی کو گھور کر رہ گئی تھیں۔

''فریدہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ شاز مین چھوٹی ہے، میں پہلے زرمین کی شادی کروں گی، میں تو منگنی کے بھی خلاف تھی، مگر تمہاری ضد کے آگے چپ ہو گئی، مگر زرمین کی شادی سے پہلے میں شاز مین کی شادی نہیں کروں گی''۔ راشدہ قطعیت سے بولی تھیں کیونکہ وہ شاز مین کا رشتہ کرنا ہی نہیں چاہ رہی تھیں مگر فریدہ بھی کیا کرتیں، بڑا بیٹا شادی کے نام سے چڑتا تھا اور دوسرے بیٹے نے خود شاز مین کا نام لیا تھا ورنہ تو ان کا ارادہ ارحم کے لئے زرمین کو مانگنے کا تھا مگر اس نے صاف انکار کر دیا تھا تو انہوں نے چھوٹے بیٹے کی پسند کو مدِنظر رکھتے ہوئے شاز مین کو مانگ لیا تھا۔

''بھابی بیگم! میں تو خود یہی چاہتی ہوں کہ پہلے کہیں ہماری زرمین کا رشتہ ہو جائے اور آج میں اسی سلسلے میں حاضر ہوئی تھی''۔

''میں سمجھی نہیں فریدہ!''

''بھائی صاحب! آ جائیں پھر بات کروں گی، ابھی بچیاں بھی بیٹھی ہوئی ہیں''۔

''پھپھو! ایسی کیا بات ہے جو ہم سے چھپانا چاہتی ہیں؟'' حنین کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

''پھپھو کی دادی! آپ ہر معاملے میں ٹانگ مت اڑایا کریں، ہم جب ضروری سمجھیں گے تمہیں بتا دیں گے،

آج کل فارغ ہوا تنا نہیں ہوا کہ پھپھو کے گھر آجاؤ، مگر نہیں جناب، پھپھو سے تو منہ دیکھے کی محبت نبھائی جاتی ہے“۔ انہوں نے مذاق سے کہتے ہوئے اُس کا کان پکڑا تھا، جسے چھڑاتے ہوئے اس نے فریدہ کے کاندھے پر اپنا دایاں ہاتھ پھیلاتے ہوئے لاڈ سے کہنا شروع کیا تھا۔

”سچی پھپھو! میں آپ سے منہ دیکھے کی محبت نہیں کرتی، یہ کام تو شازمین بجو کا ہے، آپ آتی ہیں تو ان کو یاد آتا ہے کہ یہ آپ کو یاد کر رہی تھیں، ورنہ تو آپ کا نام بھی نہیں لیتیں“۔ وہ ہنستے ہوئے شازمین کو ٹارگٹ بنا رہی تھی۔

”میں تمہاری طرح بدتمیز نہیں ہوں کہ بڑوں کے نام لوں“۔ وہ چڑ کر بولی تھی۔

”یعنی آپ شادی کے بعد راحم بھائی کا نام نہیں لیں گی، وہ بھی تو آپ سے بڑے ہیں، ویسے بجو! آپ ان کا نام نہیں لیں گی تو پھر انہیں کیا کہیں گی؟ جانو، ڈارلنگ یا سوئیٹ ہارٹ!“

”شٹ اپ!“ چہرہ سرخی مائل ہوگیا تھا اور وہ شرم وحیا سے لال پڑتی وہاں سے تقریباً بھاگتے ہوئے نکلی تھی۔

”بتا کر تو جایئے کہ آخر راحم بھائی کو آپ کیا کہیں گی؟“ اسے روکنا چاہا تھا۔

”تم سے مطلب، تم اپنے کام سے کام رکھو سمجھیں؟“ وہ پلٹ کر کہتی بھاگ گئی تھی۔

”بری بات حنین! بہن کو تنگ نہیں کرتے“۔

”سچ پھپھو! تنگ کرنے میں جو مزہ ہے وہ کسی بھی چیز میں نہیں اور شازمین بجو کو تو ستانے میں بڑا ہی مزہ آتا ہے، راحم بھائی کے نام پر جو شرماتے ہوئے بھاگتی ہیں، ان کا یہ انداز سچ میں لطف دے جاتا ہے“۔ وہ چائے کے سپ لیتے ہوئے بولی تھی۔

”جب تمہاری باری آئے گی تو پوچھوں گی کتنا لطف آتا ہے؟“ زرمین نے کباب کھاتے ہوئے مسکرا کر بولا تھا مگر اس کو کیا پتہ تھا کہ اب نشانہ وہ خود ہی بن جائے گی۔

”میرا نمبر تو بہت بعد میں آئے گا، پہلے تو آپ اپنی خیر منائیں، پھپھو آج اسی مقصد سے آئی ہیں“۔

”اس لڑکی کے سامنے کوئی ڈھنگ کی بات نہیں کرسکتا“۔

”ممی! آپ کو تو میرے خلاف بولنے کی عادت ہوگئی ہے، میں نے کچھ اپنی طرف سے کب کہا؟ یہ سب تو پھپھو ہی بول رہی تھیں“۔ اُس نے تیسرا کباب اُٹھاتے ہوئے خفگی دکھائی تھی اور اُسی وقت امجد اور نوید عالم آفس سے لوٹتے سیدھے لاؤنج میں ہی آئے تھے اور وہ نوید عالم کو دیکھ کر آدھا کھایا ہوا کباب واپس پلیٹ میں رکھتے ہوئے جانے کے لئے کھڑی ہوگئی تھی کیونکہ وہ آج کل ان سے ناراض تھی اور یہ ناراضی ظاہر کرنے کا اس کا اپنا انداز تھا۔ محسوس تو فریدہ کے علاوہ سب ہی نے کیا تھا مگر کہا کسی نے کچھ نہیں تھا اور وہ لاؤنج سے نکل کر اپنے روم میں چلی گئی تھی۔

یوسف ساتھ نہیں آئے؟ انہیں بھی لے آتیں“۔

”بھائی صاحب! ان کی طبیعت کچھ خراب تھی اس لئے نہیں آئے اور جبکہ میرا آنا بھی ضروری تھا، مہوش نے فون کر کر کے میرا دماغ خراب کیا ہوا تھا، میں نے سوچا فون پر آپ لوگوں سے کیا بات کروں گی، اسی بہانے ملنے آگئی“۔

فریدہ نے اپنی اکلوتی بچپن کی سہیلی کا نام لیا تھا اور اس نام سے سب ہی واقف تھے۔

”کیوں بھئی.... مہوش نے آپ کا کیوں دماغ خراب کیا ہوا تھا؟“

”زرمین! جا کر اپنے ابو کے لئے چائے لے آؤ“۔ فریدہ کی باتوں سے اندازہ لگاتے ہوئے ساجدہ نے زرمین کو وہاں سے ہٹانا چاہا تھا اور وہ چائے کے خالی کپ ٹرالی میں رکھتی اور برتن سمیت کر ٹرالی گھسیٹ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

”بھائی صاحب! میری دوست مہوش اپنے بیٹے کے لئے زرمین کا ہاتھ مانگنے کے لئے یہاں آنا چاہتی ہے“۔

زرمین کے جانے کے بعد وہ بولی تھیں۔

”اب آپ جو بھی کہیں گے، ہاں، ناں وہ میں اُسے بتا دوں گی“۔

”مہوش کو تو ہم کافی عرصے سے جانتے ہیں، وہ بہت چھوٹی عمر سے ہمارے گھر آتی رہی ہیں؛ ان کی ایسی کوئی خواہش ہے تو آپ اُن کو بلا لیں، آگے ہماری زرمین بیٹی کا نصیب“۔ انہوں نے لمحہ میں مثبت جواب دے دیا تھا کیونکہ مہوش کی فیملی سے اُن کے فیملی ٹرمز تھے، شادی سے پہلے بھی اور شادی کے بعد بھی، وہ ان کی گھریلو تقریبات کا ہمیشہ سے حصہ رہی تھیں۔ مہوش فیاض کے 2 بیٹے فضیل اور فیصل جبکہ ایک ہی بیٹی سحرش تھی۔ فیصل کی اپنے ماموں کی بیٹی سے بات طے تھی جبکہ فضیل کے لئے ہی مہوش، زرمین کا ہاتھ مانگنا چاہتی تھیں، فیصل آرکیٹکٹ تھا اور سحرش نے حال ہی میں انٹر سائنس کے پیپرز دیئے تھے۔ فضیل فیاض تینوں بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اور ملٹی نیشنل کمپنی میں ایک اچھے عہدے پر فائز تھا۔

☆..........☆..........☆

”حنین کہاں ہے، وہ کھانا نہیں کھا رہی؟“ نوید عالم نے چیئر سنبھالتے ہوئے پوچھا تھا۔

”ممی! میں اُسے بلانے گئی تھی مگر اُس نے آنے سے منع کر دیا کہ اُسے بھوک نہیں ہے“۔

”اُس نے دوپہر میں بھی یہی کہا تھا، زرمین! جاؤ ذرا بلا کر لاؤ اُسے“۔ راشدہ نے کہا تھا۔

”رہنے دیں بھابی! جب کھانا ہوگا کھا لے گی، زرمین! آجاؤ بیٹا! تم کھانا کھا لو“۔

”کوئی بات ہوئی ہے؟“ نوید عالم نے بیوی سے پوچھا تھا تب ساجدہ بولی تھیں۔

”بات کیا ہونی ہے بھائی صاحب! دماغ خراب ہوگیا ہے اس لڑکی کا“۔

”آخر پتہ بھی تو چلے کہ حنین کہہ کیا رہی ہے؟“

”بھائی صاحب! اُس کی ایک ہی رٹ ہے کہ آفس جوائن کرنا ہے، نرمی سے سمجھایا تو مانی نہیں، سختی سے کہا تو دوپہر سے کمرہ بند کیے بیٹھی ہے، نہ کسی سے بات کر رہی ہے اور نہ ہی کچھ کھا رہی ہے، مجھے تو تنگ کر کے رکھ دیا ہے“۔ ساجدہ کی آنکھوں سے آنسو پھسل پھسل کر گالوں پر گرنے لگے تھے۔

”میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا ساجدہ کہ حنین کے ساتھ سختی نہ کرو“۔

”میں بھی کیا کروں آپا بیگم! حنین کو میں نے ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کم از کم گریجویشن تو کر لے، اس کے بعد آفس جوائن کر لے مگر اس کی ایک ہی ضد ہے کہ وہ ابھی جوائن کرے گی، ناک پر مکھی تو بیٹھنے دیتی نہیں ہے جاب کیسے کرے گی؟“ وہ بیٹی کی حرکتوں سے نالاں نظر آرہی تھیں۔

”شازمین بیٹا! آپ جا کر بہن کو بلا کر لاؤ“۔ شازمین خاموشی سے اُٹھ گئی تھی۔

”کہا ناں میں نے، مجھے کھانا نہیں کھانا ہے تو کیوں مجھے پریشان کر رہی ہیں؟“ شازمین کے دروازہ بجانے پر وہ اندر سے چیخی تھی، دروازہ ہنوز بند تھا۔

”تمہیں ابو بلا رہے ہیں، کم از کم اُن کی بات تو سن لو“۔

”مجھے کسی کی بھی بات نہیں سننی، جب کسی کو میری پرواہ نہیں ہے تو میں کیوں سب کی پرواہ کرتی پھروں، آپ چلی جائیں بجو! مجھے نہیں آنا ہے“۔

”شازمین! کیا ہوا ہے، یہ حنین دروازہ کیوں نہیں کھول رہی؟“ امجد اپنے کمرے سے نکلا تھا اور شازمین کے سامنے آ رکا تھا۔

"بھائی! حنین ناراض ہے اور غصہ میں اس نے کھانا پینا چھوڑ ہوا ہے"۔
"تم ہٹو، میں دیکھتا ہوں"۔ شازمین کے سائیڈ میں ہوتے ہی اُس نے دروازہ پر زوردار دستک دی تھی۔
"شازمین بجو! مجھے تنگ مت کریں"۔
"حنین! دروازہ کھولو"۔ شازمین کے بجائے اسجد برہمی سے بولا تھا۔
"آپ چلے جائیں اسجد بھائی! بار بار مجھے آپ لوگ تنگ کریں گے تو میں اپنے ساتھ کچھ غلط کر بیٹھوں گی"۔ اس کی روتی ہوئی آواز ان کے کانوں تک آئی تھی اور اسجد کی برداشت ختم ہوگئی تھی، وہ کچھ دنوں سے اس کی حرکتیں دیکھ اور محسوس تو کر رہا تھا مگر کچھ کہا نہیں تھا کہ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا سنجیدہ مزاج کا حامل شخص تھا جب تک اس کی لاتعلقی ممکن ہوتی وہ لاتعلق رہتا تھا مگر جب انٹرفیئر کرنے کی ضرورت ہوتی تو ضرور کرتا تھا۔
"حنین! ایک منٹ میں تم نے دروازہ نہیں کھولا تو میں دروازہ توڑ دوں گا"۔ وہ اسجد کے غصے سے ڈرتی تھی، اس وقت بھی اُس کے غصے کو محسوس کرتے اُس نے دروازہ کھول دیا تھا۔
"یہ کیا ڈرامہ ہے حنین! وہاں نیچے سب تمہارا ڈائننگ ہال میں انتظار کر رہے ہیں اور تمہارے نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے ہیں"۔
"آپ کچھ نہیں جانتے اس لئے بیچ میں مت بولیں"۔ وہ اُس کے تیز لہجے سے خائف سی ہو کر بولی تھی۔
"کیا نہیں جانتا؟ کچھ کہتا نہیں ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم جو چاہو کرتی رہو، جب ابو اور چچی نے تمہیں جاب کرنے سے منع کر دیا ہے تو کیوں ضد پر اڑی ہوئی ہو؟" تیکھے چتونوں سے اُس کے سلگتے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔
"ضد پر میں نہیں تایا ابو اڑے ہوئے ہیں، دنیا کی کتنی ہی لڑکیاں جاب کرتی ہیں، ایک میں بھی کر لوں گی تو کون سی قیامت آ جائے گی؟"
"شٹ اپ حنین! مجھ سے زیادہ بدزبانی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، شازمین! اسے لے کر نیچے آؤ"۔ وہ انگلی اٹھا کر کہتا شازمین کو آنے کا اشارہ کر کے کمرے سے نکلنے لگا تھا۔
"میں نہیں آؤں گی، آپ اپنا فیصلہ مجھ پر نہیں تھوپ سکتے"۔
"تم دو منٹ میں نیچے نہیں آئیں تو بتاؤں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں"۔ وہ غصے سے پیچ و تاب کھاتا وہاں سے نکل گیا تھا۔
"حنین! ضد نہیں کرتے، ابھی نیچے چل کر کھانا کھا لو، تم جو چاہتی ہو وہ قبل از وقت ہے، جب وقت آئے گا...!"
"مجھے کچھ نہیں سننا ہے، جس کو دیکھو مجھے وعظ سنانے بیٹھ جاتا ہے، لیکن میں بھی وہی کروں گی جو میں چاہتی ہوں کسی سے ڈرتی نہیں ہوں، کہہ دیجئے گا اسجد بھائی سے کہ وہ آپ پر اور زرمین آپی پر دھونس جمایا کریں، میں اُن کی [illegible]ں آنے والی نہیں ہوں، اور زیادہ ہی شوق ہوا مائدہ اپیا پر دھونس جمائیں، مجھ پر ہرگز نہیں"۔ وہ روتے ہوئے [illegible]ہنے میں کہتی واش روم میں چلی گئی تھی اور شازمین حیران سی ڈائننگ ہال میں آ گئی تھی اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ بھی آ گئی تھی کسی کو بھی دیکھے بغیر اپنی مخصوص چیئر گھسیٹ کر اُس پر بیٹھ گئی تھی، کسی نے بھی اُس سے کچھ نہیں کہا تھا اور سب خاموشی [illegible]انا کھانے لگے تھے۔
[illegible]ن! مجھے آپ سے بات کرنی ہے"۔ اُسے اُٹھتے دیکھ کر نوید عالم بولے تھے۔
[illegible]ین میں آپ سے کوئی بات...!"

"حنین!" اسجد نے اُس کی بدتمیزی پر بند باندھنا چاہا تھا۔
"کہیے! میں سُن رہی ہوں"۔
"آپ میرے کمرے میں آؤ، میں وہیں آپ سے بات کروں گا"۔ وہ کرسی کھسکا کر اُٹھ گئے تھے۔
"میرے اللہ! یہ لڑکی آخر چاہتی کیا ہے؟" ان دونوں کے وہاں سے ہٹتے ہی وہ سر تھام کر رہ گئی تھیں۔
"چچی! آپ بالکل پریشان نہ ہوں، ابو اس سے بات کر رہے ہیں نا"۔
"یہی تو مجھے ڈر لگ رہا ہے، دوپہر میں اس نے مجھ سے کتنی بدتمیزی کی اور میں نہیں چاہتی کہ وہی سب وہ بھائی صاحب کے ساتھ بھی کرے"۔
"آپ ایسے نہ سوچیں چچی! حنین کبھی بھی ابو سے بدتمیزی نہیں کرے گی"۔ زرمین اُن کو پانی پلاتے ہوئے بولی تھی۔
"حنین! میں نے کبھی آپ کی کوئی بات نہیں ٹالی، جو چاہا، جو مانگا وہ سب آپ کو دیا اور آفس جوائن کرنے سے بھی میں آپ کو منع نہیں کر رہا، مگر ہر چیز اپنے وقت پر ہی اچھی لگتی ہے اور آپ کے پاس وقت ہی کتنا ہے، صرف 3 ماہ؟ اس کے بعد آپ کا رزلٹ آ جائے گا اور بی کام میں ایڈمیشن، ایڈمیشن کے بعد آپ آفس نہیں جا پاؤ گی، اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ گریجویشن کے بعد آپ آفس جوائن کرو"۔
"پھر تو میں گریجویشن کے بعد بھی آفس جوائن نہیں کر سکتی، پھر مجھے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا ہوگا اور آپ کہیں گے کہ ماسٹرز کے بعد میں آفس آ سکتی ہوں، آپ چاہتے ہی نہیں ہیں کہ میں آفس جوائن کروں اور یہی بات آپ مجھے صاف کہیں، مجھے آسرے میں کیوں رکھ رہے ہیں؟ جھوٹی تسلیاں، جھوٹے آسرے نہیں چاہئیں مجھے"۔ وہ بہت تلخی سے کہہ رہی تھی اور وہ ششدر سے بیٹھے اُسے سن رہے تھے، اس نے لاڈ پیار سے اُن سے کتنی ہی فرمائشیں اور بے جا ضدیں پوری کروائی تھیں مگر آج تو اس کا انداز ہی نیا تھا۔
"میں جھوٹے آسرے نہیں دے رہا، مجھے منع کرنا ہوتا تو صاف کرتا، یہ میری ڈھیل ہی ہے حنین! جو آپ اس طرح بحث کر رہی ہیں"۔
"بحث کے لئے بھی آپ نے ہی مجھے مجبور کیا ہے، آپ میرے تایا ہیں ناں اس لئے مجھے سمجھنا ہی نہیں چاہتے، آپ کی جگہ میرے ابو ہوتے تو وہ ضرور سمجھتے کہ میں کیا چاہتی ہوں، مگر آپ لوگ چاہتے ہی نہیں ہیں۔ اسجد بھائی نے میری کتنی انسلٹ کی، اتنے بُرے لہجے میں مجھ سے بات کی، مجھے بُری طرح ڈانٹا اور میں کسی کو کچھ کہہ بھی نہیں سکتی، یتیم ہوں ناں، یتیموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے، جیسا میرے ساتھ کیا جا رہا ہے"۔ اس کی باتیں اور اس کا ہچکیوں سے رونا، نوید عالم ششدر سے بیٹھے رہ گئے تھے۔
"حنین! ایسا کیوں سوچتی ہیں آپ بیٹا! کیا میں آپ کا ابو نہیں ہوں؟" وہ اس کا ہاتھ تھام کر دل گرفتگی سے بولے تھے، جو بھائی انہیں بہت عزیز تھا یہ اسی کا خون تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے اس لئے انہوں نے اسے اپنے بچوں سے زیادہ چاہت و توجہ دی مگر اس کی باتوں سے لگتا تھا کہ ان کی شفقت و محبت ہی بے معنی سی تھی۔
"نہیں، آپ صرف میرے تایا ابو ہیں، میرے ابو مر گئے ہیں، ممی کہتی ہیں میں آپ سے فرمائشیں نہیں کیا کروں، مجھے آپ سے لاڈ بھی نہیں کرنے چاہئیں، اس لئے میں جاب کرنا چاہتی ہوں، میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی"۔
"ہم نے کب کہا کہ آپ ہم پر بوجھ ہیں؟" وہ حیران ہی تو رہ گئے تھے۔
"ممی کہتی ہیں، یہی آپ کا احسان ہے کہ آپ نے ہمیں گھر میں جگہ دی، مجھے پڑھایا لکھایا اور میں اب آپ کے

احسان اُتارنا چاہتی ہوں، میں اپنے پیروں پر کھڑی ہونا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں کہ مجھے آفس ورک آجائے تاکہ مجھے کہیں بہت اچھی جگہ جاب مل جائے، آپ مجھے اپنے آفس میں جاب نہیں دے سکتے تو مجھے کہیں اور جاب کرنے کی اجازت دے دیں، میں جاب کرنا چاہتی ہوں، مگر آپ کو ہرٹ کرنا نہیں چاہتی اسی لئے آپ کے آفس میں کام کرنے کا سوچا ورنہ میں جانتی ہوں کہ میری ایجوکیشن ان کمپلیٹ ہے اور مجھے جاب نہیں مل سکتی، آپ نے ابو کی موت کے بعد مجھ پر اتنے احسان کیے، ایک احسان اور کردیں، مجھے جاب کرنے کی اجازت دے دیں''۔ انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے، انہوں نے کبھی بھی تو اُسے غیر نہیں سمجھا تھا، اُس سے محبت کی تھی، احسان سمجھ کر اس کی پرورش نہیں کی تھی بلکہ اپنا فرض سمجھ کر کی تھی جسے وہ اتنی آسانی سے احسان کا نام دے گئی تھی۔

''آپ جیسا سوچتی ہو یا ساجدہ جیسا سوچتی ہیں ایسا میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا، اس لئے فضول باتوں کو ذہن سے نکال دیں حنین! مجھے آپ زرمین اور شازمین کی ہی طرح عزیز ہو، اور آپ جاب کرنا چاہتی ہو تو مجھے اعتراض نہیں ہے، آپ کل سے آفس جوائن کرلو''۔ انہوں نے اُس کے سر پر دستِ شفقت رکھا تھا اور وہ اُن کے سینے سے لگ کر بلک اُٹھی تھی، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اب اُن میں حوصلہ نہیں تھا اُس کا دل دکھانے والی باتیں سننے کا، اس لئے وہ شازمین کو آوازیں دینے لگے تھے اور کچھ ہی دیر میں وہ وہاں چلی آئی تھی۔

''شازمین! بہن کو کمرے میں لے کر جائیں اور کھانا بھی یاد سے کھلا دیں، ڈائننگ ٹیبل پر حنین نے کھانا نہیں کھایا تھا''۔ لہجے میں سنجیدگی سی تھی۔

''تایا ابو!''

''اوہوں، کچھ مت کہیں بیٹا! آپ جو کہنا چاہتی تھیں وہ سمجھ گیا ہوں، یُو ڈونٹ وری۔ کل سے یا جب چاہیں آفس آسکتی ہیں''۔

''آپ ناراض تو نہیں ہیں؟'' خیال آنے پر پوچھا تھا۔

''نہیں، میں اپنی بیٹی سے ناراض نہیں ہوں، اور یہی چاہتا ہوں کہ میری بیٹی ہمیشہ خوش رہے''۔ وہ بدقت تمام مسکرائے تھے، شازمین کو کچھ غیر معمولی سا لگا تھا مگر باپ سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوسکی تھی اس لئے دل میں اُلجھن لئے وہ حنین کا ہاتھ تھامے اُن کے روم سے نکل گئی تھی۔ اس نے حنین کو اُس کے کمرے میں چھوڑا تھا اور کچن میں آگئی تھی، کھانا گرم کر کے حنین کو کھلایا تھا اور برتن دھو کر وہ کچن سے نکل رہی تھی کہ اسجد کو دیکھ کر ٹھٹھک کر رُک گئی تھی۔

''اسجد بھائی! کچھ چاہیئے تھا آپ کو؟''

''مجھے کچھ پوچھنا ہے شازمین!'' اُس نے بہن کو بیٹھنے کے لئے اشارہ کرتے ہوئے کہا، اور وہ سوالیہ نگاہوں سے اسجد کو دیکھنے لگی تھی۔

''میں ابو سے کوئی فائل ڈسکس کرنے گیا تھا، کل پریزنٹیشن ہے اور ذرا سی کوتاہی سے لاکھوں کا کونٹریکٹ ہمارے ہاتھوں سے نکل سکتا ہے، اس کے باوجود ابو نے مجھے اچھا رسپانس نہیں دیا، وہ مجھے بہت پریشان اور دُکھی لگ رہے تھے کیا تم جانتی ہو ابو اور حنین کے درمیان کیا باتیں ہوئیں؟ ہو نہ ہو حنین ہی ابو کی پریشانی کی وجہ ہے''۔

''مجھے کچھ اندازہ نہیں ہے بھائی! کہ حنین سے اُن کی کیا بات ہوئی؟ جب ابو نے مجھے بلایا تھا حنین اُن کے کندھے سے لگی بری طرح رو رہی تھی، ابو نے کہا میں حنین کو کمرے میں لے جاؤں، حنین کچھ کہنا چاہتی تھی جس کا ابو نے اُسے موقع نہیں دیا اور اس سے کہا کہ وہ جب چاہے آفس جوائن کرسکتی ہے''۔

''واٹ.....! ابو نے حنین کو آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دی، مگر کیوں؟''

''میں خود نہیں جانتی، ایک دفعہ میں نے بھی ابو سے اس سلسلے میں بات کی تھی مگر ابو نے سختی سے منع کردیا تو میں نے یہ چیپٹر ہی کلوز کردیا، مگر اب حنین کو ابو نے اجازت دی ہے تو میں وجہ نہیں سمجھ پا رہی، اور ابو مجھے بھی کافی اپ سیٹ لگ رہے تھے، بھائی! کہیں چچی کا خدشہ صحیح تو نہیں تھا؟'' وہ کچھ خیال آنے پر اُسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا؟''

''بھائی! چچی کہہ رہی تھیں ناں کہ حنین نے اُن سے بدتمیزی کی تھی، تو کہیں اُس نے ابو سے بھی.....! اسی لئے ابو نے اُسے اجازت دے دی، ورنہ تو میں نے خود امی اور ابو کی باتیں سنی تھیں، ابو کہہ رہے تھے کہ وہ حنین کو کبھی اجازت نہیں دیں گے، جیسے مجھے نہیں دی تھی، کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ ان کی بیٹیاں ورکنگ وومن بنیں، امی نے کہا تھا کہ پھر آپ نے صاف منع کیوں نہیں کیا؟ تو ابو بولے کہ گریجویشن کے بعد وہ حنین کی شادی کردیں گے، اور اس کی طبیعت میں ضد ہے اس لئے انہوں نے وقتی طور پر حامی بھرلی ہے، تاکہ وہ یکسوئی سے اپنی تعلیم مکمل کرلے''۔ شازمین نے اچانک سن لینے والی باتوں کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی بات مکمل کی تھی۔

''حنین کافی منہ پھٹ اور بدتمیز ہے، یقیناً اس نے ابو سے بدتمیزی کی ہے اور اگر واقعی ایسا ہوا تو حنین کے حق میں اچھا نہیں ہوگا''۔ اُس کا غصہ عود کر آیا تھا۔

''بھائی! آپ غصہ نہیں کریں، حنین اس طرح آپ سے خائف.....!''

''مجھے کسی کی بھی ناراضی کی فکر نہیں ہے، وہ اس گھر کی بیٹی ہے اور اُسے باقی بیٹیوں کی طرح ہی زندگی گزارنا ہوگی، من مانیوں کی اجازت نہیں دے سکتے، کسی بھی وجہ سے ابو نے اُسے آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دی ہو مگر میں خود ابو سے بات کروں گا، وہ آفس نہیں جائے گی۔ تم اُٹھو جا کر سوؤ، ہر وقت گھن چکر بنی رہتی ہو، کچھ ذمہ داریاں اُسے بھی دو، گھر سنبھلتا نہیں ہے، محترمہ آفس سنبھالنے چلی ہیں''۔ وہ غصے سے تن فن کرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا اور شازمین پریشانی سے وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆.........☆.........☆

''آج کل کہاں غائب ہو، دکھائی نہیں دیتے؟''

''مصروفیت ہی ایسی رہی، پاپا کو انجائنا کا اٹیک ہوا تھا''۔

''کیا... کب؟ اور کسی نے مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا''۔ ارحم اُسے تیز نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

''میں نے تمہیں جان کر ڈسٹرب نہیں کیا ارحم! تم نے حال ہی میں اپنی پوسٹ سنبھالی ہے، میں نے سوچا تم مصروف ہوگے، کچھ دنوں سے تم نے کوئی کال یا میسج بھی تو نہیں کیا تھا اسی لئے میں نے تمہیں پریشان نہیں کیا، مگر تم فکر مند نہ ہو، پاپا اب بالکل ٹھیک ہیں، یاد کررہے تھے تمہیں، فرصت ہو تو آجا''۔

''تف ہے تجھ پر فضیل! اب مجھ سے اتنا فارمل ہو کر بات کرے گا، تیرا دماغ تو ٹھکانے پر ہے؟'' ارحم نے غصے سے کہتے ہوئے آدھا بھرا ہوا گلاس اُس کے سر پر ڈال دیا تھا۔

''ٹھنڈ لگنے سے کھلا کچھ دماغ، کہ میں تیرا بچپن کا دوست ارحم الحسن ہوں''۔ وہ بہت ٹھنڈے لہجے میں بولا تھا اور فضیل اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا تھا۔

''میرا نہیں، دماغ تیرا خراب لگ رہا ہے، جناب انسپکٹر ہوتے ہیں اور حرکتیں بالکل بچوں والی''۔

''اوئے گھامڑ! یہ تشدد کا سب سے آسان طریقہ ہے، پانی ڈالنے سے سمجھ نہیں آیا تو بال کھینچ کر بتاؤں؟'' اب کے وہ مسکرا کر بولا تھا۔

”اپنے تشدد کے طریقے اپنے پاس رکھ، اور شرافت سے کچھ آرڈر کر، سخت بھوک لگ رہی ہے، تیرا جب فون آیا میں گھر کے لئے ہی نکل رہا تھا اس لئے یہاں آ گیا اور تُو ہے کہ مجھ پر ہی اپنی انسپکٹری کے جوہر دکھانے لگا“۔

”بتاؤ کیا آرڈر کرنا ہے، بچپن سے تُو ندیدہ واقع ہوا ہے، کھانے کا شوق ہے مگر بل بھرنے کا موصوف کو ذرا سا بھی خیال نہیں آتا“۔ ویٹر کو اشارہ کیا تھا جبکہ فضیل ڈھٹائی سے ہنس دیا تھا کیونکہ ارحم نے کہا بالکل ٹھیک تھا کہ بل ہمیشہ ارحم ہی پے کرتا تھا وہ تو بس نئی ڈشز آرڈر کرتا رہتا تھا کیونکہ وہ کھانے پینے کا بے حد شوقین تھا۔

”پچھلے دنوں میں ایک کیس کے سلسلے میں دیر تک مصروف رہا، رات گئے گھر آیا تھا ورنہ ماما، ضرور انکل کی طبیعت کا بتاتیں“۔

”آنٹی راحم کے ساتھ آئی تھیں پاپا کو دیکھنے، تب انہوں نے تمہاری مصروفیت کا بتایا تھا اسی لئے میں نے تم سے کوئی ذکر نہیں کیا“۔ وہ برگر سے انصاف کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”فضیل! میری سمجھ میں نہیں آتا، تُو کھا اور بول ایک ساتھ کیسے لیتا ہے؟ مجھ سے کبھی نہیں ہوتا“۔ وہ اس کی اسپیڈ سے پریشان ہوا تھا۔

”پولیس لائن میں آ گیا ہے نا تو اب ہو جایا کرے گا“۔ اُس نے چھیڑا تھا۔

”تُو کون سے جنم میں حوالدار تھا جو ایسے کہہ رہا ہے؟“ وہ تپ گیا تھا۔

”یار! میرے تو پورے خاندان میں کوئی حوالدار نہیں گزرا، ہاں مما بتاتی ہیں ان کی بیسٹ فرینڈ کا بیٹا ضرور حال میں ہی حوالدار مقرر ہوا ہے“۔ وہ جو بڑے غور سے اُس کی بات سُن رہا تھا آخر میں اُس کی بات کا مطلب سمجھ کر اُسے گھورنے لگا تھا اور اُس نے زبردست قہقہہ لگایا تھا، جس کی وجہ سے کتنے ہی لوگ ان کی ٹیبل کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

”گدھوں کی طرح ہنسنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ تیرا بیڈ روم نہیں پبلک پلیس ہے“۔

”ہاں یار! تُو نے ٹھیک کہا، مگر آج کل مجھے میرا بیڈ روم بھی کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے“۔ ارحم نے اُسے احساس دلانا چاہا تھا تب اس نے معصومیت طاری کی تھی جبکہ اس کے تو خاک بھی پلّے نہیں پڑا تھا۔

”میں تیری اس بکواس کا مطلب نہیں سمجھا“۔

”یار! صاف بات ہے، اس کمرے میں اکیلے رہتے ہوئے تو زندگی گزر گئی، اب تو بس یہی خواہش ہے کہ میرے کمرے کے ساتھ میرے وجود کو آباد کرنے والی جلدی سے آ جائے“۔ اس نے ایک ادا سے کہتے ہوئے کولڈ ڈرنک کے سپ لینا شروع کر دیئے تھے۔

”مجھے تو اُس بے چاری کے حال پر ابھی سے ترس آنے لگا ہے، جو تیری بیوی بنے گی، روز ہی رویا کرے گی بے چاری“۔

”اللہ نہ کرے، روئیں اُس کے دشمن، یار! یہ دُعا تو مت دے“۔

”سوری فضیل! میں تو بس مذاق کر رہا تھا، میں بددُعا نہیں دے رہا تھا، کیا میں تجھے بددُعا دے سکتا ہوں؟“

”او میرے یار! ایک دم اسٹریس مت ہو جایا کر، میں بھی مذاق کر رہا تھا اور ذرا ویٹر کو بلا کر پیزا تو آرڈر کر دے“۔ اُس کی فرمائش پر اس نے ویٹر کو ایک بار پھر اشارہ کیا تھا۔

”فضیل! تُو نے کبھی بتایا نہیں وہ لڑکی آخر ہے کون جس سے تُو محبت کرتا ہے؟“ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اُس نے استفسار کیا تھا۔

”ہے ایک پیاری سی، نازک سی، جو تیرے یار کے دل میں دھڑکن بن کر دھڑکتی ہے“۔ اس کے لبوں پر بڑی ہی خوبصورت مُسکراہٹ ٹھہر گئی تھی۔

”وہی پوچھ رہا ہوں، وہ کون ہے؟“

”زرمین عالم“۔ نام سنتے ہی ارحم کو ایک عجیب سا احساس ہوا تھا اور وہ بڑی ہی حیرانگی اور ناگواری سے فضیل کو دیکھنے لگا تھا۔

”تیری آنکھوں میں لکھی ناگواری کی تحریر سے بچنے کے لئے ہی میں نے کبھی تجھے نام نہیں بتایا، جب کہ میں نے محبت کی ہر شدت تجھ سے شیئر کی ہے، میں جانتا ہوں ارحم! کہ زرمین تیری کزن ہے اور عزت و غیرت دار بھائیوں کے لئے کسی غیر مرد کے منہ سے اپنی بہن کا نام سننا ممکن ہی نہیں ہوتا اور باخدا میں آج بھی تجھ سے کچھ نہ کہتا مگر اب میرا زرمین سے شرعی رشتہ جڑنے والا ہے اس لئے مجھے کچھ بتانا معیوب نہیں لگا“۔

”تُو کیا کہہ رہا ہے، یا کہنا چاہتا ہے؟ میں بالکل نہیں سمجھا“۔

”کیا مطلب.... کیا تجھے نہیں پتہ کہ زرمین کی مجھ سے شادی ہونے والی ہے؟“ اُس کے نفی میں سر ہلا دینے پر اُس کی حیرانگی بڑھ گئی تھی۔

”مجھے واقعی ایسی کسی بات کا علم نہیں ہے“۔ وہ زور دے کر بولا تھا۔

”کل ہی تو تمہارے ماموں جان نے ہمیں مثبت جواب دیا ہے اور انہوں نے کہا کہ منگنی وغیرہ سے بہتر 3 ماہ بعد شادی“۔

”ادھوری نہیں.... پوری بات تفصیل سے بتاؤ“۔ ارحم نے اُسے ٹوکا تھا اور وہ اُسے تفصیل بتانے لگا تھا۔

”تم تو جانتے ہو ارحم! کہ فیصل کی بات ماموں کی بیٹی سمیرا سے طے ہے اور ممانی کی ڈیتھ کو کافی عرصہ ہو گیا ہے اور آج کل ماموں جان کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں رہتی بس اسی لئے وہ شادی پر زور ڈال رہے تھے کہ ان کی اکلوتی بیٹی کی شادی ان کی زندگی میں ہی ہو جائے بس اسی لئے مما میرے سر پر سوار ہو گئیں کہ میں شادی کے لئے حامی بھر لوں کیونکہ وہ ہم دونوں بھائیوں کی شادی ساتھ کرنا چاہتی ہیں، ویسے بھی فیصل مجھ سے چھوٹا ہے اور مجھ سے پہلے اس کی شادی وہ کرنا نہیں چاہتیں، اسی لئے مما نے کہا مجھے کوئی پسند ہے تو میں بتا دوں ورنہ وہ خود میرے لئے لڑکی پسند کر لیں گی، اور میں نے زرمین کا نام لے دیا اور مما وہ تو فوراً ہی راضی ہو گئیں، اُسی وقت تمہاری مما کو فون کیا کہ وہ تمہارے ماموں سے میرے رشتے کی بات کریں، 3 دن بعد ہی آنٹی کا فون آ گیا کہ مما باقاعدہ میرا رشتہ لے کر تمہارے ماموں کے گھر چلی جائیں اور آج سے 2 دن پہلے ہی مما زرمین کا رشتہ لے کر گئیں جو اُسی وقت منظور ہو گیا، تمہارے ماموں جان کی مرضی تھی کہ ابھی منگنی ہو جائے سال بھر بعد شادی، مگر ماموں کی طبیعت کے پیشِ نظر تمہارے ماموں راضی ہو گئے، کل ہی تو تمہاری مما نے فون کر کے کہا تھا کہ 3 ماہ بعد کی ڈیٹ فکسڈ کر لیتے ہیں، کیونکہ میرا خیال ہے راحم اور مائدہ کی شادی بھی ساتھ ہی ہو گی“۔ فضیل نے ساری تفصیل بتا کر آخر میں اپنا خیال بھی ظاہر کر دیا تھا۔

”اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے کسی نے بتایا بھی نہیں“۔

”تیری مصروفیت....!“

”کہیں کا وزیرِاعظم نہیں لگ گیا ہوں جو مجھے ذرا سی بھی فرصت نہیں ہے، مجھے ہر بات سے ایسے بے خبر رکھا گیا جیسے میرا کسی سے کوئی تعلق ہی نہ ہو“۔ ارحم کو حقیقتاً دکھ پہنچا تھا۔

”تُو فضول میں بدگمان ہو رہا ہے ارحم! ورنہ جو کچھ ہوا وہ محض 3 دنوں میں ہی ہوا، اور میں نے تو تجھ سے کبھی کچھ

نہیں چھپایا تو اپنی زندگی کی اتنی بڑی خوشی تجھ سے کیوں چھپاتا؟ مگر تُو ہرٹ ہوا ہے تو آئی ایم سوری ارحم! مجھے تیری ناراضی کی فکر نہ ہوتی تو میں تجھے ضرور بتاتا کہ زرمین کے لئے میں کس طرح سے سوچتا ہوں، ریئلی ویری سوری!'' فضیل نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا اور وہ ہلکے سے مسکرا دیا تھا۔

''اِٹس او کے، لیکن تجھے کیا لگتا ہے کہ میں نہیں جانتا تھا کہ تُو زرمین کو پسند کرتا ہے، اتنا بے وقوف نہیں ہوں، سب خبر تھی مجھ کو کہ تیرے کیا ارادے ہیں''۔ وہ فضیل کو تیکھی نگاہوں سے دیکھ کر بولا تھا۔

''تُو نے کبھی ظاہر نہیں کیا''۔ وہ متحیر ہوا تھا۔

''جب تُو نے مجھے نہیں بتایا تھا تو میں کیوں ظاہر کرتا کہ میں تیرے بتائے بغیر بھی تیرے دل کی بات جان گیا ہوں اور احسان مان میرا کہ میں نے تیرے عشق کی نیّا کو ڈوبنے سے بچالیا''۔ فضیل اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔

''مما، زرمین کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں''۔

''واٹ....؟'' اس کے انکشاف پر وہ بُری طرح چلّایا تھا۔

''زیادہ مت چلّا، ایسا نہ ہو بیرے تجھے اُٹھا کر ریسٹورنٹ سے باہر پھینک دیں''۔ اس کی کیفیت سے وہ خفا اُکھڑا تھا۔

''اس سے پہلے کہ میں تیرا گلا دباؤں، صاف صاف بول آخر بات کیا ہے؟''

''بات کچھ نہیں ہے، مما چاہتی تھیں کہ میری شادی زرمین سے ہوجائے مگر میں نے زرمین کے بارے میں ایسا کبھی نہیں سوچا''۔

''سوچنا بھی مت، ورنہ جان لے لوں گا''۔

''ہاں، مار لے جتنے ڈائیلاگ مارنا ہے مار لے، ابھی تو بڑی بڑی باتیں کررہا ہے ورنہ منہ کو سیے بیٹھا تھا، وہ تو میری چھٹی حِس نے مجھے سمجھا دیا تھا ورنہ، مجھے تو کوئی لڑکی پسند نہیں تھی میں نے مما کی پسند کی لڑکی پر سر جھکا دینا تھا اور تُو نے ناکام عاشق بن جانا تھا، منہ سے پھر بھی کچھ نہ کہتا مجھے رقیب سمجھ کر رات دن کوستا رہتا، پھر کہاں کا دوست اور کہاں کی یاری؟'' اس نے زبردست طریقے سے فضیل کو لتاڑا تھا۔

''دوست ہو تو تیرے جیسا، جیو میرے یار! ویسے یہ بتا کہ میری پسند ہے نا لاجواب؟'' وہ کہاں زیادہ دیر سنجیدہ رہ سکتا تھا۔

''ہاں، تمہاری پسند واقعی لاجواب ہے، زرمین لاکھوں میں ایک لڑکی ہے اور کان کھول کر سُن لے تُو نے میری بہن پر ظلم کرنے کی کوشش کی تو حوالات میں بند کردوں گا''۔ اُس نے اپنی وردی کا رعب جھاڑا تھا۔

''آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر سالے صاحب! میری یہ مجال کہ میں ایک انسپکٹر کی بہن پر ظلم و ستم کروں، معافی دیں سرکار!'' اس نے ہنستے ہوئے مسخرے پن سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے اور اس نے بھی جواباً ہنستے ہوئے ہاتھ کا مکّا سا بنا کر اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں پر مارا تھا۔

''یار! میں بہت خوش ہوں، مگر یہ نہیں جانتا کہ زرمین میرے بارے میں کیا سوچتی ہے وہ اس رشتے سے خوش بھی یا نہیں؟'' نئی فکر لاحق ہوئی تھی۔

''تُو زیادہ کیوں سوچتا ہے، جب اتنے برس انتظار کیا ہے تو 3 ماہ اور سہی، بتا دینا اسے اپنی محبت کی داستان، اور اس کی شدت، اور ویسے بھی لڑکیاں تو ہوتی ہی بہت معصوم ہیں، جہاں ان کے پیرنٹس شادی کردیتے ہیں کرلیتی ہیں اور جس سے شادی ہوئی ہو وہ ناپسند بھی ہو تب بھی خود کو اس کی پسند کے سانچے میں ڈھال کر تن من سے صرف اُسی کی ہوجاتی ہیں''۔

''تجھے بڑا ایکسپیرئنس ہے، کسی کو کہیں تُو دل تو نہیں دے بیٹھا، بتا کون ہے؟''

''میری زندگی میں ابھی تک کوئی لڑکی نہیں ہے، جب کبھی دل سے کسی کا گزر ہوا تو سب سے پہلے تجھے ہی بتاؤں گا''۔ سچائی سے کہا تھا۔

''میرا خیال ہے تجھے بھی اب سیریس ہوجانا چاہیئے اور میرا نہیں خیال کہ آنٹی تیری شادی سے پہلے راحم کی کریں گی''۔

''یار! میں شادی سے انکار نہیں کرتا، مگر ابھی بالکل نہیں کرسکتا، ابھی تو میرا کیریئر شروع ہوا ہے، مجھے ابھی اپنی پہچان بنانی ہے، کم از کم 4 سال تک تو میں شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا اور اس سلسلے میں میری مما سے بات ہوچکی ہے، اس لئے وہ راحم کی شادی کردیں گی اور جہاں تک میری بات ہے اگر کوئی پسند آ گئی تو مما کو بتا دوں گا اور نہیں آئی تو مما کی پسند کی لڑکی سے شادی کرلوں گا''۔ اس نے بات ہی ختم کردی تھی اور وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے جانے کے لئے اُٹھ گئے تھے۔ انہوں نے ایک بھرپور شام ایک ساتھ گزاری تھی اور یہ بہت دنوں بعد ہوا تھا ورنہ روز ہی اس طرح گھنٹوں کے لئے ملا کرتے تھے۔

☆..........☆..........☆

''اتنی صبح کہاں جانے کی تیاری ہے؟'' اسجد نے نک سک سے تیار حنین کو دیکھ کر استفسار کیا تھا۔ وہ اپنی معمول کی تیاری سے بہت ڈیفرنٹ تیار ہوئی تھی کیونکہ وہ عموماً ڈارک کلرز پہنتی تھی جبکہ اس وقت اس نے لائٹ آسمانی کلر کا کاٹن کا سوٹ پہنا ہوا تھا جس پر فیروزی کلر سے ہاتھ کی کڑھائی تھی اور لائٹ نیچرل میک اپ میں اس کے خوبصورت نین نقش اُبھر کر اس کو مزید خوبصورت بنا رہے تھے۔

''اسجد بھائی! آج آفس میں میرا فرسٹ ڈے ہے، میں آج سے آفس جوائن کررہی ہوں''۔ اس نے سلائس کترتے ہوئے بتایا تھا۔

''تم آفس نہیں آؤ گی''۔ وہ قطعیت سے بولا تھا۔

''آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے میں تایا ابو سے اجازت لے چکی ہوں''۔

''میں ابو سے بات کرلوں گا مگر تم سُن لو کہ تم گھر میں رہو گی، آفس جوائن نہیں کرو گی''۔ وہ ناشتہ کیے بغیر کرسی کھسکا کر اُسے گھورتا ہوا اُٹھ گیا تھا اور اُسی وقت ساجدہ کچن سے نکل کر آئی تھیں۔

''اسجد بیٹا! تم ناشتہ کرلو، اس لڑکی کو اس کے حال پر چھوڑ دو''۔

''قطعی نہیں چچی! ابو نے اس کو اجازت دے کیسے دی؟''

''آپ جا کر خود ان سے پوچھ لیں اور میں آفس ضرور آؤں گی، آپ مجھے روک نہیں سکتے''۔ وہ آرام سے ناشتہ ختم کررہی تھی۔

''میں بھی دیکھتا ہوں، تم کیسے آفس آتی ہو''۔ وہ غصے سے کھولتا پلٹا تھا کہ باپ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔

''اسجد! ناشتہ کرلیا؟'' راشدہ نے پوچھا تھا مگر اس نے جواب دینے کی بجائے باپ سے پوچھا تھا۔

''ابو! آپ نے اسے آفس جوائن کرنے کی اجازت کیوں دی؟''

''تمہیں کوئی اعتراض ہے؟'' وہ بیٹے کے غصے کو کسی خاطر میں نہیں لائے تھے۔

''ابو! مجھے اعتراض ہے، حنین آفس نہیں آئے گی''۔

''میں حنین کو اجازت دے چکا ہوں''۔

''آپ نے شاز مین کو تو اجازت نہیں دی تھی، پھر حنین کو کیوں دی؟''

''تمہیں صرف اس لئے اعتراض ہے کہ میں نے شاز مین کو اجازت نہیں دی تھی؟''

''یہ بات نہیں ہے ابو! کیونکہ میرے لئے جیسے شاز مین ہے ویسی ہی حنین بھی ہے، اور مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میری بہن نوکری کرے''۔

''میں کہیں اور جاب نہیں کر رہی، اپنے خاندانی بزنس....!''

''جاب، جاب ہوتی ہے حنین! اور یہ میں نہیں چاہتا کہ تم آفس آؤ''۔

''مگر میں آؤں گی، کیونکہ اگر بزنس پر آپ کا حق ہے تو میں بھی اس بزنس پر پورا حق رکھتی ہوں، ابو کی تمام پراپرٹی کی میں اکیلی وارث ہوں''۔ وہ بے سوچے سمجھے کہتی سب کو حیرانگی کے اتھاہ سمندر میں اُتار گئی تھی۔

''حنین! تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی ایسی گری ہوئی بات کرنے کی؟'' ساجدہ نے غصے سے اُسے تھپڑ کھینچ مارا تھا سب جو اس کی بات کے اثر سے ہی نہیں سنبھلے تھے کہ ساجدہ کا اقدام انہیں مزید حیران کر گیا تھا۔

''خبردار، جو ایسا کچھ منہ سے نکالا، بھائی صاحب کے ہم پر احسان کم نہیں ہیں اور تم احسان فراموش....!'' انہوں نے دوبارہ ہاتھ اُٹھایا تھا کہ راشدہ بیچ میں آ گئی تھیں۔

''ساجدہ! پاگل ہو گئی ہو؟''

''اس لڑکی نے مجھے پاگل ہی تو کر دیا ہے، اتنی محبتوں کے صلے میں یہ آپ لوگوں کو کیا دے رہی ہے؟'' وہ افسوس اور تاسف بھری نگاہوں سے بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔

''اور میرا فیصلہ بھی نہیں بدلے گا، تم آفس میں قدم بھی نہیں رکھو گی''۔ وہ اُسے تیز نظروں سے دیکھتا اپنا بریف کیس اُٹھائے باہر نکل گیا تھا۔

''دیکھ لیا تم نے، زندگی میں پہلی دفعہ اسجد صرف تمہاری وجہ سے بھوکے پیٹ غصے میں نکلا ہے، میں تمہیں....''

''ساجدہ! بات کو بڑھانے سے فائدہ نہیں ہے''۔ انہوں نے ساجدہ کو قابو کیا تھا جو بیٹی کو مارنے کے لئے لپکی تھیں۔

''تایا ابو! جب آپ نے خود مجھے اجازت دی ہے تو اسجد بھائی مجھے کیسے منع کر سکتے ہیں؟''

''حنین! آپ اس وقت اپنے کمرے میں جاؤ، میں اسجد کو سمجھاؤں گا''۔

''لیکن تایا ابو! آج مجھے آفس جوائن کرنا تھا، آپ نے خود ہی تو کہا تھا''۔

''حنین! تم سے نوید نے کچھ کہا ہے، تمہیں سنائی نہیں دیتا؟'' راشدہ کے ڈپٹنے پر وہ بات روک گئی تھی۔

''آج نہیں تو کل، لیکن مجھے ہر حال میں آفس جوائن کرنا ہے، اسجد بھائی نہیں چاہتے کہ میں آفس جاؤں تو میں کہیں اور جاب ڈھونڈ لوں گی، مگر یہ تو طے ہے کہ مجھے جاب کرنی ہے''۔ وہ بات مکمل کر کے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی جبکہ اس کی اتنی بدتمیزی پر سب ہی حیران رہ گئے تھے۔

''آپ سب لوگوں سے میں بے حد شرمندہ ہوں، مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ابھی اتنی بدتمیزی جو کر کے گئی وہ میری ہی بیٹی ہے، مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ میری بیٹی بڑی ہو کر اس قدر بدلحاظ و بدتمیز ہو جائے گی''۔ وہ کسی کو بھی دیکھے بغیر کہہ کر روتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی تھیں، آج صحیح معنوں میں انہیں شوہر کی کمی محسوس ہوئی تھی، کمرے میں بھی آ کر وہ کتنی ہی دیر روتی رہی تھیں۔

☆..........☆..........☆

''آپ میری کال ریسیو کیوں نہیں کر رہے؟'' اسجد کا آج دماغ گھوما ہوا تھا وہ ورکرز کے ساتھ اونچی آواز اور سختی کا قائل ہی نہیں تھا مگر آج جو کچھ ناشتے کی ٹیبل پر ہوا اُس کا غصہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا، وہ اپنے اسسٹنٹ اور پرسنل سیکریٹری کو بھی ڈانٹ چکا تھا، وہ پہلے ہی غصے میں تھا اور مستقل آتی کال اُس کے غصے میں اضافے کا باعث بن رہی تھی، اُس نے طیش کے عالم میں موبائل دیوار پر مارنا چاہا تھا کہ میسج ٹون بجی تھی اور نجانے کیا سوچ کر اس نے میسج اوپن کیا تھا۔

''آپ نے اب میری کال ریسیو نہیں کی تو میں آپ سے اتنی دور چلی جاؤں گی کہ آپ میری آواز سننے اور شکل دیکھنے کو بھی ترس جائیں گے''۔ میسج پڑھنے کے بعد خود بہ خود اُس کی اُنگلیاں کال ملانے لگی تھیں۔

''ہیلو!'' بڑی بے قراری سے کہا گیا تھا۔

''فارغ نہیں بیٹھا تھا کہ تمہاری کال فوراً ریسیو کر لیتا، ہزاروں کام ہوتے ہیں''۔

''آپ مجھ سے اس طرح بات کیوں کر رہے ہیں؟''

''دماغ خراب ہو گیا ہے میرا، اور بس....! تم کہو ایسی کیا ایمرجنسی تھی کہ اسی وقت بات کرنا تھی، اور میسج میں کیا بکواس لکھی تھی؟''

''وہ بکواس نہیں تھی، خالہ جان میری شادی کر رہی ہیں، اور میں صرف آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں اسجد! آپ اپنے پیرنٹس کو میرا رشتہ لے کر بھیجیں''۔

''جہاں تمہارے گھر والے تمہاری شادی کر رہے ہیں وہیں خاموشی سے شادی کر لو''۔ یہ بات اُس نے جس طرح کہی تھی یہ وہی جانتا تھا اور فون کی دوسری جانب موجود یسریٰ کانپ ہی تو گئی تھی۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''سنائی نہیں دیا تھا تو ایک بار پھر کہہ دیتا ہوں، میرا خیال دل سے نکال کر جس سے خالہ تمہاری شادی کریں کر لو، میرے پیرنٹس تمہارے گھر نہیں آئیں گے''۔

''لیکن کیوں اسجد؟ آپ نے تو کہا تھا آپ اپنے پیرنٹس....!''

''وہ سب جھوٹ، بکواس تھا''۔

''آپ مجھ سے فلرٹ کر رہے تھے؟'' اس کی آواز حلق میں پھنسنے لگی تھی۔

''یہی سمجھ لو اور آئندہ اس نمبر پر کال....''

''آپ بھلے مجھ سے فلرٹ کر رہے ہوں، مگر میں نے آپ سے سچی محبت کی ہے''۔

''قصے کہانیوں کی روداد مجھے مت سناؤ''۔

''آپ کو میری محبت جھوٹی داستان لگتی ہے، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ ایسا کریں گے''۔

''اب پتہ چل گیا ہے ناں، تو میرا پیچھا چھوڑ دو''۔

''مجھ سے پیچھا چھڑانے کی بہت جلدی ہے ناں آپ کو، تو میری بھی سن لیں، میں نے صرف آپ سے محبت کی ہے، اور میں جان تو دے سکتی ہوں مگر کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی، بہت جلد آپ کو میری شادی کی نہیں موت کی خبر سننے کو ملے گی''۔

''یسریٰ!'' آفس کی چھت اُسے اپنے سر پر گرتی محسوس ہوئی تھی۔

''فلرٹ آپ کر رہے تھے، میں نہیں، اور میں محبت پر جان قربان کر دوں گی''۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی، مگر آنسو اُس کے چہرے کو تر کر رہے تھے۔

''پاگل ہوگئی ہو یسریٰ!''

''ہاں، ہاں! میں پاگل ہوگئی ہوں، آپ کی محبت و چاہت میں''۔

''فضول باتیں مت کرو''۔

''آپ کو میری محبت فضول لگتی ہے اور میں ثابت کروں گی کہ میری محبت آپ کی محبت کی طرح جھوٹ، فریب نہیں ہے''۔ اس نے موبائل آف کر کے بیڈ کی سائیڈ پر ڈال دیا تھا اور تکیے میں منہ چھپائے اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہی تھی، اسجد تو اُس کی اتنی شدت پر حیران رہ گیا تھا اور بڑی بے قراری سے اُس کا نمبر ڈائل کر رہا تھا، بیل تو جا رہی تھی مگر وہ ریسیو نہیں کر رہی تھی۔

''ڈیم اٹ! کال تو ریسیو کرو پاگل لڑکی!'' آٹھویں کال پر اُس نے یس کیا تھا۔

''یسریٰ!''

''مر گئی یسریٰ، آپ نے مار دیا اُسے، اب یہاں کال کیوں کر رہے ہیں؟ فلرٹ کر رہے تھے ناں مجھ سے؟ تو اب کیوں پریشان ہو رہے ہیں؟ میں جیوں یا مروں آپ کو اس سے مطلب؟''

''مطلب ہے''۔ اس کی بھرائی ہوئی آواز اُسے پریشان کر رہی تھی۔

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں''۔

''مگر میں آپ سے ملنا نہیں چاہتی، بہت بنا لیا آپ نے مجھے بے وقوف، مگر اب میں آپ کے ہاتھوں بے وقوف ہرگز نہیں بنوں گی''۔

''میری بات تو سنو یسریٰ!''

''نہیں سننی مجھے آپ کی کوئی بات، آپ بہت امیر ہیں نا؟ آپ کو تو کوئی بھی مالدار لڑکی مل سکتی ہے، میری جیسی غریب لڑکیوں سے تو آپ جیسے امیر زادے محض فلرٹ کرتے ہیں، ہمارے جذبات سے کھیلتے ہیں، ہماری بے بسی کا مذاق اُڑاتے ہیں''۔

''بکواس نہیں کرو''۔

''اب میری ہر بات بکواس ہی لگے گی نا، مگر میں بکواس نہیں کر رہی اسجد! آپ نے میرے جذبات کو بری طرح ٹھیس پہنچائی ہے، مجھے زندگی کبھی اچھی نہیں لگی، سسکتی ہوئی زندگی، آپ سے ملنے کے بعد جانا زندگی کتنی حسین ہے، جینے کی تمنا کرنے لگی تھی میں، اور آج آپ نے ساری تمناؤں کو اپنے قدموں تلے روند ڈالا، میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی، میری موت کے بعد تو آپ بھی سکون سے نہیں جی سکیں گے''۔

''شٹ اپ، اب ایک لفظ اور کہا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا، اسٹاپ پر آؤ، میں تمہیں پک کر لوں گا''۔ وہ اُٹھتے ہوئے غصے سے کہہ رہا تھا۔

''مگر میں.....!''

''کہا ناں..... کچھ مت بولو''۔ گاڑی کی چابی اُٹھاتے ہوئے اُسے ڈپٹا تھا۔

''میں نہیں آؤں گی''۔ وہ چیخی تھی۔

''میں پہنچ کر تمہیں میسج کر دوں گا، اور تم 5 منٹ میں نہیں آئیں تو میں تمہارے گھر آ جاؤں گا''۔ پارکنگ کی طرف

جاتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''آپ اب مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟'' وہ دھیمی پڑ گئی تھی۔

''آؤ تو بتاؤں گا''۔ یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا، اس کے آفس سے یسریٰ کے گھر تک کا راستہ تقریباً 45 منٹ کا تھا مگر وہ محض 25 منٹ میں ریش ڈرائیونگ کرتا وہاں پہنچا تھا، میسج کرنے کے 10 منٹ بعد وہ ایک تنگ، پتلی سی گلی سے آتی دکھائی دی تھی، اور اُس نے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا۔

''آپ کو جو بات کرنی ہے یہیں.....''

''خاموشی سے بیٹھتی ہو یا چاہتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ زبردستی کروں؟'' اسجد نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا تھا، ململ کاٹن کے پرنٹڈ سوٹ میں بڑی سی سیاہ چادر میں وہ خود کو لپیٹے اور اُسی کا حصار چہرے پر کیے بھیگی آنکھوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی اور اُس نے فوراً ہی گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی وہاں سے بڑی تیزی سے نکالی تھی۔

☆............☆............☆

''بھابی بیگم! آپ بات کر لیں بھائی صاحب سے، پھر وہ جیسا کہیں گے میں مہوش سے کہہ دوں گی''۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے فریدہ! مگر مجھے نہیں لگتا کہ نوید راضی ہوں گے، 15، 20 دن میں شادی کرنا آسان نہیں ہے''۔ وہ گومگو کی کیفیت میں بولی تھیں۔

''بھابی بیگم! تیاریاں تو 20 دن میں بھی ہو سکتی ہیں، اور فیصل دیکھا بھالا لڑکا ہے، فیصلی کو ہم اچھے سے جانتے ہیں اور مہوش کو جہیز وغیرہ نہیں چاہیئے''۔

''لیکن فریدہ! ہم بیٹی کو خالی ہاتھ رخصت تو نہیں کر سکتے''۔

''لیکن جہیز لینے سے مہوش اور فیاض بھائی دونوں نے ہی سختی سے منع کر دیا ہے، وہ کہہ رہے تھے شادی 20 دن میں ہو یا 20 ماہ بعد، وہ جہیز نہیں لیں گے، خدا کا دیا اُن کے پاس سب کچھ ہے وہ صرف زرمین کو رخصت کر کے لے جانا چاہتے ہیں''۔

''یہ باتیں فون پر کرنے کی نہیں ہیں، گھر آؤ گی تو بات کریں گے، ہم اپنی لڑکی کو خالی ہاتھ تو کبھی رخصت نہیں کریں گے، یہ بات مہوش کے کان میں ڈال دینا''۔

''مہوش سے میری تفصیل سے بات ہو چکی ہے، وہ جہیز لینے سے منع کر رہی ہے مگر اُس نے کہا ہے کہ آپ زرمین کو جو دینا چاہیں دے سکتی ہیں''۔

''یہ کیا بات ہوئی بھلا؟''

''ارے بھابی بیگم! صاف بات تو ہے، گھر کے ساز و سامان یعنی فریج، ٹی وی، فرنیچر وغیرہ جیسی چیزوں سے ہٹ کر آپ زرمین کو زیور، کپڑے جو چاہیں دیں، وہ لوگ زرمین کو کچھ دینے سے منع نہیں کر رہے اور جب ان کے گھر میں یہ سارا سامان پہلے سے موجود ہے تو وہ نہیں لینا چاہ رہے اور اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے، آپ یہ سب بھائی صاحب کو بتا کر کوئی فیصلہ کر لیں، میں رات کو یا پھر کل فون کروں گی''۔ ارحم کو تو آتے دیکھ انہوں نے کہا تھا اور فون رکھ کر اس تک بھی آ گئی تھیں۔

''السلام وعلیکم! مما!''

☆............☆............☆

(جاری ہے)

سعدیہ عابد

قسط نمبر 2

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

''وعلیکم السلام بیٹا! جیتے رہو، آج اُٹھنے میں بہت دیر کر دی؟'' اُس کے ذرا سا جھکنے پر اُنہوں نے بیٹے کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''بس مما! آج مجھے کچھ لیٹ جانا تھا، ناشتے میں کیا ہے؟ سخت بھوک لگ رہی ہے''۔ وہ سیدھا ہوتا ہوا مسکرایا تھا، وہ صبح جلدی اُٹھنے کا عادی تھا، مگر پچھلے 2 ماہ سے اس کی روٹین اتنی اَپ سیٹ ہو گئی تھی کہ حد نہیں، رات دیر تک سونا اور صبح جلدی اُٹھنا، آج موقع ملا تھا تو وہ دن چڑھے تک سوتا رہا تھا، اُسے ایک کیس کے سلسلے میں 2 بجے تک پولیس اسٹیشن پہنچنا تھا، اس لیے اس نے ساڑھے 12 کا الارم لگایا تھا تاکہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر آرام سے وہاں پہنچ جائے۔

''مائدہ بیٹا! پہلے بھائی کے لیے ناشتہ بنا دو، دوپہر کے کھانے کی تیاری بعد میں کر لینا''۔ انہوں نے مائدہ کو بلا کر کہا تھا اور وہ دونوں ڈائننگ ہال میں ہی بیٹھ گئے تھے، مائدہ نے پہلے ان کے لیے چائے بنائی تھی اور اسے دے کر وہ پراٹھا بنانے لگی تھی، کیونکہ ارحم سلائس اور پاپے وغیرہ نہیں کھاتا تھا۔

''ارحم! تمہیں جیسے فراغت ملے اپنے ماموں کے گھر کا چکر ضرور لگا لینا''۔

''آج تو ممکن نہیں ہے، کل کوشش کروں گا، ویسے کیا کوئی خاص بات ہے؟''

''ہاں خاص بات تو ہے، پچھلے کچھ ہفتوں سے تم اتنے معروف رہے کہ میں تمہیں کچھ بتا ہی نہیں سکی اور جو کچھ بھی ہوا

بہت جلدی میں ہوگیا“۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ فریدہ اس کو اب کیا بتانے لگی ہیں، مگر اس نے ظاہر نہیں کیا تھا کیونکہ وہ ماں کو ٹوکنا نہیں چاہتا تھا۔

”فضیل کا زرمین کے لیے مہوش نے رشتہ ڈالا تھا، فضیل گھر کا ہی دیکھا بھالا بچہ ہے، بھائی صاحب نے فضول کے جھنجھٹوں میں پڑنے سے بہتر مثبت جواب دے دیا“۔

”یہ تو اچھی بات ہے مما! اور ویسے بھی فضیل، زرمین کو پسند کرتا ہے، اچھا ہی ہے دونوں کی شادی ہو جائے“۔

”تم نے مجھے پہلے کبھی نہیں بتایا کہ فضیل، زرمین کو پسند کرتا ہے، تو تم نے اسی لیے زرمین سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا؟“

”مما! مجھے لگتا تو تھا کہ فضیل انٹرسٹڈ ہے زرمین میں اور میں نے کبھی زرمین کے بارے میں اس طرح نہیں سوچا تھا، اس لیے منع کیا تھا، فضیل کا ذکر میں نے اس لیے نہیں کیا تھا کہ میں چاہتا تھا کہ فضیل اپنے دل میں زرمین کے لیے سوفٹ کارنر رکھتا ہے تو خود ظاہر کرے، خیر! ان باتوں کو رہنے ہی دیجیے اور یہ بتایئے کہ شادی کا کب تک ارادہ ہے؟“

”مہوش کے بھائی کی طبیعت خراب ہے، انہیں بلڈ کینسر ہے، اس لیے وہ لوگ اسی ماہ شادی کرنا چاہ رہے ہیں“۔

”رات کو ہی تو میری فضیل سے بات ہوئی ہے، وہ تو 3 ماہ بعد شادی کا کہہ رہا تھا“۔ اتنی جلدی کا سن کر وہ بے حد حیران ہوا تھا۔

”مہوش چاہ رہی ہے کہ دونوں بیٹوں کی شادی ساتھ ہی کر دے، کیونکہ فیاض بھائی کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں رہتی اور جب فیصل کی ہو ہی رہی ہے تو فضیل کی بھی ساتھ ہی ہو جائے اور ویسے بھی فیاض بھائی سادگی کو پسند کرتے ہیں، شادی ابھی ہوگی یا سال بعد، ہوگی تو سادگی سے ہی، کیونکہ فیاض بھائی مہندی وغیرہ جیسی رسموں کے سخت خلاف ہیں، اس لیے میں نے بھابی بیگم سے بات تو کی ہے، دیکھو بھائی صاحب کا کیا فیصلہ ہوتا ہے“۔

”اور آپ نے مائدہ کی اور راحم کی شادی کب تک کرنے کا سوچا ہے؟“ مائدہ ابھی اس کا ناشتہ رکھنے آئی تھی تو اسے خیال آیا تھا اور اس کے جاتے ہی اُس نے پوچھا تھا۔

”منگنی کے وقت تو یہی طے ہوا تھا کہ سال، چھ مہینے میں مائدہ اور اسجد کی شادی ہوگی، اور راحم و شازمین کی زرمین کے ساتھ ہوگی، زرمین کی ابھی شادی ہو جاتی ہے تو 6، 7 ماہ بعد ان بچوں کی بھی شادی کر دیں گے، تم اپنی بتاؤ، تمہارا کب تک شادی کرنے کا ارادہ ہے؟“ وہ بیٹے کے لیے گلاس میں جوس نکالتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھیں، وہ جو ناشتہ کرتے ہوئے غور سے انہیں سن رہا تھا، محض مسکرا دیا تھا۔

”مما! صرف 4 سال دے دیں، 4 سال بعد جس سے کہیں گی، شادی کر لوں گا“۔

”ارحم 4 سال بہت ہوتے ہیں، 6، 7 ماہ میں راحم کی شادی کر دی تو اس کے بچے جب تک کتنے بڑے ہو جائیں گے“۔

”اچھا ہے نا مما! راحم کی شادی کر کے بہو لانے کا خواب پورا کریں اور اُس کے بچوں کو کھلا کر دادی بننے کا“۔

”اور تمہیں یونہی تمہارے حال پر چھوڑ دوں؟“ وہ خفا ہوئی تھیں۔

”مما! مجبوری ہے ناں، سمجھا کریں“۔

”کیا سمجھوں؟ 4 سال بعد پتہ ہے کتنے برس کے ہو جاؤ گے؟ پورے 32 کے۔ اور بڈھے کو لڑکی کون دے گا؟“ ان کی ناراضی بڑھتی جا رہی تھی۔

”مما! 32 سال کی عمر میں کوئی بڈھا نہیں ہو جاتا، اور میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ 4 سال بعد ہی شادی کروں گا، میں تو

بس ٹائم مانگ رہا ہوں، لیٹ ہو جاؤں گا تو شادی کر لوں گا، ابھی آپ خود بتائیں، کتنے کتنے دن میں آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھ نہیں پاتا، میرے کھانے کی، آنے جانے کی بھی کوئی ٹائمنگ نہیں ہے، میری بیوی لے آئیں گی تو میری اس ٹف لائف سے وہ بے چاری کیسے کمپرومائز کرے گی؟ مجھے ابھی سیٹ ہو جانے دیجیے، پھر کر لوں گا شادی“۔ اُس نے نرمی سے کہتے ہوئے آہستگی سے ماں کے کاندھے پر دباؤ ڈالا تھا۔

”یہی بات ہے یا کسی لڑکی کا چکر ہے؟“

”خدا کو مانیں مما! ایسی کوئی بات نہیں ہے، با خدا کوئی لڑکی دل و نگاہ کو اچھی لگی تو ضرور بتاؤں گا، ورنہ آپ کی پسند کی لڑکی سے شادی کر لوں گا، ابھی آپ مائدہ اور راحم کی شادی کی تیاریاں کریں اور مجھے اجازت دیں، مجھے 2 بجے لازمی پہنچنا ہے اور ابھی مجھے تیار بھی ہونا ہے، ویسے یہ پاپا کہاں ہیں؟ دکھائی نہیں دیئے“۔ نکلتے ہوئے خیال آیا تو پوچھا تھا۔

”اپنے کسی دوست کی طرف گئے ہوئے ہیں، تم جانے کی تیاری کرو جا کر، اور پلیز یاد سے ماموں کے ہاں چکر لگا لینا، بھائی صاحب تمہیں یاد کر رہے ہیں“۔ بیٹے کو ہدایت کی تھی۔

”اوکے مما! ٹائم نہیں نکال سکا تو فون پر ان سے بات کر لوں گا“۔ وہ کہتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔

”مائدہ بیٹا! یہ برتن اُٹھا لو، میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں، نماز پڑھ کر کچھ دیر آرام کروں گی“۔

”مما! کھانا نہیں کھائیں گی؟“

”ڈھائی بجے تک راحم نے آنے کا کہا تھا، ساتھ ہی کھا لوں گی، تم کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کر لینا، صحت کا خیال رکھا کرو بیٹا!“۔ وہ اس کا گال تھپتھپا کر بہت پیار سے کہتی اپنے روم میں آگئی تھیں۔

☆..........☆..........☆

”آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟“ وہ عموماً ایک ہی ریسٹورنٹ میں جاتے تھے، اس لیے وہ راستہ دیکھ کر بولی۔

”اغواء کر کے لے جا رہا ہوں“۔ وہ بڑے اطمینان سے بولا تھا اور اس کی سٹی گم ہو گئی تھی۔

”آپ.....آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟“

”ہوں.....تم میری محبت میں جان دے سکتی ہو، تو کیا تمہاری محبت میں، میں اتنا سا بھی نہیں کر سکتا؟“ مہارت سے ڈرائیو کرتے ہوئے اس کے حواس باختہ آنسوؤں سے تر چہرے پر نظر ڈالی تھی، مستقل رونے سے آنکھیں سوجی ہوئی اور ناک سرخ ہو گئی تھی جبکہ آنکھوں کا کاجل بھی پھیل گیا تھا۔

”آپ مجھ سے محبت ہی کب کرتے ہیں؟“

”محبت نہیں کرتا، اسی لیے تو اغواء کر کے لے جا رہا ہوں“۔ اس کے ہوائیاں اُڑاتے چہرے کو دیکھ کر اسے مذاق سوجھا تھا جبکہ وہ اس کے مذاق کو سچ سمجھ بیٹھی تھی۔

”میں محبت میں جان تو قربان کر سکتی ہوں اسجد! مگر عزت نہیں“۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے سسک اُٹھی تھی اور وہ تو پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے فرسٹریشن میں ایسی بات کر دی تھی کہ وہ اسے اغواء کر کے لے جا رہا ہے مگر وہ تو سیریس ہو گئی تھی۔

”یسریٰ! پلیز چپ کر جاؤ، تمہارے آنسو مجھے تکلیف دے رہے ہیں، میں تمہارے بارے میں ایسا ویسا سوچ بھی نہیں سکتا، اگر تمہیں لگتا ہے کہ میری نیت میں فتور ہے، تو میں تمہیں ایک لمحہ ضائع کیے بنا تمہارے گھر چھوڑ دوں گا“۔ اُسے چُپ ہوتے نہ دیکھ کر اس نے گاڑی بیک کرنا چاہی تھی کہ وہ اسٹیئرنگ پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ گئی تھی۔

”میں نے کبھی آپ کو یا آپ کی محبت کو شک کی نظر سے نہیں دیکھا، پہلے آپ نے کہا کہ مجھ سے محبت نہیں فلرٹ کر

ہے تھے، بعد میں کہا کہ اغواء کر کے لے جا رہے ہیں، میں آپ کو کیا سمجھوں؟ آپ کا کون سا روپ سچا سمجھوں اسجد! وہ پ جب آپ نے محبت کا اقرار کر کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی تھیں، مجھے اپنا بنا لینے کے وعدے کیے تھے، یا اس پ کو حقیقت سمجھوں جو مجھ سے میری محبت چھین لینا چاہتا ہے''۔ وہ ہچکیوں کے درمیان لرزتے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''تم پلیز! چپ کر جاؤ، میں تمہیں سب بتا دیتا ہوں، تم رونا تو بند کرو''۔ اس کا رونا اسجد کو اریٹیٹ کر رہا تھا۔

''آپ مجھ سے محبت تو کرتے ہیں نا اسجد!'' وہ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے بڑی آس سے پوچھ رہی تھی، س کے اس طرح پوچھنے میں کتنی بے چینی اور کرب چھپا تھا، اس نے شدت سے محسوس کیا تھا۔

''فون پر آپ نے جو کچھ کہا....''

''وہ سب جھوٹ، بکواس تھی یسریٰ! میں تم سے فلرٹ نہیں کر رہا، ڈیم اٹ! تم سے پیار کرتا ہوں، خود سے زیادہ تمہیں چاہتا ہوں''۔

''پھر ان سب باتوں کا کیا مطلب تھا، آپ نے مجھ سے وہ سب کیوں کہا؟ اب یہ مت کہیے گا کہ میں مذاق کر رہا تھا، تمہیں آزما رہا تھا''۔ یسریٰ نے ہاتھ کی پشت سے آنسو رگڑتے ہوئے اُسے جھوٹ نہ بولنے کی تنبیہہ کی تھی۔

''میں نے وہ سب مذاق میں نہیں حقیقت میں کہا تھا، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم اس شخص سے شادی کر لو جس سے تمہارے گھر والے کرنا چاہتے ہیں''۔ اسجد نے اس کے متورم چہرے سے نگاہ ہٹالی تھی، اس لڑکی کو وہ بہت چاہتا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا نہیں چاہتا تھا، مگر آج خود ہی اُسے رلا رہا تھا۔

''آپ اپنے مشورے اپنے پاس رکھیں، میں ایسا کبھی نہیں کروں گی، محبت کسی سے اور شادی کسی اور سے.... جس سے محبت کی ہے اُسی سے شادی کروں گی''۔ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بول رہی تھی کہ اُس نے ٹوک دیا تھا۔

''مگر میں تم سے شادی نہیں کر سکتا''۔

''3 سال بعد آپ کو خیال آ رہا ہے کہ آپ مجھ سے شادی نہیں کر سکتے؟''

''میں بہت مجبور ہوں یسریٰ! تم سے محبت کرتا ہوں''۔

''مگر اپنانے کا حوصلہ نہیں ہے، بزدلوں کے منہ سے محبت کے قصے اچھے نہیں لگتے اسجد! اور ایسی کیا مجبوری ہے آپ کی کہ آپ محبت کا دعویٰ تو کر رہے ہیں مگر اُسی محبت کو اپنا نہیں سکتے؟''

''میں تم سے محبت کا محض دعویٰ نہیں کرتا، محبت کرتا ہوں تم سے، مگر کیا کروں یسریٰ! میری منگنی ہوگئی ہے اور میں کچھ نہیں کر سکا کیونکہ....'' وہ شکستگی سے اپنی کمزوری کا اعتراف کر رہا تھا کہ وہ جو اس کے انکشاف پر لمحہ بھر کو ساکت ہوئی تھی، چیخ اُٹھی تھی۔

''یہ ہے آپ کی محبت اسجد! کہ آپ نے کسی اور سے منگنی کر لی؟'' وہ شکستہ نگاہوں سے بے بسی کی تصویر بنے اسجد کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ کہتے ہیں آپ کچھ نہیں کر سکے، منگنی کر لی، شادی کر لیتے تب کہتے کہ آپ نے کچھ کیا ہے''۔ وہ تو اس کے انکشاف پر دہل کر رہ گئی تھی۔

''مجھے منگنی سے محض 3 دن پہلے ہی پتہ چلا تھا یسریٰ! کہ میری منگنی ہو رہی ہے''۔ اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اُسے کیسے سمجھائے۔

''منگنی ہو رہی نہیں تھی ہوگئی، مجھے 3 سال تک لٹکا کر رکھا، میں نے اپنے لیے آنے والے ہر رشتے کو ٹھکرایا صرف آپ کی خاطر، خالہ جان کے طعنے سُنے کہ مجھے ان کے ٹکڑوں پر پلنے کی عادت ہوگئی ہے، خالہ کے بیٹے کو مایوس کیا آپ کی خاطر اور آپ نے منگنی کر لی.... جب میں اتنی کٹھنائیاں آپ کی محبت میں برداشت کر سکتی ہوں تو آپ اپنی منگنی ہونے سے نہیں روک سکتے تھے؟ روکنا چاہتے تو روکتے، مجھے اور میری محبت کو وقت گزاری ہی تو سمجھا تھا آپ نے، تو پھر کیا ضرورت پڑی تھی جو آپ میری خاطر اسٹینڈ لیتے''۔

''یسریٰ! میری منگنی پھپھو کی بیٹی سے ہوئی ہے، میں نے ابو سے بات کرنا چاہی تھی، مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا، وہ بہن کو زبان دے چکے ہیں اور میں نے یہ منگنی نہیں کی تو وہ مجھ سے ہر تعلق ختم کر لیں گے، بات اتنی سی بھی ہوتی تو میں منگنی نہیں کرتا، مگر ابو نے اپنی جان لے لینے کی دھمکی دی تو میں مجبور ہو گیا، یقین کرو میرا یسریٰ! میں تمہیں بہت چاہتا ہوں، میں نے جو کچھ کیا مجبوری میں کیا''۔

''اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

''میں تمہارا مجرم ہوں یسریٰ! جو چاہے سزا دے دو، مگر اتنا یاد رکھنا کہ میں نے تم سے محبت کی ہے، مگر شاید ہماری محبت کے نصیب میں وصل نہیں، ہجر لکھا گیا ہے، میں تو بس یہی چاہتا ہوں کہ تم جہاں رہو خوش رہو، میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی، مجھے معاف بھلے مت کرنا، مگر زندگی کے سفر میں کسی کی ہمراہی میں آگے بڑھ جانا، خواہش تو بہت تھی کہ تمہارا ہمسفر بنوں، مگر یہ خواہش.... خواہش ہی رہ گئی''۔

''آپ کسی کا بھی ہاتھ تھام کر زندگی گزار سکتے ہیں، مگر میں اتنی باہمت نہیں ہوں، مجھ سے یہ سب نہیں ہوگا، میری جان مانگیں گے تو ہنستے ہنستے آپ کے قدموں میں جان دے دوں گی، مگر جو آپ مجھ سے مانگ رہے ہیں، وہ میری زندگی سے بڑھ کر ہے، ہجر زدہ زندگی گزارنے سے تو بہتر ہے میں اپنی جان دے دوں''۔ وہ ایک دم ہی بکھر گئی تھی، اُس کی شرٹ کا کالر سختی سے مٹھی میں دبوچے آنسو بھری آنکھوں سے اس کا مضمحل چہرہ تک رہی تھی۔

''یسریٰ! ایسی باتیں مت کرو''۔

''مجھے موت کا سندیسہ دے کر آپ کہتے ہیں میں زندگی کے گیت گاؤں، تو یہ مجھ سے نہیں ہوگا''۔ وہ تڑپ رہی تھی اور تڑپ تو وہ بھی رہا تھا، مگر حوصلہ کیے بیٹھا تھا کہ اگر اُس نے بھی ہمت ہار دی تو وہ مزید بکھر جائے گی اور وہ اُسے بکھرنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

''زندگی میں انسان کو سب ہی کچھ نہیں مل جاتا اور تمہارے جینے کے لیے یہ احساس کافی نہیں ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟'' اُس کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اونچا کیا تھا۔

''نہیں، اسجد! میں کسی کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتی، محبت آپ سے اور شادی کسی اور سے.... مجھے کیوں اذیت دے رہے ہیں؟ ایک دفعہ اپنے گھر والوں سے بات تو کر کے دیکھیں، بابا نہیں مان رہے تو مما سے بات کریں، میں آپ کے بغیر نہیں جی سکتی''۔ وہ اُس کے کاندھے پر سر رکھ گئی تھی اور اُس کا شانہ اُس کے آنسوؤں سے بھیگنے لگا تھا۔

''تم سمجھ نہیں رہیں یسریٰ! میری کوئی بھی کوشش محبت سے بندھے رشتوں میں بے رُخی کی گانٹھ باندھ دے گی، مائدہ میری پھپھو کی بیٹی ہے اور مائدہ سے جڑا رشتہ توڑا تو کتنے ہی رشتے بکھر جائیں گے، بہن بھائی جدا ہو جائیں گے اور میری بہن.... اُس کا رشتہ ٹوٹ جائے گا دو راحم سے، بہت محبت کرتی ہے اور میری وجہ سے وہ کیوں جدائی کا درد سہے؟ میں اپنوں کو دکھ نہیں دے سکتا''۔ اُس نے بے بسی سے اُسے خود سے دور کیا تھا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا تھا۔

''آپ کو سب کی پرواہ ہے، پرواہ نہیں ہے تو صرف میری، کسی کو دکھ نہیں دینا چاہتے اور میری پوری حیات دکھوں کے حوالے کر رہے ہیں، سب کو جدا ہونے سے بچا رہے ہیں اور مجھے جدائی کا پروانہ دے رہے ہیں، یہی ہے آپ کی محبت''۔ وہ اُس سے برگشتہ ہو رہی تھی۔

''اتنے لوگوں کی زندگی برباد ہونے سے بہتر ہے کہ ہم دونوں کے دل اُجڑ جائیں، زندہ رہنے کے لیے سانسوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم بھی جی لیں گے، ابھی تم جذباتی ہو کر سوچ رہی ہو، ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو گی تو میرا فیصلہ اتنا بُرا نہیں لگے گا''۔ اسے دیکھے بغیر اس نے گاڑی اسٹارٹ کردی تھی اور ہلکی رفتار سے اُس نے گاڑی بیک کی تھی اور نارمل رفتار سے گاڑی یسریٰ کے گھر کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

''میں جذباتی ہو کر سوچ رہی ہوں، تو ایسا ہی ہے اور میری جذباتیت ابھی آپ نے دیکھی نہیں ہے اسجد! آپ بتاؤں گی کہ میری جذباتیت اور شدت پسندی کی حد کیا ہے، آپ کسی سے بھی شادی کریں، مگر میں ایسا نہیں کروں گی''۔

''پاگل مت بنو یسریٰ! تمہیں میری قسم ہے، خدارا! خود کو نقصان مت پہنچانا''۔

''آپ اپنی راہیں الگ کر چکے ہیں، اپنے لیے جیون ساتھی بھی منتخب کر چکے ہیں تو میری فکر اب کم از کم آپ کو نہیں کرنی چاہیے، میں جیوں یا مروں آپ کی بلا سے''۔ وہ روتے ہوئے اُس کی گاڑی سے اُتر گئی تھی اور وہ اُسے روک بھی نہیں سکا تھا، یسریٰ نے بہت تیز آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا تھا، وہ اُس کے گلی میں جانے کا منتظر تھا، مگر وہ کچھ دور جا کر اسٹاپ پر کھڑی ہوگئی تھی اور وہ پریشانی سے اُس تک آیا تھا۔

''یسریٰ! گھر جاؤ، یہ جگہ کافی سنسان ہے''۔ دوپہر کا وقت تھا، اسٹاپ پر کوئی نہیں تھا، گاڑیاں بھی بڑی تیزی سے اِکا دُکا ہی گزر رہی تھیں۔

''آپ جایئے''۔ اُس کی آواز مستقل رونے سے کافی بھاری ہوگئی تھی۔

''میں چلا جاؤں گا، لیکن پہلے تم جاؤ، میں یہ اطمینان کیے بغیر نہیں جاؤں گا کہ تم خیریت سے اپنے گھر پہنچ گئی ہو''۔ وہ قطعیت سے بولا تھا۔

''میں پہلے کیوں جاؤں؟ آپ جاؤ، میں آپ کو نہیں چھوڑ رہی، چھوڑ آپ رہے ہیں، اس لیے میں آپ کو جاتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں''۔ وہ جذباتی لہجے میں بولی تھی۔

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو''۔ وہ قدرے چڑ سا گیا تھا۔

''پلیز اسجد! مجھے جانے کو مت کہیں، پر اس..... آپ کی گاڑی نگاہوں سے جیسے ہی اوجھل ہوگی میں یہاں سے چلی جاؤں گی''۔ وہ لجاجت سے بولی تھی۔

''لیکن.....''

''لیکن، ویکن کچھ نہیں، آپ چلے جائیں، میں یہ اطمینان کر لینا چاہتی ہوں کہ آپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں، آپ سے پہلے میں گئی تو میری آنکھوں میں انتظار بس جائے گا، دل خوش فہمی پال لے گا کہ شاید آپ لوٹ کر آجاؤ اور آپ نے تو کہا ہے ہم زندگی میں آگے بڑھ جائیں اور اب خود ہی مجھے انتظار سونپنا چاہتے ہیں، کیوں آپ میری زندگی کو مذاق بنا دینا چاہتے ہیں؟ ایک طرف تو کہتے ہیں میں آپ کو بھلا دوں اور دوسری طرف مجھے الوداع کہنے نہیں دیتے، جایئے اسجد! چلے جایئے، ہمیشہ کے لیے مجھے چھوڑ کر بہت دور چلے جائیں''۔ اس نے اس کے بازو پر دائیں ہتھیلی رکھ کر دھکا سا دیا تھا اور وہ اُسے دیکھتا گاڑی میں آبیٹھا تھا، اسٹیئرنگ پر سر رکھ کر اُس نے اب تک روکے ہوئے آنسو بہائے تھے اور جیسے ہی یہ خیال آیا تھا کہ وہ اس کے جانے کی منتظر ہے اس نے ایک جھٹکے سے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور آنکھوں پر آنسوؤں کی دھند سی تھی اور اُس نے آگے پیچھے بھی نہیں دیکھا تھا، اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ یسریٰ سائیڈ سے نکل کر سڑک کے بیچ آ کھڑی ہوئی ہے اور جیسے ہی اُس نے اندھادھند گاڑی آگے بڑھائی تھی وہ یسریٰ کو دور اُچھالتی کافی آگے بڑھ گئی تھی، اُس کے حواس بیدار ہوئے تھے، اُس نے گاڑی کو بریک لگائے تھے، تیزی سے ڈرائیونگ ڈور کھولتا ہوا وہ باہر نکلا تھا اور بھاگتا ہوا اُس تک پہنچا

تھا۔

''یسریٰ! یہ کیا کیا تم نے، پاگل لڑکی!'' اس کے سر سے خون نکل رہا تھا اور وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتے ہوئے اُس کا سر اپنے زانوں پر رکھے بے تابی سے بولا تھا۔

''آئی لَو یُو اسجد!'' آنکھیں بند ہونے سے پہلے وہ اتنا ہی بولی تھی اور وہ اُسے اُٹھائے تقریباً بھاگتے ہوئے گاڑی تک پہنچا تھا۔ اُسے بیک سیٹ پر احتیاط سے لٹایا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی اور وہ بڑی ریش ڈرائیونگ کرتا اُسے ہاسپٹل لے کر آیا تھا، مگر ڈاکٹرز نے پولیس کیس کہہ کر علاج کرنے سے انکار کر دیا تھا، اُسے فوراً ہی ارحم کا خیال آیا تھا تو وہ ارحم کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''ارحم! میں اسجد بات کر رہا ہوں''۔

''اسجد! سب خیریت تو ہے، تم بہت پریشان لگ رہے ہو؟''

''ارحم! مجھے تمہاری ہیلپ کی ضرورت ہے''۔

''بات کیا ہے؟''

''ایک لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے''۔

''تم پریشان نہ ہو، میں آرہا ہوں''۔

''او کے، ارحم! بٹ تم ڈاکٹر سے بات کر لو، تاکہ وہ کم از کم لڑکی کا علاج تو شروع کریں، اگر اُس کی جان چلی گئی تو.....'' یہ تصور ہی اُسے ہولا گیا تھا۔

''یُو ڈونٹ وری اسجد! کچھ نہیں ہوگا''۔ ارحم نے ڈاکٹر سے بات کر کے لائن کٹ کر دی تھی اور اسجد i.c.u کے باہر کھڑا اُس کی زندگی کی دعا کر رہا تھا جو اُس کی محبت میں جان قربان کرنے چلی تھی۔

''صرف ایک دفعہ ہوش میں آجاؤ یسریٰ! تمہاری خاطر میں ساری دنیا سے لڑ جاؤں گا، تمہیں کچھ ہوگیا تو شاید میں بھی مر جاؤں''۔ وہ i.c.u کے باہر کھڑا اندر مشینوں میں جکڑے وجود پر نگاہ جمائے خود سے بولا تھا اور جبھی کسی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا، اُس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ ارحم تھا۔

''ارحم پلیز! اس وقت کوئی سوال مت کرو، میں کچھ نہیں بتا پاؤں گا''۔

''ریلیکس اسجد! پریشان نہ ہو، اُس لڑکی کی حالت کیسی ہے؟ کیا وہ بہت زیادہ انجرڈ ہے؟'' اس کی پریشان صورت دیکھ کر پوچھا تھا۔

''اُس کا سر اور بیک بہت بُری طرح متاثر ہوئے ہیں، اُس کی ریڑھ کی ہڈی ڈیج ہوگئی ہے، شاید ہو سکتا ہے..... اللہ نہ کرے''۔ وہ اُسے کچھ بتا نہیں سکا تھا جبکہ وہ ازحد متحیر ہوگیا تھا، اسجد کا بُری طرح کانپتا ہوا لہجہ، آنکھوں میں مچلتے آنسو، چہرے پر لکھے دکھ سے۔

''کیا اسجد! اُس لڑکی کو جانتا ہے؟ اور اسی لیے وہ اُس کے لیے اتنا متفکر ہے''۔ اُسے خیال آیا تھا جسے وہ زبان پر بھی لے آیا تھا۔

''اسجد! کیا تم اُس لڑکی کو جانتے ہو؟''

''ارحم! اُس کی حالت کا ذمہ دار صرف میں ہوں، میری وجہ سے وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اب شاید کبھی چل نہ سکے، اور تم.....'' وہ خود چاہ کر بھی سنبھال نہیں پا رہا تھا۔

''حوصلہ رکھو اسجد! اُس لڑکی کو انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا، اور یہ بتاؤ تم نے اُس لڑکی کے گھر والوں سے رابطہ کیا؟''

''نہیں، کیونکہ ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے اس کے گھر والوں کا پتہ چلتا''۔ اُسی وقت i.c.u کا دروازہ کھلا تھا اور وہ دونوں ڈاکٹرز تک چلے آئے تھے۔

''ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے، مریض کو انڈر آبزرویشن رکھا گیا ہے، 24 گھنٹوں میں ہوش آ گیا تو ٹھیک ورنہ ہم کچھ نہیں کر سکتے، بس آپ دعا کریں''۔

''اسجد! تم گھر چلے جاؤ، مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک.....''

''میں ٹھیک ہوں''۔

''یہ حادثہ ہوا کس جگہ پر تھا، تاکہ لڑکی کے گھر والوں کو تو کم از کم انفارم کر دیں، وہ ضرور پریشان ہو رہے ہوں گے''۔ اُس نے جگہ بتا دی تھی کیونکہ گھر کا ایڈریس تو خود اُسے بھی معلوم نہیں تھا، ارحم نے کچھ سوچتے ہوئے کسی کو فون ملایا تھا اور اُس کے آنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

☆............☆............☆

''نوید! میرا خیال ہے ہمیں مہوش کو ہاں کہہ دینی چاہیئے''۔

''لیکن راشدہ! اتنے کم وقت میں ساری تیاریاں کیسے ہوں گی؟''

''آپا بیگم! مجھے لگتا ہے زرمین بیٹی کی بھی رائے پوچھ لینی چاہیئے، آناً فاناً رشتہ طے ہو گیا اور اب شادی''۔

''ہمیں زرمین پر پورا اعتماد ہے، ہماری بیٹی کبھی ہماری بات نہیں ٹالے گی اور ہم اُس کے لیے کبھی کوئی غلط فیصلہ نہیں کریں گے''۔ کسی کام سے وہاں آتی زرمین آواز پر ٹھٹھک کر وہیں رُک گئی تھی۔

''اور ہم نے فضیل کا رشتہ بہت سوچ سمجھ کر منظور کیا ہے، ہماری بیٹی کے لیے وہ ایک آئیڈیل شخص ہے اور زرمین اُس کے ساتھ بہت خوش رہیں گی''۔ زرمین جو اس سب قصے کو لے کر پریشان تھی، جس وقت اُسے راشدہ نے بتایا تھا کہ مہوش اُس کا ہاتھ فضیل کے لیے مانگنے آ رہی ہیں اور اُن کو مثبت جواب ہی دیا جائے گا تو اُس کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے تھے، وہ ماں سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں سکی اور اُس کی سونی کلائیاں بھاری کنگنوں سے سج گئیں اور آج باپ کا مان بھرا لہجہ، وہ اپنے آنسو صاف کرتی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

''آپ دیکھ لیں راشدہ! اگر آپ اتنی جلدی سب کچھ مینج کر سکتی ہیں تو مہوش کو جو وہ کہیں تاریخ دے دیں، لیکن کسی چیز کی کمی نہیں ہونی چاہیئے، ہم اپنی بیٹی کو وہ سب دیں گے جو اُس کا حق ہے''۔

''لیکن اُن لوگوں نے جہیز لینے سے سختی سے انکار کر دیا ہے''۔

''ٹھیک ہے، سوچ کر آپ مجھے بتا دیجئے گا، فریدہ کو بھی بلا لیں اور آپ خواتین مل کر فیصلہ کر لیں، پھر اُسی کے تحت مجھے جو کرنا ہو گا وہ کر لوں گا اور آپ پہلے زرمین سے ضرور پوچھ لیں، اگر وہ وقت چاہیں تو اُن کی خواہش کا احترام کیا جائے گا''۔ انہوں نے فیصلے کی ڈور اُن خواتین کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔

''حنین کہاں ہیں، انہوں نے کھانا کھایا کہ نہیں؟''

''نہیں، کمرہ بند کیے پڑی ہے اور اُسی وقت باہر نکلے گی جب اُسے آفس جانے کی اجازت ملے گی، نہ جانے کہاں سے خناس سما گیا ہے اُس کے دماغ میں''۔ ساجدہ تو اُسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھیں، مگر وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہ تھی اور وہ اُسے سخت سست سنا تیں اُس کے کمرے سے نکل آئی تھیں، اور وہ جب سے ہی لاک لگائے بیٹھی تھی۔

''اسجد کہاں ہے، دوپہر میں گھر آیا تھا؟''

''نہیں، وہ جو صبح سے نکلا تو ابھی تک نہیں آیا، کیا آفس نہیں گیا؟''

''آفس آیا تو تھا مگر 12، 1 بجے کے قریب وہاں سے نکل گیا تھا، جبکہ 2 بجے اس کی ایک اہم میٹنگ بھی تھی، میں نے اُس سے رابطہ یہ سوچ کر نہیں کیا کہ وہ اتنا غیر ذمہ دار نہیں ہے کچھ سوچ کر ہی میٹنگ کینسل کی ہو گی، اور اب تو 8 بجنے والے ہیں، اب تک تو اُسے آ جانا چاہیئے تھا''۔ وہ اسجد کا نمبر ملانے لگے تھے، لائن کاٹ دی گئی تھی اور تقریباً 10 منٹ بعد وہ گھر میں داخل ہوا تھا اور سلامتی بھیجتا تھکے تھکے انداز میں وہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''اسجد! سب خیریت تو ہے بیٹا؟''

''جی ابی! بس کچھ تھک گیا ہوں، یہ زرمین کہاں ہے؟ اُس سے کہہ کر ایک کپ چائے بنوا دیں، سر میں بہت درد ہو رہا ہے''۔ ارحم نے اُس سے کہا تھا کہ وہ خود سب کچھ ہینڈل کر لے گا، اس لیے وہ گھر میں کچھ نہ بتائے، ایک گھنٹہ قبل ہی اُسے ہوش آ گیا تھا، مگر ڈاکٹرز ابھی بھی پُر امید نہیں تھے، ارحم نے اپنے اثر و رسوخ استعمال کر کے یسریٰ کے گھر والوں کا پتہ چلا لیا تھا، کیونکہ ایکچوئیل جگہ تو اسجد اُسے بتا ہی چکا تھا اس لیے زیادہ پریشانی نہیں ہوئی تھی، یسریٰ کی خالہ اور ان کا بیٹا وہاں آ تو گئے تھے مگر ان کے چہروں سے پریشانی نہیں ٹپک رہی تھی، اُن کے چہروں سے بلا ٹلنے کی اُمید ٹپک رہی تھی، اور خالہ نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ وہ بہت غریب ہیں، کسی سرکاری اسپتال میں علاج نہیں کروا سکتیں کجا شہر کے مہنگے ترین پرائیویٹ ہاسپٹل میں، اسجد نے علاج کروانے کی ذمہ داری اُٹھالی تھی اور اُن کے ہاتھ پر 10 ہزار رکھ کر وہ ارحم کے کہنے پر ہاسپٹل سے نکل آیا تھا۔ اسجد کی اتنی مہربانیوں کو ارحم سمجھ نہیں پا رہا تھا، ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ یہ سب خوف کے پیشِ نظر کر رہا ہے، اُس کا پژمردہ چہرہ ارحم کو بہت کچھ سمجھا رہا تھا، مگر اس وقت اُس نے اسجد سے کچھ بھی پوچھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹا؟''

''چچی! ٹھیک ہوں میں، بس کچھ تھکن.....''

''بات کیا ہے اسجد! تم نے میٹنگ بھی کینسل کر دی، اور اس وقت آ کہاں سے رہے ہو؟''

''ابو! ایک دوست کی طرف نکل گیا تھا، اُس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اور صبح جو کچھ ہوا گھر میں اس کے بعد میٹنگ اٹینڈ کرنا نہیں چاہ رہا تھا، کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا اتنے ماہ کی محنت پل بھر میں ضائع ہو جائے''۔ وہ کچھ تلخ ہوا تھا۔

''تم صبح ناشتہ کیے بغیر ہی چلے گئے، اس کا مجھے بہت افسوس ہے بیٹا!'' ساجدہ ایک بار پھر شرمندگی کے حصار میں لپٹ سی گئی تھی۔

''پلیز چچی! میں نے آفس میں کھا لیا تھا''۔ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا اور کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہتے کہتے رُک کر اُس نے جھوٹ کا سہارا لیا تھا، وگرنہ اُس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔

''اسجد! صبح جو کچھ ہوا میں نہیں چاہتا کہ وہ پھر دوبارہ دہرایا جائے، حنین کو میں نے اجازت دی ہے اور اس معاملے میں تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں ہے''۔

''وہی تو میں حیران ہوں کہ آپ نے اُسے اجازت دے کیسے دی؟''

''اب تم مجھے بتاؤ گے کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں؟'' اس کا تلخ لہجہ انہیں کچھ غصہ دلا گیا تھا۔

''میں نے یہ نہیں کہا ابو! لیکن یہ بات مجھے پسند نہیں ہے، اس لیے میں نہیں چاہتا کہ حنین آفس جوائن کرے، اگر وہ ایسا کرے گی تو میں آفس نہیں آؤں گا، اور یہ میرا اٹل فیصلہ ہے''۔ وہ کہہ کر رُکا نہیں تھا اور حنین جو باہر کھڑی اندر ہونے والی تکرار سن رہی تھی اُسے بے تحاشہ غصہ آ گیا تھا اور وہ اندر جانے کی بجائے اُس کے روم میں چلی آئی تھی، اسجد اپنے سیل فون سے ارحم کا نمبر ڈائل کر رہا تھا مگر اُسے دیکھ کر رُک گیا تھا۔

”تم میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟“

”مجھے آپ سے بات کرنی ہے“۔

”مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی، میرے کمرے سے اسی وقت چلی جاؤ“۔

”لیکن میں آپ کے روم سے بات کیے بغیر نہیں جاؤں گی“۔ اس کے غصے کو وہ کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے آگے بڑھ آئی تھی۔

”میں کم از کم اس وقت تم سے کوئی بھی بات کرنا نہیں چاہتا حنین! میں پہلے ہی ڈسٹرب ہوں، تم مجھے مزید پریشان نہ کرو، جو بات کرنی ہو صبح کر لینا“۔

”مجھے بات ابھی اس لیے کرنی ہے تاکہ آپ کو بتا دوں کہ صبح میں آفس جوائن کر رہی ہوں، صبح کوئی بدمزگی نہ ہو اس لیے ابھی سے بتا دیا ہے“۔

”تمہاری سمجھ میں ایک دفعہ کی بات نہیں آتی، کہہ چکا ہوں کہ تم آفس نہیں آؤ گی تو بار بار اس ذکر کو نکالنے کا مقصد؟“ اُس نے اشتعال میں آتے ہوئے اس کا بازو سختی سے پکڑتے ہوئے نہایت غصے میں کہتے ہوئے ایک جھٹکا دیتے ہوئے بازو چھوڑ دیا تھا۔

”جب مجھے بڑے ابو اجازت دے چکے ہیں تو آپ کیوں اس معاملے میں فضول میں بولے جا رہے ہیں؟“ وہ اس کے غصے سے خائف تو ہوئی تھی مگر بولے بنا بھی نہیں رہی تھی۔

”کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم آفس آؤ“۔ وہ دھاڑا تھا۔

”آپ مجھے روک نہیں سکتے، میں اپنی مرضی کی آپ مختار ہوں، آپ مجھ پر اپنے فیصلے زبردستی ٹھونس نہیں سکتے“۔ وہ دوبدو بول رہی تھی، یسریٰ کو لے کر اس کا ذہن پہلے ہی منتشر تھا، حنین کا نڈر انداز اُس کے ذہن پر ہتھوڑے سے برسا رہا تھا۔

”اور تم میرے فیصلے کو بدل نہیں سکتیں، اب میرے کمرے سے دفع ہو جاؤ، مجھے تم سے کوئی بحث نہیں کرنی“۔

”آپ منع کرتے رہیں، میں کل آپ کو آفس آ کر دکھاؤں گی“۔ اتنی بے عزتی پر تو وہ چراغ پا ہو گئی تھی، اس لیے بہت تیز لہجے میں بولی تھی۔

”تم آ کر تو دکھاؤ، ٹانگیں توڑ دوں گا میں تمہاری“۔

”آپ.... آپ ہوتے کون ہیں میری ٹانگیں توڑنے والے؟ باپ مر گیا ہے لیکن میری ماں ابھی زندہ ہے، لاوارث نہیں ہوں میں“۔ وہ اب رو رہی تھی۔

”تم پلیز! اس وقت یہاں سے چلی جاؤ، میں ابو اور چچی سے بات کر لوں گا“۔

”جو بات کرنی ہے مجھ سے کریں، زندگی میری ہے فیصلہ بھی میرا ہی ہوگا۔ اور آپ مجھے کچھ بھی کرنے سے روک نہیں سکتے اور آپ آفس جانے سے مجھے کیوں روک رہے ہیں؟ جتنا حق آپ کا ہے اس گھر اور بزنس پر اُتنا ہی میرا بھی ہے اس لیے آپ....“

”چٹاخ.... بہت بڑی ہو گئی ہو ناں جو حق کی بات کرو گی، جائیداد میں حصہ مانگو گی“۔ وہ اس کی اس بات پر اشتعال پر قابو نہیں رکھ پایا تھا اور اُس پر ہاتھ اُٹھا لیا تھا، وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے گال پر ہاتھ رکھے اُسے دیکھ رہی تھی۔ یک دم بہت روتے ہوئے وہاں سے نکلنے لگی تھی مگر اس نے بازو پکڑ لیا تھا۔

”حنین! آئی ایم سوری، میں تم پر ہاتھ نہیں اُٹھانا....“ وہ جھٹکے سے بازو چھڑاتی وہاں سے بھاگ گئی تھی۔

”اوہ شٹ....!“ اسے افسوس ہو رہا تھا، مگر بجتے ہوئے موبائل نے بہت جلد اُسے اس کیفیت سے نکال لیا تھا۔

”ہاں بولو ارحم! سب ٹھیک تو ہے؟“

”یو ڈونٹ وری اسجد! سب ٹھیک ہے، وہ لڑکی اب خطرے سے باہر ہے“۔

”اوہ تھینک گاڈ!“ اس نے ایک اطمینان سا محسوس کیا تھا۔

”ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں، کب تک اُسے ڈسچارج کر دیں گے؟“

”کچھ ہفتے یا ماہ بھی لگ سکتے ہیں، اس کی ریڑھ کی ہڈی بہت بُری طرح متاثر ہوئی ہے، اسے مکمل بیڈ ریسٹ کرنا ہوگا، اور تقریباً ہفتہ تو لگے گا پھر ہی ڈاکٹرز کچھ بتا سکیں گے کہ وہ چل سکے گی یا نہیں؟“

”لڑکی کے گھر والے.... وہ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”اُن کی بے حسی تو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی چکے ہو، لڑکی کے پیرنٹس تو ہیں نہیں اور وہ جو اس کی خالہ ہیں، ان کو اس کے جینے اور مرنے سے فرق نہیں پڑتا، وہ کہہ رہی تھیں کہ ہم لوگ علاج کا خرچہ اُٹھا سکتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ وہ اُسے کسی سرکاری اسپتال....“

”ہرگز نہیں ارحم! سارا خرچہ میں اُٹھاؤں گا، اس کی حالت کا میں ذمہ دار ہوں، میری وجہ سے وہ موت کے منہ سے نکلی ہے، اور میں نہیں چاہتا کہ وہ میری وجہ سے اپاہج ہو جائے“۔

”اسجد! وہ سب ٹھیک ہے، ہمارا انسانی فرض بھی ہے کہ ہم اُس لڑکی کی مدد کریں، مگر ڈاکٹرز کے مطابق وہ اُن کے ساتھ کوآپریٹ نہیں کر رہی، جب سے ہوش میں آئی ہے یہی کہے جا رہی ہے کہ اُسے زندہ نہیں رہنا، وہ مرجانا چاہتی ہے، ان باتوں کا کیا مطلب نکلتا ہے، ایکسیڈنٹ میں تمہاری غلطی نہیں تھی بلکہ وہ جان کر تمہاری گاڑی کے سامنے آئی، آئی ایم رائٹ؟“ اُس کا انداز خاص تفتیشی تھا۔

”بات کچھ اسی طرح کی ہے ارحم! وہ لڑکی اچانک ہی میری گاڑی کے سامنے آ گئی، میں بریک بھی نہیں لگا سکا، غلطی اُس لڑکی کی تھی ارحم! مگر کہیں نہ کہیں میں ذمہ دار ہوں، اسے کچھ ہو گیا تو شاید میں زندگی بھر خود کو معاف نہ کر سکوں، ضمیر کی مار مجھے جینے نہیں دے گی اور میں اسی گلٹ سے بچنے کے لیے ہر طرح سے اُس لڑکی کے ساتھ کوآپریٹ کرنا چاہتا ہوں“۔

اسجد نے اپنی محبت بھری فکر کو انسانیت کا روپ دے دیا تھا، وہ چاہتا تو اس وقت ظاہر کر دیتا، مگر اس نے ایسا جان کر نہیں کیا، کیونکہ وہ مائدہ کا بھائی تھا، اور اسجد پہلے نوید عالم سے بات کرنا چاہتا تھا، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے رشتوں میں دوریاں آ جائیں، ارحم جو کچھ شکوک و شبہات میں ڈوب رہا تھا ایک دم ہی مطمئن ہو گیا تھا۔

”تم بالکل فکر مت کرو اسجد! میں تمہارے ساتھ ہوں“۔

”تھینکس ارحم! آج تم نہ ہوتے تو میں یہ سب بالکل مینج نہیں کر پاتا، میں تو بہت خوفزدہ ہو گیا تھا، تمہارے ساتھ نے مجھے سہارا دیا“۔

”یار! اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں، یہ بتاؤ گھر میں کچھ بتایا ہے یا نہیں؟“

”نہیں، گھر میں کچھ بھی کسی کو نہیں بتایا، تمہیں تو پتہ ہے امی ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہیں، معاملہ تھوڑا ٹھنڈا پڑ جائے تب ابو سے ذکر کروں گا، ابھی رکھتا ہوں، بعد میں بات کروں گا، شاید مجھے ابو بلا رہے ہیں“۔ نوید عالم کی آواز آئی تھی اور وہ لائن کاٹتا موبائل بیڈ پر اُچھالتا روم سے نکل آیا تھا۔

”اسجد! یہ حنین کیا کہہ رہی ہے؟ تم نے اس پر ہاتھ اُٹھایا ہے؟“ نوید عالم کو اُس نے اتنے غصے میں بہت ہی کم دیکھا تھا۔

''جی ابو! لیکن اس نے بات ہی ایسی کی تھی''۔
''تم نے کس حق سے اس پر ہاتھ اُٹھایا، تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی؟''
''آرام سے بات کرلیں نوید!''
''آپ چپ رہیں، تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم بہن پر ہاتھ اُٹھاؤ گے اور میں تم سے جواب طلبی بھی نہیں کروں گا؟'' وہ بیوی کو ڈپٹتے ہوئے اس کی جانب غصے سے گھومے تھے۔
''ابو! یہ مجھ سے بحث کر رہی....''
''بحث کر رہی تھی تو تم نے ہاتھ اُٹھالیا، یہ بیٹی ہے میری اور میں نے خود کبھی اپنی بیٹیوں پر ہاتھ نہیں اُٹھایا، میں نے کبھی ان سے اونچی آواز میں بات بھی نہیں کی اور تم اس حد تک چلے گئے، آخر کیا سوچ کر تم نے اتنی گری ہوئی حرکت کی؟'' وہ بیٹے کو خونخوار نظروں سے گھورتے تیز لہجے میں جواب طلب کر رہے تھے۔
''تایا ابو! انہوں نے مجھ سے بہت بدتمیزی بھی کی، مجھے کمرے سے دفع ہو جانے کو کہا، مجھے تھپڑ مارا، اور مجھے بازو سے پکڑ کر کمرے سے نکال دیا''۔ وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔
''میں نے جو کیا وہ تمہیں یاد ہے، اپنا بھول گئیں، مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہی تھیں؟''
''اس نے اگر تم سے بدتمیزی بھی کی تھی تو تمہیں اسے تھپڑ نہیں مارنا چاہیے تھا''۔
''ای! مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی، مجھے حنین پر ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہیے تھا، مگر جب میں نے اس سے کہا کہ میں ڈسٹرب ہوں، ابھی تم سے بات نہیں کر سکتا تو اسے خاموشی سے آجانا چاہیے تھا، مگر اس نے بات کو جان بوجھ کر بڑھایا''۔
''تم ڈسٹرب تو اب بھی ہو، اور میں بھی بحث کر رہا ہوں تم سے، اُٹھاؤ مجھ پر بھی ہاتھ، مارو مجھے بھی، بہن کو مار سکتے ہو تو باپ کو کیوں نہیں؟''
''ابو پلیز! اس طرح تو نہ کہیں، میں حنین پر بھی کب ہاتھ اُٹھانا چاہتا تھا، مگر اس کی بات پر خود پر قابو نہیں رکھ سکا، میں نے اسے آفس آنے کے لیے منع کیا تو یہ اپنے حق کی بات کرنے لگی، میں کب کہتا ہوں کہ اس گھر اور بزنس پر اس کا کوئی حق نہیں ہے، حق ہے اس کا اور جو اس کا حق ہے وہ ہم اس کو دیں گے، مگر یہ اس طرح کی بات کرے گی میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا، مجھے تو ایک پل کو لگا کہ ہم شاید غاصب ہیں اور اس کے حق پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں، یہ بار بار اسے حق کی بات کر کے ہم پر ثابت کیا کرنا چاہتی ہے؟ کہ چچا جان کی موت کے بعد ہم نے اس کے حقوق غصب کر لیے ہیں'' کچھ غصے اور کچھ دکھ سے کہہ رہا تھا اور وہ سب ساکت سے سن رہے تھے، اسی طرح کی بکواس اُس نے صبح بھی تو کی تھی۔
''میں نے تو اسے ہمیشہ زرمین اور شازمین کی ہی طرح سمجھا اور جو بات مجھے شازمین کے لیے پسند نہیں تھی میں اس کے لیے کیسے پسند کر سکتا ہوں؟ مگر اسے شک ہے کہ میں اس کے حق پر قابض ہونا چاہتا ہوں، تو ٹھیک ہے، یہ آفس جوائن کر لے، ویسے بھی میرا اس پر کون سا حق ہے، بہن ہی نہیں ہے میری، اس پر ہاتھ اُٹھایا اس کے لیے شرمندہ ہوں، اس وقت اس سے معافی بھی مانگنا چاہتا تھا اسی لیے حق سے بازو پکڑ کر اسے روکنا چاہا تھا، مگر یہ کمرے سے کچھ بھی بے بغیر نکل آئی اور کہہ رہی ہے کہ میں نے اسے دھکے دے کر کمرے سے نکال دیا، مانتا ہوں میں نے اسے کمرے سے دفع ہو جانے کو کہا تھا، مگر جو کچھ یہ کہہ رہی ہے ایسا میں نے کچھ نہیں کیا، یہ مجھے کچھ سمجھے نہ سمجھے، مگر یہ مجھے شازمین کی ہی طرح عزیز ہے، یہ چاہے مجھے فقط بھائی بولتی ہے، میں نے اسے ہمیشہ چھوٹی بہن ہی سمجھا ہے اور بڑا بھائی ہونے کے ناتے ہی میں نے مداخلت کی تھی جو اسے پسند نہیں آئی، تو آئندہ کچھ نہیں کہوں گا''۔ وہ اپنی بات مکمل کر کے وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔
''جس کا جو دل چاہے مجھے کہہ دے، میرے ساتھ ہر طرح کا بُرا سلوک کر لے اور پھر رشتوں کی دہائی دیتے

جائے''۔
''چپ کر جا حنین! کیوں ایسی باتیں کر کے گھر کا سکون برباد کرنے پر تلی ہے؟''
''آپ کو تو میں ہی غلط لگتی ہوں ممی! میرے ساتھ ہونے والا بُرا سلوک آپ کو نظر نہیں آتا؟'' پتہ نہیں کہاں سے اُس کے اندر اتنا غبار جمع ہو گیا تھا، وہ سب اس کی شکل دیکھ رہے تھے، جس کے منہ سے نکلنے سے پہلے اس کی ہر خواہش پوری کی گئی تھی، وہ کون سے بُرے سلوک کی بات کر رہی تھی؟ یہ وہ سمجھ نہیں سکے تھے اور وہ دھم دھم کرتی ان سب کو متحیر چھوڑ کر وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

☆.........☆.........☆

''کون ہو تم لوگ؟ ہٹو میرے راستے سے''۔ وہ غصے میں پھپھو کے گھر جانے کے ارادے سے گھر سے نکل آئی تھی، ان کے گھر سے اسٹاپ واکنگ ڈسٹینس پر ہی تھا، وہاں تک پہنچنے میں اُسے مشکل سے 3 سے 4 منٹ لگے ہوں گے، وہ اسٹاپ پر آ کر کھڑی ہی ہوئی تھی کہ اسٹاپ کی دوسری جانب کھڑے 2 لڑکے اُسے اکیلے دیکھ کر اس کے دائیں بائیں آ کھڑے ہوئے تھے اور جیسے ہی اُس نے وہاں سے ہٹنا چاہا تھا کہ ایک اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور ڈر کے مارے اُس کی جان نکلنے لگی تھی۔
''کہاں جانا ہے؟ ہمیں بتاؤ، ہم چھوڑ آئیں گے''۔ ایک نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔
''میں خود چلی جاؤں گی، راستہ دو''۔
''ایسے کیسے راستہ دے دیں میری جان!'' دوسرے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔
''اب تو تمہارے سارے راستے ہم تک ہی آتے ہیں''۔
''بکواس مت کرو اور ہاتھ چھوڑو میرا''۔ وہ ہاتھ چھڑانے کو زور لگا رہی تھی، مگر اس کی گرفت سخت ہو گئی تھی۔
''اتنی آسانی سے تو نہیں چھوڑیں گے''۔ اس نے دانت نکالتے ہوئے کمینگی سے کہا، رات کے اندھیرے میں ہلکی ہلکی روشنی میں وہ گھبرائی ہوئی بھاگنے کو پر تولتی حنین کو تر نوالہ ہی تو سمجھ رہے تھے۔ خوبصورت گلابی چہرہ، بڑی بڑی غلافی آنکھیں، متناسب سراپا، اُس کا دوپٹہ بڑی ہی لاپروائی سے ایک کاندھے پر پڑا تھا، وہ دونوں اُسے کھینچنے لگے تھے اور وہ بُری طرح چلاتے ہوئے کسی کو مدد کے لیے پکار رہی تھی۔
''چھوڑو مجھے، تایا ابو....! اسجد بھائی! ہیلپ می، چھوڑو میرا ہاتھ.....ممی.....!''
''شرافت سے چلتی ہے یا تجھے زبردستی اُٹھا لے جائیں؟''
''میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی، چھوڑو مجھے''۔ رات کے 10 بج رہے تھے، اس لیے نہ لوگ تھے اور نہ ہی گاڑیاں آ جا رہی تھیں کہ یک دم ایک پولیس جیپ آ کر رُکی تھی اور بیک ڈور کھول کر جو باہر آیا تھا اُس پر نظر پڑتے ہی حنین کی جان میں جان آ گئی تھی۔
''ارحم بھیا!'' اُس لڑکے نے حنین کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور وہ بھاگ کر اُن کے چوڑے سینے میں سما گئی تھی۔
''مجھے بچا لیں ارحم بھیا! یہ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے جا رہے تھے''۔ وہ اُن کے سینے سے لگی بلکتے ہوئے کہہ رہی تھی، اُس نے بائیں ہاتھ سے اُسے سہارا دیا تھا اور دائیں ہاتھ سے ریوالور نکال کر بھاگتے ہوئے نوجوانوں کا نشانہ بنایا تھا۔
''ہلنے کی کوشش بھی مت کرنا، ورنہ میں گولی چلا دوں گا''۔ اس کی دھمکی کا کوئی اثر نہ ہوا تھا، اُس نے ہوائی فائر کیا تھا وہ اُن دونوں نے جہاں تھے وہیں رُک کر ہاتھ اوپر کر دیے تھے، حوالدار نے آگے بڑھ کر ان دونوں کو ہتھکڑی لگا دی تھی۔

"کاشف! آپ ان دونوں کو حوالات میں لے جا کر بند کریں، صبح ڈیوٹی پر آنے کے بعد میں دیکھ لوں گا، اب آپ جاؤ، میں گھر خود چلا جاؤں گا۔" سپاہی اسے سلیوٹ کرتا جیپ کی جانب بڑھ گیا تھا، ارحم ڈیوٹی آف کر کے گھر کے لیے نکلا تھا کہ اسے خیال آیا تھا کہ وہ ماموں جان سے مل آئے، اسی خیال سے وہ اس طرف نکل آیا تھا۔

"تم اتنی رات میں یہاں کیا کر رہی تھیں؟" وہ جیپ سے آگے بڑھتے ہی ساتھ کھڑی حنین سے مخاطب ہوا تھا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں حنین! کہ تم اتنی رات گئے اکیلی یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ دبے دبے انداز میں غرایا تھا مگر وہ بس روئے جا رہی تھی، بولی اب بھی کچھ نہیں تھی، ارحم نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور آگے بڑھنے لگا تھا مگر اسے رک جانا پڑا تھا، کیونکہ وہ وہاں سے ہلی بھی نہیں تھی۔

"اب کیا ہوا؟ چلو گھر....."

"میں گھر نہیں جاؤں گی۔"

"واٹ..... دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، گھر کیوں نہیں جاؤ گی؟" وہ رک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"مجھے پھپھو کے پاس جانا ہے۔"

"گھر پر کوئی بات ہوئی ہے؟"

"میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی، مجھے اپنے گھر لے جائیں، میں تایا ابو کے گھر نہیں جاؤں گی، وہاں کسی کو مجھ سے محبت نہیں ہے، کسی کو میری ضرورت بھی نہیں ہے۔" لہجہ جذباتی اور شکوہ کناں تھا۔

"تم کیا بکواس کر رہی ہو؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"

"سب کو یہی لگتا ہے کہ میں بکواس کر رہی ہوں، آپ مجھے پھپھو کے پاس نہیں لے جا سکتے تو ٹھیک ہے، میں خود ہی چلی جاؤں گی۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا اور کچھ نہیں، خود کیسے جاؤ گی، جیسے ابھی جا رہی تھیں ویسے؟" وہ جاتی ہوئی حنین کا راستہ روکتے ہوئے نہایت طنز سے بولا تھا۔

"آپ کچھ بھی کہیں، مجھے اپنے گھر لے جا سکتے ہیں تو....."

"گھر پر کسی کو معلوم ہے یا تم بغیر بتائے گھر سے نکلی ہو؟"

"میں کسی کو کیوں بتاؤں، جب کسی کو میری پرواہ ہی نہیں ہے؟ ممی نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا، تائی نے ڈانٹا اور تو اور بھائی... انہوں نے بھی مجھے تھپڑ مارا، اب میں کبھی اس گھر میں نہیں جاؤں گی، مجھے پھپھو کے پاس جانا ہے۔" وہ بے تحاشا روتی رہی، وہ حنین کو محض دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"اوکے تم رو نہیں، میں تمہیں گھر لے چلتا ہوں۔" وہ ماموں کے گھر جانے کا ارادہ ملتوی کر گیا تھا۔

"گھر سے کب نکلی تھیں؟" وہ یہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ اس کی غیر موجودگی کا ان لوگوں کو علم ہو گیا ہو گا یا نہیں؟

"بہت دیر ہو گئی ہوگی، میں نے تو سوچا تھا رکشہ سے آپ کے گھر چلی جاؤں گی، اسی لیے یہاں اسٹاپ تک آئی تھی مگر وہ دونوں نہ جانے کہاں سے آ گئے اور مجھ سے بدتمیزی کرنے لگے۔" وہ روتے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔ جبھی کچھ دیر بعد ایک آٹو وہاں سے گزرا تھا جسے ارحم نے ہاتھ دے دیا تھا۔

"حنین! چپ کر جاؤ، ہم گھر چل رہے ہیں۔" ارحم نے بمشکل اشتعال کو قابو میں کرتے ہوئے اسے رکشے میں بیٹھنے کو کہا تھا۔

☆......☆......☆

(جاری ہے)

سعدیہ عابد

قسط نمبر 3 ۔

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

''السلام علیکم! ماموں جان! کیسے ہیں آپ؟'' نوید عالم کا سیل نمبر دیکھ کر اس نے پہلی ہی بیل پر ریسیو کر لیا تھا کیونکہ اس نے انہی کو کال کرنے کے لیے سیل فون جیب سے نکالا تھا۔

''ارحم! وہ حنین کہیں چلی گئی ہے، تم اُسے ڈھونڈو، وہ نجانے کہاں ہوگی''۔ وہ اس کے سلام کا جواب دیے بغیر تیزی سے بولے تھے۔

''پریشان نہ ہوں ماموں جان! حنین میرے ساتھ ہے''۔

''کیا....! تمہارے ساتھ، مگر وہ تمہیں ملی کہاں؟''

''وہ سب بعد میں بتا دوں گا، میں اُسے لے کر گھر جا رہا ہوں''۔

''تم اسے گھر کیوں نہیں لے آتے؟ ساجدہ کا تو رو رو کر بُرا حال ہو رہا ہے''۔

''حنین گھر نہیں آنا چاہتی تھی، اس لیے میں اُسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں''۔ ارحم نے وجہ بتائی تھی اور انہوں نے آنے کا کہہ کر فون بند کر دیا تھا، اُس کا سیل پھر بجنے لگا تھا۔

''راحم! پریشان نہ ہو، حنین میرے ساتھ ہے، گھر آ کر بات کرتا ہوں''۔ اسے کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر اس نے لائن کاٹ دی تھی۔

”آپ نے تایا ابو کو کیوں بتایا کہ میں آپ کے ساتھ....“

”شٹ اپ حنین! تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ وہ سب کتنے پریشان ہیں“۔ اس کے ڈپٹنے پر وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

زرمین اُس کا کھانا لے کر گئی تھی، مگر وہ کمرے میں نہیں تھی، اس نے نیچے آ کر بتایا تھا۔

”امی! حنین اپنے کمرے میں نہیں ہے“۔

”واٹ.... یہ آپ کیا کہہ رہی ہو زرمین بیٹا! ٹھیک سے دیکھنا تھا، وہ وہیں ہوں گی، جا کہاں سکتی ہیں حنین؟“

”ابو! میں نے پورا کمرہ، واش روم، اسٹڈی ہر ایک جگہ دیکھا، مگر وہ کہیں نہیں ہے“۔ زرمین پریشانی سے بولی تھی اور اس کے بعد حنین کو گھر کے کونے کونے میں ڈھونڈا گیا، مگر وہ گھر میں ہوتی تو ملتی۔

”ابو! مین گیٹ کھلا ہوا ہے، شاید وہ کہیں چلی گئی ہے“۔ اسجد نے باہر سے اندر آتے ہوئے کہا تھا۔

”اتنی رات میں وہ کہاں جا سکتی ہے؟ اُسے تو ڈھنگ سے راستے بھی نہیں پتہ“۔ ساجدہ روتے ہوئے صوفے پر ڈھے سی گئی تھیں، یہی کچھ حال راشدہ کا بھی تھا۔

”ہو سکتا ہے وہ پھپھو کی طرف چلی گئی ہو، ہمیں پھپھو کے ہاں کال کر کے پوچھنا چاہیئے“۔ شازمین نے مشورہ دیا تھا۔

”ہاں، شاید ہو سکتا ہے وہ وہیں چلی گئی ہو، مگر ڈائریکٹ کچھ مت پوچھنا، ورنہ پھپھو پریشان ہو جائیں گی“۔ اسجد نے اُس کی بات کی حمایت کرتے ہوئے ساتھ ہی ہدایت بھی کی تھی، شازمین پی ٹی سی ایل سے پھپھو کے گھر کا نمبر ملانے لگی تھی، وہ ٹینشن میں یہ بھی بھول گئی تھی کہ جب سے اُس کی منگنی ہوئی ہے وہ نہ وہاں جاتی تھی نہ ہی خود سے فون کرتی تھی۔

”ہیلو! میں شازمین بات کر رہی ہوں“۔ کال ریسیو ہوتے ہی وہ بولی تھی۔

”زہے نصیب....! آج کیسے میری یاد آ گئی؟“ راحم کا خوشگوار لہجہ اس کے کانوں میں گونجا تھا۔

”پھپھو ہیں گھر میں؟ مجھے پھپھو سے بات کرنی ہے“۔

”پھپھو کے بیٹے سے بات نہیں کر سکتیں؟“

”پلیز....! پھپھو کو فون دے دیں“۔ وہ ملتجی ہوئی تھی اور اس کی بھرائی ہوئی آواز اُسے پریشان کر گئی تھی۔

”شاز! سب خیریت تو ہے؟“

”حنین....!“ اس کی آواز حلق میں پھنس گئی تھی اور وہ اُس کی ہدایت بھی بھول گئی تھی۔

”حنین!.... کیا ہوا حنین کو؟ کچھ تو بولو شازمین!“

”وہ حنین پتہ نہیں کہاں چلی گئی ہے“۔

”کیا.... کب.... مگر تم پریشان نہ ہو، میں ارحم بھیا سے بات کرتا ہوں“۔ راحم کے کہنے پر اُس نے ریسیور مزید کچھ بھی کہے بغیر کریڈل پر ڈال دیا تھا۔

”وہ وہاں نہیں گئی، راحم کہہ رہے تھے کہ وہ ارحم بھیا سے بات کریں گے“۔ شازمین نے اتنا ہی کہا تھا کہ نوید عالم ارحم کا نمبر ڈائل کرنے لگے تھے، اور اس سے بات کر کے وہ مطمئن ہو گئے تھے۔

”آپ لوگ پریشان نہ ہوں، حنین، ارحم کے ساتھ ہے“۔

”ارحم کے ساتھ.... وہ ارحم کو کہاں مل گئی؟“

”یہ تو مجھے بھی نہیں پتہ، اور ارحم کہہ رہا تھا کہ وہ گھر نہیں آنا چاہتی، اس لیے وہ اُسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہے“۔

”بھائی صاحب! مجھے ابھی فریدہ کے گھر جانا ہے“۔ ساجدہ درمیان میں کہہ اُٹھی تھیں اور وہ دونوں نوید عالم کے ساتھ فریدہ کے ہاں جانے کے لیے نکل گئی تھیں، بہنوں کی وجہ سے اسجد گھر پر ہی رُک گیا تھا، اور وہ تینوں جس وقت وہاں پہنچے تھے سب ہی گھر والے لاؤنج میں موجود تھے اور حنین، فریدہ کے برابر صوفے پر اُن کی گود میں سر رکھے بیٹھی تھی۔

☆..........☆..........☆

”حنین! کہاں چلی گئی تھیں بیٹا؟ سب کتنا پریشان ہو گئے تھے“۔ فریدہ اُسے دیکھتے ہی بولی تھیں کیونکہ راحم نے انہیں بتا دیا تھا اور وہ راشدہ سے بات بھی کر چکی تھیں۔

”پھپھو! وہاں مجھ سے کوئی محبت نہیں کرتا، اس لیے میں آپ کے پاس آ گئی ہوں“۔ وہ اُن کے سینے سے لگتے ہوئے بولی تھی اور ان کے تو خاک بھی پلے نہیں پڑا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

”ارحم! یہ تمہیں کہاں سے ملی؟ اور یہ سب کیا کہہ رہی ہے؟“

”مما! مجھے خود اس کی باتیں سمجھ نہیں آ رہیں، میں تو ماموں جان سے ملنے کے لیے جا رہا تھا، گلی میں گاڑی مڑی تو ایک لڑکی کے چیخنے کی آواز پر میں نے ڈرائیور سے کہہ کر گاڑی رُکوائی، مجھے تو اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہاں یہ حنین ہو گی، یہ بے وقوف لڑکی بے سوچے سمجھے اتنی رات میں گھر سے اکیلی نکل آئی اور اسے اکیلے دیکھ کر لڑکے تنگ کرنے لگے، وہ تو اچھا ہوا میں وہاں وقت پر پہنچ گیا، ورنہ نجانے کیا ہوتا، آپ پوچھیں اس سے کہ اس طرح اتنی رات کو یہ گھر سے نکلی ہی کیوں؟ اوپر سے وہاں سڑک پر جمی کھڑی تھی کہ گھر نہیں جاؤں گی، اس لیے اسے میں یہاں لے کر آیا ہوں“۔ وہ کیپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

”پھپھو! اب میں وہاں کبھی نہیں جاؤں گی، وہاں کسی کو میری پروا نہیں ہے، ممی مجھے ہر وقت ڈانٹتی رہتی ہیں اور تائی بھی، ممی نے مجھے صبح تھپڑ مارا، اور اسجد بھائی نے میری بہت انسلٹ کی، مجھے اپنے کمرے سے دفع ہو جانے کو کہا، مجھے طمانچہ مارا، اور کمرے سے دھکے دے کر نکال دیا“۔

”مگر کیوں بیٹا؟“ وہ تو اتنا سب سن کر ہی حیران رہ گئی تھیں۔

”میں آفس جوائن کرنا چاہتی ہوں پھپھو! اور تایا ابو نے مجھے اجازت بھی دے دی تھی، مگر اسجد بھائی نے منع کر دیا اور مجھ پر غصہ کرتے ہوئے وہ آج صبح ناشتہ کیے بغیر چلے گئے، جس پر ممی نے مجھے مارا، اور بہت بُرا بھلا کہا۔ اور جب اسجد بھائی آفس سے آئے تب میں اُن کے کمرے میں بات کرنے گئی تھی، مگر انہوں نے مجھے بہت بے عزت کیا، ممی نے اس پر بھی اُن ہی کی سائیڈ لی، وہ میری ممی نہیں ہیں، وہ مجھ سے پیار بھی نہیں کرتیں، اب میں اُن سے بالکل بات نہیں کروں گی، وہاں اب کبھی نہیں جاؤں گی، آپ تو محبت کرتی ہیں ناں مجھ سے پھپھو! مجھے اپنے گھر میں رکھ لیں گی؟“ فریدہ نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

”چپ کر جاؤ بیٹا! میں سب سے بات کروں گی اور اسجد....!“

”اُن کا تو آپ نام بھی مت لیں، وہ بہت بُرے ہیں، انہوں نے میرا بازو اتنی زور سے پکڑا تھا کہ مجھے ابھی تک درد ہو رہا ہے، انہی کی وجہ سے میں نے گھر چھوڑا ہے“۔

”حنین بیٹا! آپ کو گھر سے لیکن اس طرح نہیں نکلنا چاہیئے تھا، آپ کو کچھ ہو جاتا تو؟“

”اس سب کے ذمہ دار وہی ہیں اور انہی کی وجہ سے تایا ابو مجھے گاڑی نہیں دلاتے، مجھے سیکھنے بھی نہیں دیتے، اگر میرے پاس گاڑی ہوتی تو میں آرام سے آپ کے پاس آ جاتی، مجھے رکشے کے لیے اسٹاپ تک جانا نہیں پڑتا اور نہ ہی وہ لڑکے مجھے تنگ کرتے، وہ میرے ساتھ بہت بدتمیزی کر رہے تھے پھپھو!“ اس نے روتے ہوئے بتایا۔

فریدہ نے اُسے پانی پلایا۔

''بس چپ کر جاؤ، اب بالکل نہیں رونا''۔ انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے تھے اور اُس نے ان کی گود میں سَر رکھ دیا تھا۔

''پھپھو! میں اسجد بھائی سے اب بالکل بات نہیں کروں گی، وہ کہتے ہیں کہ وہ مجھے بالکل زرمین آپی اور شازمین بجو کی طرح سمجھتے ہیں، مگر وہ جھوٹ بولتے ہیں، انہوں نے کبھی شازمین بجو پر ہاتھ نہیں اُٹھایا، کبھی زرمین آپی کو نہیں ڈانٹا مگر مجھے ہر وقت ڈانٹتے رہتے ہیں، اور آج تو انہوں نے....''

''تم چپ کر جاؤ بس، میں اسجد کو بہت ڈانٹوں گی''۔

''ماریے گا بھی پھپھو! کیونکہ انہوں نے مجھے یہاں میرے چہرے پر ہٹ کیا ہے''۔ وہ سیدھی ہوئی تھی جبھی اُس کی نگاہ راحم کے ساتھ آتے نوید عالم پر پڑی تھی۔

''پھپھو! یہ سب یہاں کیوں آئے ہیں؟ میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی''۔ اس نے فریدہ کا بازو دبوچ لیا تھا۔

''نائدہ بیٹا! بہن کو اپنے کمرے میں لے جاؤ''۔ کب سے خاموش بیٹھے یوسف الحسن نے مائدہ کو مخاطب کر کے کہا تھا اور وہ حنین کو اپنے ساتھ لے گئی تھی، ساجدہ بُری طرح رو رہی تھیں۔

''مای! پلیز روئیے نہیں، وہ بالکل ٹھیک ہے''۔ ارحم نے انہیں شانوں سے تھامتے ہوئے صوفے پر لا بٹھایا تھا۔

''اگر اُسے کچھ ہو جاتا تو میں تو جیتے جی مر جاتی''۔ اُس نے راحم کو پانی لانے کا اشارہ کیا تھا اور اُن کے برابر بیٹھ گیا تھا۔

''اتنی سی بات پر وہ بغیر سوچے سمجھے گھر سے نکل گئی، اگر وہ تمہیں نہ ملتی بلکہ غلط ہاتھوں میں پہنچ جاتی تو میں کیا کرتی؟ میری تو بس یہی ایک بیٹی ہے جس کی خاطر میں جی رہی ہوں''۔

''پانی پی لیں مای! اور کچھ بھی مت سوچیں، بچپنا بہت ہے اس میں اور کوئی بات نہیں ہے، ہم سب مل کر سمجھائیں گے تو سمجھ جائے گی''۔ ارحم نے زبردستی انہیں پانی پلایا تھا۔

''ماموں جان! آپ کیوں پریشان بیٹھے ہیں؟ میں نے کہا ناں وہ بالکل ٹھیک ہے، وہ مجھے آپ کے گھر کے نزدیکی اسٹاپ پر ہی مل گئی تھی''۔ وہ تفصیل انہیں بتانے لگا تھا۔ وہ ابھی تک یونیفارم میں تھا۔

''بھائی صاحب! ایسا کیا ہوا تھا کہ حنین نے انتہائی قدم اُٹھایا؟ آج ارحم اگر وہاں نہ پہنچتا تو نجانے کیا ہو جاتا''۔

''مما! جو ہوا نہیں ہے اُسے سوچ کر کیوں پریشان ہوں، اور ماموں جان پہلے ہی ڈسٹرب ہیں، آپ کی ایسی باتیں انہیں مزید پریشان کریں گی''۔ راحم نے مداخلت کی تھی۔

''لیکن بات تو یہ ہے ناں کہ حنین نے ایسا کیوں کیا؟ اور اسجد نے اس پر ہاتھ کیوں اُٹھایا؟'' یوسف الحسن بھی بولے تھے۔

''بھیا جی! اسجد بیٹے کا بھی قصور نہیں ہے، حنین کی ہی ساری غلطی تھی، اُس نے بڑے بھائی سے کتنی بدتمیزی کی، مگر اُسے اس بات کا احساس نہیں ہے''۔ ساجدہ نے اسجد کی حمایت کی تھی۔

''بدتمیزی کی تھی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اسجد اس پر ہاتھ اُٹھاتا؟ وہ اگر غلطی پر بھی تھی تو اسجد کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا''۔ فریدہ صاف گوئی سے بولی تھیں۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ جس کے بارے میں کہہ رہی ہیں وہ صرف بھتیجا

''فریدہ! تم کچھ نہیں جانتیں، اس لیے ایسے کہہ رہی ہو''۔ ساجدہ نے انہیں وقتاً فوقتاً ہونے والی تمام بحث ولڑائیاں کہہ سنائی تھیں۔

''نوکری کرنے کا خناس نجانے کہاں سے سما گیا ہے، اور حق کی بات کرتی ہے، یہ نہیں جانتی کہ اس کا تو کچھ ہے ہی نہیں''۔ وہ دکھ سے بولی تھیں۔

''پلیز ساجدہ! فضول باتیں نہیں کریں''۔ نوید عالم انہیں ٹوک گئے تھے۔

''فضول باتیں.... بھائی صاحب! آپ نے کیا کچھ نہیں کیا اس کے لیے، اور آج وہ آپ کے ہی خلاف ہو گئی ہے، کون سے حصے کی بات کرتی ہے؟ اس کے باپ کا ہے ہی کیا؟'' دوپٹے میں آنسو جذب کرتے ہوئے وہ نوید عالم کو دیکھنے لگی تھیں۔

''چپ کر جاؤ ساجدہ! تمہاری ایسی ہی باتوں نے اس کے دل میں غبار بھر دیا ہے، میں نے کبھی اس میں اور اپنی بچیوں میں فرق نہیں کیا''۔ راشدہ نے انہیں کچھ کہنے سے روکنا چاہا تھا، مگر وہ بات کاٹ کر دوبارہ بولی تھیں۔

''فرق آپ لوگوں نے نہیں، خود اُس نے پیدا کیا ہے''۔

''اس میں کس کا قصور ہے بھابی! اگر حنین خود اس فرق کو پیدا کر رہی ہے تو اس کی وجہ ہوگی، اور آپ ماں ہو کر اُسے سمجھنے کی بجائے اُلٹا اُس پر لعن طعن کرتی رہتی ہیں۔ مائنڈ مت کیجئے گا بھابی! مگر سچائی یہی ہے، حنین میں بچپنا بہت ہے، اور ابھی اس کی عمر ہی کتنی ہے 16 سال، اور آپ اتنی سی عمر میں اُسے میچور بنا دینا چاہتی ہیں، آپ اُسے زرمین کی طرح کھانے پکانے میں ماہر، شازمین کی طرح سلائی میں ماہر اور مائدہ کی طرح صفائی پسند بنا دینا چاہتی ہیں، آپ اُسے حنین ہی رہنے دیں، کھانا بنانا وہ نہیں چاہتی تو مت بنوائیں اُس سے، کتنی ہی عورتوں کو کھانا بنانا نہیں آتا، ایک ہماری حنین کو بھی نہیں آئے گا تو کون سی قیامت آ جائے گی؟ آپ اُسے ایک ایک کی مثالیں دے کر اُسے کبھی زرمین کے جیسا تو کبھی مائدہ کے جیسا بننے کا مشورہ دے کر اُسے خود سے دور کر رہی ہیں، اُس کی نیچر ڈیفرنٹ ہے اور ہمیں اُسے اس کے حساب سے ہی ٹریٹ کرنا چاہیے، بچہ اگر ناجائز ضد کر رہا ہو تو اُسے پیار سے روکا جائے تو بچہ مان لیتا ہے، مگر سختی کی جائے تو اُس کی ضد بڑھ جاتی ہے اور یہ والدین کے ہی ہاتھوں میں ہوتا ہے کہ وہ بچوں کو کس طرح کچھ بُرا کرنے سے روکیں۔ میں مانتی ہوں کہ حنین نے آپ سب کے ساتھ بہت بدتمیزی کی، مگر اُسے پیار سے سمجھایا جاتا تو وہ مان جاتی، مگر بات آپ لوگوں کے سخت رویے کی وجہ سے بڑھی، پہلے آپ نے اور بعد میں اسجد نے اس پر ہاتھ اُٹھایا، اسجد کے ناشتہ کیے بغیر جانے کا ذمہ دار اُسے ٹھہرایا گیا، ٹھیک ہے سبب وہی تھی، مگر یہ اُسے جتانا ضروری نہیں تھا، اور اُس نے غصے میں جو قدم اُٹھایا، اگر اُس کے ساتھ کچھ غلط ہو جاتا اس کے نتیجے میں تو کون ذمہ دار ہوتا؟ کیونکہ اُسے اتنی عقل نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہی ہے، اُسے ڈانٹا مارا گیا تو اُس نے سوچا کوئی اُس سے محبت نہیں کرتا، اس لیے وہ میرے پاس آنا چاہ رہی تھی، یعنی وہ محبت و توجہ چاہتی ہے۔ بچپن سے اُس کے بہت لاڈ اُٹھائے گئے ہیں اب اس کے ایک دم پیچھے پڑ جائیں گے تو وہ ہم سے ہی بدظن ہوگی، جب سے وہ میرے پاس آئی تھی بس اسجد کی بُرائی کر رہی تھی، ایسا نہیں ہے کہ وہ اسجد کو کچھ غلط کہہ رہی تھی، اُس نے یہی کہا کہ وہ اُسے بہن کہتا ہے سمجھتا نہیں، جبکہ سچائی یہ نہیں ہے، ہم سب نے دیکھا ہے اسجد اس کی کتنی پرواہ کرتا ہے اور بات یہی ہے، اسجد کے اندر شدت پسندی بہت ہے، وہ اس کی پرواہ کرتا ہے، مگر جب کسی بھی بات کی مخالفت پر آتا ہے تو بے انتہا سختی سے کام لیتا ہے اور وہ یہ سب برداشت نہیں کر پاتی۔ اسجد کی حرکت سے وہ بے طرح ہرٹ ہوئی ہے، میں اسجد کو جانتی ہوں اُس نے غصے میں جانے کو ضرور کہا ہوگا، مگر ہاتھ پکڑ کر نکالا نہیں ہوگا، مگر وہ برملا کہہ رہی ہے کہ اسجد نے اُسے کمرے سے

نکلا، تو ایسا نہیں ہے کہ وہ اُس پر بہتان باندھ رہی ہے، اسجد کے انداز سے اُسے ایسا لگا ہوگا تو اُس نے وہی کہہ دیا، ہم سب کو اُسے سمجھنے کی ضرورت ہے، محبت واپنائیت سے اُسے سمجھایا جائے گا تو وہ مان جائے گی، اور ظرف تو ہم سب کو ہی بڑا رکھنا ہوگا، کیونکہ وہ تو ہے ہی سب سے چھوٹی، اُسے اہمیت دیں گے تو ہی بات بنے گی ورنہ بہت مشکل ہو جائے گی"۔ فریدہ نے لمحوں میں حنین کے ساتھ سب ہی کی ذات کی کمزوریاں بھی کھول کر رکھ دی تھیں۔

"یہ بات مجھے بھی لگتی ہے، یہی میں بھی ساجدہ کو سمجھاتا ہوں، اسی لیے میں نے حنین کو آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دی کیونکہ میں حنین کو اچھی طرح سے سمجھتا ہوں، وہ 2، 3 دن آفس جاتیں اور اُن کا شوق ختم.... اور یہی بات میں اسجد کو بھی سمجھانا چاہ رہا تھا، مگر اسجد سے میں کھل کر بات نہیں کر سکا اور حنین نے خود جا کر اس سے بات کرلی، اور وہ سب ہوگیا، ورنہ نوبت کبھی بھی یہاں تک نہ پہنچتی"۔ نوید عالم نے ان کی بات کی حمایت میں ہی بات آگے بڑھاتے ہوئے اپنے دل کی بات سامنے رکھ دی تھی۔

"چلیں بھئی! اب تو جو ہونا تھا ہوگیا ہے، چل کر ہم سب کھانا کھا لیتے ہیں، بڑی ہی بھوک لگی ہے، مائدہ بیٹی! جا کر دسترخوان سجاؤ، ہم سب آرہے ہیں"۔ یوسف الحسن نے بات نکلنے سے پہلے ہی اُسے ختم کر دینا چاہا تھا۔

"ہاں مائدہ بیٹا! آپ کے ہاتھ کا کھانا کھائے ہوئے دن بھی بڑے ہوگئے ہیں اور بھوک بھی زبردست لگی ہوئی ہے، آج تو ہم سب ہی سیر ہو کر اپنی بیٹی کے ہاتھ کا کھانا کھائیں گے"۔ نوید عالم کے پیار بھرے انداز پر وہ مسکراتے ہوئے پلٹ گئی تھی۔

"میں چینج کر کے آتا ہوں، بھوک تو مجھے بھی واقعی لگی ہوئی ہے"۔ ارحم اُٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"میں جا کر مائدہ کی مدد کر دیتا ہوں، یہاں تو سارے ہی بھوکے جمع ہیں"۔ راحم مذاق سے کہتا ہوا کچن کی طرف بڑھ گیا تھا۔ مائدہ نے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا چننے کے بعد اپنے اور حنین کے لیے ٹرے میں کھانا رکھا تھا اور اُن سب کو کھانے کے لیے بلا لائی تھی۔

"جاؤ بیٹا! حنین کے لیے کھانا لے جاؤ، آپ بھی اُسی کے ساتھ کھا لینا، ہمیں جس چیز کی ضرورت ہوگی خود لے لیں گے"۔ نوید عالم چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولے تھے اور وہ اثبات میں سر ہلاتی وہاں سے ہٹ گئی تھی، پھر بڑے ہی خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا تھا اور کھانے کے بعد چائے کا دور چل رہا تھا، جب زرمین کی شادی کی بات فریدہ نے کر دی تھی اور اس موضوع پر کافی ہی دیر بات چلتی رہی تھی۔

☆..........☆..........☆

"اسجد بھائی! کھانا کھا لیں"۔ اُس نے صبح سے ہی کچھ نہیں کھایا تھا، اس لیے زرمین سے ابھی آنے کا کہہ کر وہ چینج کرنے چلا گیا تھا"۔ کیونکہ وہ خود کو بہت تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا، اس لیے ایسے ہی بیڈ پر نیم دراز تھا، یسریٰ کی ٹینشن کی وجہ سے وہ حنین کے ساتھ اتنی سختی سے پیش آیا تھا، مگر حنین کا ردِعمل اُسے دکھ سے دوچار کرتے ہوئے اُس کی ٹینشن کو مزید بڑھانے کا سبب بن گیا تھا۔

"تو وغیرہ کیا ابھی تک پھپھو کے ہاں سے نہیں آئے؟"

"راحم کا فون آیا تھا کہ وہ لوگ کھانا کھا کر آئیں گے، اس لیے ہم لوگ کھانا کھا لیں"۔ زرمین اپنی چیئر پر بیٹھتے ہوئے بتانے لگی تھی، راحم کا فون اُسی نے اٹینڈ کیا تھا۔

"حنین کیسی ہے، وہ ٹھیک تو ہے؟"

"وہ ٹھیک ہے، ارحم کو وہ اپنے ہی اسٹاپ پر مل گئی تھی"۔ زرمین اس کی فکرمندی ختم کرنے کے لیے راحم سے ہونے

والی گفتگو بتانے لگی تھی۔

"تھینک گاڈ کہ وہ ارحم کو مل گئی تھی، وگرنہ اس کی جذباتیت نجانے کیا رنگ لاتی"۔ وہ کہتے ہوئے نوالہ منہ میں رکھ گیا تھا۔

"اسجد بھائی! آپ کو حنین پر ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہیے تھا"۔

"وہ سب ٹینشن میں ہوگیا، ایسا تو کبھی میں نے سوچا بھی نہیں تھا، اسی لیے میں نے اُس وقت حنین کو جانے کو کہا تھا، کیونکہ میں اپنی فرسٹریشن اُس پر نہیں نکالنا چاہتا تھا، مگر وہ ضدی لڑکی..."۔ اُس کے ہنکارا بھرنے پر شازمین بولی تھی۔

"جو ہونا تھا وہ ہوگیا، لیکن حنین کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا"۔

"اب کیا کہہ سکتے ہیں، یہ تو ہم میں سے کسی کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ غصے میں گھر سے ہی نکل جائے گی"۔ زرمین قدرے افسوس سے کہہ رہی تھی۔

"بھائی! آپ کچھ ڈسٹرب لگ رہے ہیں، کیا کوئی پریشانی والی بات ہے؟"

"ہاں.... تھی ایک پرابلم، مگر اب وہ سولو ہو چکی ہے، یو ڈونٹ وری"۔ وہ نیپکن سے منہ اور ہاتھ صاف کرتا چیئر کھسکا کر اُٹھ گیا تھا۔

"زرمین! چائے مجھے کمرے میں دے دینا"۔

"پتہ نہیں کیا بات ہے جو اسجد بھائی ہم سے چھپا رہے ہیں"۔

"ہو سکتا ہے بات ایسی ہو جو وہ بتا نہ سکتے ہوں، اور وہ جب کہہ رہے تھے کہ مسئلہ حل ہو چکا ہے تو تمہیں فضول کی سوچیں پالنے کی ضرورت نہیں ہے اور اب فوراً اُٹھو، جا کر چائے بناؤ، اور مجھے بھی کمرے میں ہی دے دینا، طبیعت کچھ بوجھل سی ہو رہی ہے، برتن صبح دھو لوں گی، تم صرف چائے بنا لینا"۔ وہ چھوٹی بہن کو ہدایت کرتی اُٹھ گئی تھی اور شازمین نے چائے چڑھا کر برتن دھونے شروع کر دیے تھے اور جتنی دیر میں چائے بنی تھی برتن بھی دھل گئے تھے اور وہ اسجد کو چائے دے کر دو کپ ٹرے میں رکھے زرمین کے کمرے میں آگئی تھی۔

"زرمین آپی! سر میں بہت درد ہو رہا ہے تو میں دبا دوں؟" زرمین سیدھے ہاتھ سے ماتھا اور کنپٹی مسل رہی تھی، تو اُسے فکر سی ہونے لگی تھی۔

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے"۔ وہ بیٹھتے ہوئے کپ اُٹھانے لگی تھی۔

"آپ حنین کے بارے میں سوچ رہی ہیں؟"

"نہیں، اُس بے وقوف سے مجھے اتنی بڑی غلطی کی توقع نہیں تھی، پتہ نہیں فضول سوچیں کہاں سے اُس کے دماغ میں آ جاتی ہیں"۔ وہ اس کی بات کی نفی کرتے ہوئے اُسی موضوع کو کھول بیٹھی تھی۔

"لیکن ارحم بھیا.... وہ یہاں کیا کر رہے تھے؟"

"اب بے وقوفوں والی باتیں تو نہ کرو، ظاہر ہے وہ ہمارے ہی گھر آ رہے ہوں گے"۔ اس کے چڑنے پر وہ کچھ خفیف سی ہوگئی تھی۔

"میرا یہ مطلب تھوڑی تھا، آپ یہ بتائیے آپی! کہ آپ حنین کو لے کر پریشان ہیں یا کوئی اور بات ہے؟"

"کیسی باتیں کر رہی ہو شازمین! ظاہر ہے میں حنین کو ہی لے کر پریشان ہوں، اس کی حرکت نے ہم سب کو ہی پریشان کر دیا تھا"۔

"مگر وہ خیریت سے ہے، اس لیے آپ کو ریلکس ہو جانا چاہیے، آپ کہیں فیصل بھائی کے بارے میں تو نہیں سوچ رہیں؟" وہ ایکسائیٹڈ ہوگئی تھی اور تکیہ گود میں رکھتے ہوئے شریر نگاہوں سے بہن کو دیکھنے لگی تھی۔

"میں اُن کے بارے میں کیوں سوچوں گی؟" وہ کچھ خفا ہوئی تھی، مگر جس کی پروا نہ کرتے ہوئے وہ فل فارم میں آچکی تھی۔

"کیوں بھئی! آپ کیوں فیصل بھائی کے بارے میں نہیں سوچیں گی، آفٹر آل وہ آپ کے ہونے والے شوہر ہیں، آپ کو تو اب اُن کے خواب دیکھنے کی بھی اجازت ہے"۔

"فضول باتیں نہ کرو شازمین! میرے سَر میں پہلے ہی درد ہو رہا ہے"۔

"یہ بتایئے نا آپ کو وہ لگتے کیسے ہیں؟"

"جیسے ہیں ویسے ہی لگتے ہیں، اب اُٹھو یہاں سے"۔

"کیا آپی! اب مجھ سے بھی چھپائیں گی؟ بتایئے ناں، آپ کو فیصل بھائی کیسے لگتے ہیں؟ آپ کی اُن سے بہت جلد شادی ہونے والی ہے، شاید اسی ماہ.....!"

"شازمین! کیوں دماغ خراب کر رہی ہو؟"

"آپ مجھے جب تک نہیں بتائیں گی کہ آپ کو بھائی پسند ہیں یا نہیں، تو میں یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں"۔ وہ اس کا روڈ انداز نظر انداز کرتے ہوئے پھیل کر بیٹھ گئی تھی۔

"میں نے فیصل کے بارے میں اس طرح کبھی نہیں سوچا تھا"۔

"کیا وہ آپ کو ناپسند ہیں؟"

"میں نے ایسا نہیں کہا، فیصل کی فیملی سے ہماری فیملی کے بہت اچھے تعلقات ہیں، فیصل کے بارے میں، میں نے یہ گمان کبھی نہیں کیا تھا"۔

"کیا آپ کسی اور کو پسند کرتی ہیں؟" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی تھی اور وہ دھک سے رہ گئی تھی اور دل کا چور چھپانے کے لیے خفگی سے بولی تھی۔

"بس اپنی ہی ہانکے جایا کرو، میں نے ایسا کب کہا؟"

"وہ مجھے ایسا لگا تو میں نے کہہ دیا، کیونکہ آپ جب سے ہی مضطرب لگ رہی ہیں، جب سے فیصل بھائی کا آپ کے لیے رشتہ آیا ہے"۔ اُس کا انداز پُرسوچ تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، فیصل کو میرے لیے میرے پیرنٹس نے چُنا ہے، اور مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے"۔ وہ صاف گوئی سے کہہ رہی تھی، کیونکہ حقیقت بھی یہی تھی، اُس کے دل میں کوئی اور تھا بھی تو وہ اُسے اپنے دل میں ہی دفن کر دینے کا فیصلہ کر چکی تھی، کیونکہ وہ ان بیٹیوں میں سے نہیں تھی جو والدین کی عزت خراب کرنے کا سبب بنتی ہیں، اس کا شمار تو ان بیٹیوں میں ہوتا تھا جو والدین کے فیصلوں کے احترام میں اپنی بڑی سے بڑی خوشی بھی تیاگ دیتی ہیں اور اُن کا حکم عبادت سمجھ کر مانتی اور پورا کرتی ہیں۔

"یہ بات تو میں محسوس کر ہی سکتی ہوں، جس دن مہوش آنٹی اور انکل شگن کے لیے آئے تھے، امّی نے آپ کو اُسی دن بتایا اور ایک ماہ میں شادی کی بات ہو رہی ہے، نہ آپ سے کسی نے کچھ پوچھا اور نہ ہی آپ نے خود کچھ کہا۔

"وہ بہن کی فرمانبرداری سے واقف تھی۔

"شازمین! تم کیسی باتیں کر رہی ہو، اب امّی، ابو فیصلے تجھ سے پوچھ کر کریں گے؟ تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے اور کچھ نہیں، ورنہ 3 ماہ قبل راحم سے تمہاری منگنی کرتے وقت کب پوچھا گیا تھا اور تو اور اسجد بھائی سے بھی نہیں پوچھا گیا۔ ہمارے پیرنٹس ہمارے لیے جو فیصلے کر رہے ہیں وہ ٹھیک ہیں، انہوں نے ہم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے، ہم اُن کے فیصلوں

کو کیسے چیلنج کر سکتے ہیں؟"

"ہماری زندگی کے اتنے بڑے فیصلے کرتے وقت ہماری رائے تو لی جا سکتی ہے؟"

"یہ بات تمہیں راحم سے منگنی کے وقت کرنی چاہیے تھی، ویسے کیا تمہیں راحم سے رشتے پر اعتراض ہے؟"

"میں نے یہ کب کہا، میں اس رشتے سے بہت خوش ہوں، کیا آپ نہیں جانتیں کہ میں اور راحم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، تو اعتراض کیوں کرتی میں؟ میرے تو دل کی خواہش پوری ہوگئی ہے"۔

"یہی بات ہے، پیرنٹس اپنے بچوں کے بارے میں کبھی غلط نہیں سوچتے، تم نے انہیں کچھ نہیں بتایا، مگر وہ بغیر جانے بھی تمہارے دل کی بات جان گئے اور جہاں تک میری بات ہے، میں اس رشتے کو نہ پسند کرتی ہوں اور نہ میں اس رشتے کے خلاف ہوں، کیونکہ یہ میرے پیرنٹس کا فیصلہ ہے جس کا میں احترام کروں گی"۔ وہ نہایت سچائی سے کہہ رہی تھی۔

"آپ سے تو مجھے یہی اُمید تھی، مگر میں نے یہ ذکر اس لیے کیا کہ مجھے لگتا تھا کہ شاید آپ کسی کو پسند کرتی ہیں، اور ابو کے فیصلے کا احترام کرنے کے لیے چپ ہیں اور آپی! ایسی بات ہے تو آپ اپنے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں، کیونکہ آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ اپنی پسند سے اپنے پیرنٹس کو آگاہ کریں"۔

"لیکن..... میں ایسا نہیں سمجھتی، اور تم جیسا سوچ رہی ہو ویسا تو بالکل نہیں ہے، اگر ایسی کوئی بات ہوتی بھی تو میں کبھی ابو سے تو کیا امی سے بھی نہ کہتی، کیونکہ میرا یہ ایمان ہے کہ پیرنٹس بچوں کا بُرا کبھی نہیں چاہتے اور ابو نے میرے لیے فیصل کو پسند کیا ہے تو یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے ابو سے کروایا ہے، اب میں اپنی پسند بتا بھی دوں تو کیا فائدہ؟ مجھے ملے گا تو وہی جو میرے نصیب میں ہے، اس سے بس اتنا ہوگا کہ میرے والدین کا مان جو وہ مجھ پر رکھتے ہیں، ٹوٹ جائے گا، اور جو میں کبھی نہیں چاہوں گی"۔ زرمین کو وہ بس دیکھ کر رہ گئی تھی، جو آنکھوں کی نمی چھپانے کی کوشش میں چہرہ کچھ جھکا گئی تھی اور انگلیوں کی پوروں میں آنسو جذب کرنے لگی تھی۔

"آپی! آپ محبت کرتی ہیں ناں اور....."

"پلیز شازمین! یہ بات کبھی نہ کرنا، وہ میرا ایک ایسا خواب ہے جو کبھی تعبیر نہیں پائے گا، اور یہ ذکر میری ذات کا مان بکھیر دے گا، اور کیا تم اپنی آپی کو بکھرتا ہوا دیکھنا چاہتی ہو؟" وہ جلدی سے نفی میں سر ہلا گئی تھی اور وہ وہاں سے اُٹھ گئی تھی اور جتنے آنسو اُس نے شازمین کے سامنے روک لیے تھے اُس سے کہیں زیادہ واش روم میں آکر شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر بہا دیے تھے۔

☆..........☆..........☆

"بھائی صاحب! پھر آپ نے زرمین بیٹی کی شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں، آپ خواتین مل بیٹھ کر کوئی فیصلہ کرلیں، تیاریاں بھی تو آپ لوگوں نے ہی کرنی ہوں گی، ہاں جو کام ہمارے کرنے کے ہیں، وہ ہم لوگ کرلیں گے"۔

"میں تو یہی کہوں گا کہ اللہ کا نام لے کر شادی کی تاریخ مقرر کر دینی چاہیے، پھر آگے ہماری زرمین بیٹی کا نصیب، لڑکا اور فیملی دونوں ہی دیکھے بھالے ہیں، سوچ بچار کرنے سے کیا فائدہ؟" یوسف الحسن چائے کے سِپ لیتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"بھیا جی! بیٹیوں کی شادی میں سو بکھیڑے ہوتے ہیں، 20، 22 دنوں میں سب کیسے مینیج ہوگا؟" راشدہ اتنی جلد بازی کے خلاف ہی تھیں۔

"سب مینیج ہو جائے گا بھابی بیگم! اور آپ اکیلی نہیں ہیں، ہم سب بھی تو ہیں، ہم سب مل کر ذمہ داریاں بانٹ لیں

گے''۔

''یوسف بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، بس بھائی صاحب! اللہ کا نام لے کر ہاں کر دیں، اللہ تعالیٰ ہماری زرمین کے نصیب سے سب اچھا ہی کرے گا''۔

''ٹھیک ہے بھئی.....! جیسے آپ سب کی مرضی ہو''۔ نوید عالم کو اور کیا چاہیے تھا، جب ان کی بیٹی کو اتنے دعائیں دینے والے اور آگے بڑھ کر کام کرنے والے موجود تھے تو وہ کیوں خود کو ہلکان کرتے، اور زرمین کی شادی انہیں آج نہیں تو کل، کرنی ہی تھی، اس لیے انہوں نے اپنی رضامندی دے دی تھی۔

''میں ابھی فون کر کے مہوش سے کہہ دیتی ہوں، تاکہ وہ کل ہی تاریخ لینے آ جائے''۔

''اتنی جلدی کیا ہے، صبح فون کر لینا''۔

''نہیں، بھابی بیگم! نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے، جاؤ فریدہ! فون کر لو، اور تم اُٹھو ارحم! اور دوڑ کر مٹھائی لے آؤ، تاکہ ہم سب منہ میٹھا تو کر لیں''۔ یوسف الحسن کے کہنے پر ارحم فوراً ہی اُٹھ گیا تھا اور فریدہ کے کہنے پر مائدہ وائرلیس فون لینے چلی گئی تھی۔

''ہاں بھئی.....مہوش! کیسی ہو؟'' سلام دعا کے بعد فریدہ نے دوست کی خیریت دریافت کی تھی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں، مگر فریدہ تُو کسی کام کی نہیں ہے یار!'' وہ دونوں بچپن کی سہیلیاں تھیں اور بے تکلفی بھی اسی لحاظ سے تھی۔

''کیوں بھئی! ایسا کیا کام کہہ دیا تھا تم نے جو میں نے نہیں کیا؟ بھول گئیں.....اپنے فیصل کی بات میں نے کیسے منٹوں میں طے کروا دی، ورنہ جوتے ہی گھستی رہتیں، بھائی صاحب نے اتنی جلدی ہاں نہیں کہنی تھی، وہ تو میں ہی تھی جو مہینوں کا کام دنوں میں کروا دیا''۔ انہوں نے دوست کو شرمندہ کرنا چاہا تھا۔

''چلو بھئی! اب انتظار کی گھڑیاں شروع ہوتی ہیں، یہ محترمہ گھنٹہ 2 گھنٹے سے پہلے فون نہیں رکھنے والیں''۔ یوسف الحسن کی بات پر سب ہی مسکرا دیے تھے۔

''یار! کہہ تو تُو ٹھیک ہی رہی ہے، مگر یہ مت بھول کہ صرف تُو ہی نہیں، میں بھی نوید بھائی صاحب کی بہن ہوں، میں ڈائریکٹ اُن کے آگے دستِ سوال بلند کرتی تو وہ مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹاتے، زرمین میری بھی تو بیٹی ہے، حق رکھتی ہوں اُس پر''۔ مہوش حق سے بولی تھیں، کیونکہ نوید عالم نے فریدہ اور مہوش میں کبھی بھی فرق نہیں کیا تھا۔

''تو ہمیں کون سا انکار ہے کہ تم حق نہیں رکھتیں، تمہارا حق تسلیم کرتے ہیں، جبھی تو سوچنے کا ٹائم بھی نہیں لیا اور بات طے کر دی''۔

''تم نے بھائی صاحب سے بات کی کہ میں اسی ماہ کی کوئی تاریخ رکھنا چاہ رہی ہوں؟''

''بات کی تھی میں نے، مگر بھائی صاحب اتنی جلدی پر کچھ معترض ہیں''۔

''تم نے بات منوانے کی کوشش تو کی ہوتی''۔

''تجھے کیا لگتا ہے میں نے کچھ نہیں کیا، ہر طرح سے کوشش کی، مگر بھابی بیگم بھی راضی نہ ہوئیں''۔ وہ شرارت سے مسکرا رہی تھیں۔

''تمہاری ماں، کبھی بڑی نہیں ہو گی، اب دوست کو ستائیں گی اور پھر خوب اُس کا مذاق بنا کر ہنسیں گی، وہ خفا ہو جائے گی تو دوڑی دوڑی اُسے منانے جائیں گی''۔ یوسف الحسن بیوی کو پیار سے دیکھتے ہوئے بیٹے سے بولے تھے کیونکہ بولتے جائیں یا ایمرجنسی میں، وہ ہی تو انہیں 27 سالوں سے لے جا رہے تھے، ارحم محض مسکرا دیا تھا، کیونکہ وہ بھی اپنی ماں کے اس خوبصورت روپ سے بہ خوبی واقف تھا۔ وہ ایک زندہ دل ہنسنے ہنسانے والی خاتون تھیں، کسی کو ناراض تو دیکھ ہی نہیں سکتیں۔

''تجھ سے کچھ نہیں ہو گا، میں کل ہی بھائی صاحب کے گھر جاؤں گی، اور دیکھنا تاریخ لے کر ہی لوٹوں گی''۔ مہوش کے لہجے میں وہ مان بول رہا تھا جو نوید عالم نے انہیں سونپا تھا اور وہ برملا کہتی تھیں کہ اُن کا ایک نہیں دو بھائی ہیں۔

''ٹھیک ہے، تُو کل بھائی صاحب کے گھر پوری تیاری کے ساتھ آ جا، پھر ہم دونوں مل کر انہیں منا لیں گے''۔ انہوں نے مہوش کا مان بڑھانے کے لیے اُسے سچائی نہیں بتائی تھی۔

''اور یہ بتا بھیا صاحب سے سیرا کی شادی کی کیا ڈیٹ لی ہے؟''

''اس ماہ کی 24 کی مایوں، 25 کی برات اور 26 کا ولیمہ، جبکہ فیاض کہہ رہے تھے ولیمہ کچھ دن کے گیپ سے رکھ لیتے ہیں، مگر بھیا صاحب نے اس کے لیے منع کر دیا''۔

''ٹھیک ہے، تُو کل بھائی صاحب کے گھر آ جا، اور ایسا کرنا بھیا صاحب کو بھی لے کر آنا، تاکہ دونوں بچیوں کی تاریخ ساتھ ہی طے کر لیں''۔

''ہاں.....یہی ٹھیک رہے گا، بس اللہ کرے بھائی صاحب مان جائیں، کیونکہ فیصل کے سر پر سہرا اپنی ہی زندگی میں سجا دیکھنا چاہتے ہیں، فیصل کو بھیا صاحب نے ہمیشہ بیٹوں کی طرح ہی سمجھا ہے''۔ وہ کچھ اُداس ہو گئی تھیں۔

''پریشان نہ ہو مہوش! اللہ سب بہتر کرے گا، اور دیکھنا بھیا صاحب کو بھی کچھ نہیں ہو گا، وہ بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔

''آمین.....!'' ان دونوں نے ایک ساتھ دل سے کہا تھا۔

''اچھا اب میں فون رکھتی ہوں، کل بھائی صاحب کے گھر ملاقات ہو گی، اور بیٹا پوری تیاری سے آنا، ہم لڑکی والے ہیں، تاریخ دینے میں کچھ تو نخرے دکھائیں گے''۔

''تیرے نخرے سر آنکھوں پر، مگر یاد رکھنا، صرف لڑکی کی نہیں، تم لڑکے کی بھی اکلوتی پھپھو ہو''۔ انہوں نے فریدہ کو کچھ یاد دلانا چاہا تھا۔

''یاد ہے مجھے، نیگ لینے کا وقت آیا ہے تو بھولوں گی نہیں، اور میرے دو دو بھتیجوں کی شادی ہے، نیگ بھی اُسی حساب سے لوں گی، یاد رکھنا''۔ فریدہ نے ہنستے ہوئے کہا تھا اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد فون رکھ دیا تھا۔

''بھائی صاحب! وہ کل آ رہی ہے، تاریخ لینے''۔

''آپ کی باتیں ہم سن چکے ہیں، بات مختصر نہیں کر سکتی تھیں؟''

''آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں یوسف! مجھ سے ہاں ہاں، جی جی کر کے باتیں نہیں ہوتیں، بات سے بات خود ہی نکل جاتی ہے''۔ وہ کچھ خفا ہوئی تھیں۔

''اچھا بھئی! ہمیں اب اجازت دو، کافی وقت گزر گیا ہے، بچیاں بھی گھر میں پریشان ہو رہی ہوں گی اور اب تو کل کے انتظامات کرنے کی بھی فکر ہے''۔ راشدہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی تھیں۔

''کل کی تو آپ فکر ہی نہ کریں بھابی بیگم! سب کام اچھے ہو جائیں گے، صبح ہی فریدہ وہاں آپ کی مدد کو پہنچ جائے گی''۔ یوسف الحسن کی اپنائیت پر وہ مسکرا دی تھیں اور وہ لوگ اجازت لے کر چلے گئے تھے۔

☆..........☆..........☆

(جاری ہے)

سعدیہ عابد

قسط نمبر 4 ۔

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

"حنین ابھی سو کر نہیں اُٹھی"۔

"ممّا! اُسے اُٹھانے گئی تھی، مگر اُسے تو بہت تیز بخار ہے"۔ ڈائننگ ٹیبل پر بریک فاسٹ کے لیے سب ہی موجود تھے، حنین کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔

"کیا....؟ تم ایسا کرو ڈاکٹر کو فون کر دو، آپ سب ناشتہ کر لیں، آپ لوگوں کو دیر ہو رہی ہے، میں جا کر دیکھتی ہوں"۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی تھیں۔

"ممّا! میں آپ کے ساتھ چل کر....!"

"اس کی ضرورت نہیں ہے راحم! تم ناشتہ کرو اور آفس جاؤ، میں ہوں ناں، دیکھ لوں گی"۔ وہ عجلت میں مائدہ کے روم کی طرف بڑھی تھیں، بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا جو بُری طرح جل رہی تھی۔

"حنین بیٹا! آنکھیں کھولو"۔ وہ اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پیار سے بولی تھیں۔

"ممّا! ڈاکٹر سکینہ آ گئی ہیں"۔ ڈاکٹر سکینہ ان کی ہی لائن میں 3 بنگلے چھوڑ کر چوتھے بنگلے میں رہتی تھیں اور اس وقت وہ اسپتال جانے کے لیے ہی نکل رہی تھیں، اس لیے فوراً ہی وہاں چلی آئی تھیں۔

''السلام وعلیکم مسز یوسف! کیسی ہیں آپ؟'' ڈاکٹر خوشدلی سے خیر خیریت دریافت کر رہی تھیں۔

''اللہ کا شکر ہے، بھتیجی ہے میری حنین'' وہ اُس کو چیک کر رہی تھیں، جب انہوں نے اس کا تعارف کروایا تھا۔

''پریشان نہ ہوں مسز یوسف! بخار کچھ ہی دیر میں اُتر جائے گا''۔ پرسکرپشن انہیں دیتے ہوئے وہ بولی تھیں۔ وہ جو جانے کے لیے اجازت طلب کرنے لگی تھیں مائدہ ان کے لئے چائے لے آئی تھی۔

''مائدہ! اس تکلف کی کیا ضرورت تھی، میں ابھی ناشتہ کر کے ہی آئی ہوں''۔

''چلیں تھوڑی سی پی لیں، میں زیادہ بُری چائے نہیں بناتی''۔ اس نے مسکراتے ہوئے ٹرے ڈاکٹر سکینہ کے آگے کی تھی۔

''میں نے آپ کی بھتیجی کو پہلے کبھی نہیں دیکھا، کیا یہ کسی دوسرے شہر میں رہتی ہیں؟''

''ارے نہیں بیٹا! آپ نے شازمین کی تصویر دیکھی ہے ناں، یہ انہی کے ساتھ رہتی ہے، شازمین میرے بڑے بھائی کی اور حنین چھوٹے بھائی کی بیٹی ہے، جس کی کافی برس پہلے ڈیتھ ہوگئی تھی''۔ وہ کچھ اُداس ہوگئی تھیں۔

''شازمین وہی ہے ناجو آپ کی ہونے والی بہو ہے؟'' وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گئی تھیں۔

''مائدہ کی انگیجمنٹ جس سے ہوئی ہے وہ ان کے کیا لگتے ہیں؟''

''اسجد میرے بڑے بھائی کا بیٹا ہے، حنین کا فرسٹ کزن۔ آپ سناؤ گھر میں سب کیسے ہیں؟ نجمہ کافی دنوں سے نظر نہیں آئیں، طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' انہوں نے سکینہ کی ساس کا پوچھا تھا، وہ ڈیڑھ سال قبل ہی نجمہ کی بہو بن کر آئی تھی۔

''امی جان خیریت سے ہیں، مگر آج کل آسیہ کے گھر گئی ہوئی ہیں، اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے''۔ اس نے نند کا نام لیا تھا جس کی آٹھ ماہ قبل ہی شادی ہوئی تھی۔

''اب میں چلوں گی، مجھے اسپتال جانا ہے، ان کی طبیعت کچھ ہی دیر میں سنبھل جائے گی، کوئی پریشانی والی بات ہو تو میرے سیل پر مجھ سے کونٹیکٹ کر لیجیے گا''۔ ڈاکٹر سکینہ نے مسکراتے ہوئے اجازت طلب کی تھی۔

''ممی..... ممی!'' وہ نیم غنودگی میں ماں کو پکار رہی تھی، فریدہ اس کے سرہانے بیٹھے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھیں، تقریباً 20 سے 25 منٹ میں اس نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا تھا۔

''تھینکس گاڈ..... بیٹا! کہ تم نے آنکھیں تو کھولیں، میں تو ڈر ہی گئی تھی، اب کیسا فیل کر رہی ہو؟'' وہ تاول باؤل میں ڈالتے ہوئے اس کے زرد چہرے کو دیکھنے لگی تھیں۔

''پھپھو! مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے''۔ اس نے رات مائدہ کے بہت کہنے پر بھی 2،4 لقمے ہی کھائے تھے۔

''تم جا کر منہ ہاتھ دھو، میں تمہارے لیے جوس لے کر آتی ہوں''۔ وہ اتنا ہی بولی تھیں کہ مائدہ اس کے لیے جوس لے کر خود ہی آگئی تھی۔

''مائدہ! جا کر حنین اور میرے لیے ناشتہ لے آؤ''۔ وہ جوس کی ٹرے لیتے ہوئے بولی تھیں۔

''راحم اور ارحم چلے گئے؟'' خیال آنے پر پوچھا تھا۔

''جی مما! دونوں چلے گئے ہیں اور پاپا پوچھ رہے ہیں کہ آپ ماموں جان کے ہاں کب تک جائیں گی؟ کیونکہ انہیں اپنے دوست کی طرف جانا ہے''۔ وہ جاتے ہوئے پلٹ آئی تھی اور حنین واش روم کے ڈور کے پاس ہی رُک گئی تھی۔

''پھپھو! میں وہاں نہیں جاؤں گی، کیا آپ مجھے اپنے گھر میں نہیں رکھ.....''

''تم فریش ہو کر آجاؤ، تو زبردست قسم کی نیوز سناؤں گی اور بے فکر رہو، میں اب تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی''۔ اسے کنڑے دیکھ تسلی دی تھی اور وہ واش روم میں چلی گئی تھی۔

''بالکل پاگل ہے یہ لڑکی''۔ وہ ایک سانس بھر کر رہ گئی تھیں۔

''پاپا سے کیا کہوں، آپ جائیں گی یا نہیں؟''

''اُن سے کہہ دو گیارہ بجے تک جاؤں گی، اگر انہیں جلدی جانا ہو تو چلے جائیں، میں ٹیکسی سے چلی جاؤں گی''۔ کمبل تہہ کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''مائدہ اپیا! آپ نے آملیٹ بہت مزے کا بنایا ہے، بالکل زرمین آپی.....!'' وہ جان کر ادھوری بات چھوڑ گئی تھی۔

''تم نے بالکل ٹھیک کہا، زرمین کے ہاتھ میں ذائقہ بہت ہے، وہ تو مجھ سے بھی زیادہ ذائقہ دار کھانا بناتی ہے''۔ مائدہ نے اس کی ادھوری بات کو بہت اچھے طریقے سے آگے بڑھایا تھا۔

''پلیز مائدہ اپیا! مجھے ان لوگوں کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنی ہے''۔ اس نے خفگی کے اظہار کے لیے آدھا کھایا ہوا سلائس پلیٹ میں واپس رکھ دیا تھا اور منہ پھلا کر بیٹھ گئی تھی۔

''ناشتہ تو پورا کر لو''۔

''بس پھپھو! میرا پیٹ بھر گیا ہے''۔

''تم زرمین سے کیوں ناراض ہو، کیا زرمین نے بھی تمہیں ڈانٹا ہے؟''

''نہیں، زرمین آپی تو بہت اچھی ہیں، وہ ہمیشہ میری سائیڈ لیتی ہیں''۔ وہ منہ پھلائے پھلائے ہی زرمین کی تعریف میں کہہ اُٹھی تھی۔

''مگر شازمین بجو، وہ بہت گندی ہیں، وہ کبھی میری سائیڈ نہیں لیتیں، وہ تو ممی کی طرح یہ کرو، یہ نہ کرو کی گردان ہی کرتی رہتی ہیں''۔

''اچھا، شازمین ایسی لگتی تو نہیں ہے، لاسٹ ٹائم میں نے فون پر جب اس سے بات کی تھی تمہاری بہت تعریف کر رہی تھی''۔ مائدہ کے انداز میں کچھ حیرت سی تھی، جبکہ وہ چونک گئی تھی۔

''شازمین بجو..... اور میری تعریف کریں ناممکن، وہ تو مجھے زرمین اپیا کی بہن نہیں، ممی کی چیلی لگتی ہیں''۔

''واٹ چیلی..... حنین!'' مائدہ بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

''مجھے ایگزیکٹ تو نہیں پتا، بٹ جو ممی کہتی ہیں وہی کہتی ہیں وہ''۔

''حنین! لڑکیوں کو دیر تک نہیں سونا چاہیے، حنین! دوپٹے کو سلیقے سے اوڑھ کر رکھنا چاہیے، حنین! یہ، حنین! وہ''۔ اس نے شازمین کی اور ساجدہ کی نقل اُتارتے ہوئے بُرا سا منہ بنایا تھا۔

''بھابی جو کہتی ہیں تمہارے بھلے کے لیے ہی تو کہتی ہیں''۔ انہوں نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے کہا تھا۔

''بھلے کے لیے نہیں کہتیں، ہر وقت بس میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں، کوئی موقع جانے نہیں دیتیں، تایا ابو کے کاندھے پر پیار سے بانہیں ڈالتی ہوں تو غصے سے گھورنے لگتی ہیں، کیا وہ میرے ابو نہیں ہیں؟ میں ان سے پیار نہیں کر سکتی، کوئی فرمائش

نہیں کر سکتی؟ مگر ممی کہتی ہیں مجھے ایسی حرکتیں نہیں کرنی چاہئیں، میں اب بڑی ہو چکی ہوں، مگر پھپھو! کیا جب ہم بڑے ہو جاتے ہیں تو ہمیں اپنے پیرنٹس سے محبت نہیں کرنی چاہیے؟ ممی کو جب بھی پیار سے کِس کر لیتی ہوں تو بھی مجھے ڈانٹنے لگتی ہیں، انہیں بس مجھے ڈانٹنے کا موقع چاہیے ہوتا ہے''۔ بات کرتے ہوئے خود بخود آنسو بہنے لگے تھے۔

''حنین! بھابی تم سے بہت محبت کرتی ہیں''۔

''نہیں، وہ مجھ سے محبت نہیں کرتیں، ہر وقت ڈانٹتی تو رہتی ہیں اور کل تو مجھے انہوں نے مارا بھی''۔

''صرف اس لیے کہ وہ تم سے محبت کرتی ہیں، تمہیں ایک دم پرفیکٹ دیکھنا چاہتی ہیں، کیونکہ جب کوئی تمہاری تعریف کرے گا تو ان کو خوشی ہو گی، اور تمہاری چھوٹی چھوٹی شرارتیں انہیں بھی پسند ہیں، اگر وہ تمہیں ٹوکتی ہیں تو صرف اس لیے کہ تم کچھ میچور ہو جاؤ، کیونکہ انسان ہر وقت تو ہنسی مذاق نہیں کر سکتا، اور کوئی تمہیں دیکھ کر یہ کہے کہ تم انٹر کی اسٹوڈنٹ ہو کر بچوں والی حرکتیں کرتی ہو تو وہ یہ نہیں سننا چاہتیں، کبھی کبھی لاڈ سے باپ کے کاندھے سے لگ جانا، ماں کا چہرہ چوم لینا، بہت اچھا ہے، مگر ہر وقت یا کسی کے سامنے یہ سب کرنا، ہمارے امیج پر بعض اوقات بُرا اثر بھی ڈال سکتا ہے، کیونکہ ہر انسان اپنے انداز سے سوچتا ہے، وہ تمہاری ایسی پیار بھری ادا کو پوزیٹو بھی لے سکتا ہے اور نیگیٹو بھی، اور ہمیں تو ایسی کوشش کرنی چاہیے کہ ہمارا تاثر ہمیشہ مثبت ہی پڑے''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔

''تمہیں پتا ہے حنین! کہ جب بھی مجھے رات میں ڈر لگتا ہے یا نیند نہیں آ رہی ہوتی تو مما کو میں اپنے کمرے میں بلا لیتی ہوں اور مما کے بازو پر سر رکھ کر ان کا ہاتھ تھام کر سو جاتی ہوں، اگر میں روز روز ایسا کروں گی تو ڈرپوک مشہور ہو جاؤں گی''۔ آخری بات کہہ کر مائدہ ہنستے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''یہی تو ممی بھی کہتی ہیں، مجھے روز ہی رات کو سوتے میں ڈر لگتا ہے اور میں اپنے کمرے سے ممی کے کمرے میں آ جاتی ہوں تو ممی کہتی ہیں میں اکیلے سونے کی عادت ڈالوں ورنہ سب مجھے ڈرپوک کہیں گے اور اس بات کا شازمین بجو تو بہت ہی مذاق بناتی ہیں، مگر مجھے اکیلے میں ڈر لگتا ہے تو کیا کروں؟'' وہ کچھ بے بسی سے مائدہ کو دیکھنے لگی تھی۔

''میری طرح بریو بنو یار! مجھے زیادہ ڈر لگتا ہے کبھی، تو میں آنکھیں سختی سے میچ کر آیۃ الکرسی کا ورد شروع کر دیتی ہوں اور پتہ بھی نہیں چلتا کب سو جاتی ہوں، روز مما کو پریشان نہیں کرتی''۔

''اچھا... اب میں بھی ایسا ہی کروں گی اپیا! کیونکہ مما کو میں پریشان نہیں کرنا چاہتی، میں اُن سے بہت پیار کرتی ہوں''۔

''وہ بھی تم سے بہت پیار کرتی ہیں اور کتنا تمہارا خیال رکھتی ہیں، سچ کہوں ناں حنین! تو کبھی کبھی مجھے تم سے جیلسی فیل ہوتی ہے اور میں سوچتی ہوں کہ کاش مامی میری مما ہوتیں''۔

''آپ... ایسا سوچتی ہیں؟ پھپھو بھی تو آپ سے کتنا پیار کرتی ہیں؟''

''مما مجھے واقعی بہت پیار کرتی ہیں، لیکن اتنا نہیں جتنا مامی تم سے کرتی ہیں، تمہیں ماموں جان اور ممانی جان بھی بہت پیار کرتے ہیں، مما اور پاپا کو ہر وقت تمہاری فکر لگی رہتی ہے، زرمین اور شازمین کو تمہارا کتنا خیال رہتا ہے، تم بہت لکی ہو حنین! مجھ سے بھی زیادہ، کیونکہ تم تینوں فیملیز میں سب سے چھوٹی ہو، اس لیے ہر کسی کو تمہاری فکر رہتی ہے، سب تم سے بہت محبت کرتے ہیں''۔

''یہ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اپیا! سب میرا بہت خیال رکھتے ہیں، لیکن میری رائے اہمیت نہیں رکھتی، کچھ بھی کہنا چاہتی ہوں تو چھوٹا کہہ کر کبھی ممی تو کبھی تائی جان چپ کروا دیتی ہیں۔ اب دیکھیں میں آفس جوائن کرنا چاہتی ہوں، تایا ابو تو راضی بھی ہو گئے، مگر ممی... وہ کہتی رہتی ہیں کہ میں ابھی بچی ہوں، اتنی بڑی ذمہ داری نہیں اُٹھا سکتی اور اسجد بھائی..... انہیں تو میری ہر بات پر اعتراض ہوتا ہے، تو وہ یہاں کیوں پیچھے رہتے؟''

''اسجد اگر تمہیں کسی بات سے منع کرتا ہے تو وہ تمہارا خیال بھی تو رکھتا ہے، آئس کریم، چاکلیٹ، کتابیں جو تم منگواتی ہو یا جو تمہیں پسند ہے وہ تمہارے کہنے سے تو کبھی بغیر کہے تمہیں لا کر دیتا ہے اور وہ تمہارا بھائی ہے، کیا اس کا اتنا حق نہیں ہے کہ وہ تمہیں کچھ بُرا کرنے سے روکے؟''

''جاب کرنا بُرا ہے پھپھو؟''

''نہیں، بالکل نہیں، مگر ہر چیز اپنے وقت پر اچھی لگتی ہے، جب تم ماسٹر کی ڈگری لے لیتیں، جب تم ایسی کوئی بات کرتیں تو اسجد کبھی منع نہیں کرتا، مگر ابھی تمہارا انٹر کا رزلٹ آؤٹ نہیں ہوا اور تم آفس جوائن کرنا چاہتی ہو تو وہ تمہیں منع ہی کرے گا''

''وہ مجھے پیار سے بھی تو کہہ سکتے تھے، مگر انہوں نے اتنے سخت لہجے میں بات کی اور تو اور مجھے تھپڑ مارا''۔ کل کی بے عزتی یاد کر کے اُس کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

''تمہیں اسجد نے کب تھپڑ مارا؟ جب تم نے اس سے بدتمیزی کی یا تم جیسے ہی اس سے بات کرنے لگیں اس نے تمہاری سنے بغیر تمہیں تھپڑ مار کر کمرے سے نکال دیا''۔ فریدہ اُس کے تاثرات نوٹ کر رہی تھیں کہ وہ اب کیا جواب دیتی ہے اور کس طرح دیتی ہے؟

''وہ... پھپھو! میں نے اُن سے بدتمیزی کی تھی''۔ وہ کافی دیر بعد اٹک اٹک کر بولی تھی اور وہ کچھ شرمندہ سی بھی نظر آ رہی تھی یہ اعتراف کرتے ہوئے۔

''اسجد بھائی نے کہا تھا وہ کچھ پریشان ہیں اس لیے وہ مجھ سے صبح بات کریں گے، لیکن میں نے ان کی یہ بات نظر انداز کر دی اور بہت غصے میں جو دل میں آیا کہتی چلی گئی، میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ آفس پر صرف ان کا نہیں میرا بھی حق ہے، ان کے روکنے کے باوجود میں آفس جوائن کروں گی اور انہوں نے مجھے تھپڑ مار کر چپ رہنے کو کہا، مگر میں ان سے بدتمیزی کرنے لگی جبکہ وہ مجھ سے سوری کرنا چاہتے تھے، شاید غلطی میری ہی تھی، مجھے ان سے زبان نہیں چلانی چاہیے تھی''۔ وہ بات کے آخر تک اپنی غلطی کا اعتراف کر گئی تھی۔

''بات اتنی سی ہے حنین! کہ ہمیں دوسرے کو کبھی ایسا موقع ہی نہیں دینا چاہیے، اگر وہ تم سے بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا تم خاموش ہو جاتیں، غصے میں تو بس بات ہی خراب ہوتی ہے اور جس طرح تم غصے میں گھر سے نکلیں اگر کچھ ہو جاتا تو...؟'' وہ اس کا سر کاندھے سے لگائے پیٹھ تھپک رہی تھیں۔

''وہ سب بس غصے میں ہو گیا، مجھے لگا کہ مجھ سے کوئی پیار نہیں کرتا''۔

''سب کتنا پریشان ہو گئے تھے، بھابی کا تو رو رو کر بُرا حال تھا اور بھائی جان نے اسجد کو کس قدر ڈانٹا، تم نے سوچا ہے اگر ارحم وہاں نہ پہنچتا تو کیا ہوتا؟ یہ دنیا بہت خراب ہے بیٹا! اور لڑکیوں کو بے سوچے سمجھے گھر سے قدم نہیں نکالنا چاہیے''۔ وہ اس کے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

’’آئی ایم سوری پھپھو! ایسی غلطی میں کبھی نہیں کروں گی، میں سب سے معافی بھی مانگ لوں گی، سب کو بہت پریشان کیا ہے میں نے‘‘۔

’’معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے، بس پکا وعدہ کرو آئندہ ایسا نہیں کرو گی، اگر کوئی بات گھر میں ہو بھی جائے تو اس طرح ری ایکٹ نہیں کرو گی‘‘۔

’’کبھی بھی نہیں پھپھو! اور اس وقت میں کتنا ڈر گئی تھی، وہ تو اچھا ہوا ارحم بھیا وہاں آگئے ورنہ وہ ڈراؤنی شکل والے آدمی، مجھے نجانے کہاں لے جاتے، وہ اتنی واہیات گفتگو کر رہے تھے‘‘۔

’’اچھا اب اس قصے کو جانے دو، اس موضوع پر ہم کبھی بات نہیں کریں گے او کے؟‘‘ انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کا گال تھپتھپایا تھا اور وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

’’اوہ گاڈ..... حسین! تم بہت فضول لڑکی ہو، صبح سے ہمیں باتوں میں لگایا ہوا ہے، مجھے ابھی جبکہ گھر کی صفائی اور کچن کی صفائی بھی کرنی ہے، اس لیے میں تو چلی کام کرنے، تم اب صرف مما کا دماغ کھاؤ‘‘۔ وہ جلدی جلدی کہتی ناشتہ کے برتن اٹھانے لگی تھی۔

’’میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ مجھ سے باتیں کریں، مجھ سے بات کرنا اتنا ہی ناگوار گزر رہا ہے تو میں اپنے گھر چلی جاتی ہوں‘‘۔ ان دونوں کا دل چاہا تھا کہ اپنا اپنا سر پیٹ لیں، یہی تو اس میں بچپنا تھا کہ وہ مذاق سمجھتی تھی نہ کوئی بات۔ اور ہر ایک بات دل پر لے جاتی تھی اور پھر وہ ہوتی تھی اور اس کے واویلے کہ ’’مجھ سے کوئی پیار نہیں کرتا، سب میرا مذاق اُڑاتے ہیں‘‘ وغیرہ وغیرہ۔

’’کیوں بھئی! اپنے گھر کیوں جاؤ گی، یہ تمہارا گھر نہیں ہے؟‘‘

’’میں تو سمجھتی ہوں جبھی تو آئی ہوں، مگر آپ کو میرا آنا شاید پسند نہیں آیا‘‘

’’ایک لگاؤں گی نا تو عقل ٹھکانے آجائے گی، میں تو کب سے تمہیں بلا رہی ہوں، مگر تمہارے نخرے ہی نہیں ملتے، مجھے تو لگتا ہے کہ شاید میں تمہیں اچھی ہی نہیں لگتی، تمہیں تو صرف زرمین ہی اچھی لگتی ہے‘‘۔ اس کا موڈ اسی طرح ٹھیک کیا جا سکتا تھا، جیسے وہ دوسروں کو اموشنل بلیک میل کرتی تھی، دوسروں کی اموشنل بلیک میلنگ میں بھی لمحوں میں آجاتی تھی اور ابھی بھی یہی ہوا تھا۔

’’نہیں اپیا! سچی ایسی کوئی بات نہیں ہے، آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں‘‘۔

’’رہنے دو بس، دل مت رکھو میرا‘‘۔

’’پھپھو! آپ کچھ بولیں نا ان سے‘‘۔

’’بھئی میں تم دونوں کے معاملے میں کچھ بول کر کیوں بُری بنوں؟‘‘ وہ صاف پہلو بچا گئی تھیں جبکہ دل ہی دل میں بھتیجی کی معصومیت پر ہنس رہی تھیں۔

’’اپیا! میں سچ کہہ رہی ہوں، آپ مجھے بہت بہت اچھی لگتی ہیں، یقین نہیں آیا نا تو اسجد بھائی سے فون کر کے پوچھ لیں، میں ان سے آپ کی بہت تعریفیں کرتی رہتی ہوں‘‘۔ وہ اپنی ایکسائٹمنٹ میں یہ بھی بھول گئی تھی کہ وہ کچھ دیر پہلے تک اسجد سے ناراض تھی۔

’’مجھے تمہاری بات پر یقین آگیا ہے‘‘۔ وہ کچھ جھینپ کر بولی تھی۔

’’تم اسجد سے کیا کہتی ہو؟‘‘ فریدہ بیٹی کو دیکھ کر مسکرائی تھیں۔

’’یہی پھپھو! کہ مائدہ آپی بہت اچھا کھانا بناتی ہیں، ان کی پینٹنگ بہت اچھی ہے، ہر کام صفائی سے کرتی ہیں‘‘۔ وہ ان کی شرارت سمجھے بنا لسٹ گنوا رہی تھی اور وہ شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی جبکہ حسین اسے آوازیں ہی لگاتی رہ گئی تھی۔

’’جانے دو اُسے، ابھی بہت کام کرنے ہیں اور تم یہ ٹیبلیٹس کھالو، بخار کی حرارت سی ہے‘‘۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے وہ دوائیں جو ڈاکٹر بیگم دے کر گئی تھیں دے دیں۔

’’پھپھو! آپ مجھے زبردست بات بتانے والی تھیں‘‘۔ اسے ایک دم خیال آیا تھا اور وہ فوراً ہی پوچھ بیٹھی تھی تاکہ ان کا ذہن بٹ جائے کیونکہ وہ دواؤں کی تو سدا سے چور تھی، ساجدہ اور زرمین ہی بہت مشکل سے کھلاتی تھیں۔

’’ہاں، دیکھو ذرا باتوں میں ذہن سے ہی نکل گیا، یوسف بھی انتظار کر رہے ہوں گے‘‘۔ وہ بیڈ سے پاؤں لٹکا کر چپل ڈھونڈنے لگی تھیں۔

’’بات مجھے بھی تو بتائیں‘‘۔

’’زرمین کی شادی کی تاریخ لینے مہوش کی پوری فیملی آرہی ہے‘‘۔

’’کیا مطلب پھپھو؟‘‘

’’مطلب یہ کہ اسی ماہ زرمین اور فیصل کی شادی ہے‘‘۔

’’کیا..... سچ پھپھو! کتنا مزہ آئے گا‘‘۔ وہ بیڈ سے اُچھل کر اُن کے کاندھے پر جھول گئی تھی۔

’’پھپھو! میں تو بہت سارے کپڑے، ان کی میچنگ جیولری، سینڈلز، چوڑیاں ایک ایک چیز خریدوں گی‘‘۔

’’ہاں بھئی، جو چاہے لے لینا، میں اور یوسف جا رہے ہیں بھائی صاحب کے ہاں، تم مائدہ کے ساتھ ہی رہنا، میں رات تک آجاؤں گی‘‘۔ وہ اپنے کاندھے سے اُس کا ہاتھ ہٹاتی چپل پہن کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

’’کیا..... میں کیا آپ کے ساتھ نہیں جا رہی؟‘‘ وہ حیران ہی تو رہ گئی تھی۔

’’ہاں..... تم کیوں جاؤ گی، خود ہی تو کہہ رہی تھیں، وہاں اب کبھی نہیں جاؤں گی، میں تمہیں اپنی پیاری بیٹی بنا کر رکھوں گی‘‘۔ وہ اس کی حیرت کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے نہایت اطمینان سے بولی تھیں۔

’’آپ کی بیٹی تو میں ہوں پھپھو! مگر میں نے وہ سب غصے میں کہا تھا، میں ہمیشہ کے لیے آپ کے پاس رہنے نہیں آئی، میں تو ممی اور تایا ابو کے پاس آج ہی جاؤں گی، مجھے ان سے سوری بھی تو کرنی ہے‘‘۔

’’دیٹس لائک آ گڈ گرل! تم مائدہ کی الماری سے کپڑے نکال کر پہن لو اور تیار ہو جاؤ، زرمین کے سسرال والے آرہے ہیں تو تمہیں یہاں چھوڑ کر تھوڑی جاؤں گی، مگر وعدہ کرو بہت سارے دنوں کے لیے رہنے آؤ گی؟‘‘

’’پکا پرامس پھپھو! زرمین آپی کی شادی کے بعد پورے 15 دن کے لیے رہنے آؤں گی‘‘۔ اس نے مزے سے کہتے ہوئے بیڈ سے چھلانگ لگائی تھی۔

’’یہی تمہاری حرکتیں بھابی کو پریشان کیے رکھتی ہیں‘‘۔ انہوں نے کہتے ہوئے اس کا کان پکڑا تھا اور وہ ہنسنے لگی تھی۔

"ممی کو تنگ کرنے میں بہت مزا آتا ہے پھپھو! ہر وقت چپ اور سنجیدہ سی بیٹھی رہتی ہیں، میری حرکتوں پر مجھے ڈانٹتی اور ہنستی بہت اچھی لگتی ہیں، اسی لیے تو میں جان کر ممی کو بہت ستاتی ہوں"۔ اس نے اپنی ہی دھن میں کہا۔

"ان کی باتوں کا بُرا مت منایا کرو، بلکہ وہ جو کہتی ہیں اُسے غور سے سنا کرو اور اُس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کیا کرو"۔

"پرامس پھپھو! آج سے ممی کی ہر بات غور سے سنوں گی، لیکن کچھ باتیں رہنے بھی دوں گی، ورنہ میں اتنی سی عمر میں ممی کی طرح ایک دم سنجیدہ ہو جاؤں گی"۔

"بہت شرارتی ہو حنین!" وہ ہنستی ہوئی بھتیجی کا شانہ تھپکتی اس کی شرارت پر ہنستیں اُسے تیار ہو کر آنے کا کہہ کر باہر نکل گئی تھیں اور اُس نے مائدہ کی وارڈروب میں سے سب سے اسٹائلش سوٹ نکالا تھا اور شاور لینے چلی گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

"بھابی بیگم! آپ فکر کیوں کرتی ہیں، سارے کام ہو جائیں گے"۔ وہ کچھ ہی دیر پہلے ہی آئی تھیں اور آنے سے پہلے کال کر کے کہہ دیا تھا کہ حنین سے کچھ نہ کہا جائے، جو ہو گیا سو ہو گیا، باتیں دہرانے سے کیا حاصل۔ حنین نے آتے ہی اُن سے سوری کی تھی اور ان لوگوں نے اسے کچھ کہنے سے پہلے ہی معاف کر دیا تھا۔

"مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا کہ کس طرح ہوں گے سب کام؟"

"آپ دیکھتی جائیے سب کام وقت سے پہلے کس طرح نمٹتے ہیں، یہ بتائیے رات کا مینو تیار کر لیا ہے؟"

"ہاں، میں سوچ رہی تھی کہ بریانی، قورمہ، کسٹرڈ میٹھے میں بن جائے گا، اس کے علاوہ کباب اور سلاد وغیرہ ہو جائے گی، تمہیں کچھ کم لگ رہا ہے تو بتاؤ؟"

"ایک دم پرفیکٹ بھابی! آپ جلدی جلدی سامان کی لسٹ بنا لیں، جاؤ حنین! کاپی پین لے کر آؤ"۔ انہوں نے حنین کو دوڑایا تھا۔

"میں چلوں، آپ خواتین کی سودا سلف کی باتیں میرے سر سے گزر رہی ہیں"۔ چائے ختم کرتے ہی وہ جانے کے لیے اُٹھ گئے تھے۔

"کیا چلوں..... بیٹھ جائیے، یہ سارا سودا سلف لے کر کون آئے گا؟" وہ شوہر کو دیکھنے لگی تھیں۔

"فریدہ! بھیا جی کو جانے دو، میں اسجد کو بلا لوں گی، وہ کہہ کر گیا تھا۔

"اتنا وقت نہیں ہے ہمارے پاس، یوسف آپ بس 10،5 منٹ رُک جائیے، میں آپ کے ساتھ چلوں گی، باقی باتیں گاڑی میں بتا دوں گی"۔ اسی وقت حنین مطلوبہ چیزیں لے کر آ گئی تھی۔

"بھابی! آپ بتاتی جائیے، حنین لسٹ بنا لے گی"۔ انہوں نے کہتے ہوئے زرمین کو آواز لگائی تھی۔

"آپ نے بلایا تھا پھپھو!" وہ اس کا جائزہ لے رہی تھیں، جب اس نے پوچھا تھا اور وہ اس کے صاف ستھرے کاٹن کے سوٹ سے مطمئن ہو گئی تھیں۔

"تم جا کر اپنا ہینڈ بیگ لے آؤ"۔

"پھپھو! آپ زرمین آپی کو لے جائیں گی تو کھانا کون بنائے گا؟" لسٹ بناتے ہوئے اس کی زبان چلی تھی۔

"ایک صرف تمہاری آپی کو کھانا بنانا نہیں آتا، ہم تینوں خواتین بھی یہ کارنامہ اچھے سے انجام دے لیتی ہیں اور تم ادھر ادھر دھیان نہ دو، بھابی جو بتا رہی ہیں توجہ سے لکھو، کوئی ایک چیز بھی لانے سے رہ گئی تو مسئلہ بنے گا، اور تم کھڑی کیوں ہو جاؤ، اور ہاں رات میں پہننے کے لیے اسٹائلش سا سوٹ اور اس کی میچنگ کی ہر چیز بھی نکالتی آنا اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا ساتھ ہی لے آؤں گی"۔ وہ فریدہ کی ہدایت پر، وہاں سے نکل گئی تھی۔

"شازمین! تم حنین کے ساتھ مل کر صفائی کر لینا اور تمہیں تو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے؟" شازمین نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"ویری گڈ حنین! تم نے تو بہت ہی زبردست لسٹ بنائی ہے، آئی ایم امپریس"۔ اس کے ہاتھ سے لسٹ لی تھی اور ان کی تعریف پر ایک فخریہ مسکراہٹ حنین کے چہرے پر سج گئی تھی۔

"تھینک یو پھپھو!"

"حنین! تم شازمین کی مدد کروا دینا، زرمین کو پارلر لے کر نہ جانا ہوتا تو میں تم سے نہیں کہتی اور تم تو جانتی ہو یہ شازمین کم اور زرمین زیادہ کام کرتی ہے، تم مدد کرواؤ گی تو سارا کام جلدی ہو جائے گا"۔ وہ سب فریدہ کو دیکھ رہی تھیں کہ وہ کہہ کیا رہی ہیں، ورنہ تو شازمین اپنا ہر کام نہایت ذمہ داری اور پھرتی سے ہی کرتی تھی۔

"پھپھو! آپ فکر نہ کریں، میں شازمین بجو کے ساتھ برابر سے کام کرواؤں گی"۔ اتنی تعریف سننے کے بعد وہ کافی ایکسائیٹڈ ہو چکی تھی۔

"اچھا، اب جا کر زرمین کو بلا لاؤ، کافی دیر ہو رہی ہے"۔

"پھپھو! آپ کو میں ایسی لگتی ہوں؟"

"ارے نہیں بیٹا! میں نے تو بس حنین کا دل رکھنے کو کہا اور تم خود سوچو میں یا کوئی بھی اُسے یہ برتن بھی اُٹھا کر کچن میں رکھ کے آنے کو کہتا وہ منع کر دیتی، مگر اب دیکھنا وہ تمہارے ساتھ کام کروائے گی اور وہ بھی خوشی خوشی"۔ انہوں نے شازمین کا گال تھپتھپایا تھا۔

"میں جب تک سامان لے کر آتی ہوں، آپ لوگ چھوٹے موٹے کام نبٹا لیں"۔ وہ آتی ہوئی زرمین کو دیکھ کھڑی ہو گئی تھیں۔

"اور میں زرمین کو اپنے ساتھ اس لیے لے جا رہی ہوں کہ اسے پارلر چھوڑ دوں گی، کٹنگ، فیشل اور مینی کیور و پیڈی کیور ہو گا جتنی دیر میں، میں بھی فارغ ہو جاؤں گی"۔ وہ اپنا پرس اُٹھاتی باہر نکل گئی تھیں۔

"یوسف! آپ پہلے زرمین کو پارلر چھوڑیں اور پھر مجھے چھوڑ کر دوست کی طرف نکل جائیں، میں فارغ ہو کر آپ کو کال کر کے بلا لوں گی"۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد انہوں نے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا تھا۔

"اوکے مادام! جیسے آپ کہیں، ورنہ میں آپ کے ساتھ بھی چل سکتا ہوں، دوست کی طرف جانا اتنا ضروری بھی نہیں ہے، خادم آپ کی مدد کے لیے حاضر ہے"۔ مہارت سے ڈرائیو کرتے ہوئے شرارت سے کہا گیا تھا۔

"خادم صاحب! زیادہ پھیلیے نہیں، پیچھے بچی بیٹھی ہوئی ہے، کیا سوچے گی؟"

"بچی بہت اچھی ہے، اس لیے اچھا ہی سوچے گی"۔ ان پر گویا کوئی اثر نہ ہوا تھا اور وہ دلکشی سے ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔

بولی تھی۔

''پھپھو! وہ میں اکیلے پارلر میں کیسے رہوں گی؟'' ان کی آ ئیسی نوک جھونک کے اختتام پر وہ کچھ سوچ کر بولی تھی۔

''کیا مطلب.... کیسے رہوگی؟ اور زرمین میری فرینڈ کا پارلر ہے، جہاں میں تمہیں چھوڑ رہی ہوں، یوڈونٹ وری، ارحم گھر پر کہتیں تو میں حنین کو ہی ساتھ لے آتی''۔

''پھپھو! میں تو سمجھی تھی کہ آپ ساتھ جائیں گی''۔

''بیٹا! ایک کام نہیں ہے، سو بکھیڑے ہیں، اس لیے میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی اور بعد میں سامان خرید لیں گے تم اس طرح پورا دن اسی میں گزر جائے گا''۔

''زرمین بیٹی بھی ٹھیک کہہ رہی ہے فریدہ! یہ وہاں اکیلے نروس فیل کرے گی، تمہیں اس کے ساتھ پارلر میں چھوڑنے کے لیے کسی کو تو لانا ہی چاہیے تھا''۔

''مگر اب ہم کافی دور نکل آئے ہیں، واپس جائیں گے تو ٹائم ویسٹ ہوگا''۔

''میں ایسا کرتا ہوں پہلے تمہیں چھوڑ دیتا ہوں، اور بعد میں زرمین بیٹی کو چھوڑ دوں گا، میں تمہیں چھوڑ کر حنین کو....''

''حنین کو رہنے دیں یوسف! پارلر ہمارے گھر کے نزدیک ہے اس لیے آپ مائدہ کو زرمین کے ساتھ چھوڑ دیجیے گا، وہ اب تک اپنے کاموں سے فارغ بھی ہوگئی ہوگی، میں اسے فون کر کے تیار ہونے کا کہہ دیتی ہوں''۔ وہ گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھیں۔

''مائدہ بیٹا! کیا کر رہی تھیں؟ سب کاموں سے فارغ ہوگئی؟''

''جی مما! سب کام ہوگئے ہیں، شاور لے کر نکلی ہوں ابھی، بس دوپہر کے لیے کچھ بنانے جارہی ہوں، ارحم بھیا کا فون آیا تھا وہ ایک سے ڈیڑھ گھنٹے میں گھر آرہے ہیں، پھر شاید انہیں کہیں جانا ہے''۔ ایک ہاتھ سے سیل تھامے اور دوسرے بالوں میں برش کرتی وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔

''ایسا کرو تم تیار رہو، تمہیں پاپا لینے آرہے ہیں، تمہیں زرمین کے ساتھ پارلر جانا ہے، اور ارحم سے میں خود کانٹیکٹ کرلوں گی''۔ انہوں نے بیٹی کو ہدایت دے کر لائن کاٹی تھی اور ارحم کا نمبر ملانے لگی تھیں۔

''جی مما! کہیے کیسے فون کیا؟''

''ارحم بیٹا! کب تک گھر آرہے ہو؟''

''مما! ڈیڑھ گھنٹہ تو کم از کم لگے گا، کھانا گھر پر ہی کھاؤں گا''۔

''اوکے، گھر جاتے ہوئے مجھے یہاں مال سے پک کرلینا''۔

''اوکے مام! آپ جب فارغ ہوجائیں مجھے بتادیں، اور اگر میں پہلے فارغ ہوگیا تو آپ سے کونٹیکٹ کرلوں گا'' لائن کٹ کر کے سیل پرس میں ڈال دیا تھا۔

''زرمین! جب پارلر سے فارغ ہوجاؤ اپنے پھپھا جان کو فون کر کے بلالینا، آپ بچیوں کو گھر چھوڑ دیجیے گا، مما کے ساتھ آجاؤں گی''۔

''مائدہ کو کہاں چھوڑنا ہے؟'' گاڑی مطلوبہ جگہ روکتے ہوئے پوچھا تھا۔

''یوسف! آپ دیکھ لیجیے گا، اگر آپ کو مناسب لگے تو بھائی صاحب کے ہاں لے جایئے گا، ورنہ پہلے اسے گھر چھوڑ کر دیجیے گا''۔ وہ کہتے ہوئے پرس اور دوپٹہ سنبھالتیں گاڑی سے اُتر گئی تھیں اور وہ گاڑی بڑھا لے گئے تھے، فریدہ نے خریداری سے فارغ ہو کر بیٹے کو کال کی تھی اور ارحم نے انہیں 15 منٹ بعد ہی پک کرلیا تھا اور وہ اس کے ساتھ سامان سے لدی پھندی ''کاشانہ عالم'' چلی آئی تھیں۔

☆..........☆..........☆

''پھپھو! سلاد میں بناؤں گی''۔

''نہیں حنین! سلاد مائدہ بنالے گی، تم ایسا کرنا پلیٹوں میں سلیقے سے سجا دینا''۔ یوسف الحسن مائدہ کو کاشانہ عالم ہی لے آئے تھے اور ان کے پوچھنے پر بولے تھے۔

''یہ مائدہ کا سسرال بعد میں اور ماموں کا گھر پہلے ہے، اس لیے میں مائدہ کو یہیں لے آیا، ٹھیک کیا میں نے؟''

''جناب! آپ کچھ غلط کرتے ہی کب ہیں، تھینکس!'' مسکراتے ہوئے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور وہ بھی دھیمے سے مسکرا دیے تھے۔

''میں گھر جارہا ہوں فری! شام تک آجاؤں گا''۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے تھے، دوپہر کا کھانا کھا کر ارحم بھی ان کے ساتھ نکل گیا تھا، شازمین نے دوپہر کے کھانے کے برتن سمیٹ کر دھوئے تھے اور جب سے ہی ساری خواتین بے حد مصروف تھیں۔ فریدہ نے بریانی، ساجدہ نے قورمہ، راشدہ نے کباب بنانے کی ذمہ داری اُٹھائی تھی اور اب حنین راشدہ کے ساتھ مل کر کبابوں کے مسالے کی ٹکیہ بنوا رہی تھی۔

''فریدہ! تم نے ایک ہی رات میں جادو کردیا ہے، ہر کام یہ کتنی ذمہ داری سے سب کے ساتھ مل کر کر رہی ہے، ورنہ تو مل کر پانی بھی نہیں پیتی''۔ بیٹی کو دیکھتے ہوئے وہ سرگوشی میں بولی تھیں۔

''بھابی! آپ سے کہا تھا نا میں نے کہ حنین کو پیار اور توجہ دی جائے گی تو یہ ہماری اُمیدوں سے بڑھ کر ثابت ہوگی، ڈانٹ پھٹکار سے صرف دور ہوگی، اور آپ نے اس وقت چہرہ دیکھا تھا اس کا جب میں نے اس کی بنائی لسٹ کی تعریف کی تھی، اس کے معمولی سے کام کی بھی تعریف کریں گی نا تو یہ اُس سے بھی اچھا کرنے کی کوشش کرے گی، اور دیکھیے گا پھر ایک دن ایسا آئے گا جب یہ زرمین اور مائدہ سے اچھا کھانا بنائے گی''۔ وہ بریانی کو دم لگاتے ہوئے حنین کے حوالے سے پُر اُمید تھیں۔

''تھینکس فریدہ! تمہاری مورل سپورٹ میرے لیے بہت بڑا سہارا ثابت ہوئی ہے، میں ماں ہو کر حنین کو نہیں سمجھ سکی اور تم.....!''

''بھابی! بریانی کو تھوڑی دیر بعد اُلٹ پلٹ دیجیے گا، میں مہوش سے فون کر کے پوچھ آؤں کہ وہ کب تک آئیں گی؟'' وہ ان کی بات کاٹ کر کہتیں باہر نکل گئی تھیں۔

''بھابی بیگم! باقی کام بچیاں دیکھ لیں گی، آپ دونوں ایک گھنٹہ آرام کرلیں، وہ لوگ 7 بجے تک آئیں گے اور شازمین! تم کسٹرڈ بنالو، مائدہ! کھیر دیکھ لینا، بن گئی ہے بس، اب تم اسے پیالوں میں نکال لینا اور یہ سب کام جلدی جلدی فائنل کر کے ڈائننگ ٹیبل سجا دینا، باقی مہمانوں کے آنے کے بعد دیکھ لیں گے اور یہ سب کام جلدی کرنا کیونکہ تم دونوں نے تیار بھی ہونا ہے''۔ وہ جاتے جاتے پلٹ کر بولی تھیں اور کچن سے نکل گئی تھیں۔

"مائدہ اپیا! آپ کون سے کپڑے پہنیں گی؟ آپ کپڑے لے کر تو آئی نہیں ہیں"۔ حنین گاجر کھاتے ہوئے کارنر پر بیٹھ گئی تھی۔

"تم نے آتے کے ساتھ ہی میرا سوٹ اُتار دیا ہوتا تو میں یہی پہن لیتی، مگر اب سوچا ہے زرمین کا سوٹ پہن لوں گی، شازمین نے سب کے کپڑے استری بھی کردیے ہیں، یہاں تک کہ تمہارے بھی کپڑے استری ہوگئے ہیں"۔ وہ پیالوں میں کھیر نکالتے ہوئے اُسے دیکھے بنا مصروف سے انداز میں بتارہی تھی۔

"میں آپ کا سوٹ ابھی آپ کو اُتار کر دے دیتی ہوں، مجھے تو پھپھو نے کہا تھا اس لیے پہن لیا ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں ہے کسی کے کپڑے پہننے کا"۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے، یہ سوٹ تم ہی رکھ لو، میں نے ایک دفعہ ہی پہنا ہے اور مجھ سے زیادہ تم پر جچ رہا ہے، یقین نہ آئے تو شازمین سے پوچھ لو اور حنین! تم کھیر کے پیالوں میں چاندی کے ورق اور پستے بادام سے گارنشنگ کردو"۔ اُسے کچھ کہنے سے پہلے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے اس نے کام بتایا تھا۔

"میں بہت تھک گئی ہوں، اس لیے میں نہیں کررہی"۔ اس کے انداز میں نروٹھا پن تھا۔

"اچھا، ہاں رہنے دو، آج تم نے سب کی بہت ہیلپ کی ہے اس لیے جاکر آرام کرلو، ہم فارغ ہوکر آئیں گے تو ساتھ ہی تیار ہوجائیں گے"۔ وہ اپنا کام چھوڑ کر فوراً اس تک آئی تھی اور پیار سے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

"میں یہ سب کردیتی ہوں، اس کے بعد چلی جاؤں گی، اور اب مجھے سلاد بھی تو سیٹ کرنی ہے ورنہ پھپھو کیا کہیں گی میں اتنا سا کام بھی نہیں کرسکتی"۔ وہ مسکراتے ہوئے کارنر سے اُتری تھی اور کام کرنے لگی تھی۔

"شازمین بجو! آپ نے میرے کون سے کپڑے نکالے ہیں؟ میں نے تو آپ کو اپنے روم میں بھی جاتے ہوئے نہیں دیکھا"۔ یاد آنے پر وہ پستے چھڑکتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی تھی۔

"میں نے تمہارا اسی گرین سوٹ جو تم نے لاسٹ منتھ بنایا تھا وہ پریس کردیا ہے"۔

"وہ کیوں بجو؟ اس کی تو چوڑیاں بھی نہیں ہیں اور نہ ہی میچنگ سینڈل ہے، وہ سوٹ تو ممی نے مجھے گھر میں پہننے کے لیے بنا کردیا تھا، اس لیے اس کی میچنگ کی چیزیں نہیں ہیں میرے پاس"۔

"بے فکر رہو، تمہیں ہر ایک چیز میچنگ کی ملے گی، آفٹر آل تم زرمین آپی کی سب سے لاڈلی اور چہیتی بہن ہو"۔

"وہ تو ہے، زرمین آپی مجھے آپ سے زیادہ چاہتی ہیں، اور میں ان کے جانے کے بعد ان کے بغیر کیسے رہوں گی؟"

"اب رونے مت بیٹھ جانا، مہمان آنے والے ہیں اور تمہارا کام ختم نہیں ہوا تو سب کیا کہیں گے؟" شازمین کی بات پر وہ آنکھ میں آجانے والے آنسو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی تھی۔

☆..........☆..........☆

"میں تو چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو ہم دونوں بچیوں کی ایک ہی دن ایک ہی ہال میں شادی کرلیتے ہیں، آخر سمیرا بھی تو میرے لیے میری بیٹی جیسی ہیں"۔ نوید عالم نے خلوص سے ایک آفر کی تھی، جس کو سب ہی سراہ رہے تھے۔

"بھیا صاحب! بات تو نوید بھائی صاحب نے بہت اچھی کی ہے، ہم بھی الگ الگ فضیل اور فیصل کی برات لے جانے سے بچ جائیں گے، یہ دونوں بھائی اور وہ دونوں بہنیں ایک ساتھ ہی رخصت ہوجائیں گی"۔ فیاض حمایت میں بولے تھے۔

"یہ تو نوید کی اعلیٰ ظرفی ہے جو یہ اتنی اپنائیت سے بات کررہے ہیں"۔

"بھیا صاحب! تو بس طے ہوگیا 24 کو مایوں اور مہندی کی رسم چاروں بچوں کی ایک ساتھ ہوجائے گی، 25 کو برات اور 26 کا ولیمہ، نہ یہاں کوئی غیر ہے، اس لیے جتنی اپنائیت سے اور دل بڑا کرکے آج ہم نے رشتوں کی بنیاد رکھی ہے، اتنی ہی ہمارے بچوں کی آنے والی زندگی خوشگوار گزرے گی"۔ مہوش نے خلوص سے نوید عالم کے مشورے کو سراہتے ہوئے سارا پروگرام طے کردیا تھا۔

"جیسے آپ سب کی مرضی، میں تو بس تمہاری اور سب کی خوشی میں خوش ہوں"۔ شاکر مسکراتے ہوئے ان کی بات مان گئے تھے۔

"میں مٹھائی لے کر آتی ہوں، تاکہ سب کا منہ میٹھا کیا جاسکے"۔ راشدہ کہتے ہوئے لاؤنج سے نکل گئی تھیں۔

"اتنا بڑا کام تو خوش اسلوبی سے نمٹ گیا بس آگے کے کام بھی اچھے سے ہوں اور ہم سب بڑے بچوں کی شادی سے نمٹ جائیں"۔ یوسف الحسن نے مٹھائی کا ٹکڑا منہ میں رکھ لیا تھا۔

"انشاءاللہ! سارے کام اچھے سے نمٹ جائیں گے، نیت نیک تو منزل آسان"۔ فیاض بولے تھے۔

"ایک بندہ تو یہ ذمہ داری نہیں سنبھال سکتا، اس لیے ہم سب مل کر ذمہ داریاں اُٹھائیں گے تو کام نمٹ بھی جائیں گے اور کسی پر بر ڈن بھی نہیں پڑے گا اور خواتین کا یہ خوف بھی نکل جائے گا کہ اتنے کم وقت میں اتنے ڈھیر سارے کام کیسے ہوں گے؟" یوسف الحسن احترام بھری نگاہوں سے راشدہ کو دیکھتے ہوئے بولے تھے اور وہ ان کا اشارہ سمجھ کر محض مسکرادی تھیں۔

"ہاں، اور کیا... کام کم ہوتے ہیں، مگر آرگنائزڈ طریقے سے نہیں ہوتے اور ساری ذمہ داری کسی ایک پر ہی ہو تو صحیح کام بھی غلط ہوجاتے ہیں"۔

"اسی لیے تو ہم مل کر کام کریں گے، اب ہم خود ڈیسائیڈ کرلیں گے کہ کون کیا کام کرے گا"۔

"بھئی! مجھے تو کوئی آسان کام سونپ دینا، بیمار آدمی ہوں زیادہ کچھ نہیں کرسکوں گا"۔ شاکر اپنائیت سے بولے تھے۔

"بھیا صاحب! فکر ہی نہ کریں، اور آپ کوئی بیمار و یمار نہیں ہیں، بیٹی کو خوشی خوشی رخصت کریں، کون سا کسی غیر کے گھر جارہی ہے"۔ یوسف الحسن نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔

"کام کس طرح کرنے ہیں وہ تو ہم سوچ ہی لیں گے، مگر میں سمجھتا ہوں اس وقت ہمیں دینے دلانے کی بات کرلینی چاہیے"۔

"بھائی صاحب! دینے دلانے کی بات تو بالکل نہیں ہے، ہمارے گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے، ہمیں صرف زرمین بیٹی چاہیے، ہاں آپ زرمین کو جو چاہیں دیں، مگر جہیز وغیرہ کی بات بالکل نہ کریں۔ ہاں حق مہر اور جو چاہیں وہ آپ زرمین بیٹی کی سیفٹی کے لیے لکھوالیں"۔

"زرمین آج تک میری بیٹی تھی، مگر آج سے وہ آپ کی بہو، آپ کی بیٹی ہے اور حق مہر شرع کے حساب سے رکھ لیں، اس کے علاوہ ہمیں کسی قسم کی ضمانت نہیں چاہیے"۔ نوید عالم نے صاف الفاظ میں اپنا موقف بیان کردیا تھا۔

"باقی باتیں میرا خیال ہے بعد میں کرلیں گے، ابھی کھانا کھالیتے ہیں"۔ فریدہ نے کہا تھا اور جواب مثبت پاکر انہوں

ے سارنین اور مائدہ کو بلا کر کھانا لگانے کو کہا تھا، بڑے ہی خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا تھا اور شادی کے متعلق چند ایک فیصلے ہوئے تھے، تینوں فیملیز کے افراد نے اپنے اپنے حساب اور مرضی سے ذمہ داری لے لی تھی کیونکہ ان کے پاس شادی کی تیاریوں کے لیے محض اٹھارہ دن تھے اور کتنے ہی کام نمٹانے تھے۔

☆——☆——☆

"آج آپ یہاں کا کیسے راستہ بھول گئے؟" سلام دعا کے بعد راتم سے استفسار ہوا تھا۔

"بس فرصت ہی نہیں ملتی، آج آفس سے لنچ ٹائم میں گھر آ گیا تھا اور مما یہاں لے آئیں"۔

"اور آنا بھی فضول گیا"۔

"کیا مطلب؟" وہ اس کی شرارت بالکل نہیں سمجھا تھا۔

"شازمین بجو گھر پہ نہیں ہیں"۔ ہنستے ہوئے اطلاع فراہم کی تھی۔

"اچھا، پھر تو میں چلوں"۔ وہ بھی شرارت سے بولا تھا۔

"ایسے کیسے، کیا آپ صرف شازمین بجو سے ملنے آئے تھے؟"

"ملنے نہیں آیا تھا، مل تو سکتا تھا لیکن ایسا پوسیبل ہی نہیں ہے تو چلتا ہوں، مجھے آفس پہنچنا ہے"۔ وہ اس کے سر پر چپت لگاتا کھڑا ہو گیا تھا۔

"کچھ دیر تو بیٹھو بیٹا! کم از کم چائے تو پی لو"۔ ساجدہ اندر آتے ہوئے اس کے سلام کرنے کے ساتھ ہی اجازت طلب کرنے پر بولی تھیں۔

"مامی! پھر بھی آؤں گا، ابھی تو میں صرف مما کو چھوڑنے آ گیا تھا۔ 4 بجے میری ایک میٹنگ ہے، اس لیے آفس پہنچنا ضروری ہے"۔ وہ چائے کی آفر پھر بھی پر ڈالتا ادب سے معذرت کر رہا تھا۔

☆——☆——☆

"زرمین آپی! میں کیسی لگ رہی ہوں؟" حسین اس کے روم میں داخل ہوئی تھی اور اس کی نگاہ تو جیسے اُس پر جم سی گئی تھی، دھانی رنگ کی لونگ شرٹ اور چوڑی دار پاجامہ، دھانی اور بلیو رنگ کا دوپٹہ گلے میں جھول رہا تھا، جس سے ذرا نیچے خوبصورت پینڈنٹ اپنی بہار دکھا رہا تھا، لانبے لانبے ہم رنگ آویزے کانوں میں سجائے، دونوں کلائیوں میں بھر بھر کانچ کی چوڑیاں اور لانبے بالوں کو پراندے میں سلیقے سے مقید کیے، چند لٹیں ماتھے پر جھول رہی تھیں، لائٹ نیچرل میک اپ، آنکھوں میں کاجل، مسکارا اور آئی لائنر کی موٹی سی تہہ لگائے، وہ بنی سنوری اس کے سامنے تھی، وہ خوبصورت تو پہلے بھی تھی اور آج تو اس کی خوبصورتی دوچند ہو گئی تھی، چہرے پر لڑکپن و جوانی کا حسین امتزاج لیے وہ زرمین کو مبہوت کر گئی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں، کیا میں اچھی نہیں لگ رہی؟" وہ اس کی آواز سے چونک اُٹھی تھی۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو، اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے"۔ اس نے کہتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل سے کاجل اٹھا کر اس کے کان کے پیچھے نظر کا ٹیکہ لگایا تھا۔

☆——☆——☆

(جاری ہے)

سعدیہ عابد

قسط نمبر 5

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

''تائی جان نے میری نظر بھی اُتاری ہے، وہ کہہ رہی تھیں میں بہت اچھی لگ رہی ہوں اور آج تو ممی اور شازمین بجو نے بھی میری تعریف کی، اسی لیے میں بھاگی بھاگی آپ کے پاس آئی ہوں''۔

''تمہیں اتنے لوگوں کی بات پر یقین نہیں تھا؟''

''یقین تو تھا، مگر آپ کی بات اور ہے، آپ مجھے کبھی مس گائیڈ نہیں کرتیں''۔ اُس کے لہجے میں زرمین کے لیے محبت اور مان ہی مان تھا۔

''تم سے یہ کہا تھا کہ تم یہاں آ کر جم جاؤ، نیچے سب انتظار کر رہے ہیں اور محترمہ یہاں کھڑی باتیں لڑ رہی ہیں''۔ شازمین نے انٹری دی تھی۔

''وہ.....سوری بجو! میں تو بھول ہی گئی تھی''۔

''آپی! ہال میں جانے کے لیے بس آپ کا ہی انتظار ہو رہا ہے اور پھپھو نے کہا ہے آپ بڑی سی چادر اوڑھ لیجیے گا''۔

''لیکن کیوں؟ آپی نے تو میک اپ تک نہیں کیا ہے''۔ زرمین نے زرد رنگ کے شلوار قمیض میں سبز اور زرد دوپٹہ

سلیقے سے سر تک لیا ہوا تھا اور وہ محض پھولوں کا زیور پہنے ہوئی تھی اور دونوں ہاتھوں میں تھوڑی کانچ کی چوڑیاں پہن رکھی تھیں اس کے علاوہ وہ ہر آرائش سے مبرا تھی۔

''آپی دلہن ہیں، ان پر کسی کی نظر نہیں پڑنی چاہیے''۔

''لیکن کیوں؟''

''اور پلیز حنین! یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی''۔

''کیوں.....؟ اب اتنی بھی کم دماغ نہیں ہوں''۔

''یہ باتیں چالاک لوگوں کے سمجھنے کی ہیں اور تم بہت معصوم ہو''۔ اُس سے بحث کرنے سے پہلے ہی اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے، جہاں اس نے لڑنے کا ارادہ ترک کیا تھا وہیں زرمین مسکرا دی تھی۔

☆..........☆..........☆

''یار! ہم رسم سے پہلے لڈی ڈال لیتے ہیں''۔

''نہیں، رسم کے بعد، ابھی تو ہم گانے گائیں گے، کیوں مائدہ اپیا؟'' اس نے وہاں سے گزرتی ہوئی مائدہ کو اس طرح مخاطب کیا تھا جیسے وہ ان کی باتوں میں کب سے ساتھ دے رہی تھی بلکہ اسے تو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ بات کیا ہو رہی تھی۔

''مائدہ آپی کو کیا پتہ کہ ہم کیا بات کر رہے تھے؟'' سحرش نے طنز کیا تھا۔

''مائدہ اپیا! ہم لوگ گانے کب گائیں گے؟''

''مما سے پوچھ کر بتاتی ہوں اور تم ذرا ارحم بھیا کو تو دیکھو، کہاں ہیں؟''

''ارحم بھیا ابھی نہیں آئے''۔

''وہ آ گئے ہیں، ان سے مما نے گجرے منگوائے تھے، اسی لیے انہیں ڈھونڈ رہی ہوں''۔ مائدہ کی بات کرتے ہوئے انٹرنس پر کھڑے باتیں کرتے ارحم کے ساتھ اسجد پر نگاہ پڑی تھی۔

''حنین! تم جا کر ارحم بھیا سے گجرے لے آؤ، میں.....!''

''اوہ..... آپ اسجد بھائی کی وجہ سے نہیں جا رہی ہیں نا؟''

''ایسی بات نہیں ہے، ارحم بھیا اشارے سے بلا رہے ہیں، پلیز تم چلی جاؤ''۔

''میں کیوں جاؤں؟''

''مت جاؤ، میں بھی نہیں جا رہی اور مما سے کہہ دوں گی ارحم بھیا ابھی تک نہیں آئے''۔ وہ کچھ چڑ کر کہتی اسٹیج کی جانب بڑھ گئی تھی اور وہ ہنستے ہوئے ارحم کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ اپنی ہی دھن میں کسی سے ٹکرا گئی تھی اور مقابل کی نگاہ اٹھی پر اٹھی تو اٹھی کی اٹھی رہ گئی۔ ماہِ کنعان مبہوت سا کھڑا اس حسن کے پیکر کو نگاہوں کے راستے دل میں اُتار رہا تھا۔

''دیکھ کر نہیں چل سکتے تھے؟ میرا تو سر گھوم کر رہ گیا، آپ انسان ہیں یا پتھر؟'' اس کا ماتھا ماہِ کنعان کے سینے سے ٹکرایا تھا، جسے سہلاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے تھے اور اس نے نگاہ اٹھا کر لانبے چوڑے ماہِ کنعان کو دیکھا تھا، جس کی نگاہ اُسی پر جمی ہوئی تھی۔

''حنین! تم ٹھیک تو ہو؟'' ارحم نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ آواز پر جیسے وہ حال میں لوٹ آیا تھا۔

''ہاں..... نہیں، ارحم بھیا! میرا سر بُری طرح گھوم رہا ہے، یہ دیکھ کر نہیں چل سکتے تھے؟'' وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام گئی تھی۔

''آئی ایم سوری، بٹ شاید غلطی میری نہیں تھی''۔

''آپ کی ہی ساری غلطی تھی، آنکھیں بند کر کے چل رہے تھے''۔

''حنین! میں نے خود دیکھا تھا، غلطی تمہاری تھی، یہ تم سے نہیں تم ان سے ٹکرائی تھیں، اس لیے سوری کرو''۔

''اٹس او کے، سوری کی ضرورت نہیں ہے''۔ ماہِ کنعان نے سنجیدگی سے ارحم کی بات قطع کی تھی اور ''ایکسکیوزمی'' کہتا آگے بڑھا تھا کہ کسی نے اسے پکار لیا تھا۔

''واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز!'' فیصل اس سے بغل گیر ہوتا ہوا اٹھتا ہے بولا تھا۔

''کیوں میرے آنے کی توقع نہیں تھی؟''

''سچ بولوں تو ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا کہ تُو آئے گا''۔

''چل، دیکھ لے میں تیرے یقین پر پورا نہ اُترتے ہوئے چلا آیا''۔ ان دونوں نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا تھا، حنین تو حنین، ارحم بھی حیران رہ گیا تھا کیونکہ ان لوگوں نے فیصل کو شاذ و نادر ہی مسکراتے دیکھا تھا اور کہاں وہ کھل کر ہنس رہا تھا۔

''ارحم بھیا! سورج آج مغرب سے نکلا ہے کیا؟ فیصل بھیا.....اور ہنس رہے ہیں، امیزنگ!'' اس کی آواز میں حیرت ہی حیرت تھی۔

''آرام سے بولو وہ سن بھی سکتا ہے''۔ ارحم نے اسے ڈپٹا تھا جبکہ وہ دونوں ان کی جانب متوجہ ہو گئے تھے کیونکہ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ کچھ فاصلے پر موجود ان دونوں تک خود بخود ہی پہنچ گئی تھی۔

''آج تو نئے انکشاف ہو رہے ہیں، میں تو سمجھتی تھی فیصل بھیا نہ ہنس سکتے ہیں اور نہ ہی سن.....!'' وہ اس کو اپنے عین سامنے دیکھ کر ہونٹ دانتوں تلے دبا گئی تھی اور بے اختیاری میں اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ وہ سی کر کے رہ گئی تھی۔

''ارحم بھائی! ان سے ملیے، یہ میرے بیسٹ فرینڈ ماہِ کنعان ہیں اور کنعان! یہ ارحم الحسن ہیں، میری مام کی فرینڈ کے بیٹے، اور میرے بیسٹ فرینڈ، میرے لیے بالکل فیصل بھائی جیسے''۔ فیصل کے تعارف کروانے پر ان دونوں نے مصافحہ کیا تھا۔

''اور یہ حنین ہیں، ارحم بھائی کی کزن سسٹر اور سحرش کی بیسٹ فرینڈ''۔ وہ اب کے حنین کا تعارف کروا رہا تھا۔

''نائس ٹو میٹ یو مس حنین!'' وہ ہلکے سے مسکرایا تھا۔

''مجھے فارملیٹیز نہیں آتیں، مجھے آپ سے مل کر بالکل خوشی نہیں ہوئی اور میں جھوٹ نہیں کہہ سکتی، نائس ٹو میٹ یو مسٹر ماہِ کنعان!'' وہ لفظوں کو چبا چبا کر کہتی کسی کو دیکھے بغیر آگے بڑھ گئی تھی۔

''آئی ایم سوری کنعان! تھوڑی دیر پہلے جو ہوا، وہ اس کی وجہ سے.....!''

''اٹس او کے مسٹر ارحم!'' ماہِ کنعان کا انداز نہایت فارمل تھا جبکہ فیصل کو اس پر شدید غصہ آ رہا تھا، جس کو ارحم محسوس کرتا ایکسکیوز کر کے حنین کے پیچھے لپکا تھا۔

''حنین! کیا ضرورت تھی وہ سب بکواس کرنے کی؟''

''وہ مجھے اچھے نہیں لگے تو کہہ دیا''۔

''مگر وہ تمہیں اچھا کیوں نہیں لگا؟''

''وہ مجھ سے ٹکرائے، میرا سر ابھی تک ہلکے ہلکے گھوم رہا ہے''۔

''غلطی کنعان کی نہیں، تمہاری تھی، تم اندھا دھند چل رہی تھیں''۔

''آپ مجھے ڈانٹ رہے ہیں؟''

''نہیں، میری یہ مجال کہ میں تمہیں ڈانٹوں''۔ اسے رونے کو پَر تولتے دیکھ کر وہ قدرے خفگی سے کہتا آگے بڑھ گیا تھا، جبھی اُسے شازمین بلانے چلی آئی تھی۔

''کہاں تھیں تم اتنی دیر سے؟ پھپھو کہہ رہی ہیں سنگنگ مقابلہ کرنا ہے تو ٹھیک، ورنہ رسم شروع کر رہے ہیں''۔

''کیا... رسم شروع کر رہے ہیں، میرے بغیر؟'' وہ چیخی تھی اور کتنے ہی لوگ متوجہ ہوگئے تھے۔

''پاگل! چیخو تو مت''۔ شازمین نے اُسے ڈپٹا تھا۔

''اور یہ تمہاری بندیا کہاں گر گئی''۔ جیسے ہی نظر پڑی تھی شازمین نے اس کی توجہ اس جانب دلائی تھی ورنہ تو اُسے پتہ ہی نہیں تھا کہ اس کی بندیا کہیں گر گئی ہے۔

''یہ یقیناً اس سے ٹکراتے وقت ہی گری ہوگی''۔

''تم کس سے ٹکرا گئی تھیں؟''

''فیصل بھیا کا کوئی دوست تھا، ماہِ کنعان، اندھوں کی طرح چل رہا تھا، میرا سر اس کے سینے سے ٹکرا گیا تھا، جبھی گری ہوگی، میں دیکھ کر آتی ہوں''۔ وہ اپنی غلطی اس کے سر ڈال جلدی جلدی کہتی پلٹنے لگی تھی، مگر شازمین اُسے روک گئی تھی۔

''دیر ہو رہی ہے حنین! ابھی بہت سے کام کرنے رہتے ہیں، اگر تم نے یوں ہی وقت ضائع کیا تو گانوں کا مقابلہ نہیں ہو سکے گا اور رسم شروع ہو جائے گی جبکہ تم نے ابھی لڈی بھی ڈالنی ہوگی''۔ شازمین کے کہنے پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کے ساتھ اسٹیج کی جانب بڑھ گئی تھی۔

''یار! میں بہت آکورڈ فیل کر رہا ہوں، یہ خالص تمہارا گھریلو فنکشن ہے، مجھے نہیں آنا چاہیے تھا''۔

''اب میری مہندی کا فنکشن بزنس پارٹی کی طرح فارمل نہیں ہو سکتا تھا اور زیادہ ہنگامہ اس لیے ہے کہ فضیل بھائی کی بھی آج ہی مہندی ہے''۔

''تمہاری ہونے والی مسز اور بھابی کیا دونوں بہنیں ہیں؟ مجھے یاد ہے تمہاری تو سمیرا سے.....!''

''ارے نہیں یار! میری شادی سمیرا سے ہی ہو رہی ہے''۔

''تو پھر ایک ساتھ مہندی کا فنکشن.....؟''

''ہاں، لمبی کہانی ہے کبھی فرصت میں سناؤں گا، تُو بتا لاج کو ساتھ کیوں نہیں لایا؟''

''لاج کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، ممکن ہو سکا تو کل ساتھ لے آؤں گا''۔

''تھینک گاڈ! کہ تم کل آ رہے ہو، ورنہ تو میں سمجھا تھا کہ تم کل نہیں آؤ گے''۔

''تُو میرا واحد دوست ہے، اور دوست کی زندگی کے اتنے بڑے دن میں نہ آؤں، اب اتنا بھی بے مروت نہیں ہوں''۔ ماہِ کنعان نے کچھ خفگی دکھائی تھی، فیصل نے مسکراتے ہوئے ہاتھ کا مُکا سا بنا کر اس کے سینے پر ہلکے سے مارا تھا، جبھی اس کے ہاتھ میں کچھ چبھ سا گیا تھا۔

''کیا یار! سینے میں سوئیاں چبھو کر گھر سے نکلا ہے؟'' کہتے ہوئے اس کی نگاہ شرٹ کے بٹن کے ساتھ اُلجھی ہوئی گولڈن چین پر پڑی تھی، ہاتھ بڑھا کر نکالا تھا اور ہاتھ میں خوبصورت سی بندیا آ گئی تھی۔

''یہ یقیناً اُن ہی خاتون کی ہے جو مجھ سے ٹکرا گئی تھیں''۔ اس کے دیکھنے پر وہ جلدی سے بولا تھا کہ کہیں وہ کچھ ایسا ویسا نہ سوچ لے۔

''خدا کو مان یار! وہ لڑکی تجھے خاتون نظر آ رہی تھی؟''

''پلیز فیصل! چینج دا ٹاپک''۔ وہ قدرے بے زاری سے بولا تھا اور فیصل کے سیل فون پر فضیل کا میسج آیا تھا کہ وہ اسٹیج کی طرف آ جائے اس لیے وہ ماہِ کنعان کو لیے وہیں چلا آیا تھا، جہاں سمیرا اور زرمین گھونگھٹ ڈالے بیٹھی تھیں اور ان سے فاصلے پر ایک جانب لڑکیاں اور دوسری جانب لڑکے براجمان تھے، فضیل نے ماہِ کنعان سے مصافحہ کیا تھا اور فیاض صاحب سے ملنے کے بعد وہ فیصل کے برابر ہی بیٹھ گیا تھا۔ لڑکے اور لڑکیاں بھی اپنی اپنی نشستیں سنبھال چکے تھے، نوجوان پارٹی کے ساتھ بڑے بھی براجمان تھے، پھر دونوں ٹیموں کے درمیان گانے کا مقابلہ شروع ہوا، کنعان نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا اور نظریں غصے سے گھورتی حنین پر ٹھہر گئی تھیں، اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔

''میں ابھی آتا ہوں، کال آ رہی ہے''۔ وہ جیب سے موبائل نکالتا ہوا بولا تھا اور شور ہنگامے سے ذرا پُرسکون جگہ پر چلا گیا تھا۔

''فریدہ! میرا خیال ہے اب رسم کر لینی چاہیے''۔ راشدہ نے ہال میں سے اٹھ کر آ کر نوید عالم کے کہنے پر سلسلۂ موسیقی موقوف کروا دیا تھا، پھر لڑکیوں نے لڈی ڈالی۔

ماہِ کنعان آفیشل کال کر کے جب لوٹا تھا تو ساکت رہ گیا تھا، اس کی نگاہ نے حنین کے خوبصورت چہرے سے ہٹنے سے انکار کر دیا تھا، وہ دھیمے دھیمے مسکاتی، دھیرے دھیرے گھومتی، آگے پیچھے جاتی، ہاتھوں میں موجود اسٹک کو جنبش دیتی حنین کو ٹک ٹکی باندھے دیکھ رہا تھا، اس کا دل تھا کہ اس کی شرمیلی مسکراہٹ، لہراتی چوٹی، ہلتے آویزوں اور شرارتی نینوں میں اٹک اٹک سا جا رہا تھا، وہ نظر چرا تا تو بھی کہاں تک؟ اس کی سیاہ نگاہیں اس ساحرہ کے سحر میں جکڑتی جا رہی تھیں۔

گانا تو چل رہا تھا مگر یکدم ہی حنین اسٹیپ بھول گئی تھی، سحرش اُسے اشارے کر رہی تھی، مگر اُسے بالکل یاد نہیں آ رہا تھا وہ یکدم اسٹل کھڑی ہوگئی تھی اور بس ہنسے جا رہی تھی۔

''میں بھول گئی ہوں، آگے کیا کروں؟'' وہ بُری طرح ہنستے ہوئے بولی تھی، وہ اُسے غصے سے گھورنے لگی تھی، ہال تالیوں سے گونج اُٹھا تھا اور وہ شرمندہ نظر آنے لگی تھی، مگر حنین کاندھے اُچکا کر وہیں کھڑی رہی تھی، فریدہ نے ہی آگے بڑھ کر اسے کاندھے سے لگایا تھا۔

''زبردست بھئی! تم دونوں نے تو کمال کر دیا''۔

''آنٹی! اتنی پریکٹس کی تھی ہم نے اور یہ بھول گئی، میں اشارے بھی کر رہی تھی کہ جیسے میں کر رہی ہوں، ویسے کر لو، مگر

یہ تو ہنسے جا رہی تھی"۔ سحرش کو بہت غصہ آ رہا تھا۔

"یار! سوری، بٹ جب میں کرتے کرتے اسٹیپ بھول گئی تو میری ہنسی چھوٹ گئی اور میں اپنی ہنسی بالکل کنٹرول نہیں کر سکی، ویری سوری"۔ ہنستے ہنستے اس کا چہرہ لہو رنگ اور آنکھوں میں موتی چمک آئے تھے اور فریدہ اُن دونوں کو لیے اسٹیج کی جانب بڑھ گئی تھیں اور ماہِ کنعان ایک سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

"تو جناب ماہِ کنعان! آج آپ پر حسن کا جادو چل ہی گیا اور آپ بے دل ہو گئے"۔ اندر سے آواز آئی تھی اور وہ سر جھٹکتا، آواز کو اگنور کرتا فیصل کی جانب بڑھ گیا تھا، جہاں اس کی رسم حنا چل رہی تھی، ہنسی مذاق، شور شرابے اور ہنگامے کے ساتھ خوشگوار ماحول میں رسم حنا اختتام کو پہنچی تھی۔

☆..........☆..........☆

"شاز! بہت پیاری لگ رہی ہو"۔ راحم اُسے پُرشوق نگاہوں سے تک رہا تھا۔

"کیا مطلب.... صرف پیاری لگ رہی ہوں؟ میں پیاری ہوں نہیں"۔

"تم کیا کچھ ہو، میرے اس دل سے پوچھ کے دیکھو"۔ اس کی شرارت سمجھتے ہوئے بھی وہ نہایت شرارت سے کہتا اس کا ہاتھ تھام کر سینے پر دائیں جانب لگا گیا تھا اور وہ بُری طرح گھبرا گئی تھی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں راحم! کوئی دیکھ لے گا"۔ وہ ہاتھ چھڑا رہی تھی، مگر وہ اور زیادہ اس کے ہاتھ پر گرفت کرتا اس کے نزدیک بڑھ رہا تھا اور وہ پیچھے ہوتے ہوتے دیوار سے جا ٹکرائی تھی، ڈر کے مارے چیخ بلند ہوتی کہ وہ اس کے منہ پر اپنی چوڑی ہتھیلی جما گیا تھا۔

"اب بتانا شروع کروں کہ تم کتنی پیاری، اچھی خوبصورت اور ساحرہ ہو کہ بُری طرح مجھے اپنے سحر میں جکڑ چکی ہو"۔ وہ وارفتگی سے کہتا اس کا دل دھڑکا گیا تھا، وہ اس کے چہرے پر جھکا ہی تھا کہ دروازہ بُری طرح دھکیل کر کوئی بولتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا اور وہ اس کی کلائی چھوڑ جلدی سے فاصلہ قائم کر گیا تھا۔

"آپ.... شاز مین بجو کے روم میں کیا کر رہے ہیں؟" حنین اس کو دیکھ متحیر تھی۔ وہ خود کو سنبھال چکا تھا، مگر شاز مین خود کو کنٹرول نہ کر سکی تھی اور نگاہیں تھیں کہ زمین پر گڑی ہوئی تھیں، وہ تو یہ سوچ کر ہی پسینہ پسینہ ہو رہی تھی کہ حنین کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اس کے بارے میں کیا رائے قائم کرتا؟

"اوہ.... سمجھی، چوری چھپے ملنے آئے تھے نا، جیسے فلموں میں ہیرو، ہیروئن سے ملنے آتا ہے"۔ اس نے قیاس آرائی کی تھی۔

"اور تھوڑی ہی دیر میں دلن کی انٹری ہو جاتی ہے"۔ وہ پہلے تو کچھ سمجھی نہیں، مگر جیسے ہی راحم کی بات سمجھ آئی تھی وہ اس پر چڑھ دوڑی تھی۔

"راحم بھیا! آپ مجھے دلن کہہ رہے ہیں؟ دیکھئے اب میں کیا کرتی ہوں، پورا دلن کا رول پلے کروں گی، سب کو جا کر بتاؤں گی کہ آپ بجو کے روم میں ان کا ہاتھ پکڑ کے کھڑے تھے"۔ حنین کا جتاتا ہوا لہجہ شاز مین کو سُن کر گیا تھا۔

"یار! مذاق کر رہا تھا میں اور تم نیچے جا کر بے شک سب کے سامنے کہہ دو، مجھے تو ممانی جان نے شاز مین کو بلانے بھیجا تھا"۔

"بلانے بھیجا تھا نا، ہاتھ پکڑنے کے لیے تو نہیں"۔

"کیوں مرواؤ گی حنین! میری اچھی بہن نہیں ہو، کسی سے....!"

"کچھ نہیں کہوں گی، میں تو بس آپ کو ڈرا رہی تھی، دلن کہا تھا نا آپ نے، صرف اس لیے"۔ وہ ان دونوں کی جان نکالنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتے ہوئے مزے سے ہنس رہی تھی۔

"آپ نے مجھے یہ بھی بھلا دیا کہ میں بجو کے پاس کس کام سے آئی تھی"۔ وہ کمرے سے جیسے آئی تھی ویسے ہی چلی گئی تھی۔

"شاز....!"

"بات نہ کریں مجھ سے اور پلیز جائیں یہاں سے"۔

"اچھا اب رو تو نہیں، میں تو صرف تمہیں تنگ کر رہا تھا"۔

"آپ نے سوچا ہے حنین کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کیا ہوتا؟"

"کچھ نہیں ہوتا، تم رونا بند کرو، اتنی اچھی لگ رہی تھیں، کیوں آنسوؤں سے میک اپ کو دھو دینا چاہتی ہو؟" اس نے آنسو صاف کرنے کو ہاتھ بڑھایا تھا، جسے جھٹکتی وہ اسے گھورتے ہوئے خود ہی کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

وہ سب انٹرنس پر گلاب کی پتیوں سے بھری پلیٹیں تھامے کھڑی تھیں، جیسے ہی دلہا والے آئے تھے وہ الرٹ ہو گئی تھیں، آگے آگے چلتے دولہوں کے ساتھ ان کے دوست اور پیچھے گھر کے افراد کے ساتھ دیگر اقارب ہال میں انٹر ہونے لگے تھے اور وہ پتیاں نچھاور کرتیں ان آنے والے مہمانوں کا استقبال کر رہی تھیں۔

"ارحم بھیا! آپ دلہا کے دوست بن کر آئے ہیں، اپنی خیر منایئے گا"۔

"کیوں بھئی! دلہا کے دوستوں کے ساتھ تم لوگ کون سی تخریب کاری کرنے کا پلان بنائے بیٹھی ہو؟" وہ شرارت سے حنین کو دیکھتا ہوا بولا تھا۔

"وہ تو بعد میں ہی پتہ چلے گا، کیوں شاز مین بجو؟" اس نے ہنستے ہوئے کہتے سامنے کھڑی شاز مین کی حامی چاہی تھی اور وہ محض مسکرا دی تھی اور اس کا یہ مسکراتا روپ راحم کے کیمرے میں مقید ہو گیا تھا، فلیش کی روشنی پڑنے پر اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا اور راحم کے اسمائل پاس کرنے پر منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی، جو اس بات کا اظہار تھا کہ وہ اس سے کچھ خفا ہے، فیصل کے ساتھ کھڑے ماہِ کنعان نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی اور جو پلٹ کر آنے میں کافی وقت لگا گئی تھی۔ پنک کلر کے شرارے سوٹ میں، سلور جیولری، لائٹ پنک میک اپ کیے میچنگ چوڑیاں کلائیوں میں سجائے وہ مسکراتے ہوئے ارحم حسن کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے ماہِ کنعان کو آتے ہوئے دیکھا تھا، مگر وہ اسے نظر انداز کر گئی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں پلیٹ تھی اور دوسرے ہاتھ سے پتیاں نچھاور کر رہی تھی، اس نے مٹھی میں پتیاں بھری تھیں، ڈالنے کو ہاتھ بلند کیا تھا اس کی تصویر لینے کے لیے راحم نے اُسے مخاطب کیا تھا وہ اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی اور ہاتھ یونہی اُٹھا کا اُٹھا رہ گیا تھا، ماہِ کنعان آگے بڑھا تھا اور اس کا ہاتھ اس کے سینے سے ٹکرا گیا تھا، اس کی مٹھی کھلی تھی اور پتیاں اس کے قدموں میں جا گری تھیں، ٹکراتی زور سے ہوئی تھی کہ اس کی کتنی ہی چوڑیاں ٹوٹ کر ماہِ کنعان کے قدموں میں ڈھیر ہو گئی تھیں، دوسرے ہاتھ میں موجود کانچ

کی پلیٹ اس کے ہاتھ سے یکبارگی چھوٹی تھی اور اس کے پاؤں پر آگری تھی، اس کی چیخ بہت بے ساختہ تھی۔

''ممی....!'' سب ہی اسے پریشانی سے دیکھنے لگے تھے۔

''آر یُو او کے؟'' ارحم، فیصل کے پہلو سے نکل کر اس تک آیا تھا۔

''میں.... میرا پاؤں.... ارحم بھیا! بہت تکلیف ہو رہی ہے''۔ وہ ضبط کرتے ہوئے بولی تھی، ارحم اس کا بازو تھامے اسے بھیڑ سے نکال کر کرسی تک لایا تھا اور قدرے جھک کر اس کے پاؤں کا جائزہ لیا تھا، سلور نازک سی چپل میں مقید اس کے نازک پیر کانچ کا کوئی ٹکڑا چبھ جانے کے باعث لہو رس رہا تھا۔

''مامی! میں حنین کو ہاسپٹل لے جاتا ہوں''۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے بھیا! میں نے فرسٹ ایڈ باکس منگوایا ہے، بینڈیج ہی تو کرنی ہے''۔ راحم بولا تھا جبھی ویٹر فرسٹ ایڈ باکس لیے چلا آیا تھا۔

''حنین! رو نہیں، ابھی میں بینڈیج کر دیتا ہوں''۔ ارحم نے کہتے ہوئے اسے سہارا دے کر ٹیبل پر بٹھایا تھا اور خود کرسی پر بیٹھ کر بینڈیج کرنے لگا تھا۔

''حنین! بس چپ کر جاؤ، سارا کاجل پھیل گیا ہے''۔ سب ہی متفکر سے وہیں کھڑے تھے، فریدہ نے بمشکل اسے پانی پلا کر چپ کروایا تھا اور بیٹے سے بولی تھیں۔

''راحم! تم سب کو لے کر اندر آ جاؤ، اتنا سیریس میٹر نہیں ہے''۔

''پھپھو! مجھے گھر جانا ہے''۔

''حنین! کیسی باتیں کر رہی ہو بیٹا!'' ساجدہ نے اس کا بازو تھاما تھا۔

''ممی! مجھے ابھی گھر جانا ہے''۔ وہ ضدی لہجے میں بولی تھی۔

''میں ایسا کرتا ہوں حنین کو گھر چھوڑ آتا ہوں، زرمین صرف اس سے ناراض ہی تو ہو گی کہ یہ اُس کی شادی اٹینڈ کیے بغیر چلی گئی، چلو آؤ حنین!''

''راحم بھیا! میں خود کب ایسے جانا چاہتی ہوں، زرمین آپی کو تو میں ناراض کر ہی نہیں سکتی، بٹ مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا، بہت تکلیف ہو رہی ہے''۔

''حنین بیٹا! ہم سب ہیں نا تمہارا خیال کرنے کے لیے، اور تم کھڑی مت رہنا، تم اپنی زرمین آپی کے ساتھ بیٹھ جانا او کے!'' راشدہ نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔

''او کے، آپ سب لوگ جائیں، میں کچھ دیر میں آ جاؤں گی''۔ وہ زبردستی مسکرائی تھی، ماہ کنعان، فیصل کے ساتھ اسٹیج کی جانب چلا گیا تھا، مگر اس کی ساری توجہ یہیں مرکوز تھی، وہ اتنی دور سے بھی اسے روتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔

''آپ سب جائیں، میں تھوڑی دیر میں اسے لے کر آ جاؤں گی''۔ شازمین کے کہنے پر وہ سب آگے بڑھ گئے تھے، سحرش کے ساتھ راحم بھی وہیں رُک گیا تھا۔

''یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے، نہ میں تمہیں تصویر کھینچنے کے لیے مخاطب کرتا نہ ہی یہ سب کچھ ہوتا''۔ راحم نے اس کے برابر والی چیئر گھسیٹی تھی۔

''آپ کا قصور نہیں ہے راحم بھیا! ساری غلطی فیصل بھیا کے دوست کی ہے، اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی بڑی آنکھیں دے رکھی ہیں انہیں، مگر ان کا استعمال نہیں کرتے، کل مجھ سے ایسے ٹکرائے کہ میرا سر گھوم کر رہ گیا اور میری بندیا بھی گم گئی اور آج میرا پاؤں زخمی کیا اور میری ساری چوڑیاں ٹوٹ گئیں''۔ ڈھیر ساری چوڑیوں میں سے چند ایک ہی بچی تھیں۔

''حنین! تمہارے ہاتھ سے تو خون نکل رہا ہے''۔ شازمین کی نظر اس کی کلائی پر پڑی تھی، ٹوٹی چوڑیوں کے کانچ اس کی کلائی میں جگہ جگہ کھب سے گئے تھے۔

''ہاں، میرا ہاتھ اس فولاد کے آدمی سے ٹکرایا تھا''۔ اس کے منہ بنا کر کہنے پر وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے تھے۔

''مجھے یہاں تکلیف ہو رہی ہے اور آپ لوگ ہنس رہے ہیں''۔ اسے کچھ نہ کہنا ہی ان لوگوں نے مناسب سمجھا تھا، شازمین نے بڑی احتیاط سے باقی چوڑیاں اُتاری تھیں اور راحم نے اس کی کلائی کی بینڈیج کر دی تھی۔

☆..........☆..........☆

''زرمین آپی! کتنی پیاری لگ رہی ہیں، ہیں نا سحرش!'' اپنا خیال ظاہر کر کے اس کی رائے پوچھی تھی۔

''ہاں بھئی! آخر بھابی کس کی ہیں''۔

''تم بہت لکی ہو سحرش! کہ زرمین آپی تمہاری بھابی بن گئی ہیں، آفٹر آل میری آپی دنیا کی بیسٹ آپی ہیں، دیکھنا یہ تمہارا بھی کتنا خیال رکھیں گی، شی اِز ویری کیئرنگ''۔ حنین کے لہجے و انداز میں زرمین کے لیے اپنائیت اور محبت ہی محبت تھی، سرخ عروسی جوڑے میں روایتی دلہنوں کی طرح سولہ سنگھار کیے وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

''آپ کی آپی ہمارا خیال رکھیں گی تو ہی ہم کہہ سکیں گے کہ شی اِز ویری کیئرنگ''۔ فیصل کے انداز میں شگفتگی و شرارت تھی۔

''کیوں نہیں، فیصل بھیا! آپی تو سب کا ہی بہت خیال رکھتی ہیں، دیکھیے گا آپ کا بھی کتنا خیال رکھیں گی''۔

''آپ سفارش کر دو تو زیادہ رکھیں گی''۔

''آپی جعلی کاموں کے بہت خلاف ہیں، انسان میں کوالٹی ہونی چاہیے، جیسے کہ میں، گھر میں آپی سب سے زیادہ میری پرواہ کرتی ہیں اور مجھے ہی سب سے زیادہ چاہتی ہیں''۔ یہ سب کہتے ہوئے فخر سا اس کے چہرے پر دَر آیا تھا۔

''آپ کی آپی کی چاہتوں کی لسٹ میں میرا نام ہے یا.....!'' فیصل نے گردن ذرا سی ترچھی کر کے زرمین کو دیکھا تھا اور جان کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''آئی ڈونٹ نو، میں نے کبھی پوچھا نہیں''۔

''شرافت سے بیٹھ جاؤ، اولڈ پارٹی آ رہی ہے، کیوں اپنا اچھا خاصا امیج خراب کرنے پر تلے ہو؟'' ارحم نے مصنوعی خفگی دکھائی تھی، حنین و سحرش ہنسنے لگی تھیں، فریدہ اور راشدہ ہاتھوں میں سہرے لیے اسٹیج پر چڑھ گئی تھیں، اور سات سہاگنوں کو دونوں سہرے باری باری لگانے لگی تھیں۔

''اِٹس امیزنگ پھپھو! یہ میرے بھی لگائیں ناں''۔ حنین کی فرمائش پر وہ ہنس دی تھیں۔

''اونہوں..... یہ صرف سات سہاگنوں کے ہی لگایا جاتا ہے''۔ انہوں نے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ کا سہرا اسجد اور راحم کو

دیتے ہوئے زرمین کو باندھنے کے لیے کہا تھا۔

''پھپھو! ایسا کیوں، اس کے لیے شادی شدہ ہونا کیوں ضروری ہے؟''

''بھئی! یہی رسم ہے''۔

''ساجدہ! بس اب تم بھی بیٹی کے سر سہرا سجا کر اسے رخصت کرنے کی تیاری کرلو، تمہاری لڑکی کو شوق بھی بہت ہے''۔ کوئی دور پرے کی رشتہ دار خاتون نے مزے سے کہتے ہوئے قہقہہ لگایا تھا۔

''واٹ ڈو یو مین آنٹی! مجھے کوئی شوق ووق نہیں ہے، پھپھو کا ایسا کرنا دلچسپ لگا تو کہہ دیا''۔ حنین کو ناراض ہونے میں تو ویسے ہی لمحہ لگتا تھا اس وقت بھی وہ بری طرح خفا ہوتی ناگواری سے بولی تھی۔

''ساجدہ! تمہاری بیٹی کی تو گز بھر کی زبان ہے، میں نے تو ازراہ مذاق کہا تھا اور یہ تو انگریزی میں ٹر ٹر ہی کرنے لگی''۔ خاتون کو اس کا بولنا بری طرح کھلا تھا اور انہوں نے محفل کا خیال کیے بغیر جو منہ میں آیا کہہ دیا اور یہ اس سے کہاں برداشت ہوسکتا تھا کہ کوئی اسے برا کہے، وہ کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ فریدہ اس کا بازو تھام گئی تھیں۔

''پھپھو! یہ میرے بارے میں اس طرح کیسے.....!''

''حنین! چپ کر جاؤ''۔ ساجدہ نے اس کے نزدیک آتے ہوئے دبے دبے لفظوں میں اسے ڈپٹا تھا اور اس کی آنکھیں بہنے لگی تھیں۔

''ممی! میں تو.....!''

''مائدہ! اسے اسٹیج سے نیچے لے جاؤ''۔ ساجدہ کے کہنے پر وہ آگے بڑھی تھی، مگر اس نے جانے سے انکار کردیا تھا۔

''نہیں، میں ٹھیک ہوں''۔ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے پیچھے ہوئی تھی اور ماہ کنعان سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی، اسے خفگی بھری نگاہوں سے دیکھتی وہ آگے منہ کرکے کھڑی ہوگئی تھی اور وہ اس کے موتی بھرے نین کٹوروں کو دیکھ رہا تھا کہ اس کے پلٹ جانے پر اس کی پشت پر بکھرے سیاہ آبشار پر نگاہیں ٹھہر گئی تھیں، دل میں آیا تھا کہ اس کی آنکھوں کے موتی ہونٹوں سے چنتے ہوئے اس کے دراز بالوں کی ملائمت کو اپنی انگلیوں کی پوروں پر محسوس کرے، مگر وہ ایسا صرف سوچ ہی سکا تھا۔ راشدہ نے اپنے ہاتھ کا سہرا فیصل اور ارحم کو دیا تھا جو وہ دونوں مل کر سمیرا کے سر پر سجانے لگے تھے، امجد نے زرمین کے اور ارحم نے سمیرا کے سر پر قرآن کا سایہ بنایا تھا اور وہ دونوں روتی دھوتی اپنوں کی دعاؤں اور آنسوؤں تلے رخصت ہوگئی تھیں۔

☆.........☆.........☆

دیگر رسموں کے بعد سمیرا کو فیصل کے روم میں پہنچا دیا گیا تھا، سمیرا اس کمرے میں بارہا آئی تھی، مگر اس کے کمرے کی آج چھب ہی نرالی تھی، بیڈ کے وہ عین وسط میں گلاب کی پتیوں میں گھری بیٹھی تھی، در و دیوار پر نظر دوڑاتے اس کی نگاہ ڈریسنگ کے شیشے میں نظر آتے اپنے وجود پر پڑی تھی، اس نے اتنا بار سنگھار زندگی میں پہلی دفعہ کیا تھا، تقریبات میں وہ ہلکا پھلکا سا ہی تیار ہوکر جایا کرتی تھی اور آج سرخ عروسی جوڑے میں دلہن بنی وہ بہت زیادہ حسین لگ رہی تھی اور اس کی معصومیت اور کم عمری نے بھی اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے، وہ لہنگا سنبھالتی بیڈ سے اتر گئی تھی، مگر کمرے کے باہر اسے آہٹ سی محسوس ہوئی تھی اور وہ دھڑکتے دل کو سنبھالتی واپس بیٹھ گئی تھی۔

''فیصل بھائی!'' اس نے اسے دل میں مخاطب کرنا چاہا تھا، مگر نئے رشتے کا خیال آتے ہی لب دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

''یہ ہمیشہ مجھے ڈانٹتے ہی آئے ہیں، لیکن آج.....!'' دروازہ کھلنے کی آواز پر اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا، اور نگاہیں جھکتی چلی گئی تھیں، فیصل مضبوط قدم اٹھاتا چلتا ہوا بیڈ تک آیا تھا اور عین اس کے سامنے بیڈ پر ٹک گیا تھا اور خاموشی سے اس کا جائزہ لینے لگا تھا، اس چہرے کو تو وہ اس کے بچپن سے ہی دیکھتا آرہا تھا، مگر اس کی سج دھج آج صرف اس کے لیے تھی، اس کی آنکھوں میں پسندیدگی در آئی تھی، اس نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اس قدر حسین لگے گی، وہ استحقاق بھری نگاہوں سے اس کے سجے سنورے روپ کو دیکھ رہا تھا اور لمحے خاموشی سے سرکتے جارہے تھے، اس نے بہت ڈرتے ڈرتے لرزتی پلکیں اٹھائی تھیں، اس کی نگاہوں سے ٹکرائی تھیں، وہ ان آنکھوں کا مفہوم بالکل نہ جان سکی تھی، اسے لگا تھا کہ وہ شاید اسے غصے سے گھور رہا ہے۔

''آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟ سچ اب تو میں آپ کے کمرے میں بھی بہت دن بلکہ مہینوں بعد آئی ہوں اور کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگایا''۔ وہ بغیر سانس لیے جلدی جلدی کہہ رہی تھی اور وہ پہلے تو سمجھا نہیں، حیرانگی سے اسے دیکھ اور سن رہا تھا، مگر جیسے ہی سمجھ آیا اس نے زبردست قہقہہ لگایا تھا اور اس کی بڑی بڑی ساحر آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''آ... آپ... آپ ہنس بھی سکتے ہیں؟'' وہ بہت بے یقین تھی، اس نے اپنی سترہ سالہ زندگی میں سوائے ایک دو دفعہ کے اسے مسکراتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا اور کہاں اس کا قہقہہ، وہ حیران نہ ہوتی تو کیا کرتی؟ اس نے تو فیصل کو ہمیشہ سنجیدہ اور غصہ کرتے ہی دیکھا تھا اور یہ اس کی بدقسمتی تھی یا نجانے خوش قسمتی، ہمیشہ اس کے عتاب کا نشانہ وہی بنتی تھی۔ شرارت وہ اور سحر مل کر کرتے تھے، مگر فیصل کے آگے مجرم وہی بنتی تھی، کتنی دفعہ تو اس نے فیصل سے کمرے میں آنے پر ڈانٹ کھائی تھی، کیونکہ ایک دفعہ اس نے فیصل کی فائل پر پانی گرا دیا تھا اور ایک دفعہ اس کا خوبصورت مہنگا ترین شوپیس توڑ دیا تھا جو وہ لندن سے لے کر آیا تھا، اس کے علاوہ بھی اس کے نت نئے کارناموں اور شرارتوں کی ایک لمبی فہرست تھی جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ فیصل سے ڈانٹ کھایا کرتی تھی۔

''کیوں... کیا میرے ہنسنے پر پابندی ہے؟'' اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا تھا اور اس نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''مسز فیصل! آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں کیا کیا کرسکتا ہوں''۔ معنی خیزی سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ کی پشت پر اپنے لب رکھ دیے تھے۔

''یہ کیا کررہے ہیں؟'' ہاتھ چھڑا کر وہ کچھ فاصلے پر ہوئی تھی۔

''کیا کررہا ہوں؟'' وہ انجان بنا تھا اور اس کے گھبرائے شرمائے انداز سے محظوظ ہوتے ہوئے شیروانی کی جیب سے ایک ڈبیہ نکالی تھی اور اس کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کیسا ہے؟ خاص تمہاری پسند پر بنوایا ہے، ہاتھ میں لے کر دیکھو''۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ڈبیہ سے چین نکالی تھی، گولڈ کی چین میں ڈائمنڈ کا نازک سا پینڈنٹ تھا اور اسے ڈائمنڈ پینڈنٹ بہت پسند تھے اور یہ تو تھا بھی بہت خوبصورت،

ہارٹ شیپ میں نگینوں سے بنا وائٹ روز، اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

☆............☆............☆

زرمین کا دل بہت بُری طرح گھبرا رہا تھا، آنکھوں میں یادوں کی برات سی اُترتی اسے بُری طرح سہما رہی تھی، وہ جو اتنے دنوں سے خود کو ریلیکس شو کر رہی تھی، اسے لگتا تھا کہ وہ اس کے خیال اور یکطرفہ چاہت کی کسک بھلا کر فیصل کو ان کی جگہ دے دے گی، مگر سجے سنورے روپ میں وہ کسی کی سیج سجائے بیٹھی تھی تو اصل حقیقت اس پر آشکار ہوئی تھی کہ یہ سب اتنا آسان بھی نہیں ہے، جس شخص کے سپنے نوعمری میں پلکوں کی دہلیز پر سجائے تھے وہ ایسے تو اتنی آرام سے اپنا ٹھکانہ نہیں بدل سکتے تھے، اس کا دل آنے والے وقت کا سوچ کر ہی سہمے جا رہا تھا، ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے تھے۔

''اللہ جی! میری مدد کیجئے، محبت کرنے میں بہت بے اختیار تھی، ایک ایسے شخص کو چاہا جو میرا نہ تھا، میری قسمت میں اسے لکھا ہی نہیں گیا تھا، میں نے ایک ایسے شخص سے رشتہ جوڑا جسے میرے والدین نے تیری رضا سے میرے لیے منتخب کیا، میں فیصل کے ساتھ بددیانتی نہیں کرنا چاہتی، میں نے پورے خلوص سے اس رشتے کو تسلیم کیا تھا تو پھر میرا دل کیوں ڈوب رہا ہے؟ مجھے میرا آپ فیصل کا مجرم کیوں لگ رہا ہے؟ مجھے آنے والا وقت کیوں ڈرا رہا ہے؟ اس شخص کا خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہتی، مگر اس کا خیال ہے کہ دل و دماغ سے آ چپٹا ہے، کہیں میں نے اتنا بڑا فیصلہ عجلت میں تو نہیں لیا؟ ایسا ہے تو مجھے رُسوا ہونے سے بچا لیجئے گا، میری آپ سے صرف اتنی سی التجا ہے کہ میرے دل سے اس شخص کا ہر ایک خیال نکال کر صرف فیصل کا خیال ڈال دیجئے، مجھے کمزور ہونے سے بچا لیجئے تاکہ فیصل کبھی یہ نہ جان سکیں کہ میں نے کبھی کسی اور سے محبت کی تھی، میری دعاؤں کو فیصل کے نام لکھ دیجئے، جیسے آج میرا وجود.....!'' ڈور لاک کھلنے کی آواز پر وہ خیالوں سے باہر آتی، جلدی سے آنسو صاف کرتی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

''آداب عرض ہے مسز فیصل!'' وہ بیڈ کے کنارے بیٹھتا ہوا مخاطب ہوا تھا اور اس کی پلکیں لرزنے لگی تھیں۔

''جواباً وعلیکم السلام تو کہا ہی جا سکتا ہے۔'' اس کی خاموشی پر وہ متبسم لہجے میں بولا تھا اور گھٹنوں پر رکھے اس کے حنائی ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ میں لے لیا تھا اور وہ باقاعدہ لرزنے لگی تھی۔

''تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو؟ یار! میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا، مجھے تو تمہیں اپنی داستانِ محبت سنانی ہے، تمہیں بتانا ہے کہ تم نے کس لمحے مجھے اپنا اسیر بنا لیا تھا، میں تم سے کب، کیسے محبت کر بیٹھا، بہت کچھ تمہیں بتانا ہے، اپنے جذبوں کی شدت تمہارے وجود میں انڈیلنی ہے، تمہیں جذبۂ محبت سے آشنائی دینی ہے۔'' اس کا لہجہ جذبوں سے چُور تھا۔

''تم کچھ تو بولو، کچھ ایسا کہ مجھے اظہار کی منزل طے کرنا آسان، بہت آسان لگے، اتنا کہ میں لمحوں میں وہ سب کہہ دوں جو کتنے سالوں سے کہنے کی چاہ میں کہہ نہ سکا۔'' یکبارگی اسے زرمین کی خاموشی بُری طرح کھلی تھی اور وہ اس کا ہاتھ دھیرے سے آزاد کرتا اس کے چہرے کو دیکھنے لگا تھا، جہاں بے چینی، گھبراہٹ اور خوف سا منڈلا رہا تھا۔

''فیصل! آپ کہتے جائیے، میں سن رہی ہوں۔'' لہجہ کپکپا سا رہا تھا۔

''کچھ کہو گی نہیں؟''

''میں..... میں کیا کہوں؟ ہماری شادی اتنی جلدی میں ہوئی کہ میں آپ کے بارے میں کچھ بھی سوچ ہی نہیں سکی اور آپ کی بنا دی گئی۔'' وہ دھیرے دھیرے نظریں جھکائے جھکائے بولی تھی۔

''کیا... تمہارے ساتھ زبردستی کی گئی ہے؟'' سوال تھا کہ کوئی آبلہ جو اس کے چھلنی چھلنی دل میں آگ سی لگا گیا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے فیصل! یہ شادی ٹوٹلی میری مرضی سے ہوئی ہے، مجھے کچھ وقت ملتا تو میں اس رشتے سے خود کو روشناس کراتی، لیکن اس سب سے پہلے ہی میں آپ کے جیون میں آ گئی، اسی لیے کچھ گھبراہٹ سی ہے، آپ کسی بدگمانی کو پلیز دل میں جگہ مت دیجئے۔'' اس نے فیصل کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔

''آپ کو کچھ وقت چاہیے، لیکن کتنا وقت؟ ایک ماہ، 3 ماہ، 6 ماہ؟'' وہ کھڑا ہوتا ہوا شیروانی کے بٹن کھولنے لگا تھا اور وہ ہکا بکا سی رہ گئی تھی۔

''میں نے ایسا تو نہیں کہا۔''

''کچھ باتیں کہنے کی نہیں، محسوس کرنے کی ہوتی ہیں اور میں محسوس کر سکتا ہوں کہ تم اس رشتے کے لیے دل سے تو دور کی بات، دماغ سے بھی راضی دکھائی نہیں دیتیں اور میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں۔''

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟''

''تم مجھے ایک دفعہ کہہ کر تو دیکھتیں کہ اتنی جلدی شادی تمہارا ذہن قبول نہیں کر پا رہا، یہ شادی کینسل ہو جاتی، مگر بگڑا تو اب بھی کچھ نہیں ہے۔'' شیروانی اُتار کر اس نے اپنی وارڈروب کھولی تھی اور ہینگر میں ڈال کر الماری میں لٹکا دی تھی۔

''رات بہت ہو گئی ہے زرمین! چینج کر کے سو جاؤ۔'' اس نے ایزی سا شلوار قمیض نکالا تھا اور واش روم میں چلا گیا تھا جبکہ وہ تو ساکت بیٹھی رہ گئی تھی اور آنسو ٹپ ٹپ کرتے گالوں پر لڑھکتے جا رہے تھے، اسے شاور لینے میں 15 سے 20 منٹ لگے ہوں گے، تاول سے بال رگڑتا وہ روم میں داخل ہوا تھا اور اسے اب تک یوں ہی بیٹھے دیکھ کر حرکت کرتے ہاتھ پل بھر کو رکے تھے اور اسے روتا محسوس کر کے وہ تاول گلے میں ڈالتا اس تک آیا تھا۔

''زرمین!'' بیڈ کے کنارے ٹکتے ہوئے محض اس کا نام پکارا تھا کہ وہ اس کے کاندھے پر پیشانی ٹکاتی بلک اُٹھی تھی اور وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''پلیز..... ڈونٹ کرائے۔''

''آپ میرے بارے میں بہت غلط طریقے سے سوچ رہے ہیں۔'' وہ سیدھی ہوتے ہوئے آنسو رگڑ رہی تھی۔

''غلط میں نہیں، تم سوچ رہی ہو یار! زندگی تو ہماری شروع ہوئی ہے، ہمیں ابھی ایک ساتھ بہت سا وقت گزارنا ہے، آج کی رات آخری تو نہیں ہے، میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں زرمین! اور میں محسوس کر سکتا ہوں کہ تم اس رشتے سے فی الحال خوفزدہ ہو اور میں تمہیں صرف اس خوف سے نکالنا چاہتا ہوں، تمہاری طرف سے بدگمان نہیں ہوں، میں قربت کے لمحوں کو ان چاہا احساس نہیں دینا چاہتا، جو لمحے میری زندگی کا حاصل ہوں گے، وہی لمحے تمہاری زندگی بھی بنیں، بس اس کا انتظار کروں گا، جس دن مجھے یہ احساس ہوا کہ تم نے ہمارے رشتے کو قبول کر لیا ہے، اسی دن پیار و محبت سے تمہاری طرف پیش رفت کروں گا، اسی دن تمہاری رونمائی بھی دوں گا، لیکن تمہیں صبح سب کو میرا دیا ہوا گفٹ دکھانا ہوگا، اس لیے یہ پھول تمہیں دوست بنا کے دے رہا ہوں، اسے قبول کرو اور آرام سے سو جاؤ۔'' فیصل نہایت سنجیدگی سے کہتا سائیڈ ٹیبل پر رکھے بوکے میں سے ایک پنک روز نکال کر اس کی جانب بڑھا گیا تھا جسے وہ تحیر سی تھام گئی تھی۔

"فضیل! میرے ان کہے کیسے سب کچھ جان گئے؟" سوچ کی پرواز بھٹکی تھی اور وہ وہی کر کے رہ گئی تھی۔

"زرمین! زندگی بالکل اسی گلاب کی مانند بہت خوبصورت ہے جس کی خوبصورتی کو بڑھانے میں کہیں نہ کہیں پر کانٹوں کا بھی ہاتھ ہے اور کہیں نہ کہیں اس کی خوبصورتی کو گہن لگانے میں بھی، اکثر لوگ گلاب پسند تو کرتے ہیں مگر کانٹوں کے خوف سے چھونے سے ڈرتے ہیں، مگر انسان اپنی ہی زندگی میں بے حد بے بس ہوتا ہے، گلاب چھونے کی آرزو میں کانٹوں کو چھو بیٹھتا ہے، آرزو ہمیشہ ناکام ہوتی ہے، اس لیے انسان کو آرزو نہیں کرنی چاہیے، زندگی کے گلاب کو چھوتے ہوئے یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ کانٹے بھی ساتھ ہی ہیں اور انگلیاں جن سے ٹکراتیں زخمی بھی ہو سکتی ہیں، سختی اور نرمی کا تو ازل سے ساتھ ہے، جہاں سکھ ہے وہاں دکھ بھی ہے، پھولوں کی نرمی وہی ہاتھ سہہ سکتے ہیں جو ان پھولوں کے کانٹوں سے کھیل کی سختی برداشت کر سکتے ہیں، کیونکہ زخموں پر پھائے سختی سے نہیں نرمی سے رکھے جاتے ہیں۔" اس کی انگلی پر خون کا قطرہ بڑا نمایاں ہو رہا تھا اور وہ نہایت سنجیدگی سے ایک ایک بات کہتا اس کے دل میں ڈر آنے والے سوالوں کا بھی جواب دے گیا تھا اور وہ اسے ایک نظر دیکھ بیڈ سے اتر گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

"حنین! تم لوگوں کے ساتھ نہیں آئی؟" مائدہ، شاز مین اور وہ ناشتہ لے کر آئے تھے، وہ ان دونوں کو اپنے کمرے میں لے آئی تھی، سمیرا اور سحرش بھی وہیں آ گئی تھیں۔

"اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔"

"کیا ہوا ہے اُسے؟"

"آپی! اسے فیور ہے اور بس، آپ پریشان نہ ہوں۔"

"وہ ضد تو آنے کی بہت کر رہی تھی، مگر مامی نے منع کر دیا، کیونکہ اس کے پاؤں میں بھی تکلیف ہے اور رات ویسے فنکشن ہے، آرام نہیں کرے گی تو ریسپشن اٹینڈ کیسے کرے گی؟" مائدہ نے بتایا تھا۔

"ہاں، اسے یہ تسلی دے کر آئے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ ہی آئیں گی۔"

"زرمین! اس قصے کو جانے دو اور یہ بتاؤ فضیل بھیا نے منہ دکھائی میں کیا دیا؟" مائدہ کے انداز میں شرارت تھی، اس نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے بیڈ کی سائیڈ سے کلی اٹھا کر ان لوگوں کے سامنے کر دی تھی۔

"صرف یہ ادھ کھلا گلاب۔" شاز مین کچھ متحیر تھی۔

"بھیا مجھے اتنے کنجوس تو نہیں لگتے کہ انہوں نے آپ کو صرف ایک پھول پر ہی ٹرخا دیا، وہ کوئی شاندار سا تحفہ دے کے ہی دے دیتے۔" سحرش بھی متحیر تھی۔

"بھئی! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ فضیل بھیا کو بھابی کے شایانِ شان کوئی گفٹ ملا ہی نہ ہو، صرف اس لیے انہوں نے بھابی کو پھول دیا اور پھول تو جذبوں کی ترجمانی بہت خوبصورتی سے کرتے ہیں۔"

"اوہو...اتنی میچنگ فل گفتگو تم کر رہی ہو، کچھ یقین سا نہیں آیا۔" سمیرا پر سحرش نے ہنستے ہوئے چوٹ کی تھی۔

(جاری ہے)

سعدیہ عابد

قسط نمبر 6۔

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

"جناب! یہ اسپیکر بنفس بول رہا ہے، بائے داوے، تمہیں منہ دکھائی میں کیا ملا؟" ان لوگوں کے براہِ راست وار کرنے پر وہ کچھ جھینپ گئی تھی اور شرمیلی مسکراہٹ سے گلے میں پہنے چین لاکٹ کی طرف اشارہ کر دیا تھا اور ان چاروں نے ہی فیصل کی پسند کی تعریف کی تھی۔

"یار ثمیرا! ایک بات تو بتاؤ، بھیا نے یہ تمہیں بس دے دیا تھا یا خود ہی تمہارے گلے میں پہنایا ہے؟"

"وہ انہوں نے خود ہی...! جبکہ میں نے کہا بھی تھا کہ میں پہن لوں گی، مگر وہ نہیں مانے"۔ ثمیرا کے چہرے پر روشنی پھوٹ رہی تھی اور نگاہیں جھکیں کر لرزتی ہوئی عارضوں کو چھو رہی تھیں۔

"اوہو...!" ان تینوں نے کورس میں اس کا ریکارڈ لگانا چاہا تھا، مگر وہ اُٹھ کر بھاگ لی تھی، زرمین کے روم کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی اور فیصل سے ٹکرا گئی تھی۔

"آئی ایم سوری، فیصل بھیا!"

"اِٹس اوکے، بٹ اب بڑی ہو جاؤ، تمہاری ان ہی حرکتوں سے فیصل چڑتا ہے، یہ برقرار رہیں تو.....!" فیصل نے ہنستے ہوئے چھیڑا تھا اور وہ اس کی بات سے بغیر تاثرات میں سرہلاتی سیڑھیاں اُترنے لگی تھی، سامنے سے آتے فیصل پر نگاہ

پڑی تھی اور وہ سامنے دیکھنے کے چکر میں دو سیڑھیاں پھلانگ گئی تھی اور یہ تو اچھا تھا کہ فیصل نے کمال کی عجلت دکھا کر گرنے سے بچالیا تھا اور وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے بازو سے لگی کھڑی تھی اور آج اسے فیصل نے ایک ... کہا تھا اور اس کے گلنار چہرے کو دیکھ کر لبوں پر تبسم بکھر گیا تھا اور یہ سارا منظر اوپر کھڑے فیصل نے اپنی آنکھوں سے ... تھا اور اس کے لبوں پر چھوٹے بھائی کی خوشیوں کے لیے دعا آٹھہری تھی اور وہ ان دونوں کی خوشگوار زندگی کی دعا ... دل میں کرتا وہاں سے ہٹ گیا تھا اور فیصل اسے بازو سے تھامے اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا، وہ جو اس کی ... کی منتظر تھی دھیرے سے ہنس دی تھی۔

☆..........☆..........☆

”حنین! تم سارے فنکشن میں آج سب سے زیادہ اچھی لگ رہی ہو“۔

”تھینک یو... اور میں صرف اچھی لگتی نہیں ہوں، میں ہوں ہی اچھی“۔ سحرش کے تعریف کرنے پر اس نے فخریہ فرضی کالر کھڑے کیے تھے۔

”خوش فہمی ہے تمہاری“۔

”جلنے کی بُو آرہی ہے“۔ اس نے ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا اور وہ دونوں یکدم ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دی تھیں۔

”اب تمہارا پاؤں کیسا ہے؟“

”زیادہ نہیں، لیکن تکلیف ابھی بھی ہے اور تکلیف کی نسبت غصہ زیادہ ہے“۔ وہ دونوں چلتی ہوئیں ہال کے پرسکون ایریا میں آگئی تھیں، کیونکہ سحرش کو اپنی فرینڈ کو فون کرنا تھا اور وہ دونوں اسی لیے اسٹیج سے اتری تھیں، ورنہ وہ تو پورے ... زرمین کے برابر ہی بیٹھی رہی تھی، سحرش کے کھینچنے پر ہی وہاں سے اٹھی تھی کیونکہ نزہت ان دونوں کی ہی اسکول فرینڈ تھی ... بھی فنکشن میں نہیں آئی تھی، لیکن صبح فون کر کے کہا تھا کہ وہ آج ضرور آئے گی، اب نہیں آئی تھی تو وہ اس سے پوچھنا چاہ رہی تھیں کہ وہ آ بھی رہی ہے یا نہیں؟

”غصہ کیوں آرہا ہے؟ یار ہونے والی بات تھی ہوگئی“۔

”کیا ہونے والی بات تھی؟ کل میرا سارا میک اپ خراب ہوگیا، میں ڈھنگ سے مووی بھی نہیں بنوا سکی اور ... صرف اس بینڈیج کی وجہ سے میں اتنے دل سے لائی ہوئی سلیپر نہیں پہن سکی، کیونکہ میرے پاؤں میں بینڈیج بندھی ہوئی ... اور سلیپر بہت نازک تھی، اسے آج پہن نہ سکنے کا مجھے بے حد افسوس ہے“۔

”یار! یہ جو تم نے سلیپر پہنی ہوئی ہے یہ بھی بہت اچھی لگ رہی ہے“۔

”لگ رہی ہوگی، مگر مجھے نہیں لگ رہی، تم تو جانتی ہو کہ مجھے اسٹیپ اور اسٹریپ والی بے حد نازک ... اچھی لگتی ہیں اور آج مجھے ممی کی پورے پنجے کی سلیپر پہننی پڑی ہے“۔

”جانے بھی دو حنین! تم اپنے پیروں کو لے کر کچھ زیادہ ہی کونشس رہتی ہو“۔

”ہاں تو مجھے اپنے ہاتھ پاؤں بے حد عزیز ہیں“۔

”وہ تو مجھے بھی ہیں، تمہیں کوئی نرالے پسند نہیں ہیں، مگر مجھے اپنے ہاتھ پاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی ہر ایک ...

... اپنی آنکھیں، اپنے ہونٹ“۔

”لیکن، مجھے صرف اپنے ہاتھ پیروں کے علاوہ کوئی چیز پسند اور عزیز ہے تو وہ ہیں میری آنکھیں۔ یار! اکثر لوگوں کو ... کہنا ہے ہر لحاظ سے ٹپ ٹاپ ہوتے ہیں اور دکھائی بھی دیتے ہیں، مگر ان کے پیروں کی طرف دیکھو تو شخصیت کی ... کھل کر سامنے آجاتی ہے، اکثر خواتین پیروں اور ان کی سینڈلز کی طرف توجہ ہی نہیں دیتیں اور تم جانتی ہو کہ مجھے ... صورت ہاتھ پیر کتنے اٹریکٹ کرتے ہیں، بندہ خوبصورت نہ ہو مگر ہاتھ پیر اس کے خوبصورت ہوں“۔

”ایسے ممکن ہے؟“

”میں یہ نہیں کہہ رہی کہ شکل کالی اور ہاتھ سفید ہوں، یار! ہاتھ پیروں میں خوبصورتی و جاذبیت ہونی چاہیے، نرم ... لمبی مخروطی انگلیاں“۔

”شاید ہم نزہت کو فون کرنے آئے تھے“۔ وہ دونوں اس ٹاپک پر پہلے بھی بات کر چکی تھیں۔

”ہاں، تو ملا لو... میں کون سا منع کر رہی ہوں“۔ اس کے بات کاٹنے پر وہ چڑ گئی تھی۔

”ویسے حنین! ایک بات ہے، تم جو اپنے ہاتھ پیروں کی اتنی کیئر کرتی ہو نا، تو بالکل ٹھیک کرتی ہو، مجھے بھی تمہارے ... ہاتھ پیر بڑے ہی اچھے لگتے ہیں، ویسے ایک بات ہے، تمہیں لڑکیوں میں یہ کوالٹی اچھی لگتی ہے یا لڑکوں میں بھی؟“ ... نمبر ڈائل کرتے ہوئے کچھ سوچ کر پوچھ رہی تھی۔

”اوہ ... یار! دونوں میں، کیونکہ خوبصورتی فیمیل یا میل سے منسوب تھوڑی ہے، بس جو خوبصورت ہوتا ہے وہی ... بھلا لگتا ہے“۔

”تمہاری آنکھوں کو کوئی بھلا لگا؟“

”نہیں، جس سینس میں تم پوچھ رہی ہو اس میں تو بالکل نہیں ہے“۔

”تم اپنے شوہر میں اپنی پسند کی جھلک دیکھنا چاہو گی؟“

”یہ شوہر بیچ میں کہاں سے آگیا؟“

”آیا نہیں ہے، آسکتا ہے، مگر اس وقت جسٹ ایک سوال ہے“۔

”ہاں، تمہیں 10 ویں کلاس کی ارما یاد ہے؟“

”ارما... نہیں، تم کس کی بات کر رہی ہو؟“

”یار! وہی جس کے ہاتھ بہت خوبصورت تھے“۔

”اور جن کی وجہ سے تم نے اس سے دوستی کی تھی“۔

”ہاں... وہی ارما“۔

”اُن کا یہاں کیا ذکر؟“

”بات اتنی سی ہے کہ وہ لڑکی میری دوست بنی اور وہ بھی میرے پہل کرنے پر، ورنہ تم تو جانتی ہو لڑکیاں مجھ سے دوستی ... کرتی تھیں، میں نہیں“۔ وہ پرانی باتیں یاد کر کے مسکرائی تھی۔

”اور یہ بات تمہاری سمجھ میں آجانی چاہیے کہ میں ایک لڑکی سے صرف اس کے ہاتھوں کی اٹریکشن کی وجہ سے دوستی کا

ہاتھ بڑھا سکتی ہوں، تو میں یہ کیوں نہیں چاہوں گی کہ سو کالڈ میرا جو شوہر ہوگا، اس کے ہاتھ پاؤں خوبصورت ہوں، مگر مردوں کے ہاتھ پیر خوبصورت ہونے کی بات ہے تو میں نے کبھی کسی مرد کو اتنے قریب سے نہیں دیکھا، اور نہ ہی اس پر ریسرچ کی ہے۔ ہاں ممی کہتی ہیں کہ میرے پاپا کے ہاتھ پاؤں بے حد خوبصورت تھے، وہ ایک خوش شکل تھے، لیکن ان کے ہاتھ پیروں میں الگ ہی جاذبیت تھی اور میں نے جتنی پاپا کی تصویریں دیکھی ہیں تو یہ میں نے بھی کیا ہے، بس پاپا کی تصویریں دیکھ کر ہی خیال آیا تھا کہ ریئلٹی میں پاپا کے ہاتھ کتنے خوبصورت ہوں گے، بس اسی لیے میں نے حقیقت میں اتنے خوبصورت و پرکشش ہاتھ پیر چاہنے کی تمنا کی تھی، جواب تک تو پوری نہیں ہوئی''۔

''یار! اگر تمہارے شوہر کے ہاتھ پیروں میں انوکھی جاذبیت و کشش نہ ہوئی تو....؟''

''تو کیا، کچھ نہیں ہوگا، ہاں ایک خلش سی رہ جائے گی''۔

''اس کا مطلب حنین عالم! کسی مرد کو اس کے پرکشش چہرے، زبردست جاب، گڈ ریپوٹیشن ان تمام خصوصیات پر نہیں بلکہ اس کے پرکشش ہاتھ پیروں کی وجہ سے محبت کرے گی؟''

''ہے بی''۔ اس نے لاپرواہی سے کاندھے اچکا دیے تھے اور اسے فون پر بزی دیکھ کر وہ پانی پی کر آنے کا کہہ کر کے آگے بڑھی تھی کہ اسے کولڈ ڈرنک سرو کرتا ویٹر نظر آیا اور اس نے اشارے سے اسے بلا کر کولڈ ڈرنک سے بھرا گلاس اٹھا لیا تھا اور جیسے ہی وہ سحرش کی طرف بڑھنے لگی تھی کسی نے اسے بازو سے تھام کر اپنی جانب کھینچا تھا اور کولڈ ڈرنک کا گلاس اس کے اور نو وارد کے کپڑوں کو گیلا کرتا زمین بوس ہو گیا تھا۔

''آپ.... آپ کی ہمت بھی کیسے ہوئی میرا بازو تھامنے کی؟'' ماہ کنعان کو دیکھ اس کا غصہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔

''حنین! میں آپ سے....!''

''اوہ یو شٹ اپ.... آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں؟ مجھے تین دن سے پریشان کر کے رکھا ہوا ہے، پہلے ٹکرائے اور میرا بندیا گم گئی، لیکن ارحم بھیا سے مجھے ہی ڈانٹ پڑی اور کل میری چوڑیاں توڑیں اور میرا پاؤں صرف آپ کی وجہ سے زخمی ہوا اور آج میں آپ کی وجہ سے تکلیف میں ہوں اور اپنی پسند کی سینڈل بھی نہ پہن سکی اور ابھی اس طرح میرا بازو پکڑنے کا مطلب؟'' اس کی زبان فراٹے بھر رہی تھی کہ ماہ کنعان نے اس کے پنکھڑی سے نازک لبوں پر انگلی رکھ دی تھی۔

''تم بولتے ہوئے سانس نہیں لیتیں؟'' اس کی چھٹی چھٹی نگاہوں میں جھانکا تھا۔ اس نے ماہ کنعان کی انگلی لبوں سے ہٹانا چاہی تھی مگر اس نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے ایسے جھٹکا دیا تھا کہ اس کی پشت ماہ کنعان کے سینے سے آ لگی تھی۔

''تمہارا ہر الزام جھوٹا ہے، مگر سر آنکھوں پر، مگر اس طرح نان اسٹاپ بولتے ہوئے اپنے احمریں لبوں پر تو ظلم نہ کرو تا''۔ اس نے سرگوشی کی تھی، مگر وہ خود کو اس کی گرفت سے نکالنے کی کوشش میں محض ہلکان ہی ہو رہی تھی اور ماہ کنعان نے اس کی پشت پر بکھرے سیاہ آبشار کو نرمی سے ایک سائیڈ پر کیا تھا۔

''تمہارے یہ بال بہت خوبصورت ہیں، سیاہ ریشمی....!''

''پلیز، لیو می!'' اس کے ہونٹ کپکپائے تھے اور اس نے دایاں ہاتھ نرمی سے اس کے ہونٹوں پر رکھا تھا اور بائیں ہاتھ کی مدد سے اس کی کمر پر حصار باندھا تھا اور معمولی سا جھک کر اس نے حنین کی صراحی دار گردن پر اپنے ہونٹ رکھ دیے تھے، اس کی جسارتیں اور بڑھتیں کہ سحرش بولتے ہوئے وہاں آ رہی تھی تو اس نے حنین کے وجود کے گرد سے اپنا حصار ہٹاتے ہوئے فاصلہ قائم کر دیا تھا۔

''تم یہاں کیوں آ کھڑی ہوئی تھیں؟ نزہت تم سے بات....!'' وہ بولتی ہوئی آ رہی تھی، مگر اس کے ساتھ کھڑے ماہ کنعان کو دیکھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''آپ.... کیسے ہیں؟'' سلام کے بعد خیریت دریافت کی تھی۔

''آئی ایم فائن''۔ اس نے بات کرتے ہوئے حنین کو دیکھا تھا۔

''ارے... تم رو رہی ہو، کیا ہوا؟ کہیں پھر تمہاری اور کنعان بھیا کی ٹکر تو نہیں ہو گئی؟'' وہ ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''کچھ ایسا ہی ہے، اور اس بار غلطی میری تھی، آئی ایکسپیکٹ دیم.... بٹ نقصان تو میرا بھی ہوا ہے، صرف ان کے نہیں میرے کپڑوں پر بھی کولڈ ڈرنک گری ہے''۔ ماہ کنعان کے انداز و لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی اور وہ جو اس کی اتنی جرأت پر انگشت بدنداں تھی، اتنے صاف جھوٹ پر نگاہ اٹھائی تھی اور اس کے مسکراہٹ اچھالنے پر وہ وہاں سے نکلنے لگی تھی اور سحرش اس کو وہاں سے جاتے دیکھ ماہ کنعان سے ایکسکیوز کرتی اس کے پیچھے بھاگی تھی اور جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا تھا۔

''حنین! پلیز چپ کر جاؤ، اس طرح روتے ہوئے سب کے درمیان جاؤ گی تو سب پریشان ہو جائیں گے، اتنی معمولی سی بات کو بڑھانے سے فائدہ؟''

''معمولی سی بات؟ تم... تم نہیں جانتیں سحرش! کہ فیصل بھیا کے دوست نے میرے ساتھ....!'' وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے اس سے بولتی رک گئی تھی۔ کیونکہ اسے وہ سب بتانے میں جھجک سی آ گئی تھی۔

''تم پاگل ہو حنین! ان کے ٹکرانے سے کولڈ ڈرنک گر گئی تو کیا ہوا، جا کر کپڑے واش کر لو، اس میں اتنا رونے والی کیا بات ہے؟''

''تم میری بات سمجھ نہیں رہیں سحر!'' ماہ کنعان کو وہاں سے نکل کر آگے جاتے دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی تھی۔

''چھوڑو ان باتوں کو، تم اس روم میں جا کر کپڑے واش کر لو، اس طرح جاؤ گی تو سب پریشان ہوں گے''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے واش روم پلس ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی تھی۔

''تم جاؤ حنین! میں ذرا امما کی بات سن لوں''۔ وہ ڈریسنگ کے باہر سے ہی پلٹ گئی تھی اور وہ سحرش کو روکنے کے لیے پلٹی تھی، مگر اس کے چلے جانے پر وہ یکدم دروازہ کھولتی اندر چلی گئی تھی اور اسے اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ لیڈیز واش روم کی بجائے جینٹس واش روم میں داخل ہو گئی ہے۔

☆..........☆..........☆

''بات کیا ہے، کچھ بتاؤ تو سہی''۔

''مجھے گھر جانا ہے، پلیز ارحم بھیا! میں آپ سے ریکوئیسٹ کرتی ہوں، آپ مجھے یہاں سے لے جائیں''۔

''اوکے، چلو''۔ اس نے ساجدہ سے گھر جانے کو کہا تھا، وہ اس کے رونے سے پریشان ہو گئی تھیں، مگر ایسے ولیمہ چھوڑ کر کیسے جا سکتی تھیں؟ اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی، مگر وہ جانے پر بضد تھی اور ارحم کے پیچھے پڑ گئی تھی کہ وہ اسے گھر چھوڑ آئے۔ وہ اس کو بری طرح روتے ہوئے دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا، اس سے وجہ پوچھی تھی، مگر وہ صرف گھر جانا ہے کہے

جارہی تھی، اسے کچھ انہونا سا احساس ہوا تھا، بس اسی لیے وہ راضی ہوگیا تھا۔

''مامی! میں گاڑی میں مائدہ کا انتظار کررہا ہوں، آپ پلیز اسے جلدی سے بھیج دیں''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے ہال سے نکلتا پارکنگ ایریا میں گیا تھا اور اپنی گاڑی پارک کرکے لے آیا تھا۔

''تم گاڑی میں بیٹھی رہو، میں دیکھوں کہ یہ مائدہ کہاں رہ گئی ہے''۔ وہ اس کے چپ کروانے پر بھی روئے جارہی تھی، تب وہ ڈرائیونگ ڈور کھولتا اترنے لگا تھا کہ وہ اس کا بازو دبوچ گئی تھی۔

''پلیز ارحم بھیا! مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جائیں، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے''۔ اس کے انداز و لہجے کے ساتھ اس کے متورم چہرے پر بھی خوف کا جال بچھا تھا اور اس کی پریشانی مزید بڑھ گئی تھی۔

''حنین! کیا ہوا ہے گڑیا! اپنے ارحم بھیا کو نہیں بتاؤ گی؟''

''میں.... میں آپ کو کچھ نہیں بتاسکتی، کچھ بھی نہیں..... اور بتاؤں کیا؟ کیسے..... پلیز! مجھ سے کچھ مت پوچھیں، اور مجھے یہاں سے لے جائیں، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے''۔ اس کا کپکپاتا لہجہ، ادھورے جملے، وہ کچھ سمجھ نہیں پارہا تھا، اپنے بازو سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے اس کی نظر ہاف سلیوز شرٹ میں سے جھانکتے اس کے دودھیا بازو پر پڑی تھی اور اس نے بڑی تیزی سے اس کا بازو تھاما تھا اور جائزہ لیا تھا، انگلیوں کے نشانات بڑے واضح تھے، اس کا ڈرا سہما انداز، مستقل رونے سے بگڑ جانے والا میک اپ، ہونٹوں کے کنارے پھیلی لپ اسٹک، وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی بہت کچھ سمجھنے اور سوچنے لگا تھا۔

''راحم! میں حنین کو لے کر ماموں جان کے گھر جارہا ہوں، تم مائدہ کو لے کر پہنچو''۔

''بھیا! حنین کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''نہیں، اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، اسی لیے میں ارجنٹلی نکل گیا ہوں، تم مائدہ کو لے آؤ، یا پھر شازمین کو، نہیں پریشانی والی بات نہیں ہے، تم کسی سے ذکر مت کرنا، خاص کر مامی سے، ورنہ وہ پریشان ہوجائیں گی''۔ ارحم نے اس کا بازو چھوڑ کر تیزی سے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور راحم کو فون کرکے ہدایات دے کر سیل فون ڈیش بورڈ پر ڈال کر کچھ دور جاکر گاڑی روک دی تھی۔

''حنین! مجھے بتاؤ، تم اتنا رو کیوں رہی ہو؟ تم آخر کس سے اتنی خوفزدہ ہو؟ پلیز ٹیل می''۔ اسے خاموش دیکھ کر وہ زور دے کر بولا تھا۔

''کسی سے بھی نہیں ارحم بھیا!''

''تم جب تک رونے کی وجہ نہیں بتاؤ گی، میں گاڑی اسٹارٹ نہیں کروں گا''۔

''میں آپ کو کچھ نہیں بتاسکتی''۔

''کیوں.... آخر بات کیا ہے ایسی جو تم مجھ سے نہیں کرسکتیں؟'' اس کی ایک ہی رٹ اسے غصہ دلا رہی تھی اور اس کے رونے میں تیزی آتی جارہی تھی۔

''ٹھیک ہے، میں تمہیں ابھی گھر لے چلتا ہوں اور جب سب گھر والے آئیں گے میں تب ہی تم سے بات کروں گا، تم مامی یا ممّا.... کسی کو تو بتاؤ گی''۔

''آپ پلیز ممی سے کچھ مت کہیے گا، وہ مجھے ڈانٹیں گی اور پھپھو کو میں کچھ نہیں بتاسکتی''۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے سسک اٹھی تھی۔

''حنین! تم مجھ پر بھروسہ کرسکتی ہو چندا! بھائی ہوں ناں میں تمہارا، اور دوست بھی، تو تم مجھ سے اپنا مسئلہ شیئر نہیں کروگی؟'' ارحم نے نہایت نرمی سے آنسوؤں کی وجہ سے چپک جانے والے بال اس کے چہرے سے ہٹائے تھے اور بہت پیار و شفقت سے بولا تھا اور وہ اس کے کندھے سے لگی سسک اٹھی تھی۔

''ارحم بھیا! وہ فیصل بھیا کے دوست.... انہوں نے میرے ساتھ....!'' وہ جھجک گئی تھی اور اسے تشویش ہونے لگی تھی۔

''رک کیوں گئیں حنین! بولو''۔

''وہ فیصل بھیا کے دوست نے ہال میں میرا بازو پکڑا! اور مجھ سے عجیب عجیب باتیں کرنے لگے، میں نے کچھ کہنا چاہا تو میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا، انہوں نے میرے بال چھوئے، مجھے کمر سے تھام کر انہوں نے میری گردن.....!'' یہ سب بتاتے ہوئے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں، آواز رندھنے لگی تھی اور وہ تو ساکت سا اسے سن رہا تھا، غصے و اشتعال سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں اور وہ چپ نہ کر جائے ادھوری بات چھوڑ کر صرف اس لیے وہ لب بھینچے اسے سن رہا تھا، مگر اس کی آخری بات پر وہ کنٹرول کھو بیٹھا تھا۔

''میری گردن پر کس کیا، وہ اور نہ جانے کس حد تک بڑھتے کہ سحرش کے آجانے پر انہوں نے میرے بازو اور کمر سے ہاتھ ہٹالیا''۔

''تم کہاں تھیں اس وقت جو اس ذلیل انسان نے یہ سب کیا؟ اور تم نے کسی کو بلایا کیوں نہیں؟'' غصے سے وہ بری طرح کھول رہا تھا۔

''میں اور سحرش ہال کے پرسکون ایریا میں نزہت کو فون کرنے گئے تھے، وہاں لوگ بھی نہ تھے اور لائٹنگ بھی نہ ہونے کے برابر تھی، نزہت سے سحرش فون پر بات کررہی تھی اور میں پانی پینے جارہی تھی، ویٹر کو وہاں سے گزر کر اندر کی جانب جاتے دیکھ کر میں نے اس سے کولڈ ڈرنک لے لی تھی اور جب اس نے میرا بازو پکڑ کر مجھے کھینچا تو کولڈ ڈرنک میرے کپڑوں پر گر گئی، سحرش آئی تو میں اس کو بتانا چاہتی تھی، مگر فیصل بھیا کے دوست نے مجھے موقع ہی نہیں دیا۔ میں رو رہی تھی اور سحرش سمجھی کہ میں کپڑے خراب ہوجانے کی وجہ سے رو رہی ہوں، وہ مجھے ڈریسنگ روم میں لے کر جارہی تھی کہ اسے نزہت آنٹی نے بلالیا اور وہ پلٹ گئی اور میں نے جیسے ہی واش روم میں قدم رکھا وہاں اسی شخص کو دیکھ کر میں چیخنا چاہتی تھی، لیکن اس نے بہت سختی سے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور میں چیخ بھی نہیں سکی''۔ اس نے تمام تفصیل روتے ہوئے اٹک اٹک کر بتائی تھی اور وہ تو دم بخود بیٹھا تھا، ان سب کی وہاں موجودگی کے باوجود اتنا سب کچھ ہوگیا اور ان کو ذرا سی بھی بھنک نہیں پڑی۔

''تم نے اس وقت مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میں اس کی جان لے لیتا''۔ اس نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا ارحم بھیا! اسی لیے میں نے ممی سے گھر جانے کو کہا، مجھے لگ رہا تھا کہ وہ پھر کہیں سے آجائے گا اور..... لیکن ممی نے مجھے بہت ڈانٹا کہ میں وقت دیکھتی ہوں نہ موقع ضد کرنے بیٹھ جاتی ہوں، اسی لیے میں نے آپ سے کہا''۔ وہ چہرہ چھپائے نیر بہا رہی تھی۔

''تم بس اب چپ کر جاؤ اور اس بات کا کسی سے بھی ذکر مت کرنا، مای اور مما سے بھی نہیں، سمجھ رہی ہو ناں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' آہستگی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور اس کے آنسو پونچھے تھے۔

''ارحم بھیا! وہ..... وہ مجھے پھر کبھی تو تنگ نہیں کریں گے؟'' اس کے انداز میں انجانا سا خوف تھا۔

''حنین! میں ہوں ناں، میں دیکھ لوں گا، تمہیں اس سے خوفزدہ ہونے کی یا وہ سب سوچ کر پریشان ہونے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے'' ۔اُسے تسلی دی تھی اور یاد آنے پر پوچھا تھا۔

''کھانا کھالیا تھا تم نے؟'' اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''اب گھر جا کر کھالینا، یہاں اس طرح گاڑی روکے باتیں کرتے کافی وقت گزر گیا ہے، راحم، مائدہ کو لے کر گھر گیا تو پریشان ہوگا، اس لیے ہمیں چلنا چاہیے'' ۔کہتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی تھی، مگر 10 منٹ بعد ہی اسے گاڑی روکنی پڑی تھی، کیونکہ سڑک کے کنارے ایک شخص کھڑا تھا اور وہ اس خیال سے گاڑی روک کر نیچے اترا تھا کہ رات کے بارہ بجے اگر وہ گاڑی خراب ہو جانے کی وجہ سے کھڑا ہے تو یقیناً اسے ہیلپ کی ضرورت ہوگی، مگر وہ ماہ کنعان کو دیکھ لب بھینچ گیا تھا جبکہ اس کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا تھا۔

''اوہ تھینک گاڈ کے تم ہو، میں کافی دیر سے یہاں کھڑا ہوں، گاڑی میں نجانے ایسی کیا خرابی ہوگئی ہے کہ چل کے نہیں دے رہی، اور کوئی کنوینس بھی نہیں مل رہی، تم مجھے ڈراپ کر سکتے ہو؟'' اسے دیکھ کر اطمینان تو ہوا تھا، مگر پوچھنا ضروری سمجھا تھا، مگر اس کے جواب پر وہ متحیر ہوا تھا، کیونکہ اسے اس جواب کی کم از کم بالکل امید نہیں تھی۔

''سوری، مسٹر ماہ کنعان! میں آپ کو لفٹ نہیں دے سکتا، کیونکہ میرے ساتھ میری سسٹر بھی ہیں'' ۔

''اوکے..... میں آپ سے فورس.....!''

''آپ یہ نہیں پوچھیں گے کہ میں نے ایسی بات کیوں کی؟ اس لیے ماہ کنعان کہ آپ بھروسے کے بالکل بھی لائق نہیں ہیں'' ۔

''واٹ ڈو یو مین؟''

''فیصل کو یقیناً آپ پر بھروسہ ہوگا، جبھی اس نے آپ کو اپنے فیملی فنکشن میں انوائٹ کیا، لیکن آپ اتنے گرے ہوئے انسان ہوں گے، یہ فیصل نے نہیں سوچا ہوگا'' ۔

''مسٹر ارحم! مجھ پر انگلی اٹھانے کا مطلب؟''

''دل و دماغ تو اس وقت یہی چاہ رہا ہے کہ آپ کی جان لے لوں، آپ کی ہمت بھی کیسے ہوئی حنین کو وہ سب کہنے اور کرنے کی، شرم آنی چاہیے تھی آپ کو کنعان! ہمارے ہی فیملی فنکشن میں مہمان بن کر آئے اور ہمارے ہی گھر کی بچی کے ساتھ زبردستی'' ۔

''مسٹر ارحم! میں نے ایسا کچھ نہیں کیا'' ۔

''حنین جھوٹ نہیں بولتی اور اسے ضرورت بھی کیا ہے ایسی باتیں کرنے کی؟ وہ آپ پر بے بنیاد الزام کیوں لگائے گی؟ یقیناً آپ نے اپنی لمٹس کراس کرنے کی کوشش کی ہے، مجھے تم سے زیادہ فیصل پر غصہ ہے کہ آخر اس نے تم جیسے انسان کو فیملی فنکشن میں کیا سوچ کر انوائٹ کیا؟''

''مسٹر ارحم! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں'' ۔وہ دونوں سڑک کے کنارے کھڑے بحث و مباحثہ کر رہے تھے۔

''حد سے میں نہیں تم نے بڑھنے کی کوشش کی ہے، مگر یاد رکھنا کہ آئندہ تم نے میری سسٹر کو تنگ کرنے کی بھول کر بھی کوشش کی تو انجام بہت برا ہوگا، حوالات کی سیر نہ کروا دی تو میرا نام بھی ایس پی ارحم الحسن نہیں'' ۔

''ہاہاہاہا! ایس پی ارحم الحسن! تم مجھے کیا سڑک چھاپ کوئی فقیر سمجھتے ہو جو یوں دھمکیاں دے رہے ہو؟ اس عہدے تک پہنچنے میں تمہیں کتنے ہی برس لگے ہوں گے اور میں چاہوں تو کھڑے کھڑے تمہاری وردی اتروا دوں، تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میری پہنچ کہاں تک ہے، اس لیے مجھ پر اپنے عہدے کا رعب نہ ہی ڈالو تو اچھا ہے'' ۔ماہ کنعان نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹاتے ہوئے نہایت طیش سے کہا تھا۔

''مجھے اپنے عہدے کا رعب ڈالنے کا ذرا بھی اشتیاق نہیں ہے اور نہ ہی ایسا میں کر رہا ہوں، مگر اب تم نے میری بہن.....!''

''مسٹر ارحم الحسن! میں نے آپ کی سسٹر کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کیا ہے، ہاں میں نے اس کا بازو پکڑا تھا، لیکن کسی غلط ارادے سے نہیں، فیصل کی شادی والی نائٹ جو کچھ ہوا اس کی سوری کرنے کے لیے۔ بٹ وہ جو بولنا شروع ہوئیں تو مجھے انہیں چپ کروانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا تو بس اس لیے ان کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا نہ کہ اس لیے کہ وہ چیخ کر کسی کو مدد کے لیے نہ پکار سکیں، کیونکہ نہ میری نیت خراب تھی نہ ہی میرے کردار میں جھول ہے۔ ہاں جو میں نے کیا وہ نہیں کرنا چاہیے تھا، بٹ وہ سب خود بخود ہو گیا، اس کے لیے میں آپ سے اور آپ کی سسٹر سے ایکسکیوز کرنے کو تیار ہوں، سزا دینا چاہیں تو موسٹ ویلکم'' ۔

''ایکسکیوز کرنا بہت آسان ہے مسٹر! مگر وہ سب جو تم نے حنین کے ساتھ کیا اگر وہی سب کوئی تمہاری بہن کے ساتھ کرتا؟''

''جان لے لیتا اس کی'' ۔کنعان نے اس کا گریبان تھام لیا تھا۔

''غلطی مجھ سے سرزد ہوئی ہے، اس لیے آج تم زندہ بچ گئے ہو، مگر یہ یاد رکھنا کہ آئندہ کبھی بھولے سے بھی میری بہن کے بارے میں اس طرح سے کہنے پر ذرا سوچ لینا'' ۔جھٹکے سے اس کا گریبان آزاد کیا تھا۔

''واہ..... مسٹر ماہ کنعان! آپ کی بہن کی عزت، عزت ہے اور دوسروں کی بہن بیٹیوں کی عزت آپ کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی؟''

''معنی رکھتی ہے ارحم! معنی رکھتی ہے۔ جبھی تم اتنے اکڑ کر مجھ سے بات کر رہے ہو، مگر نادانی میں یا انجانے میں جو غلطی تمہاری بہن کر بیٹھی تھی، میں اگر اتنا ہی کیریکٹرلیس ہوتا تو تم سب اس کی سزا بھگتتے'' ۔وہ چیخ کر رہ گیا تھا، دونوں ہی اشتعال کی آخری حدوں کو چھو رہے تھے۔

''میں ہی تھا وہ جس نے حنین کو بڑی احتیاط سے جینٹس واش روم سے باہر نکالا تھا، اگر میں ایسا نہ کرتا.....!''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''کیوں، تمہیں تمہاری بہن نے اتنا سب کچھ بتا دیا، مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ جینٹس واش روم میں انٹر ہوگئی تھی؟'' اس کے بولنے پر اسے خیال آیا تھا کہ حنین نے یہی کہا تھا کہ وہ جب واش روم میں انٹر ہوئی تو کنعان وہاں پہلے سے موجود تھا، مگر وہ

اس وقت یہ بات بالکل نہیں سمجھا تھا اور وہ غصے میں اسے ساری تفصیل بتانے لگا تھا جبکہ وہ اس کا انتظار کرتے کرتے ہی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند کر بیٹھی تھی کہ اس کی آنکھ لگ گئی تھی اور وہ دونوں اتنی رات کو بیچ سڑک پر سوالاً جواباً کھیل رہے تھے۔

☆..........☆..........☆

ماہ کنعان واش بیسن کے آگے کھڑا، کوٹ پر پانی ڈالتے ہوئے کولڈ ڈرنک کا نشان دھونے کی کوشش کر رہا تھا کہ جھٹکے سے ڈور کھل کر بند ہونے کی آواز پر چونکا تھا۔ حنین کی جیسے ہی اس پر نگاہ پڑی تھی وہ لمحہ بھر کو خوفزدہ ہوگئی تھی اور چیخنا چاہتی تھی کہ وہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ گیا تھا، جسے اس نے فوراً ہٹایا تھا اور ڈور کھولنے لگی تھی، مگر ماہ کنعان اس کی کلائی تھام کر اسے اپنی جانب کھینچ گیا تھا، وہ کچھ کہتی کہ اس کے منہ پر ہاتھ سختی سے جما دیا تھا اور وہ اس کی گرفت میں مچلنے لگی تھی۔

"پلیز.... ڈرو نہیں، میں نہ کچھ کہہ رہا ہوں اور نہ ہی کچھ بھی کروں گا، میں تمہارے منہ سے ہاتھ ہٹالوں گا، مگر تم کچھ بھی نہیں کہوگی اور وہی کروگی جو کرنے کو میں کہوں گا اور اگر میرے ہاتھ ہٹانے کے بعد کچھ کہنے کی یا پھر چیخنے کی کوشش کی تو میں ہاتھ دوبارہ رکھ لوں گا اور پھر ہٹاؤں گا بھی نہیں"۔ ماہ کنعان نے لرزتی ہوئی حنین کو بغور دیکھا تھا، امبرلائن فراک اور ٹراؤزر میں پھیلے ہوئے میک اپ اور متناسب سراپے کے ساتھ وہ اس کے بے حد نزدیک تھی۔ اتنی کہ وہ اس کی سانسوں اور دل کی دھڑکن سن سکتا تھا۔ اس کے لرزتے وجود کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر سکتا تھا، مگر اس نے اس کے منہ پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے فاصلہ قائم کیا تھا مگر کلائی اب بھی تھامی ہوئی تھی۔

"میں ڈور کھول کر باہر دیکھتا ہوں، آس پاس کوئی نہیں ہوا تو تمہیں اشارہ کروں گا اور تم باہر نکل جانا، کیونکہ اس طرح تمہیں یہاں سے کسی نے نکلتے دیکھ لیا تو بہت برا ہوگا، اسپیشلی تمہارے حق میں۔ اس لیے آنسو صاف کرو، باہر کسی کو بھی شک نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ تم غلطی سے جینٹس واش روم میں آگئی ہو، یہاں میری موجودگی تم پر کئی سوال اٹھا سکتی ہے۔ میں اپنی بات نہیں کروں گا کیونکہ مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا، اب آنسو پونچھو"۔ اس کو لرزتے دیکھ کر ماہ کنعان نے خود ہی آنسو صاف کیے تھے اور دروازہ کھولا تھا، باہر کا جائزہ لیا تھا اور بہت احتیاط کے ساتھ اسے وہاں سے نکال دیا تھا۔

"مسٹر ارحم! میں اتنا ہی برا ہوتا تو ضرور برائی ثابت کرتا، کیونکہ وہ اس وقت میرے رحم و کرم پر تھی، بٹ میں نے ایسا نہیں کیا تو اس سے میری شرافت ثابت نہیں ہو جاتی، میں نے جو کیا وہی مناسب لگا تھا اور آپ بے شک اپنی سسٹر سے پوچھ سکتے ہیں کہ میں نے اپنی لمٹس کراس نہیں کی تھیں، ہاں ہال کے مدھم اندھیرے میں جو ہوا میں خود بھی اس کے لیے شرمندہ ہوں، میں نے دنیا کے تقریباً سب ہی ممالک میں دو، دو، چار چار دن انجوائے کیا ہے، بہت سی عورتیں میری لائف میں آئی ہیں مگر ایسا کچھ کبھی نہیں ہوا، آج کیسے ہوا، میں خود سمجھ نہیں پا رہا اور شرمندگی.....!"

"ماہ کنعان! آپ شرمندہ ہیں یہی بہت ہے، اور میں آپ سے اپنے برے رویے کے لیے ایکسکیوز نہیں کروں گا کیونکہ میں خود کو حق بجانب سمجھتا ہوں، میری جگہ آپ بھی ہوتے تو یقیناً اسی طرح مجھ سے پیش آتے، بٹ اپنی ویز، گزری باتیں جانے دیتے ہیں، آیئے! میں ڈراپ کر دیتا ہوں"۔

"نہیں، اٹس اوکے، میں چلا جاؤں گا، آپ بھی جائیے"۔ اس کے بہت بولنے پر بھی وہ راضی نہ ہوا تھا اور وہ ہاتھ ملاتا گاڑی کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

"فیصل! یہ بندیا کس کی ہے، اور آپ کے پاس کیا کر رہی ہے؟"

"تمہاری ہی ہوگی، میں کون سا جیولری یوز کرتا ہوں"۔ وہ مصروف سے انداز میں بولا تھا۔

"میری نہیں ہے یہ فیصل!" وہ رو دینے کو تھی۔

"مجھے کیا پتہ کہ کس کی ہے، تم مجھے پلیز اس وقت ڈسٹرب نہ کرو، مجھے یہ فائل اسٹڈی کرنی ہے"۔ وہ ضروری فائل اسٹڈی کر رہا تھا، ڈسٹرب ہونے لگا تو جھنجھلا گیا تھا۔

"پہلے آپ یہ بتائیں کہ یہ کس کی ہے؟ یہ آپ کے کپڑوں میں سے ہی گری ہے، اس لیے آپ جھوٹ بھی نہیں بول سکتے"۔ آج ان لوگوں کی چوتھی کی رسم تھی اور وہ سب "کاشانہ عالم" میں انوائیٹڈ تھے، کیونکہ یہ رسم نوید عالم اور راشدہ نے رمین کی تو کرنی ہی تھی، اس لیے انہوں نے سمیرا کی بھی اپنے گھر ہی میں کرنے کا سوچا اور ان کی محبت دیکھتے ہوئے سمیرا کے فادر بھی اس کے لیے راضی ہوگئے، سحرش، فیصل کے دھلے ہوئے کپڑے دے کر گئی تھی، وہ وہی رکھ رہی تھی کہ اس کے ندموں میں کوئی چیز آگری اور اٹھا کر دیکھنے پر وہ از حد متحیر رہ گئی، فیصل آفس کے کام میں مصروف تھا، اس لیے اس کے لہجے میں موجود شک اور تشویش محسوس ہی نہ کر سکا اور وہ اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

"میں جھوٹ کیوں بولوں گا سمیرا! تم کیسی فضول باتیں کر رہی ہو"۔ وہ قدرے جھلا کر رہ گیا تھا۔

"میں فضول باتیں کر رہی ہوں، ہاں، میری باتیں تو اب آپ کو فضول ہی لگیں گی، کوئی نئی جو مل گئی ہے، مگر میں نے یہ خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ آپ مجھ سے بے وفائی کریں گے"۔ وہ بری طرح شک کی لپیٹ میں تھی۔

"سمیرا! کیا ہو گیا ہے یار! کیسی باتیں کر رہی ہو اور رونے کیوں بیٹھ گئیں؟" وہ فائل میز پر ڈالتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"آپ نے مجھ سے بے وفائی کی ہے، میرا حق کسی اور کو دے دیا ہے اور میں رو بھی نہیں، میں اس کے لیے آپ کو معاف نہیں کروں گی، مجھے سچ سچ بتائیں کہ وہ لڑکی کون ہے جس کی بندیا آپ کے کپڑوں سے ملی ہے، ورنہ میں ابھی مما سے جا کر کہتی ہوں"۔

"مما کو درمیان میں کیوں لا رہی ہو، اتنی سی بات کا جھگڑا بنانے کا مقصد؟"

"اتنی سی بات..... یہ اتنی سی بات ہے آپ کے نزدیک؟ وہ لڑکی نجانے آپ کے کتنے نزدیک آئی ہوگی کہ اس کی بندیا آپ کے پاس رہ گئی، کبھی میری چیزیں تو سنبھال کر نہیں رکھیں اور اس کی بندیا کو اتنا سنبھال کر رکھا ہوا ہے"۔

"شٹ اپ سمیرا! نجانے کیا کچھ بکواس کیے جا رہی ہو"۔ اس کا تیز لہجہ اسے سہما کر چپ کروا گیا تھا اور وہ بہت غصے سے کمرے سے نکلنے لگی تھی کہ وہ اس کا ہاتھ تھام کر ڈور لاک کر گیا تھا۔

"کہاں جا رہی تھیں؟" ابرو چڑھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں اب آپ کے ساتھ نہیں رہوں گی، میں ڈیڈی کے پاس جا رہی ہوں"۔

"پلیز سمیرا! چپ کر جاؤ، کیوں فضول میں بات بڑھا رہی ہو، یار یہ حنین کی بندیا ہے جو مجھے ہماری مہندی والی رات لگی تھی، دینا یاد نہیں رہا اور تم نجانے کیا کچھ سمجھ رہی ہو"۔

''حنین کی بندیا کو آپ نے اتنا سنبھال کر رکھا ہوا ہے، کیوں؟''

''کہا نا دینا بھول گیا تھا''۔ اس کا غصہ عود کر آنے لگا۔

''جھوٹ بول رہے ہیں آپ، مجھے اچھی طرح سے یاد ہے اس نے بندیا لگائی ہی نہیں تھی، سچ سچ بتائیں کہ یہ کس کی....!''

''لعنت از لعنت سمیرا! یقین کرنا ہے تو کرلو نہیں تو تمہاری مرضی''۔ وہ اس کی تکرار سے چیخ کر رہ گیا تھا اور وہ روتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

''سمیرا! اس کمرے کی بات اس کمرے سے نکلی تو اچھا نہیں ہوگا''۔

''کیا کریں گے، اس بندیا والی کو گھر لے آئیں گے؟ ایسا بھی ہے ناں تو میں جا رہی ہوں، پھر چاہے جس کو لائیں، میری بلا سے''۔ وہ اس کے روکنے پر بھی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی، تبھی وہ بھی اس کے پیچھے ہی لپکا۔

''بات سمجھ کیوں نہیں رہی ہو، میں کیوں تم سے جھوٹ بولوں گا؟''

''مجھے کیا پتہ، کوئی تو بات ہے جس کو آپ چھپانا....!'' زرمین کو دیکھ کر اس نے سمیرا کا بازو چھوڑ دیا تھا اور وہ بھی چپ کر گئی تھی۔

''کمرے میں چلو، وہیں بات کریں گے''۔ اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''میں نہیں جاؤں گی، جب تک آپ مجھے بتا نہیں دیں گے کہ وہ بندیا کس کی ہے؟''

''سمیرا! کوئی بات ہوگئی ہے تو اس طرح یہاں کھڑے ہو کر اس کو ختم کرنے کا کیا مقصد؟''

''تم اپنے کمرے میں جا کر بات کرلو''۔ اس کے تیز لہجے میں کہنے پر اس نے مداخلت کی تھی۔

''آپ نہیں جانتیں بھابی! کہ فیصل نے میرے ساتھ کیا کیا ہے، ان کے کپڑوں میں سے کسی کی بندیا ملی ہے، اگر آپ کو فیصل بھیا کے کپڑوں میں سے ایسی کوئی چیز ملتی تو آپ کیا کرتیں؟ ان کی جھوٹی باتوں پر یقین کر کے بیٹھ جاتیں؟'' سمیرا روتے ہوئے بولی تھی اور فیصل کا ازلی غصہ عود کر آیا تھا۔

''تم اب میرے کمرے میں بھول کر بھی قدم مت رکھنا، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا''۔

''فیصل! آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں، سمیرا کو سمجھانے کی بجائے''۔

''بھابی! میں سمیرا سے کہہ چکا ہوں کہ بندیا مجھے مہندی کی شب ملی تھی تو اسے میری بات کا یقین کرنا چاہیے، اگر یقین نہیں آ رہا تو کمرے میں رہ کر ہی مجھ سے یقین مانگتی، یوں میری ذات کی تشہیر کرنے کو نہ نکل پڑتی''۔ وہ غصے سے اسے گھورتا کمرے میں چلا گیا تھا اور زرمین کے پوچھنے پر وہ اسے ساری بات بتانے لگی تھی۔

''حنین نے بندیا لگائی تھی جو کہیں گر گئی تھی، اس لیے فیصل جو کہہ رہے ہیں وہ سچ ہی ہوگا، ممکن ہے وہ بندیا حنین کی نہ ہو، بالفرض وہ حنین کی نہیں ہے تب بھی تمہیں فیصل کی بات پر یقین کرنا چاہیے تھا، وہ تمہارا شوہر ہے، اس کی عزت کرنا تمہارا فرض ہے، جو بات کمرے میں ہی ختم ہو سکتی تھی، وہ بات تم نے گھر کی چار دیواری تک پھیلا دی''۔

''میں کیا کرتی بھابی! وہ بندیا دیکھ کر مجھے عجیب سے خیالات آنے لگے اور فیصل نے بھی تو کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا، مجھے لگا کہ وہ مجھ سے کچھ چھپانا چاہتے ہیں''۔

''سمیرا! ہر وقت ایموشنل نہیں ہونا چاہیے، انسان کو دماغ کا بھی استعمال کرنا چاہیے، تمہیں بالفرض کوئی چیز مل بھی گئی تھی تو تم فیصل سے سکون سے بیٹھ کر پوچھ لیتیں، ہائپر ہونے کی ضرورت نہیں تھی، اور تمہاری زیادہ غلطی یہ ہے کہ تم نے فیصل کی بات پر یقین نہیں کیا، وہ تمہارا شوہر ہے، اس پر اعتبار کرنا تمہارے رشتے کی اولین ضرورت ہے، تمہیں کمرے سے نہیں نکلنا چاہیے تھا، اب سوچو، میری جگہ مما یا ڈیڈی میں سے کوئی تم دونوں کی باتیں سن لیتا تو فیصل کا امیج خراب ہوتا یا نہیں؟'' وہ شرمندہ سی ہوگئی تھی۔

''مجھ سے غلطی ہوگئی بھابی! مگر اس خیال نے ہی میری جان لے لی تھی کہ فیصل کسی لڑکی میں انوالو ہیں''۔ آنسو رگڑتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

''اچھا اب تو جو ہوا ہو گیا، مگر آئندہ خیال رکھنا، میاں بیوی کی آپسی چپقلش اور معمولی جھگڑوں کی کسی کو بھی بھنک نہیں پڑنی چاہیے، اس کے لیے بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے''۔

''مجھے نہیں سمجھ آتیں یہ باتیں، شادی کیا ہوئی ہے ہر وقت انسٹرکشنز ہی ملتی رہتی ہیں، شوہر کو یہ نہ کہو، وہ نہ کہو، اس کی خوشی کا خیال رکھو، تو کیا میری خوشی معنی نہیں رکھتی؟ مما کہتی ہیں کہ میں فیصل کی مرضی اور خوشی کا خیال رکھا کروں، میں رکھتی تو ہوں، مگر وہ پھر بھی کسی نہ کسی بات پر غصے میں آ جاتے ہیں، مجھ سے زیادہ توجہ تو آفس کی فائلز کو ہی دے لیتے ہیں، کبھی جلدی سو جاتے ہیں اور نیند نہیں آ رہی ہوتی تو چاہتے ہیں کہ میں بھی جاگتی رہوں، مجھے نیند آ رہی ہوتی ہے تو غصہ کرتے ہیں کہ مجھے ان کا خیال نہیں ہے، ہماری شادی کو ابھی ہفتہ ہی ہوا ہے اور سب چاہتے ہیں کہ میں ایک دم سے ہی فیصل کی پسند کے سانچے میں ڈھل جاؤں، میں کوشش کر رہی ہوں، مگر میری برائیاں اور اچھائیاں ایک دم سے تو ختم نہیں ہو جائیں گی، اور مجھے یہ سب باتیں سمجھ بھی نہیں آتیں، اچھی بھلی ڈیڈی کے ساتھ رہتی تھی، لے کے فضول میں شادی کردی، ڈیڈی کی مجھے کتنی یاد آتی ہے''۔ زرمین اسے خاموشی سے سن رہی تھی، اس کے حسین چہرے پر غصہ و جھنجلاہٹ سی تھی، وہ اسے بالکل حنین کی طرح لگتی تھی، بھولی بھالی، سادہ سی، شرارتیں کرنے والی، وہ ابھی کم عمر تھی، سارے رشتے اور اس کی نزاکتیں دھیرے دھیرے ہی اسے سمجھ آنی تھیں۔

''ہم اس موضوع پر کبھی فرصت میں بات کریں گے، ابھی ہمیں جانے کی تیاری بھی تو کرنی ہے۔ تم جا کر تیار ہو جاؤ، شازمین کا فون آیا تھا کہ ہم لوگ جلدی آ جائیں، تاکہ کچھ دیر مل بیٹھیں گے تو گپ شپ ہی ہو جائے گی''۔

''آپ نے کپڑے سلیکٹ کر لیے؟''

''ہاں، آج کے لیے امی نے خود ہی ڈریس سلیکٹ کر کے دیا تھا، تم کیا پہن رہی ہو؟''

''وہ سوری بھابی! میں آپ کو بتانا بھول گئی، ایک گھنٹہ پہلے ڈیڈی کا فون آیا تھا، وہ ہم دونوں کے شام میں پہننے کے کپڑے لے کر لنچ ٹائم تک آئیں گے''

''اچھا، یہ بات ہے تو میں وہی کپڑے پہن لوں گی، جو انکل لائیں گے، فیصل کسی کام سے باہر جا رہے ہیں، وہ مجھے امی کے ہاں چھوڑ دیں گے، تم میرے کپڑے لے آنا، اور پلیز! جلدی آ جانا''۔ اس کا گال نرمی سے تھپتھپایا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں فیصل سے کہتی ہوں، وہ راضی ہوگئے تو میں بھی آپ کے ساتھ ہی چلی چلوں گی اور کپڑے ہم جاتے ہوئے ڈیڈی سے لے لیں گے، میں فیصل سے پوچھ کر آتی ہوں''۔ وہ جلدی سے آگے بڑھی تھی کہ رک گئی۔

''بھابی! فیصل نے مجھے کمرے میں آنے سے منع کیا ہے، وہ بہت غصہ....!''

''تم جاؤ، وہ کچھ نہیں کہیں گے، اور اگر غصہ کریں تو پیار سے منالینا''۔

''اتنا آسان نہیں ہے ان کو منانا، میں تو بچپن سے ہی ان کے غصے سے ڈرتی ہوں اور اتنے دن سے میں نے پوری کوشش کی کہ وہ غصے میں نہ آئیں اور حیرت انگیز طور پر ان کا موڈ رہا بھی بہت اچھا، مگر اب نجانے میرے ساتھ کیسا سلوک کریں گے؟'' وہ ڈر اور وسوسوں کا شکار تھی۔

''پہلے کی بات اور تھی سمیرا! مگر اب تم ان کی بیوی ہو، وہ تمہیں ڈانٹ کر کمرے سے نہیں نکالیں گے''۔ وہ اس کا گال تھپتھپا کر وہاں سے ہٹ گئیں اور وہ ڈرتے ڈرتے کمرے تک چلی آئی، دروازہ ناک کیا، جو تھوڑی ہی دیر میں کھل بھی گیا۔

''فیصل....!'' اسے واپس فائل میں مصروف ہوتے دیکھ کر پکارا۔

''پلیز! ڈونٹ ڈسٹرب می، جو بات کرنی ہو وہ میرے کام سے فارغ ہونے کے بعد کرلینا، سو ایکسکیوز''۔ صفحہ پلٹتے ہوئے مصروف انداز میں سنجیدگی سے کہا۔

''فیصل! آئی ایم سو....!'' نزدیک آتے ہوئے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چیئر سے اٹھا اور کمرے سے نکل گیا، آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے، اس نے زرمین کو جانے کے لیے کہہ دیا، یہ سوچ کر کہ جب فیصل تھوڑی دیر بعد آئے گا تو وہ اس کے ساتھ چلی جائے گی، مگر شام کے 6 بج گئے اور وہ نہیں آیا، اس نے فیصل کے ہاتھ وہ سارے ڈبے زرمین کو بھیج دیے جو اس کے ڈیڈی زرمین کے لیے لائے تھے، وہ مہوش کے کہنے پر بے دلی سے تیار ہونے لگی، کیونکہ وہ سیل فون ساتھ نہیں لے گیا تھا، اس لیے وہ کونٹیکٹ بھی نہیں کرسکتی تھی اور اس نے زرمین کی بات مانتے ہوئے مہوش سے گزری باتوں کا بالکل بھی ذکر نہیں کیا تھا، مگر وہ اس کے لیے بہت پریشان ہو رہی تھی۔

''زرمین آپی! کتنی خوبصورت ساڑھی ہے، آپ پر تو اور بھی سجے گی''۔ حنین نے جھلمل کرتی ساڑھی کو ہاتھ میں لیتے ہوئے ستائش بھرے لہجے میں کہا۔

''فیصل بھیا! یہ آپ نے خود پسند کی ہے؟'' فیصل سے براہ راست پوچھا۔

''یہ ماموں جان کی پسند ہے''۔ اس نے مسکرا کر بتایا۔

''ہے بہت زبردست، ہر چیز بہت خوبصورت ہے، جب یہ سب آپی پہن کر آپ کے سامنے آئیں گی تو آپ پلکیں تک جھپکنا بھول جائیں گے''۔ وہ شرارت سے بولی اور وہ دھیمے سے مسکرا دیا، کیونکہ شازمین اور مائدہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

''آپی! امی کہہ رہی ہیں آپ تیار ہو جائیں کیونکہ آپ کے سسرال والے آنے ہی والے ہوں گے''۔ شازمین نے کچھ دیر بعد خیال آنے پر کہا، کیونکہ وہ اس کے کمرے میں یہی پیغام لے کر تو آئی تھی۔

''مائدہ! تم کس کے ساتھ آئی ہو؟'' زرمین نے اس سے پوچھا تھا۔

''ارحم بھیا چھوڑ گئے تھے''۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی آئی تھی جبکہ فریدہ صبح سے آئی ہوئی تھیں۔

''ارحم بھیا اندر کیوں نہیں آئے؟'' حنین کو فکر ہوئی۔

''بھیا کو پولیس اسٹیشن جانا تھا، وہ رات تک آجائیں گے''۔ اس نے حنین کو تسلی دی تھی۔

میں چلتا ہوں، مجھے کچھ کام ہے''۔ ... میں جانے کے لیے اٹھ گیا تھا۔

''آپ کہاں جارہے ہیں، کوئی کام وام نہیں ہے، زیادہ بہانے مت کریں، صبح بھی آپی کو چھوڑ گئے تھے اور پھر جارہے ہیں، کیا ہم اتنے ہی برے ہیں؟ آپ ہمارے ساتھ کچھ وقت نہیں گزار سکتے؟'' حنین کے انداز میں خفگی تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے، میں واقعی کسی کام سے جارہا تھا، مگر تم نہیں چاہتیں تو ٹھیک ہے، نہیں جارہا۔ اپنی چھوٹی بہن کو ناراض تو نہیں کرکے جاسکتا، آپ تو ویسے بھی ہماری بیوی کی لاڈلی بہن ہیں، آپ کو ناراض کرکے اپنی شامت تھوڑی بلوانی ہے''۔ شرارت و شوخی سے کہا گیا تھا، زرمین نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی، وہ اتنا ہی اچھا اور کیئرنگ تھا، دوسروں کو خوش رکھنے کے لیے اپنی خوشی تیاگ دینے والوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔

''زرمین آپی! کیا فیصل بھیا کو نظر لگانے کا ارادہ ہے؟'' حنین کے جملے پر وہ بری طرح گڑبڑا کر نگاہ ہٹا گئی تو اس کے چہرے پر دوڑتی خفت فیصل کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔

''ارے زرمین! تم اب تک یوں ہی بیٹھی ہو، تیار ہو بیٹا! ساڑھے 6 ہو رہے ہیں، مہوش لوگ کبھی بھی آجائیں گے''۔ فریدہ نے مخصوص اسٹائل میں انٹری دی تھی۔

''اور تم تینوں کو تیار نہیں ہونا جو یہاں بیٹھی باتیں بنا رہی ہو؟''

''میرا تو ابھی ارادہ نہیں ہے پھپھو! میں نے زبردستی فیصل بھیا کو جانے سے روکا ہے، اب میں انہیں کمپنی نہیں دوں گی تو یہ ناراض ہوں گے''۔

''اچھا جیسے تمہاری مرضی، مگر بعد میں یہ مت کہنا کہ میں تیار نہیں ہوئی اور سب آ بھی گئے''۔ فریدہ کے کہنے پر بھی اس کا اٹھنے کا ارادہ نہیں ہوا تھا۔

''تمہیں تیار ہونے کے لیے کسی کی ہیلپ چاہیے یا یہ دونوں چلی جائیں؟''

''میک اپ تو ہلکا پھلکا میں خود ہی کرلوں گی، اصل مسئلہ تو ساڑھی کا ہے، میں اس کو کیسے سنبھالوں گی؟'' زرمین کے چہرے پر پریشانی سمٹنے لگی۔

''زرمین! چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان نہ ہوا کرو بیٹا! میں ساڑھی باندھنے میں تمہاری ہیلپ کردوں گی اور تم اسے سنبھال لوگی، اتنا بھی مشکل نہیں ہے، تم ایسا کرو، بلاؤز پہن کر آجاؤ اور میک اپ میں تمہاری مائدہ ہیلپ کردے گی اور پھر میں ساڑھی سیٹ کردوں گی''۔

''نہیں، میں خود کرلوں گی، تم جا کر تیار ہو جاؤ، اور پھپھو ساڑھی سیٹ کرنا ہوگی تب میں آپ کو بلالوں گی''۔ وہ تینوں باہر نکل گئی تھیں، فیصل اور حنین ایک دوسرے کو اسٹوڈنٹ لائف کے قصے سنا رہے تھے، زرمین منہ دھونے چلی گئی اور واپس آکر میک اپ کرنے لگی، اتنے دنوں میں یہ فرسٹ ٹائم ہی تھا کہ وہ اس کی موجودگی میں تیار ہو رہی تھی، ورنہ وہ تو کمرے سے ہی چلا جایا کرتا تھا تاکہ وہ نروس نہ ہو، اور وہ اس وقت کچھ سکون سے ہی تھی کیونکہ فیصل کی طرف سے اسے اب تک پریشانی نہ ہوئی تھی اور اس وقت تو حنین بھی موجود تھی، آدھے گھنٹے میں اس نے چہرے کے ساتھ بال بھی بنالیے تھے، لانبے بالوں کی چوٹی بنائی تھی اور میک اپ بھی کافی لائٹ سا کیا تھا۔

(جاری ہے.....)

سعدیہ عابد

قسط نمبر 1

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

"اچھی لگ رہی ہیں آپی!" شاز مین تیار ہو کر اس کے روم میں آ گئی تھی۔
"تھینکس.... تم بھی بہت پیاری لگ رہی ہو"۔ وہ بہن کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"کیا وہ سب لوگ آ گئے ہیں؟" حنین نے پوچھا۔

"نہیں ابھی نہیں آئے، شاید وہ لوگ کچھ لیٹ ہو جائیں، کیونکہ فیصل بھیا، کسی کام سے کہیں گئے ہوئے ہیں، سحرش نے ابھی فون کر کے اطلاع دی ہے، بٹ تم جا کر تیار ہو جاؤ اور ویسے بھی تمہیں چچی بلا رہی ہیں"۔ شاز مین کے کہنے پر وہ جلدی سے روم سے نکل گئی کہ کہیں اسے ساجدہ سے ڈانٹ ہی نہ پڑ جائے۔

"آپ چینج کر لیں، میں جا کر دیکھتی ہوں کہ مائدہ اپیا، تیار ہوئیں یا نہیں، فیصل بھیا! آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟" خیال آنے پر مسکرا کر پوچھا تھا۔

"ایک کپ چائے مل جائے تو کیا بات ہے، سر میں تکلیف سی محسوس ہو رہی ہے"۔

"حنین نے آپ کا دماغ خالی کر دیا ہے، بہت بولتی ہے"۔

"ارے، نہیں ایسی بات نہیں ہے، صبح سے ہی آج مجھے کچھ تھکن سی فیل ہو رہی ہے، اسی لیے گھر جا رہا تھا کہ کچھ دیر

آرام کرلوں گا تو فریش ہو جاؤں گا"۔

"ایسی بات ہے تو آپ آرام تو یہاں بھی کر سکتے ہیں، یہ گھر بھی تو آپ ہی کا ہے، میں آپ کے لیے اسٹرانگ سی چائے لاتی ہوں"۔ وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" زرمین شیشے کے سامنے سے ہٹ کر اس کے نزدیک چلی آئی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں زرمین! بس سر میں کچھ درد ہو رہا ہے"۔

"بیڈ پر آ کر لیٹ جایئے میں آپ کا سر دبا دیتی ہوں"۔ وہ اسے دیکھنے لگا۔

"اتنا تو میں کر ہی سکتی ہوں فیصل! یا آپ اس کے لیے بھی مجھے کچھ وقت دینا چاہتے ہیں کہ جب میں بنا کہے سمجھ جایا کروں گی کہ آپ کسی تکلیف میں ہیں اور خود سے آپ کا سر دبایا کروں گی"۔ اس کے انداز میں خفگی محسوس کرتے ہوئے وہ محض مسکرا دیا اور کچھ کہے بغیر اس کے کہنے کے مطابق لیٹ گیا اور وہ اس کے سرہانے بیٹھ کر نرمی سے اس کا سر دبانے لگی۔ نرم ہاتھوں کا لمس بہت ہی بھلا لگ رہا تھا اور سکون سا محسوس کر کے اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔ 10، 15 منٹ بعد دروازہ ناک ہوا اور وہ آہستگی سے اس کے پہلو سے اٹھ گئی کہ کہیں اس کی آنکھ نہ کھل جائے، آنے والی فریدہ تھیں جو چائے لے کر آئی تھیں اور اسے سوتا دیکھ کر وہ اس کی ساڑھی باندھنے لگی تھیں اور مکمل تیار ہونے کے بعد وہ اس پر کمبل درست کرتی لائٹ آف کر کے روم سے نکل گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

"فیصل! کچھ تو بتا کر گیا ہوگا کہ کہاں جا رہا ہے، کب تک آئے گا؟" وہ سب جانے کے لیے بالکل ریڈی تھے مگر فیصل کا کہیں اتا پتہ نہیں تھا، فریدہ کتنے ہی فون کر چکی تھیں، 8 بجنے والے تھے اس لیے مہوش کو بھی تشویش ہونے لگی تھی۔

"وہ اتنا غیر ذمے دار تو نہیں ہے، بتا کر نہیں گیا تھا تو کم از کم اب تو اسے آ جانا چاہیے تھا، اور سیل فون کیوں نہیں لے گیا، سمیرا بیٹا! کیا تم دونوں میں کوئی جھگڑا ہوا ہے؟"

"نہیں پھپھو! وہ آفس کا کوئی کام کر رہے تھے کہ چھٹیاں ختم ہو گئی ہیں، کل آفس جائیں گے تو فائل اسٹڈی کر لیں، کام کرتے کرتے ہی کہیں چلے گئے"۔ اتنا سب کہنے میں آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے تھے مگر وہ خود کو رونے نہیں دینا چاہتی تھی، کیونکہ اسے یہ ڈر تھا کہ بات زرمین کو پتہ چلی تھی تو اس نے ایساری ایکٹ کیا تھا سب کو پتہ چل جاتی تو وہ نہ جانے کیا کرتا؟

"ادھر دیکھو میری طرف، اور صاف صاف بتاؤ کوئی بات ہوئی ہے؟" مہوش نے اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اپنی طرف کیا اور وہ کچھ کہتی کہ لاؤنج میں قدموں کی آواز ابھری اور وہ دونوں دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔

"فیصل! کہاں چلے گئے تھے بیٹا! ہم سب کتنا پریشان ہو رہے تھے"۔

"سوری ماما! بس ایک مشکل میں پھنس گیا تھا"۔ وہ دھیمے سے کہتا ہوا ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔ ماہ کنعان نے آگے بڑھ کر مہوش کو سلام کیا اور سمیرا کو سلام کر کے خیریت پوچھتا صوفے پر بیٹھ گیا، مہوش نے اس کے سلام کا جواب دے کر ماہ لاج سے مصافحہ کیا اور اس کا سمیرا سے تعارف کروانے لگیں۔

"سمیرا بیٹا! یہ ماہ لاج ہے، فیصل کے دوست کنعان کی سسٹر"۔ وہ چاہ کر بھی خوش دلی نہ دکھا سکی تھی، اس کی نظر تو فیصل کے بینڈیج ہوئے ہاتھ پر ٹھہر گئی تھی، مگر وہ خوف کی وجہ سے کچھ بھی پوچھ نہیں پا رہی تھی، وہ خود ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے تفصیل بتانے لگا کہ وہ جس وقت گھر سے نکلا اس کا ارادہ تھا کہ وہ کنعان کی طرف چلا جائے گا مگر راستے میں حادثے کو دیکھ کر رک گیا تھا، سڑک پر بے یار و مددگار زخمی پڑے بچے کو اٹھا کر اس نے ہاسپٹل پہنچایا تھا، 2 سے 3 گھنٹے اسے وہیں لگ گئے پھر وہ کنعان کے آفس چلا گیا، وہاں باتوں میں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا، اس نے آج کنعان کو بھی انوائٹ کیا ہوا تھا مگر وہ آنا نہیں چاہ رہا تھا، اس لیے اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ تم نہیں آنا چاہتے تو نہ آؤ، ماہ لاج کو وہ خود پک کر لے گا اور واپس بھی چھوڑ دے گا، فیصل کی ضد کے آگے اسے ماننے ہی بنی تھی اور اس نے بہن کو تیار ہونے کے لیے کہہ دیا تھا اور وہ آفس سے گھر جانے کے لیے ساتھ ہی نکلے تھے، فیصل کی گاڑی کا ٹائر پنکچر تھا، اس لیے دونوں نے ڈیسائیڈ کیا کہ فیصل اس کے ساتھ گھر جائے گا اور وہ تیار ہو کر اس کے ساتھ ہی چلیں گے۔ کنعان کے روم میں بیٹھے ہوئے اسے یہ خیال آیا تھا کہ وہ گھر فون کر کے بتا دے، مگر اس نے غصے میں ایسا نہیں کیا تھا اور جس وقت وہ ان دونوں کے ساتھ گھر پہنچا تھا 8 بج رہے تھے۔

"بیٹا! تم فون کر کے بتا تو دیتے"۔ تفصیل جان کر بیٹے کو خفگی سے دیکھا۔

"ماما! بس خیال ہی نہیں آیا"۔ آنسو چھپانے کی چاہ میں سر جھکائے بیٹھی سمیرا سے نگاہ ہٹا کر کہا۔

"اور یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہوا ہے؟"

"وہ.... بس ماما! یہ کنعان صاحب کی مہربانی ہے"۔ وہ دوست کو دیکھتے ہوئے مسکرایا اور تفصیل بتانے لگا، وہ چائے کے سپ لیتے ہوئے کھڑکی میں جا کھڑا ہوا تھا اور اسے معلوم نہیں تھا کہ کھڑکیوں کے نئے شیشے لگ رہے ہیں اور کام ابھی ادھورا ہے اس نے بے خیالی میں کھڑکی کا پٹ پکڑ کر کھولا تھا اور شیشہ اندر تک اس کی ہتھیلی کاٹتا چلا گیا کیونکہ فٹنگ کا کام ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔

"اچھا، تم جا کر چینج کر لو، ہم لوگ آل ریڈی لیٹ ہو چکے ہیں، فریدہ کے کتنے ہی فون آ چکے ہیں، جب تک میں سحرش سے کہہ کر ریفریشمنٹ کا انتظام کرواتی ہوں"۔

"تکلف کی بالکل ضرورت نہیں ہے آنٹی!" ماہ کنعان نے روکنا چاہا تھا۔

"ارے کیسے نہیں ہے، تم تو چلو آتے رہتے ہو، لاج بیٹی تو سالوں، مہینوں میں ہی آتی ہے، پوری شادی گزر گئی، نہ لاج آئی اور نہ ہی تمہارے پیرنٹس"۔

"مام اینڈ ڈیڈ، یو۔ کے گئے ہوئے ہیں اور طبیعت کی خرابی کی وجہ سے میں نہیں آ سکی، ورنہ تو خود میرا بہت دل تھا کہ میں فیصل لالہ کی شادی میں شرکت کروں"۔ ماہ لاج نے نہ آنے کا عذر ادا ہی سے بتایا۔

"ماما! ایسا کریں کہ آپ لوگ نکل جائیں، میں تیار ہو کر کنعان کے ساتھ آ جاؤں گا"۔ سمیرا کے ساتھ آتی ہوئی سحرش کو دیکھ کر کہا اور سحرش، ماہ لاج سے ملتی، ڈیڈی کو بلانے چلی گئی تھی، سمیرا اس کے نظر انداز کرنے پر بری طرح ہرٹ ہوئی تھی، مگر اس نے کہا کچھ نہیں۔

"ہم لوگ جا رہے ہیں سمیرا! تم فیصل کی تیاری میں مدد کر دینا اور اس کے ساتھ ہی آ جانا"۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے ماما! میں خود ہی تیار ہو کر آ جاؤں گا، تم بھی ساتھ ہی چلی جاؤ، مجھے کچھ وقت لگے گا"۔ اس

نے اچٹتی ہوئی نظر سمیرا پر ڈالی، ساڑھی میں اس کا متناسب سراپا خوب جچ رہا تھا، مگر وہ اسے نظر انداز کرتا کمرے کی طرف بڑھ گیا اور اس کے ساتھ ہی ماہ کنعان بھی اٹھ گیا، سمیرا بے دلی سے ان سب کے ساتھ ہی چل دی تھی، اس کو بہت رونا آرہا تھا وہ بمشکل خود پر کنٹرول رکھے ہوئے تھی، ان سب کا استقبال بہت اچھے طریقے سے ہوا۔ ماہ لاج کا تعارف سن کر حنین نے ہاتھ ملانے کے لیے ماہ لاج کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کر دیا اور ایکسکیوزی کہہ کر اس کے سامنے سے ہٹتی صوفے پر جا کر بیٹھ گئی، اس کی اس حرکت کو ماہ لاج سمجھ نہیں پائی اور سحرش شرمندہ ہو گئی، حنین کی حرکت پر۔

''آئی ایم سو، سوری لاج! یہ حنین''۔

''اٹس او کے سحرش!'' وہ محض اسے شرمندگی سے نکالنے کے لیے بولی تھی ورنہ تو وہ بھی بہت ہرٹ ہوئی تھی۔

''حنین! تم نے لاج سے ہاتھ کیوں نہیں ملایا تھا، وہ ہماری مہمان ہے اور تمہارا فرض ہے کہ ہمارے مہمانوں کے ساتھ اچھے سے پیش آؤ''۔ سحرش موقع ملتے ہی بولی تھی۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا تھا تو نہیں ملایا اس سے ہاتھ، اور وہ کون سی کہیں کی منسٹر ہے کہ جن کی عزت کرنا مجھ پر فرض ہے''۔ نہایت جلے ہوئے کڑوے لہجے میں کہا تھا۔

''حنین! مجھے یقین نہیں آ رہا تم اتنی بدتمیز بھی ہو سکتی ہو''۔ سحرش ہونق رہ گئی تھی۔

''میں اتنی ہی بدتمیز ہوں سمجھیں تم، اور جو لوگ مجھ سے تمیز سے پیش نہیں آتے میں بھی ان لوگوں سے خوش دلی سے نہیں ملتی''۔ اس کا لہجہ نہایت سخت تھا اور سحرش اسے عجیب نگاہوں سے تکنے لگی تھی۔

''ماہ لاج نے تم سے کون سی بدتمیزی کی ہے، وہ تو تم سے ملی ہی فرسٹ ٹائم ہے''۔ حنین کی بے تکی باتیں اسے غصہ دلانے لگی تھیں۔

''اس نے نہیں تو اس کے بھائی نے تو کی ہے نا، اور یہ تم بھی جانتی ہو''۔ وہ دونوں لان میں کین کی کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں، فیصل اسے دیکھنے لگا تاکہ یہ جان سکے کہ حنین کون سی بدتمیزی کی بات کر رہی ہے، مگر کنعان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی حنین نے خود ہی جواب دے دیا۔

''وہ مجھے جتنی دفعہ ملے مجھے انہوں نے تکلیف پہنچائی اور جس وقت ہم نزہت کو فون کرنے گئے تھے انہوں نے جو میرے ساتھ کیا تھا میں اگر تمہیں وہ سب بتا دوں تو تم بھی میری طرح ان کو ناپسند کرو گی''۔ آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے۔

''ایسی کیا بات ہوئی تھی؟'' حیرت سے پوچھنا چاہا تھا۔

''میں نہیں بتا سکتی''۔ سختی سے بولی تھی۔

''لیکن کیوں؟ ایسی کیا بات ہے کہ تم مجھ سے شیئر نہیں کر سکتیں؟''

''ہاں ہے ایسی بات، اور مجھے ارحم بھیا نے بھی کسی کو بھی بتانے سے منع کیا ہے اسی لیے تو میں نے زرمین آپی تک سے ذکر نہیں کیا، ورنہ تم جانتی ہو، میں چھوٹی سے چھوٹی بات ہو یا میری کوئی غلطی، وہ سب میں صرف زرمین آپی سے شیئر کرتی ہوں، تمہارا اور پھپھو کا نمبر تو بعد میں آتا ہے۔ پھپھو سے بعض باتیں میں نہیں کر پاتی مگر زرمین آپی سے کیے بغیر مجھے چین نہیں ملتا، ارحم بھیا کے منع کرنے پر میں نے وہ سب آپی کو بھی نہیں بتایا، جبکہ ان کی شادی کے بعد کے دن پورے ہی میں بیمار رہی ہوں اور وہ مجھ سے پوچھ پوچھ کر تھک گئیں''۔

''ایسی کیا بات ہے کہ تم نے بھابی سے بھی شیئر نہیں کی، تو پھر تم نے ارحم بھیا سے وہ سب کیسے کہہ دیا؟'' وہ از حد متحیر سی سوال کر رہی تھی۔

''وہ بضد ہو گئے تھے اور اس وقت مجھے سہارے کی ضرورت تھی اور تم جانتی ہو کہ ارحم بھیا مجھے کتنے عزیز ہیں اور وہ بھی میرا کتنا خیال رکھتے ہیں، بس اسی لیے ڈرتے جھجکتے میں نے انہیں سب بتا دیا، مگر تم سے نہیں کہہ سکتی، اتنا بھی نہ کہتی کہ اگر تم مجھ کو اس بات کے لیے مجبور نہ کرتیں کہ میں اس شخص کی سسٹر کے ساتھ اچھے سے پیش آؤں''۔ وہ ناگواری سے بول رہی تھی۔

''مجھے تمہاری باتیں سمجھ نہیں آ رہیں حنین! مگر اس سب میں لاج کا تو کوئی قصور نہیں ہے، ہرٹ تمہیں کنعان بھیا نے کیا ہے اور تم نے جو لاج کے ساتھ کیا وہ ہرٹ ہوئی ہے، تمہیں زیادہ نہیں تو کم از کم اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے تھا، وہ تمہارے بارے میں کیا سوچ رہی ہو گی؟''

''کچھ بھی سوچے، میری بلا سے''۔ وہ اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہ تھی پھر ان دونوں پر اس کی نظر پڑی تھی اور کنعان کو دیکھ کر وہ بڑی پھرتی سے اندر کی طرف بڑھ گئی اور سحرش بھی ان دونوں کو دیکھ کر چائے کے خالی کپ اٹھاتی لان سے نکل گئی تھی۔

''میں جانتا ہوں، تم مجھ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتے ہو، ابھی نہیں میں تمہیں بعد میں سب بتا دوں گا، اسی لیے تو میں نہیں آنا چاہتا تھا، مگر تجھے ناراض بھی تو نہیں کر سکتا تھا کہ تجھے منانا بھی بڑے دل گردے کا کام ہے''۔ ماہ کنعان غیر معمولی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''میں نے تجھ سے کچھ پوچھا.....! نہیں نا؟ تو تو کیوں پریشان ہو رہا ہے؟ آ جا اندر چلتے ہیں''۔ فیصل ہلکے پھلکے انداز میں کہتا اسے لیے اندرونی حصے کی جانب قدم بڑھانے لگا تھا۔

''بھئی! کہاں رہ گئے تھے، مہمان خصوصی ہو کر اب پہنچ رہے ہو؟'' یوسف الحسن بغل گیر ہوتے ہوئے شگفتگی سے پوچھ رہے تھے۔

''پاپا! دیر سے پہنچنا بھی رعب جتانے کا سب سے خوبصورت طریقہ ہے، فیصل بھیا کو ہی لے لیں، یہ کمرے سے ہی نکل کر اب آ رہے ہیں''۔ راحم نے ان دونوں کو ایک ساتھ ہنستے ہوئے رگید اتھا۔

''جناب! اہمیت جتانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے جس پر آپ عمل پیرا ہیں کہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑا دو''۔ فیصل اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کے برابر صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''فیصل بھیا! آپ کو تو لگتا ہے فیوز ہو رہا ہے''۔ ہاتھ ملاتے ہوئے گرماہٹ محسوس کر کے بولا تھا۔

''جناب اسی لیے آنکھ لگ گئی تھی اور آپ نے لڑاکا ساسوں کی طرح طنز کرنے شروع کر دیے کہ کمرے میں ہی مجھے بیٹھے رہنا، آئے گئے کا بھی کوئی خیال نہیں ہے''۔

''قسم سے فیصل بھیا! لڑاکا ساس بن جانے کے فن سارے آپ میں موجود ہیں، اللہ زرمین کے حال پر رحم کرے، معصوم آنٹی سے نہ بھی اسے آپ سے تو باخبر ہی رہنا پڑے گا''۔ راحم کے انداز میں شرارت تھی اور وہ سب ہی ہنس دیے

اور وہ راحم کو گھورنے لگا۔

''مائنڈ مت کریں، میں مذاق کر رہا تھا، یہ بتائیے کوئی ٹیبلٹ لی ہے؟''

''ہاں، لے چکا ہوں''۔ مختصر ابتایا اور کنعان کی طرف متوجہ ہوگیا، مردوں کے درمیان کسی سیاسی موضوع پر بحث چھڑ گئی، خواتین دستر خوان لگانے کی تیاریاں کرنے لگیں اور وہ سب کی سب شازمین کے کمرے میں ڈیرا جما کر بیٹھ گئیں۔

''سمیرا بھابی! آپ کچھ افسردہ سی لگ رہی ہیں؟'' شازمین نے اسے پہلی دفعہ فیصل کے رشتے سے پکارا، اسے عجیب تو لگا، مگر مہوش کے سختی سے کہنے پر سحرش نے اسے بھابی کہنا شروع کر دیا تھا اور ان تینوں کو بھی یہی کہا تھا کہ وہ سمیرا کو بھابی کہیں، اس لیے آج شازمین نے اسے بھابی کہہ کر پکارا تھا۔

''نہیں، ایسی بات نہیں ہے''۔ بدقت تمام مسکرا کر بولی۔

''شازمین بجو! یہ بھیا کی وجہ سے پریشان ہیں، پہلے تو فیصل بھیا بغیر بتائے کنعان بھیا سے ملنے چلے گئے اور واپس آئے تو زخمی ہاتھ کے ساتھ، اور یہ نہ ان کی خیریت پوچھ سکیں اور نہ ہی انہیں ان کی تعریف کرنے کا موقع ملا، بس اسی لیے یہ اداس ہیں، ٹھیک کہہ رہی ہوں نا سمیرا بھابی!'' سحرش شوخ ہو رہی تھی اور وہ مسکرا بھی نہ سکی، زرمین البتہ چونک گئی، مگر اس وقت اس سے کچھ بھی پوچھنا غیر مناسب ہی تھا، اس لیے وہ خاموش بیٹھی ماہ لاج سے مخاطب ہوئی تھی۔

''تم کیوں خاموش بیٹھی ہو، کوئی بات کرو، کیا ہمارے ہاں آنا اچھا نہیں لگا؟''

''نہیں، ایسی بات نہیں ہے، میں آپ سب کی گفتگو سن رہی تھی''۔

''اچھا، تو اپنے بارے میں کچھ بتاؤ، کیا کرتی ہو، کس کلاس کی اسٹوڈنٹ ہو، مجھے تو بالکل حنین کی ہی ہم عمر لگ رہی ہو''۔

''جی... وہ میں نے انٹر کے ایگزامز دیے ہیں، رزلٹ آنے کے بعد یونیورسٹی میں ایڈمیشن لوں گی، گھر میں تو فارغ ہی ہوتی ہوں''۔ اس نے دھیمے دھیمے اپنے بارے میں بتایا۔

''شادی میں کیوں نہیں آئی تھیں؟'' مائدہ نے پوچھا تھا۔

''مام اینڈ ڈیڈ، یو کے گئے ہوئے ہیں اور میں بیمار تھی، اس لیے میں نہیں آسکی اور آج لالہ جان کے ساتھ فیصل لالہ گھر آئے تو میں ان کے کہنے پر آگئی کیونکہ ان کی شادی مس کر دینے کا افسوس تو مجھے بھی ہے''۔

''چلو آج آگئی ہو نا، تو بس آتی رہنا، اور پھر ہماری شازمین اور مائدہ کی شادی میں بھی شرکت کر لینا''۔ زرمین اپنائیت سے بولی۔

''کب ہے ان کی شادی؟'' مسکرا کر پوچھا۔

''تقریباً! 5 سے 6 ماہ میں، اور شازمین کی شادی، تم ابھی جن سے لاؤنج میں ملی تھیں، راحم الحسن ان سے ہوگی اور مائدہ ہمارے اکلوتے بھائی کی بیوی بن کر ہماری پیاری بھابی بن جائے گی''۔ زرمین نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا، وہ دونوں ہم عمر تھیں اور ان میں دوستی بھی خوب تھی۔ مائدہ کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''آپ سب لوگوں میں اپنائیت اور محبت بہت ہے، آئی ریئلی امپریس''۔

''ارے، اس میں امپریس ہونے والی کیا بات ہے، انسان کی پہچان اس کے رشتے ہی تو ہوتے ہیں''۔ یہ شازمین

تھی۔

''شازمین بجو! جہاں پیسوں اور رتبے کا خیال رکھا جاتا ہو وہاں رشتوں کی اپنائیت کسے بھلی لگتی ہے، طاقت کے زور پر لوگوں کو سرنگوں کیا جاتا ہے اور دوسروں کو بے بس کر کے وہ خوشی محسوس کرتے کمال کی اداکاری کرتے ہیں کہ ہم سے زیادہ اچھا اور شریف تو کوئی ہوگا ہی نہیں، جبکہ اندر سے یہ کتنے گھناؤنی شخصیت کے حامل ہوتے ہیں یہ کسی کو اندازہ ہو ہی نہیں پاتا، کیونکہ وہ اپنے چہروں پر نقاب چڑھا کر دنیا سے ملتے ہیں اور ہم جیسے مڈل فیملی سے تعلق رکھنے والے ماڈرن وا پر ہائی کلاس فیملی سے ملتے ہوئے ان کی طاقت کے سحر میں جکڑ کر ان کی اصلیت جان نہیں پاتے اور نہ ہی جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے در پردہ راز کھل بھی جائیں تو ہمیں اپنے لیے خاموش ہونا پڑتا ہے، کیونکہ ان کی طاقت کا اثر ہوتا ہی اتنا ہے کہ ہم نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش رہتے ہیں''۔ حنین کے انداز میں حقارت اور لہجے میں نفرت اور ناگواری سی تھی، ماہ لاج تو سن ہوگئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس نے یہ سب کس کے بارے میں کہا ہے، مگر کیوں وہ یہ نہیں جانتی تھی، ان میں سے کوئی اسے اس کے برے رویے کا احساس دلاتا کہ وہ ایکسکیوز کہتی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

''شاید انہیں میرا یہاں آنا اچھا.....!''

''نہیں ماہ لاج! ایسی بات نہیں ہے، بٹ اگر حنین کی کسی بات نے تمہیں ہرٹ کیا ہے تو میں اس کی طرف سے تم سے سوری کرتی ہوں''۔ زرمین بری طرح شرمندگی کے حصار میں بندھ گئی تھی۔

''پلیز، آپ کو سوری کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ ماہ لاج جلدی سے بولی تھی کیونکہ وہ اسے بہت اچھی لگی تھی، ان کی سوسائٹی میں اور گیدرنگز میں اس طرح کی پرخلوص لڑکیاں نہ ہونے کے برابر تھیں۔

''تم مجھے حنین اور شازمین کی طرح آپی کہہ سکتی ہو''۔

''نہیں لاج! تم بھابی کو میری طرح بھابی ہی کہنا''۔ سحرش نے مداخلت کی اور وہ مسکرا دی۔

''جیسے تم لوگوں کی مرضی''۔

''میں جا کر دیکھتی ہوں، ہم سب یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور ماسی اور ممادغیرہ کام میں لگی ہوں گی''۔ مائدہ کے ساتھ ہی شازمین بھی چلی گئی تھی۔

''سحرش! ایسا کرو تم لاج کو پورا گھر دکھا دو''۔ زرمین کے کہنے پر وہ اسے لیے باہر نکل گئی۔

''سمیرا! کیا بات ہے؟ تم اتنی خاموش کیوں ہو، اتنی دیر میں ایک لفظ نہیں بولا تم نے، فیصل نے تم سے کچھ کہا ہے؟'' کمرے میں بس وہی دونوں رہ گئی تھیں، سمیرا کو لیکن احساس نہیں ہوا تھا وہ انگلی میں انگوٹھی اتار اور چڑھا رہی تھی، زرمین کی آواز بہت قریب گونجی تھی تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی اور زرمین نے اپنی بات دہرائی، کیونکہ اسے لگا تھا کہ اس نے کچھ سنا نہیں ہے۔

''بھابی! انہوں نے مجھ سے نہیں کہا، میرے کمرے میں جا کر انہیں مخاطب کرنے پر وہ کمرے سے ہی نہیں گھر سے بھی نکل گئے تھے اور ہمارے آنے سے 10، 15 منٹ پہلے ہی آئے ہوں گے، ان کے چہرے و انداز میں اتنی سختی تھی کہ میں تو انہیں مخاطب کرنے کی بھی ہمت نہ کر سکی اور یہ بھی نہ پوچھ سکی کہ ان کے ہاتھ میں کیا ہوا؟ اس سب کی میں ذمے دار ہوں نہ میں ان سے جھگڑا کرتی اور نہ ہی وہ غصے میں گھر سے نکلتے اور نہ ہی ان کا ہاتھ زخمی ہوتا''۔ وہ کب سے بند باندھے

بیٹھی تھی، سارا ضبط ٹوٹ گیا اور وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رونے لگی۔

"سمیرا! پلیز چپ کر جاؤ، رونا مسائل کا حل نہیں ہوتا"۔

"وہ مجھے جان کر اگنور کر رہے ہیں"۔

"کب تک کریں گے، تم حوصلہ رکھو، اس طرح زی ایکٹ کروگی تو سب کو پتہ چل جائے گا اور یہ بات فیصل کو پسند نہیں آئے گی، فیصلہ کرنا سیکھو سمیرا! وہ اگر تمہیں اگنور کر رہے ہیں تو فی الحال ایسا کرنے دو، موقع ملتے ہی پوچھ لینا، اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا، وہ سب بھول جائیں گے، مگر تمہارا یہ کھویا کھویا انداز سب کو ہی تشویش میں مبتلا کرے گا"۔ زرمین نے اسے سمجھایا۔

"میں کیا کروں بھابی! مجھ سے روتے ہوئے دل کے ساتھ ہنسی کے ڈرامے نہیں ہوتے، میں ہی جانتی ہوں کہ میں نے اب تک خود پر کیسے کنٹرول رکھا ہے، ورنہ تو میں ذرا سی پھانس بھی چبھ جاتی تھی تو دوڑ کر ڈیڈی کے پاس جاتی تھی اور آج ڈیڈی کو اداس ہونے کا سبب بھی نہ بتا سکی"۔ زرمین نے اس کے آنسو صاف کیے۔

"میں ہوں نا، جو بھی بات ہوا کرے تم مجھ سے شیئر کر لیا کرو، اس طرح تمہارے دل پر بوجھ بھی نہیں پڑے گا، تم یہ سب باتیں اگر انکل سے کہوگی تو وہ پریشان ہوں گے اور ماما سے کہوگی تو وہ فیصل سے جواب طلبی کریں گی، اور یہ تمہارے رشتے کے حق میں مضر ثابت ہوگا۔ اور تم بھی خود کو چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے پریشان نہ کیا کرو، فیصل ابھی ناراض ہیں، تھوڑی دیر بعد راضی ہو جائیں گے، مگر اتنے عرصے میں تم اپنا سیروں خون جلا چکی ہوگی، اس لیے مائی لٹل سسٹر! چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونا چھوڑ دو، اسی لیے تو میں کہتی ہوں کہ تم حنین کے جیسی ہو، وہ بھی اسی طرح ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہے"۔ زرمین نے پیار سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے سمجھایا، اور وہ دونوں باہر آ گئی تھیں۔

"ارے، یہ دو پیاری سی حوریں کہاں سے آئی ہیں، اس دنیا کی تو نہیں لگتیں"۔ وہ دونوں تقریباً ایک جیسی ڈریسنگ میں بہنیں ہی لگ رہی تھیں۔ یوسف الحسن کی شرارت پر وہ دونوں ہی جھینپ گئیں اور باپ کے اشارے سے بلانے پر سمیرا چلتی ہوئی ان کے پاس جا رکی اور انہوں نے اسے اپنے برابر بٹھا لیا اور وہ ان سے بات کرنے لگی، جان کر اس نے ساتھ والے صوفے پر کنعان اور فضیل کے ساتھ بیٹھے فیصل کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"بچو! آج کی محفل کچھ پھیکی پھیکی سی نہیں لگ رہی؟" یہ فیاض صاحب تھے۔

"وہی تو انکل! خواتین اپنے مشغلوں میں مصروف ہیں اور ہم فضول کے مباحثوں میں، کچھ اسپیشل تو ہونا ہی چاہیے"۔ راحم جلدی سے بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے یوسف! کچھ رونق تو لگنی ہی چاہیے کہ یہ وقت بھی یادگار بن کر ہماری یادوں میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے"۔

"یار! اب اس عمر میں کیا کریں گے؟ اتنا کشری تو مہندی کی شب کھیل لی تھی، اب کیا ڈانس کرنے کا ارادہ بن گیا ہے؟" یوسف الحسن ہنسے تھے۔

"ویسے آئیڈیا برا نہیں ہے"۔ فیاض کے کہنے پر ان دونوں نے ہی ساتھ قہقہہ لگایا تھا۔

"میں آپ دونوں کی مسز کو بلا لاتا ہوں، آج زبردست کپل ڈانس ہو ہی جائے"۔ راحم حرے سے کہتا ہوا کچن کی

جانب بڑھ گیا۔

"کھانا لگ گیا ہے، پہلے سب کھانا کھا لیں اس کے بعد جیسے چاہیں رونق لگائیں"۔ فریدہ کے کہنے پر وہ سب ڈائننگ ہال میں آ گئے۔

"شازمین! یہ حنین کہاں ہے، کب سے نظر نہیں آئی، جا کر دیکھو ذرا، کھانا نہیں کھائے گی؟" وہ تھوڑی ہی دیر میں واپس آ گئی۔

"وہ کھانا نہیں کھا رہی، اسے بھوک نہیں ہے"۔ کچن میں اس وقت فریدہ کے ساتھ ساجدہ تھیں اور پانی لینے آئی زرمین چونک اٹھی۔

"یہی حرکتیں ہیں فریدہ! اس کی جو مجھے چین سے جینے نہیں دے رہیں، ہر دوسرے دن ایک نیا ڈرامہ، نئی فرمائش و ضد، مجھے تو اس لڑکی نے تنگ کر کے رکھ دیا ہے"۔ ساجدہ اس کے ایک دم کمرے میں بند ہو جانے پر اپ سیٹ تھیں۔

"بھابی! میں دیکھتی ہوں جا کر"۔ وہ بھی اس کی کمی محسوس کر رہی تھیں۔

"نہیں، ضرورت نہیں ہے، کوئی یہاں مہارانی صاحبہ کے ملازم نہیں بیٹھے کہ منت منت میں انہیں کمرے میں بلانے جائیں گے، نہیں کھانا تو نہ کھائے"۔ وہ بریانی کی ڈش لیے وہاں سے نکل گئی تھیں۔

"زرمین بیٹا! آ جاؤ کھانا نہیں کھا رہیں؟"

"پھپھا جان! میں بس ابھی آ رہی ہوں، آپ لوگ شروع کریں"۔ وہ تینوں سمجھ گئی تھیں کہ وہ حنین کو بلانے جا رہی ہے۔

"حنین! کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟ چلو سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔ اس نے سرہانے بیٹھتے ہوئے اس کے بال ہٹا کر چہرہ سامنے کیا تھا۔

"آپی! مجھے بھوک نہیں ہے، آپ جا کر کھا لیں، میں بعد میں کھا لوں گی"۔

"تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے؟ میں نوٹ کر رہی ہوں کہ تم کافی دیر سے اپنے کمرے میں ہو"۔

"نہیں آپی! بس میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے"۔

"ادھر دیکھو میری طرف"۔ اس کے لہجے میں نمی محسوس کر کے اس نے اس کا چہرہ اپنی طرف کیا تھا۔

"کیا چھپا رہی ہو مجھ سے، بولو؟"

"آپی! سچ کوئی بات نہیں ہے"۔ اس نے اپنے آنسو رگڑے تھے۔

"کوئی بات نہیں ہے تو رو کیوں رہی ہو؟" وہ متحیر ہوئی تھی اور وہ اس کا ہاتھ اپنے کاندھے سے ہٹاتی واش روم میں جا بند ہوئی تھی۔

"کوئی بات تو ضرور ہے، مگر میں پوچھوں کس سے؟ کھانے کے بعد شازمین سے پوچھوں گی"۔ وہ دل میں ارادہ کرتی سب لوگوں کے خیال سے ڈائننگ ہال میں آ گئی۔

"حنین کہاں ہے، اسے کھانے کے لیے نہیں بلایا؟" یوسف الحسن بولے۔

"بھائی صاحب! زرمین بیٹی بلانے گئی ہے، آپ بسم اللہ کریں"۔ ساجدہ نے اپنی چیئر سنبھالی تھی۔

"زرمین! حتین نہیں آئی؟" نوید عالم نے بیٹی سے پوچھا تھا۔

"ابو! وہ سوگئی ہے، اٹھے گی تو کھالے گی"۔ جواب دیتے ہوئے وہ اپنی چیئر پر بیٹھ گئی، ماہ کنعان کو اپنا آپ مجرم لگنے لگا تھا۔

"کنعان بیٹا! آپ کچھ لے کیوں نہیں رہے؟" فیصل کے برابر براجمان ماہ کنعان کو فیاض نے ٹوکا تو وہ چونک اٹھا اور بے خیالی میں اس کے ہاتھ سے اسپون چھوٹ کر پلیٹ میں جا گرا اور بریانی کے دانے ادھر ادھر بکھرتے رائتے کے چھینٹوں کے ساتھ اس کے کوٹ پر بھی نشان چھوڑ گئے تھے۔

"آر یو او کے، کنعان؟" فیصل نے تشویش سے پوچھا تھا۔

"اوہوں.... ہاں سوری!" اس کے خیال کی طنابیں یکدم ٹوٹی تھیں اور وہ کرسی کھسکا کر اٹھ گیا۔

"اسجد! انہیں اپنے کمرے میں لے جاؤ تاکہ یہ کپڑے واش کرلیں"۔ نوید عالم نے کہا اور وہ اٹھنے لگا تھا کہ ماہ کنعان رک گیا۔

"آپ پلیز مجھے صرف یہ بتا دیجیے کہ مجھے کس طرف جانا ہے، آپ میری وجہ سے کھانا چھوڑ کر نہ اٹھیں"۔ اسے سب کے ہاتھ روک دینے پر شرمندگی ہوئی تھی۔

"اٹس او کے کنعان!" اسجد نے چیئر کھسکا کر اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"میں نے کہا ناں آپ میری وجہ سے پریشان نہ ہوں"۔

"اسجد! رہنے دو، کنعان خود ہی چلا جائے گا، کنعان! تم اسٹیئرز کے اوپر جا کر لیفٹ سائیڈ پر بنے اسجد کے روم میں چلے جانا"۔ فیصل کے کہنے پر وہ بیٹھ گیا اور کنعان ڈائننگ ہال سے نکل گیا، تیزی سے اسٹیئرز چڑھتا اوپر پہنچا تھا اس کے ذہن سے نکل گیا کہ فیصل نے لیفٹ سائیڈ کی بات کی تھی یا رائٹ کی، وہاں تین کمرے تھے اور جس میں سے ایک کے دروازے کے ہینڈل پر اس نے ہاتھ رکھا، جو گھمانے سے کھل گیا، کمرے میں قدم رکھا، کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، لائٹ پنک کلر کے کمبی نیشن میں کمرہ ڈیکوریٹ تھا، اور ڈیکوریشن سے ہی وہ کسی کم عمر لڑکی کا روم لگ رہا تھا، ورود دیوار سے ہوتی اس کی نظر بیڈ پر سوئے وجود پر پڑی اور اس کی نگاہ ساکت ہوگئی، بیڈ کے عین وسط میں وہ پہلو کے بل لیٹی ہوئی تھی، اس کا فیروزی آنچل سائیڈ میں اس طرح رکھا ہوا تھا کہ آدھا بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا، داہنا ہاتھ اس نے ماتھے پر الٹا رکھا ہوا تھا اور بایاں ہاتھ گال کے نیچے رکھا ہوا تھا، فیروزی رنگ کے کاٹن کی قمیض میں اس کے جسم کے نشیب و فراز عیاں تھے، ٹراؤزر کے پائنچے قدرے اوپر تھے، ایک پاؤں میں پائل تھی جو اس کے سرخ و سپید خوبصورت پاؤں کی خوبصورتی کو مزید بڑھا رہی تھی، دوسری پائل گر گئی تھی یا اس نے پہنی ہی نہیں تھی۔ یہ وہ نہیں جانتا تھا، پیروں سے ہوتی اس کی نظر چہرے کے خدوخال پر اٹک گئی، شنگرفی لب آپس میں باہم پیوست تھے، سرخ اناروں جیسی مژگاں، لانبی ستواں ناک، آنکھیں بند ہونے کی وجہ سے وہ ان کا کلر اور گہرائی تو نہیں دیکھ سکا، بند آنکھوں پر سایہ فگن سیاہ پلکیں اور آنکھوں کے کناروں پر ان کے چند موتی کان میں پڑی ننھی سی گولڈ کی بالی اور تکیہ کے دائیں بائیں بکھرے سیاہ ریشمی بال، توجہ کے طلب گار معلوم ہوتے تھے، کوئی انجان قوت اسے اس کی جانب کھینچ رہی تھی، وہ یک ٹک مبہوت سا اسے دیکھتا، عجب دیوانگی کے عالم میں اس پر جھکنے کو تھا کہ وہ رک گیا اور ایک نظر اسے دیکھ کر جلدی سے باہر نکل گیا تھا کہ کہیں اس سے کوئی غلطی یا گناہ سرزد نہ ہو جائے، وہ اس کے برابر کے کمرے کی بجائے لیفٹ سائیڈ پر بنے کمرے میں داخل ہوگیا اور لانبے لانبے گہرے گہرے سانس

لینے لگا۔

"اوہ مائی گاڈ! یہ مجھے اسے دیکھ کر کیا ہونے لگا تھا؟" وہ سر تھام گیا اور وقت گزرنے کا خیال جیسے ہی آیا وہ واش روم کی جانب بڑھ گیا، کوٹ دھونے کی بجائے اس نے لٹکا دیا اور منہ پر پانی ڈالتا، ٹاول سے خشک کرتا وہ روم سے نکل آیا۔

"یار! بڑی دیر کردی؟" فیصل نے اس کے سنجیدہ چہرے کا جائزہ لیا تھا۔

"ہاں.... میں نے وہ کوٹ اسجد کے واش روم میں ہی چھوڑ دیا ہے"۔

"اچھا کیا بیٹا! ہم ڈرائی کلین کروا کے تم کو دے دیں گے، تم آ کر کھانا کھالو"۔

"نہیں، آنٹی! میں کھا چکا ہوں"۔ آستین فولڈ کرتے ہوئے راشدہ سے کہا تھا۔

"یار! کیا کھا چکے ہو، بمشکل چند نوالے ہی لیے ہوں گے، آ جاؤ کھانا....!"

"بس فیصل! میرا موڈ نہیں ہے"۔ وہ غیر معمولی سنجیدگی سے بولا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ اس کے پاس آ رکا تھا۔

"مجھے اپنی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی، اس وقت تم مجھے اجازت دو اور پلیز تم لاج کو گھر چھوڑ دینا"۔ فیصل نے دوست کا جائزہ لیا، بلیک پینٹ، وائٹ شرٹ میں اس کا لانبا قد بڑا ہی نمایاں تھا اور وہ کافی ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

"او کے! میں لاج کو ڈراپ کر دوں گا"۔ فیصل نے حامی بھر لی اور وہ اس کے ساتھ اس کے جانے کا بتانے آیا، مگر نوید عالم نے اسے اس طرح جانے سے منع کر دیا، انہیں یہ بات اچھی نہیں لگ رہی تھی کہ وہ ان کے گھر سے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھنے کے بعد بھی کچھ کھائے بغیر چلا جائے۔

"انکل! مجھے ایک ایمرجنسی کال...!"

"کچھ نہیں ہوتا یار! ساتھ مل بیٹھنے کا موقع کہاں روز روز ملتا ہے"۔ اور وہ سب کے انسسٹ کرنے پر نہ چاہتے ہوئے بھی رک گیا، مگر کچھ کھانے پر پھر بھی راضی نہیں ہوا تھا۔

"چلو جیسے تمہاری مرضی بیٹا! اور ابھی ارحم آنے والا ہے، تم اس کے ساتھ کھانا کھالینا"۔ یوسف الحسن کے کہنے پر وہ صوفے پر آ بیٹھا، مگر اس کا ذہن بری طرح منتشر تھا۔

"انکل! پھر کیا ارادے ہیں کپل ڈانس کر رہے ہیں یا بس ویسے ہی مذاق کیا تھا؟" راحم نے شرارت سے پوچھا۔

"بیٹا جی! ہم تو تیار ہیں، مگر آپ کی آنٹی راضی نہیں ہوں گی"۔ فیاض نے ہنستے ہوئے بیوی کو دیکھا۔

"کیوں آنٹی! پھر کیا خیال ہے؟"

"آپ کا خیال بہت ہی برا ہے، اس لیے چپکے بیٹھے رہیے"۔ مہوش نے اس کے ایک دھپ لگائی تو وہ ہنسنے لگا۔

"انکل! یہ پروگرام تو کینسل ہوگیا، کچھ نیا سوچیں"۔ وہ کہاں باز آنے والوں میں سے تھا۔

"بیت بازی کیسی رہے گی؟" شاکر نے پوچھا تھا۔

"زبردست آئیڈیا....! بٹ سب ہی کو اس میں حصہ لینا پڑے گا، یہ نہ ہو ہم دو چار لوگ ہی شعر پڑھتے رہیں، بھائی صاحب اور بھابی جان بھی کھیلیں گی تو ٹھیک، ورنہ سب کینسل"۔ یوسف الحسن نے حمایت کرنے کے بعد فیصلہ سنایا۔

"آپ میری وجہ سے کچھ کینسل نہ کریں، جناب! ایک دو شعر تو ہمیں بھی آتے ہی ہیں، وہی سنا دیں گے"۔ نوید عالم

کے شگفتگی سے کہنے پر وہ سب ہی الرٹ ہوگئے، اور دو ٹیمیں بن گئیں۔

''شاز مین بیٹا! ایسا کرو حنین کو بھی اٹھالاؤ، اس کے بغیر محفل کچھ سونی سونی لگ رہی ہے، اس کی شرارتیں محفل میں جان ڈال دیتی ہیں''۔ یوسف الحسن چائے سرو کرتی بھتیجی سے بولے۔

''ہاں بھئی پاپا! بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، حنین کے بغیر محفل کچھ جم نہیں رہی''۔ راحم نے حسب عادت ٹکڑا لگایا تھا۔

''السلام علیکم!'' ارحم نے داخل ہوتے ہوئے سلامتی بھیجی تھی۔

''کافی دیر نہیں کردی بیٹا! تم نے آنے میں؟'' راشدہ پیار سے بولی تھیں۔

''مامی! ڈیوٹی آف کرکے سیدھا آرہا ہوں، شاز مین! مجھے پانی پلادو''۔

''کھانا کھالو بیٹا!'' ساجدہ نے کہا۔

''نہیں ابھی تو بھوک نہیں ہے، ٹھہر کر کھاؤں گا، تم مجھے بھی چائے دے دو''۔

''شاز مین! میرے لیے بھی چائے لے آنا، میری آدھی چائے اس ارحم کے بچے نے پی لی ہے''۔ فیصل نے جاتی ہوئی شاز مین کو آواز لگائی، کیونکہ ارحم نے اس کا چائے کا کپ اٹھا کر چائے پینا شروع کردی تھی۔

''پاپا! شروع کریں ناں، ٹائم ویسٹ ہورہا ہے''۔

''ممی...!'' چیخ کی آواز پر وہ سب ہی پریشان ہوگئے تھے۔

''حنین یقیناً سوتے میں ڈر گئی ہوگی، میں دیکھتی ہوں''۔ ساجدہ پریشانی سے اٹھی تھیں۔

''چچی! آپ رہنے دیجیے، میں جارہی ہوں''۔ زرمین نے ساجدہ سے کہا تھا اور چائے کا آدھا کپ یونہی چھوڑ کر وہ عجلت میں وہاں سے نکل گئی تھی۔

''تم چائے نہیں پی رہے؟'' اس نے فیصل کو ٹہوکا دیا تھا۔

''میری چائے تم پی چکے ہو، اور میں تو حیران ہوں کہ ایسا تم نے کیسے کرلیا؟''

''سب تیری محبت کا نتیجہ ہے، اور چائے کا کپ سامنے تو رکھا ہے، پی لو، تمہاری بیوی نے ہی پی ہے، اس لیے نو پرابلم''۔ وہ مذاق کے موڈ میں تھا۔

''صحیح کہا، مجھے تو خیال ہی نہیں آیا تھا، یاد دلانے کا شکریہ''۔ وہ دونوں دھیمے دھیمے گفتگو کررہے تھے اور اس نے مسکراتے ہوئے ادھ پیا چائے کا کپ منہ سے لگالیا تھا۔

''شرم کرلے کچھ، بجائے مجھے منع کرنے کے، غٹاغٹ چڑھا گیا''۔ اس نے اسے کچھ شرم دلانی چاہی تھی۔

''ہم بے شرم تو بے شرم ہی سہی''۔ اس نے آنکھ ماری تھی اور وہ اسے گھور کر رہ گیا۔ جبھی حنین اور زرمین وہاں چلی آئی تھیں۔

''ہیلو پریٹی گرل! خیریت آج اتنی جلدی کیسے سوگئی تھیں؟''

''وہ بس آنکھ لگ گئی تھی ارحم بھیا! مگر آپ کب آئے؟'' اس نے جمائی روکتے ہوئے استفسار کیا اور فریدہ کے ... جا بیٹھی۔

''بس تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے، تم بتاؤ کب بڑی ہوگی، بچوں کی طرح نیند میں ڈر جاتی ہو''۔ اس نے ہنستے ہوئے مذاقاً کہا تھا، لیکن اس کا منہ بن گیا۔

''سب تو میرا مذاق بناتے ہی ہیں، مگر آپ سے مجھے امید نہیں تھی''۔ ماہ کنعان کی نگاہ اس کے سوئے ہوئے خفا چہرے تک گئی، اس کی بھوری آنکھوں میں نیند کا ہلکا سا خمار اب بھی جاگزیں تھا، اس نے دوسرے ہی پل نگاہ چرالی کہ کہیں پھر سے وہ اس کے سحر میں نہ جکڑنے لگے۔

''میں تمہارا مذاق نہیں بنا رہا تھا، یہ بتاؤ کھانا کھالیا ہے؟''

''نہیں، اور ابھی مجھے بھوک نہیں ہے''۔ ہنوز خفگی سے بولی تھی۔

''گڈ، مجھے بھی بھوک نہیں ہے، کچھ دیر بعد ساتھ ہی کھائیں گے''۔

''آپ لوگوں کی باتیں ختم ہوگئی ہوں تو ہم بیت بازی شروع کریں؟''

''بیت بازی کیا ہوتی ہے راحم بھیا؟'' کہتے ہوئے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، مگر اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر موجود ماہ کنعان کو دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا، جو ارحم سے چھپا نہیں رہ سکا تھا۔

''چلو بھئی! ہوگیا مقابلہ، ان محترمہ کو یہ بھی نہیں پتہ کہ بیت بازی کیا ہوتی ہے، تو یہ کھیلیں گی کیسے؟'' انداز سراسر چڑانے والا تھا۔

''اب نہیں پتہ تو آپ کی طرح جھوٹ نہیں کہہ سکتی کہ مجھے سب معلوم ہے، مجھے اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی طرح ڈر نہیں لگتا''۔ وہ روٹھے انداز میں بولی اور مہوش اسے گیم اور اس کے رولز بتانے لگیں۔

''لیکن آنٹی! مجھے شعر نہیں آتے تو میں سناؤں گی کیسے؟'' اسے نئی فکر لاحق ہوئی تھی۔

''تم شعر نہیں کیدڑ سنا دینا''۔ فیصل نے کہا تھا۔

''اور یہ مت کہنا کہ تمہیں نہیں آتے''۔ فیصل کے شرارت سے کہنے پر ارحم نے بھی ٹکڑا لگایا تھا اور وہ غصے سے وہاں سے واک آؤٹ کرنے لگی تھی کہ فریدہ اس کا ہاتھ تھام گئی تھیں۔

''ہم سب ہیں ناں تمہاری ہیلپ کے لیے''۔

''اور تم کم از کم بیٹھ کر دیکھ اور سن تو سکتی ہی ہو''۔ زرمین نے اسے اپنے ساتھ بٹھالیا اور طے پایا کہ یہاں موجود سب ہی لوگ کوئی نہ کوئی شعر ضرور سنائیں گے اور گیم کا باقاعدہ آغاز شاکر نے کیا، کیونکہ اس گیم کا مشورہ ان کی ہی جانب سے آیا تھا اس لیے سب ان کے پیچھے پڑ گئے کہ پہلا شعر وہی پڑھیں اور وہ مان بھی گئے تھے۔

''رکھتے ہیں جو اوروں کے لیے پیار کا جذبہ
وہ لوگ کبھی ٹوٹ کر بکھرا نہیں کرتے''

شاکر نے بڑی خوبصورتی سے محفل بیت بازی کی شروعات کی، ان کے بعد ساجدہ نے شعر پڑھا۔

''یہ ظرف کی بات ہے کوئی سمیٹے رکھتا ہے کس طرح خود کو
جتنے دکھ ملتے ہیں اتنے دامن کشادہ نہیں ہوتے''

''بھائی صاحب! ''یہ'' سے نہیں تو ''ہے'' سے شعر پڑھ دیں''۔ فیاض، نوید عالم سے بولے تھے۔

''ہم کہ روٹھی ہوئی رت کو بھی منا لیتے تھے
ہم نے دیکھا ہی نہ تھا موسم ہجراں جاناں''

یا خوبصورت شعر پڑھا ہے"۔ یوسف الحسن نے ان سب کی دل کی بات کو زبان دے دی تھی۔
پ نے زبردست جواب دینا ہے بس لفظ کی کوئی قید نہیں ہے"۔ یہ فریدہ تھیں۔

"زندگی تیری عطا تھی تو ترے نام کی ہے
ہم نے جیسے بھی بسر کی ترا احساں جاناں"

انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شعر پڑھا، ان دونوں میاں بیوی کی نگاہیں ٹکرائی تھیں اور وہ دونوں ہی مسکرا دیئے، سب ہی داد دینے لگے۔

"آپی! یہ گیم بہت فضول ہے، میں جا رہی ہوں"۔

"ارے بیٹھی رہو ناں، اتنا تو مزہ آرہا ہے"۔ زرمین کے کہنے پر وہ مجبوراً بیٹھ گئی۔

"قربتوں میں بھی جدائی کے زمانے مانگے
دل وہ بے مہر کہ رونے کے بہانے مانگے"

زرمین نے ایک نظر اس کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی، یہ سنجیدگی اس کی شخصیت کا خاصہ ہرگز نہیں تھی۔

"بارہا دل تری قربت سے دھڑک اٹھا ہے
گو ابھی وقت حقیقت میں وہ آیا بھی نہیں"

فیصل نے بھی اسے دیکھا، اور اس کی پلکیں عارضوں پر جھک آئی تھیں اور اس کے گلنار چہرے کو دیکھ کر اسے لگا شاید کہ اس کا انتظار ختم ہونے کو ہے، اس کے لبوں پر اسی سوچ نے مسکراہٹ بکھیر دی۔

"اگر میں سویا تو وہ کیوں نہ سویا' اگر میں جاگا وہ کیوں نہ جاگا
وہ میرا تھا تو اسے میرے حسب حال ہونا تو چاہیے تھا"

فیصل نے سمیرا کے اداس چہرے کو دیکھ کر شعر میں دل کی بات کہی تھی، فیصل کے بعد سمیرا کی باری ہے، مگر اس نے معذرت کر لی، اس کی جگہ شازمین نے نوشی گیلانی کا شعر پڑھا۔

"کوئی خواہش نہیں تجھ سے اے مری عمر رواں
میرا بچپن' میرے جگنو' مری گڑیا لا دے"

راحم جو کسی رومینٹک شعر کا منتظر تھا، سخت بور ہوا تھا۔

"محبت اپنی بھی اثر رکھتی ہے فراز، بہت یاد آئیں گے ذرا بھول کر تو دیکھو"۔

راحم کے بعد باقی سب نے معذرت کر لی، ماہ کنعان جو خاموشی سے بیٹھا محفل انجوائے کر رہا تھا اس نے یکدم نگاہ اٹھائی، جو حنین کے دلکش چہرے سے ہوتی اس کے خوبصورت ہاتھوں پر رک گئی، وہ ہاتھ میں پڑی چند چوڑیوں سے کھیل رہی تھی، یہ محفل نہ اس کے مزاج کے مطابق تھی اور نہ وہ یہاں دل سے بیٹھی تھی، وہ تو زرمین اور فریدہ کے بیچ میں گویا پھنسی ہوئی تھی، اور محفل جو برخاست ہونے لگی تھی، ماہ کنعان کی خوبصورت آواز پر ایک بار پھر سج سی گئی اور یہ محفل کا آخری شعر تھا، اس لیے سب نے ہی کہا کہ اگر اسے پوری نظم یاد ہے تو وہ پڑھ سکتا ہے، اور اس کے دل کی کلی کھل گئی تھی۔

"کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا
تو بڑے پیار سے' بڑی چاہت سے' بڑے مان کے ساتھ
اپنی نازک سی کلائی میں سجاتی مجھ کو
اور بے تابی سے فرقت کے خزاں لمحوں میں
کسی سوچ میں ڈوبی جو گھماتی مجھ کو"

وہ حتی المقدور کوشش کر رہا تھا کہ نگاہ اس تک نہ جائے، مگر بے خودی سی بے خودی تھی، نگاہ تھی کہ بھٹک بھٹک جا رہی تھی، اور وہ جو ہاتھ میں پڑی کانچ کی چوڑیوں کو بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے جنبش دے رہی تھی، نگاہ اٹھائی اور اس کی نگاہ خود پر محسوس کرتی وہ لمحہ کے ہزارویں حصے میں نگاہ ہٹاتی اپنے دلچسپ فعل کی انجام دہی سے یکدم رک گئی، یہ اس کی پختہ عادت تھی کہ جب کبھی فرصت سے اکیلے میں ہوتی، یا محفل اس کے مزاج کے مطابق نہیں ہوتی تو وہ ہاتھ میں موجود چوڑیوں، بریسلیٹ، یا پھر گھڑی کو گھماتی اوپر سے نیچے کرتی رہتی تھی اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہتی تھی اور اس وقت نجانے کیوں اسے لگا کہ وہ اس پر چوٹ کر رہا ہے، اس لیے وہ نہ صرف اپنی حرکت سے باز آئی بلکہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں باہم پیوست کر لیں اور اس کے لبوں کو مسکراہٹ چھو گئی۔

"اور جب کبھی موڈ میں آکر تو اسے چوما کرتی
تیرے ہونٹوں کی حدت سے میں دہک سا جاتا
اور جب کبھی بند قبا کھلنے لگتی جاناں
اپنی آنکھوں کو تیرے حسن سے خیراں کرتا
مجھ کو بے تاب سا رکھتا تیری چاہت کا نشہ
میں تیری زلفوں کے آنگن میں مہکتا رہتا"

ایک عجیب سا احساس اس کی رگ و جاں میں اترنے لگا اور وہ ہاتھ اپنی پونی ٹیل سے ہٹاتی اٹھ گئی اور اس کے ہاتھ ہٹانے پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی کہ اس کے اٹھ جانے پر سمٹ گئی، فیصل حیران سا اسے دیکھنے لگا، اور ارحم الحسن کے چہرے پر غصے کے اثرات نمودار ہونے لگے۔

"کچھ نہیں تو یہی بے نام سا بندھن ہوتا
کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا"

وہ کسی کو بھی دیکھے بغیر کمرے سے نکل گئی، سب اس کے انداز اور کلام کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئے اور اس کو کھانے پر روکنے پر بضد ہو گئے، ڈرائیونگ کرتے ہوئے بھی اس کا چہرہ اس کی مرمریں کلائی اور اس میں کھنکھناتی چوڑیوں کو تصور کی آنکھ سے دیکھتا، وہ دل ہی دل میں ان آخری 2 شعروں کو دہرائے جا رہا تھا اور مسکراہٹ تھی جو اس کے شنگرفی لبوں پر ٹھہری گئی تھی۔

(جاری ہے......)

☆..........☆..........☆

سعدیہ عابد

قسط نمبر 8

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

''فیصل! سیل فون دیجیے گا ذرا، مجھے ایک کال کرنی ہے''۔ وہ کمرے میں آتے ہی اس سے بولی اور اس نے خاموشی سے جیب سے فون نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''تھینکس! آپ چاہیں تو چینج کر کے سو جائیں، مجھے کچھ ٹائم لگے گا''۔

''کوئی بات نہیں ہے زرمین! آج تم مجھے کافی ڈسٹرب لگ رہی تھیں؟''

''فیصل! بات آپ کو بتانے کی ہوئی تو ضرور بتاؤں گی''۔

''میں تم سے کچھ پوچھ نہیں رہا''۔

''لیکن میں آپ کو ضرور بتاتی، مگر بات مجھ سے جڑی ہوئی نہیں ہے، اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتی، آپ ڈسٹرب نہ ہوں، اس لیے بالکنی میں جا کر بات کر لیتی ہوں''

''کمرے میں ہی رہ کر بات کر لو، میں اسٹڈی میں ہوں''۔ وہ اسے موقع دیے بغیر وہاں سے ہٹ گیا، ڈور بند کرتے ہوئے اس نے اتنا ہی سنا۔

''ارحم! میں زرمین بول رہی ہوں''۔ اور وہ توجہ دیے بغیر دروازہ بند کر گیا۔

"زرمین! تم فضول میں پریشان ہو رہی ہو"۔

"ارحم! آپ مجھے سب کچھ بتا کیوں نہیں دیتے، سحرش سے میری بات ہوئی تھی کہ آپ نے حنین کو مجھے کچھ بھی بتانے سے منع کیا ہے، ایسی کیا بات ہے کہ آپ نہیں چاہتے کہ مجھے پتہ چلے؟" زرمین نے شازمین سے پوچھا تھا کہ گھر میں کوئی بات ہوئی ہے، جسے لے کر حنین پریشان ہے، تب اس نے کہا تھا کہ حنین کی ولیمہ کی شب سے طبیعت خراب ہے اور اسی لیے ارحم اسے گھر لے گئے تھے، اتفاق سے یہ سب باتیں کرتے سحرش نے سن لیا، تب اس نے ساری باتیں زرمین کو بتادی تھیں اور اس نے ارحم سے وہیں پوچھا تھا تب اس نے کہا تھا کہ وہ گھر جا کر فون کرے گا، مگر اس نے فون کا انتظار کرنے کی بجائے خود ہی اسے کال کر لی تھی اور اس کو ارحم نے وہ سب کچھ جو اسے حنین نے بتایا تھا کہہ سنایا۔

"آپ نے یہ سب پہلے کیوں نہیں بتایا؟ یہ فیصل کی کن لوگوں سے دوستی ہے اور اس کی اتنی ہمت کہ وہ ہمارے گھر تک آ گیا؟" وہ تو سن کر ہی شاک ہو گئی تھی۔

"اسی لیے جب سے وہ آیا تھا، حنین اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی، اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے حنین نے بتایا تک نہیں"۔ وہ صدمے کی سی کیفیت میں آ گئی تھی۔

"میں نے منع کیا تھا، اور پلیز! تم اس سے ذکر مت کرنا، جو کچھ ہونا تھا ہو گیا"۔

"آپ اتنے آرام سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جو ہونا تھا ہو گیا"۔

"زرمین! ہائپر ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کنعان برا شخص نہیں ہے، جس سوسائٹی سے اس کا تعلق ہے، وہاں یہ سب باتیں عام ہیں، مگر وہ ان برائیوں سے دور ہے، جو کچھ اس نے کیا، وہ سب اس نے سوچ کر نہیں کیا اس کی نیت میں کھوٹ ہوتا تو وہ حنین کو بعد میں نقصان پہنچا سکتا تھا"۔ ارحم نے اسے واش روم کا احوال بھی کہہ سنایا۔

"زرمین! میں جانتا ہوں بات معمولی نہیں ہے، مگر خاموشی تو ہمیں ہی اختیار کرنا ہو گی، جتنا پھیلائیں گے اتنا ہی نقصان ہو گا، حنین اس سب کے بعد کچھ خوفزدہ ہے، مگر وہ دھیرے دھیرے اس سے باہر آ جائے گی"۔

"تب آئے گی کہ جب وہ شخص اس کے سامنے نہیں آئے گا، اس نے حنین کی ہیلپ کی، مگر اس سے پہلے اس نے جو کیا، وہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، آپ نے سوچا ہے اس سب کا حنین کے دل و دماغ پر کیا اثر ہوا ہو گا، ہمارے گھر کا ماحول بہت محتاط ہے اور حنین کو تو ہم نے کبھی موویز وغیرہ بھی دیکھنے نہیں دیں کہ لاڈ پیار کی وجہ سے اس میں بچپنا ہے اور وہ کسی بھی چیز کا غلط اثر لے سکتی ہے، امی اور چچی نے ہم دونوں بہنوں کا اتنا خیال نہیں رکھا جتنا حنین کا رکھتی ہیں، اور یہ سب آپ سے ہرگز بھی چھپا ہوا نہیں ہے"۔

"اچھا تو خود ہی بتاؤ میں کیا کروں؟ کنعان سے میں نے باز پرس کی تھی، وہ شرمندہ ہے، ایکسکیوز کر رہا ہے، تو اس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش ہی کہاں بچتی ہے؟ مگر تم کو جو لگتا ہے وہ بتادو، میں اسے ویسے ہی ٹریٹ کر لوں گا"۔ ارحم کے لہجے میں سنجیدگی تھی اور وہ صوفے سے اٹھ کر بیڈ پر نیم دراز ہو گیا جبکہ وہ تو کھڑے سے بیٹھنا بھی بھول گئی تھی۔

"آپ کچھ مت کریں، میں خود ہی فیصل سے بات کروں گی"۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے، جو بات کسی کو نہیں پتہ کیوں سب کو خبر کر دینے پر تلی ہو؟" اسے زرمین پر غصہ آنے لگا تھا۔

"بات کرنا ضروری ہے ارحم! کہ بات صرف حنین کی نہیں ہے، گھر میں اور بھی لڑکیاں ہیں، اور وہ تو ہمارے ہاں

بڑے دھڑلے سے آتا ہے اور میں نہیں چاہوں گی کہ وہ شخص کبھی بھی کچھ بھی ایسا ویسا سحرش...!"

"تم اس وقت بات نہیں سمجھو گی، سوچ سمجھ کر صبح فون کرنا، اور وہ شخص اتنا بھی برا نہیں ہے، تمہیں کیا لگتا ہے کہ اس نے شرمندگی ظاہر کی اور میں اس کے ایکسکیوز کو قبول کر کے بیٹھ گیا، میں نے ماہ کنعان کی فیملی اور اس کے بارے میں پوری انویسٹی گیشن کی ہے، ہائی سوسائٹی سے بی لونگ کرنے کے باوجود اس کی کوئی گرل فرینڈ تک نہیں ہے، شراب تو دور، وہ سگریٹ بھی نہیں پیتا، اس لیے مجھے خود سمجھ نہیں آ رہا کہ اس نے حنین کو کیوں پریشان کیا؟"

"آپ کچھ بھی کہیں ارحم! مگر میں اب اس شخص کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی، اور میں اس مسئلے کو سولو ضرور کروں گی، آپ بے فکر رہیں، حنین کا نام تک نہیں آئے گا، اس کی عزت مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہے، میں اب فون رکھتی ہوں، کچھ سوچ کر کل فون کروں گی"۔ لائن ڈسکنیکٹ ہو گئی تھی، مگر وہ کتنی ہی دیر ساکت سی وہاں کھڑی رہی تھی۔

"زرمین! آر یو او کے؟" وہ اسے کھڑے دیکھ کر پریشان ہوا اور وہ چونکتی اسے دیکھنے لگی اور پھر نفی میں سر ہلاتی وہاں سے ہٹ گئی، مگر ارحم کی بتائی بات نے تو اس کی نیند ہی اڑا دی تھی اور وہ بے چینی سے کروٹیں پر کروٹیں بدلتی فیصل کو پریشان کر گئی، مگر اس نے اس سے کچھ بھی نہیں پوچھا تھا۔

☆..........☆..........☆

"فیصل! ایک بات پوچھوں؟" وہ شادی کے بعد آج آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا جب وہ اس کے سامنے آ رکی تھی۔

"ہاں، پوچھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟" پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے اسے دیکھا اور اس نے جو کچھ پوچھا، اس کی تو اسے ہرگز بھی توقع نہیں تھی۔

"فیصل کے دوست ماہ کنعان کس قسم کے انسان ہیں؟"

"میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا، تم کیا پوچھنا چاہ رہی ہو؟"

"صرف اتنا کہ ماہ کنعان بائے نیچر اور بائے کیریکٹر کیسے ہیں؟ پلیز یہ مت پوچھیے گا کہ میں کیوں پوچھ رہی ہوں؟" اس نے پہلے ہی حفاظتی بند باندھ لیے تاکہ وہ اس سب کے پوچھنے کی وجہ نہ پوچھ لے۔

"بہت اچھا انسان ہے، فیصل کی اور کنعان کی دوستی اسکول سے ہے اور وہ ہمارے گھر بھی اکثر آتا رہا ہے جبکہ فیصل سے وہ دو سال سینئر تھا، مگر ان کی دوستی پھر بھی ہوئی اور اب تک قائم ہے جبکہ ہمارا تعلق مڈل کلاس فیملی سے ہے اور کنعان ہائی سوسائٹی و سیاست دان گھرانے سے تعلق رکھتا ہے، مگر آج تک کبھی کنعان کے بارے میں کچھ بھی ایسا ویسا سننے کو نہیں ملا، ہائی کلاس سوسائٹی کی برائیاں اس میں میرا خیال ہے بالکل نہیں ہیں، ورنہ تم تو جانتی ہو زرمین کہ جس طبقے سے وہ تعلق رکھتا ہے، وہاں برائیاں، کبھی برائیاں سمجھی ہی نہیں جاتیں جبکہ کنعان کی تو کوئی گرل فرینڈ بھی نہیں ہے"۔

"یہ آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں فیصل؟"

"میری آبزرویشن ہی یہی ہے اور اخبار وغیرہ میں بھی کبھی اس کا اسکینڈل نہیں بنا، تم خود سوچو، آج کل تو ایکٹرز سے زیادہ سیاست دانوں کے اسکینڈلز سننے میں آتے ہیں، مگر کبھی کنعان کے بارے میں ایسا کچھ بھی نہیں چھپا، تو شاید نہیں یقیناً کوئی نہ کوئی کہیں نہ کہیں تو اس میں اچھائی ہو گی"۔ وہ پوچھنے کا سبب جانے بغیر بھی پوری سچائی سے کہہ رہا تھا، مگر اس کی

الجھن تھی کہ ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی۔

"فیصل! سیاست سے تو اس کے فادر وابستہ ہیں، وہ خود تو نہیں"۔ وہ ٹینشن میں بچکانہ بات کرگئی تھی۔

"وہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ کنعان کے فادر کے کتنے ہی اسکینڈلز منظر عام پر آچکے ہیں، جن میں سے کچھ میں سچائی ہے تو کچھ ان کی اپوزیشن پارٹی کی سازش، مگر ہر اسکینڈل جھوٹا نہیں ہے، اس کی ممی، سینیٹ کی ممبر رہ چکی ہیں اور وہ خود براہ راست سیاست کا ابھی حصہ نہیں ہے، مگر مستقبل قریب میں امکانات تو ہیں، اور کنعان کے فادر کے مخالفین ان کے وارث کو سیاست میں قدم رکھنے سے پہلے ہی اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرسکتے ہیں، تا کہ اس کا امیج اتنا خراب ہو کہ وہ قدم ہی نہ رکھ سکے، اور کنعان کے خلاف پروپیگنڈہ بھی ہوا ہے، مگر اس انداز میں نہیں اور صاف بات تو یہ ہے زرمین کہ اگر وہ برا ہے، اچھا ہے تو ہمیں فرق نہیں پڑتا، وہ فیصل کا دوست ہے، اس کے ساتھ اور اس کی فیملی کے ساتھ فیئر ہے، تو بس ٹھیک ہے، وہ نجی زندگی میں کیسا ہے یہ ہمارا پرابلم نہیں ہے، کیونکہ ظاہری طور پر جو نظر آتا ہے وہ بعض اوقات صحیح نہیں ہوتا، اور جو چھپا ہوا ہو ضروری نہیں کہ وہ غلط ہی ہو"۔ اس کو دیر ہو رہی تھی، اس لیے اس نے بات ختم کردی۔

"مگر تم کیوں پوچھ.....!"

"ویسے ہی پوچھ رہی تھی، میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ فیصل کے دوست کیسے بنے، کیونکہ ایسے لوگوں کی نہ دشمنی اچھی ہوتی ہے اور نہ ہی دوستی"۔

"تمہیں شاید کل تمہارے گھر کنعان کا جانا پسند نہیں آیا"۔ وہ ٹائی باندھنے لگے۔

"ہاں، شاید"۔ اس کے نیم اقرار پر وہ محض اسے دیکھ کر رہ گیا، وہ اس سے پوچھنا تو بہت کچھ چاہ رہا تھا، مگر یہ سوچ کر نہیں پوچھا کہ بتانے والی بات ہوتی تو وہ خود بتادیتی اور اس کی نیچر میں فورس نہیں تھا، وہ کسی کو بھی کسی بھی بات کے لیے مجبور نہیں کرتا تھا، سیدھے سادے طریقے سے کام کرنا اسے پسند تھا، نہ وہ دوسروں کی لائف میں فضول انٹرسٹ لیتا تھا، نہ ہی یہ اس کی نیچر تھی اسی لیے وہ ہر حال میں مطمئن رہتا تھا۔

☆..........☆..........☆

"زرمین آپی! ہم لوگ پکنک پر جارہے ہیں، آپ بھی ساتھ چلیں گیں، بہت مزہ آئے گا"۔ حنین سب کے ساتھ ان کے گھر آگئی تھی اور آج راحم نے آفس سے چھٹی کی تھی اس لیے وہ بضد ہوگئی کہ پکنک پر چلا جائے اور فریدہ کے کہنے پر راحم اور مائدہ راضی ہوگئے، جبھی اس نے زرمین کو فون کیا، کیونکہ وہ اس کے بغیر کوئی پروگرام نہیں بناتی تھی۔

"کون کون جارہا ہے؟"

"بس ہم، ارحم بھیا اور مائدہ اپیا، اگر آپ جائیں گی تو شازمین بجو کو بھی لے لیں گے"۔

"تم لوگ ایسا کرنا شازمین کو ساتھ ضرور لے جانا، کبھی کبھی تو باہر نکلنے کا موقع ملتا ہے، مگر میرا جانا پوسیبل نہیں ہے"۔

"لیکن کیوں آپی! آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا، کیا آپ میری اتنی سی بات نہیں مان سکتیں؟"

"حنین! میں تم سب لوگوں کے ساتھ ضرور چلتی، لیکن فیصل شادی کے بعد آج ہی آفس گئے ہیں تو میں کیسے جاسکتی ہوں؟"

"آفس تو فیصل بھیا گئے ہیں، آپ تو گھر ہی میں ہیں ناں تو پھر ہمارے ساتھ چلیں"۔

"آج پوسیبل نہیں ہے، نیکسٹ ٹائم میں تمہارے ساتھ ضرور چلوں گی"۔

"شادی کے بعد آپ بدل گئی ہیں زرمین آپی! پہلے تو میرے کہنے سے بھی پہلے میری بات مان جاتی تھیں، اور اب میرے اتنا کہنے پر بھی.....!"

"حنین! تم سمجھ نہیں رہی ہو، میں تمہاری خوشی کی خاطر تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں، مگر کیا تم یہ چاہو گی کہ میں اداس رہوں اور پکنک انجوائے نہ کرسکوں؟"

"یہ کیا بات ہوئی، آپ اداس کیوں ہوں گی؟"

"میں اس لیے اداس ہوں گی کہ فیصل میرے ساتھ نہیں ہوں گے"۔ فیصل کھلے دروازے سے اندر آتا ہوا چونک اٹھا، زرمین کی دروازے کی طرف پشت تھی، اس لیے وہ فیصل کو دیکھ نہیں سکی تھی۔

"آفٹر آل فیصل میرے ہسبینڈ ہیں اور میں ان کے ساتھ پکنک پر جانا چاہوں گی تا کہ پکنک انجوائے کرسکوں"۔

"آپ اکیلے ہمارے ساتھ جائیں گی تو پکنک انجوائے نہیں کرسکتیں، اور فیصل بھیا مجھ سے زیادہ اہم ہوگئے؟"

"تم سے زیادہ میرے لیے کوئی اہم ہو ہی نہیں سکتا، بٹ تم، تم ہو اور فیصل، فیصل ہیں، نہ تم فیصل کی جگہ لے سکتی ہو اور نہ ہی وہ تمہاری"۔

"میں فون رکھ رہی ہوں، آپ سے مجھے بات نہیں کرنی، فیصل بھیا، فیصل بھیا، کوئی اور بات نہیں کرسکتیں، صاف بتا دیں کہ آپ چل رہی ہیں یا نہیں؟"

"حنین، اچھا ٹھیک ہے"۔

"ہاں، یا نہیں؟ مجھے دوسری کوئی بات نہیں سننی"۔

"تم لوگ جاؤ گے کب تک؟"

"ابھی شاید 4 بج رہے ہیں، 6 بجے تک جائیں گے، کیونکہ ہم لوگوں کا لیٹ نائٹ تک آنے کا ارادہ ہے"۔

"جا کہاں رہے ہو؟"

"سی ویو جائیں گے، میکڈونلڈ سے زبردست ساڈنر کریں گے، اور خوب مستی اور شور بھی، ممی کو ساتھ نہیں لے جائیں گے، اسی لیے تو شازمین بجو سے میں نے پوچھا نہیں، وہ مجھے ممی کی کاربن کاپی لگتی ہیں"۔ وہ اس کے پوچھنے پر خوش ہوگئی تھی کیونکہ اسے لگا تھا کہ وہ چل رہی ہے۔

"بری بات حنین!"

"سوری آپی! فون رکھتی ہوں، آپ جلدی سے آجایئے، میں فون کر کے شازمین بجو کو بھی اپنے پروگرام میں شامل کرلیتی ہوں، خدا حافظ!" اس نے زرمین کی سنے بغیر جلدی جلدی کہہ کر لائن ڈسکنیکٹ کردی۔

"او مائی گاڈ! یہ حنین کی بچی بھی ناں، سمجھ رہی ہے میں ساتھ جارہی ہوں، اب فون کر کے منع کروں گی تو ہرٹ بھی ہوگی اور مجھ سے ناراض بھی، ایسا کرتی ہوں فیصل سے پوچھ لیتی ہوں، انہوں نے منع کیا تو پھر کچھ سوچوں گی کہ حنین کو کیسے ہینڈل کرنا ہے"۔ وہ باآواز خود سے باتیں کرتی فیصل کا نمبر ملانے لگی، وہ اب تک کمرے میں اس کی موجودگی سے لاعلم تھی اور فیصل کا سیل وائبریشن پر تھا، اس لیے بیل کی آواز سنائی نہیں دی تھی، اس نے سیل کان سے لگالیا، زرمین نے سلام

کر کے خیر خیریت دریافت کی اور اصل موضوع پر آ گئی۔

''فیصل! کچھ دیر پہلے حنین کا فون آیا تھا وہ لوگ پکنک پر جا رہے ہیں، اگر آپ کہیں تو میں ان کے ساتھ چلی جاؤں، کیونکہ میری باتوں سے حنین سمجھی کہ میں راضی ہو گئی ہوں اور اب منع کروں گی تو وہ خفا ہو گی''۔

''زرمین! تم حنین کو منع کر دو، تم پکنک پر نہیں جا رہی ہو''۔

''آپ... آپ کب آئے؟'' آواز سے اسے محسوس ہوا کہ بہت قریب سے آ رہی ہے، پلٹی اور اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''میں جب آیا تھا جب تم فون پر حنین کے ساتھ بزی تھیں''۔

''آئی ایم سوری، مجھے پتہ ہی نہیں چلا، پانی لاؤں آپ کے لیے؟''

''پانی کی ضرورت نہیں ہے اور چائے کے لیے میں سحرش سے کہہ چکا ہوں، تم یہ بتاؤ کہ کہہ کیا رہی تھیں؟'' تو اس نے حنین سے فون پر ہوئی بات دہرا دی۔

''تم ان لوگوں کے ساتھ چلی جاؤ''۔

''میں جا کر کیا کروں گا، اور ویسے بھی کچھ تھک گیا ہوں''۔

''آپ نہیں جا رہے تو میں منع کر دوں گی، آپ کے بغیر میں بھی جا کر کیا کروں گی، اور میں بھی تو صرف حنین کی وجہ سے ہی جانا چاہ رہی ہوں''۔

''تم حنین کو ناراض نہیں کر سکتیں زرمین! اور میں تمہیں بھی ناراض کرنا نہیں چاہوں گا''۔ وہ بڑی گہری نظروں سے اس کے تیکھے نین نقش دیکھ رہا تھا اور آج پہلی بار زرمین کے دل نے ایک ہارٹ بیٹ مس کی تھی۔

''تم تیار ہو جاؤ، میں کچھ دیر آرام کر لوں، اور ہاں! تم فون کر کے جگہ صحیح سے پوچھ لینا، ہم خود سے چلے جائیں گے، ورنہ لمبا چکر پڑے گا''۔ وہ اس کے سرخ ہو جانے والے چہرے سے نگاہ ہٹاتا بیڈ پر دراز ہوتا کہہ رہا تھا اور وہ ایک نگاہ اس پر ڈالتی اس کے کہے پر عمل کرنے لگی تھی، اس نے سحرش کو راضی کر لیا تھا، ہمیرا سے بھی پوچھا تھا مگر اس نے منع کر دیا تھا، کیونکہ وہ آج صبح ہی اپنے فادر کے ہاں گئی تھی اور فیصل اس وقت آفس میں تھا، فیصل تو سائیٹ پر گیا ہوا تھا کام ختم کر کے وہ گھر آ گیا تھا، اس لیے وہ ان کے پروگرام کا حصہ بن گیا تھا، جاتے ہوئے فیصل نے شازمین کو بھی پک کر لیا تھا کیونکہ اگر راحم اسے پک کرتا تو لمبا چکر پڑتا، کیونکہ ان کے گھر سے ''کاشانہ عالم'' بہ نسبت فیصل لوگوں کے گھر کے کچھ دور تھا، نوجوان پارٹی نے بڑوں کو بھی شامل کرنا چاہا تھا، مگر وہ پہلو بچا گئے تھے، اس لیے یہ ساتوں ہی سی ویو چلے آئے تھے اور انجوائے کر رہے تھے۔

☆..........☆..........☆

''کنعان یار! بتا ناں بات کیا ہے جو تُو اتنا ڈسٹرب ہے؟''

''فیصل! مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں تجھ سے کیسے کہوں؟''

''سوچ نہیں اور جو دل میں ہے کہہ دے، کل تُو کس قدر اپ سیٹ لگ رہا تھا، اتنا فرسٹریٹ کبھی میں نے تجھے نہیں دیکھا، اسی لیے میں نے تجھے نہ چاہتے ہوئے بھی صرف تیرے خیال سے تجھے جانے کی اجازت دی، مگر تجھے نوید انکل اور ڈیڈی کی وجہ سے رکنا پڑا، اور میں محسوس کر سکتا تھا کہ تُو کتنا اپ سیٹ تھا، مگر کیوں، یہ سمجھ نہیں پایا تھا، پلیز! کہہ دے جو

تیرے دل میں ہے اور تجھے پریشان کر رہا ہے''۔ کل کے کنعان کے رویے کی وجہ سے وہ آفس سے گھر آیا تھا اور چینج کر کے اس سے کونٹیکٹ کیا تھا اور اس کے کہنے پر کنعان نے اسے گھر سے پک کر لیا تھا اور وہ سی ویو آ گئے تھے، یہاں وہ اکثر آ جاتے تھے اور آج بھی اپنی مخصوص جگہ پر اونچے سے پتھروں پر قدرے پرسکون جگہ پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

''فیصل! میں تجھ سے سب شیئر تو کر لوں، مگر مجھے تیری ناراضی کی پرواہ ہے، میں تجھے ناراض کرنا نہیں چاہتا، اور مجھے لگتا ہے کہ تُو میری بات سن کر مجھ پر ضرور خفا ہو گا، اور تُو میرا واحد بہترین ایسا دوست ہے جسے میں کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا''۔ ماہ کنعان اس سے نظر چرائے کہہ رہا تھا۔

''کنعان! میں نے تجھ پر خود سے زیادہ بھروسہ کیا ہے، اور مجھے یقین ہے کہ تُو غلط کر ہی نہیں سکتا، مگر تُو انسان ہے ناں تو غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں، اگر کچھ غلط کر بیٹھا ہے تو کہہ دے مجھ سے، میری دوستی میں اتنا ظرف ہے کہ میں تیری غلطی کیا گناہ بھی نظر انداز کر سکتا ہوں، اور تُو اتنا یقین اپنے ساتھ ضرور رکھنا کنعان! کہ میں خود سے ناراض ہو سکتا ہوں، مگر تجھ سے نہیں۔ ہم نے زندگی کا بہت سا وقت ساتھ گزارا ہے، ہم دونوں تو ایک دوسرے کے لیے مانند کھلی کتاب ہیں تو پھر مجھ سے کیسا پردہ؟''

''میں پردہ رکھنا نہیں چاہتا، بس مجھے لگتا ہے کہ میں نے کچھ غلط کیا ہے''۔

''غلطی سدھاری جا سکتی ہے''۔

''کہی ہوئی بات اور کیا ہوا عمل کبھی لوٹایا نہیں جا سکتا فیصل!''

''آئندہ کے لیے بچا تو جا سکتا ہے؟''

''وہی تو مجھ سے نہیں ہو رہا، مجھے نجانے کیا ہو گیا ہے فیصل! کہ میں اپنے معیار سے ہی گر گیا ہوں''۔ اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا تھا اور وہ کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے بولا تھا۔

''کسی لڑکی کا چکر ہے؟ کیا تجھے کسی سے محبت ہو گئی ہے؟''

''ہاں، لیکن محبت کی مجھے خبر نہیں ہے، اس نے مجھے بہت بے بس کر دیا ہے، اتنا فیصل! کہ لڑکیوں کو اہمیت نہ دینے والا ایک فاصلہ رکھ کر ملنے والا کنعان لمحوں میں فاصلے مٹا دینا چاہتا تھا، کیا تُو یہ سوچ سکتا ہے کبھی فیصل! کہ میں کسی لڑکی کو بازو سے تھام کر اپنے نزدیک کروں گا، اتنا کہ اس کی دھڑکن صاف سن سکوں، اس کے گداز لبوں کو چھو کر گردن چوم لوں، اس کے بالوں کی نرماہٹ پوروں پر محسوس کروں، اس کے حسن کی تعریف کروں؟'' وہ نگاہ جھکائے بول رہا تھا اور وہ تو حیران ہی ہوتا جا رہا تھا، کیونکہ ان دونوں کی ہی کوئی گرل فرینڈ نہیں تھی، کلاس فیلوز سے ہائے ہیلو ضرور تھی، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

''تُو مجھے کھل کر ساری بات بتا، اس طرح مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا، اور یہ لڑکی ہے کون، اور تجھے ملی کہاں؟''

''تیری مہندی میں فرسٹ ٹائم اچانک ٹکرا گیا تھا، اور اس پر نظر کیا پڑی، ہٹنے سے ہی انکاری ہو گئی، میں نے لڑکیوں کو کبھی غور سے نہیں دیکھا، دیکھا بھی تو اہمیت نہ دی، مگر وہ چہرہ اہمیت منوانا جانتا تھا شاید، اور مجھے اپنے سحر میں جکڑ گیا''۔ وہ اس لمحے کے سحر میں کھونے لگا۔

''اس کی آنکھیں، ہونٹ، مژگاں اور اس پر جگمگاتا روشن سیاہ تل، میں کس کس کی بات کروں، اس لمحے میں اپنا وجود

بھول گیا تھا، یاد تھا تو اس کا پیشانی مسلنا، پلکوں پر موتیوں کا آ ٹکنا اور جلتے احمریں لب، میں اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا، کسی پکار پر سحر ٹوٹا تھا اور میں سمجھا تھا کہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا، یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سحر تو مجھ پر طاری ہونے کو ہے، وہ لڑکی ڈالتی، آگے پیچھے جاتی، دھیمے دھیمے مسکاتی اپنی لہراتی چوٹی اور نین کٹوروں میں میرا دل پیوست کر گئی، اس کی ہنسی نے دل میں جلترنگ بجادی، اس لمحے احساس ہوا کہ سینے میں میرے بھی دل تھا جو اس ساحرہ کی آنکھوں، لبوں، لہراتی چوٹی یا اس کے جوبن میں اٹک گیا، اس کا ہاتھ میرے سینے سے ٹکرایا تو عجیب سا سحر مجھ پر طاری ہو گیا، اس کی چھوَن، اس کا لمس، قرب کی خواہش جگا گیا، اور جب وہ پیچھے ہوتے ہوئے مجھ سے ٹکراتے ہوئے بچی تو اس کی بھوری آنکھوں میں مچلتے آنسو ہونٹوں سے چن لینے کی خواہش دل میں در آئی، وہ پلٹی تو اس کے سیاہ ریشمی بالوں کی نرماہٹ محسوس کرنے کی حسرت انگلیوں میں مچلنے لگی، اس نے جب خوبصورت ہاتھ پیروں کی بات کی تو خود اپنے ہاتھوں کو مسکراتے ہوئے دیکھا کہ کتنے ہی لوگوں نے میرے ہاتھ پیروں کی تعریف کی تھی، جسے اہمیت ہی نہیں دی تھی، اس وقت وہ اہمیت کے حامل لگنے لگے، اسے جانے سے روکنے کے لیے آواز دے سکتا تھا، مگر نجانے کیوں اس کا بازو تھام لیا، وہ جھٹکے سے آزاد کراتی نجانے کیا کچھ کہنے لگی، میں تو بس اس کے ہلتے لب دیکھ رہا تھا۔ میری نگاہ تو اس کی آنکھوں پر تھی، گردن پر جگمگاتے تل پر تھی، بولنے کے ساتھ اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا اور میں نے اس کے لبوں پر انگلی رکھ دی، کتنی حیرانگی در آئی تھی ان بھوری آنکھوں میں، اور وہ وہاں سے بھاگنے کو تھی کہ میں نے اسے بازو سے تھام کر اپنی طرف ایسے کھینچا تھا کہ اس کی پشت میرے سینے سے آ لگی تھی، اس کے بال مجھے چھو رہے تھے، میرے چہرے پر اپنا حصار باندھ رہے تھے اور میں نے انہیں نرمی سے ایک سائیڈ پر کیا تھا، اس کی دودھیا گلابی صراحی دار گردن اور اس پر چمکتا سیاہ تل میری نگاہوں میں آ گیا تھا اور جس پر میں نے اپنے لب رکھ دیئے تھے، وہ مچل کر میرا حصار توڑ کر نکلی تھی، اس کے چہرے کا رنگ اناری ہو چلا تھا، اور بھوری آنکھوں میں آنسوؤں کی آمیزش کے ساتھ حیرانگی، خوف، بے چینی و بے یقینی کیا کچھ نہیں لکھا تھا، اس کا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا اور ہونٹ کپکپا رہے تھے، وہ تو سحرش کے آجانے کی وجہ سے میں اس سے کچھ کہہ نہ سکا، وگرنہ کم از کم جس مقصد سے روکا تھا یعنی سوری تو کر لیتا، میں وہاں سے ہٹ گیا تھا اور واش روم میں کوٹ پر گری کولڈ ڈرنک صاف کرنے گیا تھا کہ وہ وہاں چلی آئی تھی، مجھے دیکھ کر بھونچکارہ گئی تھی، وہ غلطی سے جینٹس واش روم میں چلی آئی تھی اور مجھے دیکھ کر چیخنا چاہتی تھی جسے میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر نا کام بنا دیا تھا اور اسے بڑی احتیاط سے وہاں سے نکالا تھا تا کہ اسے وہاں میرے ساتھ دیکھ کر لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع نہ مل سکے، ارحم نے جب مجھ سے اس سب کے بارے میں پوچھا تو مجھے ایک شرمندگی نے آ گھیرا تھا اور اسی لیے میں تمہارے ساتھ دعوت میں جانا نہیں چاہ رہا تھا، مگر اس خیال سے چلا گیا کہ میں اس سے ایکسکیوز کر لوں گا، مگر وہ میری موجودگی کی وجہ سے اپنوں کے درمیان آنے سے کترا رہی تھی اور یہ بات میری شرمندگی بڑھا گئی تھی، اسی لیے میں وہاں سے آجانا چاہتا تھا، اور جس وقت میں کپڑے واش کرنے گیا تھا میں جان کر نہیں غلطی سے اس کے ہی روم میں چلا گیا تھا، چاندنی میں دھلا اس کا نازک تراشیدہ پیکر بستر پر محو استراحت تھا، وہ مجھے اپنی جانب کھینچ رہی تھی، اس سے پہلے میں بہکتا کہ لمحوں میں اس کے کمرے سے نکل آیا تھا اور جس وقت وہ محفل کا حصہ بنی تھی، میں جان کر اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا، مگر جب مجھ سے سب نے اصرار کیا کہ اب میں ہی کوئی شعر سناؤں گا تو میری نگاہ اٹھی تھی اور اس کے مرمریں سے دودھیا گلابی نازک ہاتھوں پر ٹھہر گئی تھی اور میرے لب بے ساختہ ہی شعر پڑھنے لگے تھے (کاش میں تیرے حسیں ہاتھ کا کنگن ہوتا ’’تو بڑے چاؤ سے بڑے مان کے ساتھ‘ مجھے اپنی مرمریں کلائی میں پہنا کرتی) تو جانتا ہے فیصل! کہ شاعری سے مجھے کبھی بھی شغف نہیں رہا، میں نے تو کبھی پوری غزل بھی نہ پڑھی ہوگی، یہ نظم میں نے کب پڑھی اور مجھے کیسے یاد رہی، آئی ڈونٹ بلیوویں، میں خود اپنے آپ پر حیران ہوں کہ اس کی ایک جھلک نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا ہے، اس کا تصور کروں تو مجھے شرمندگی سی ہوتی ہے کہ میں نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ مگر میں خود کو بہت مجبور پاتا ہوں، اس کا چہرہ، اس کی آنکھیں، اس کے ہونٹ، اس کا ایک ایک انداز میرے دل اور آنکھوں میں ٹھہر سا گیا ہے، مجھے جو کبھی اپنے بارے میں یاد نہیں رہتا کہ میں نے صبح کیا کیا، کیا پہنا، کب ہنسا، مگر اس کے بارے میں بتا سکتا ہوں کہ پہلی ملاقات پر وہ کیا پہنے ہوئے تھی، کس بات پر اور کب ہنسی تھی، خفا ہوتی ہے تو اظہار کیسے کرتی ہے، روتے ہوئے کیسی لگتی ہے، آنسو کیسے پونچھتی ہے، ہوا سے چہرے پر بکھر آنے والی زلف کو کس طرح کان کے پیچھے اڑستی ہے، کوئی بات نہ کہنی ہو اور کہہ دے تو کیسے لب دانتوں تلے دبا جاتی ہے، میں کیا کیا بتاؤں فیصل! اور تُو کیا کیا سنے گا؟ مجھے تو اس نے پاگل کر دیا ہے، تُو ہی بتا فیصل! کہ یہ محبت ہے یا میں بھی عام مردوں کی طرح نفس کا غلام ہو چلا ہوں؟ مگر باخدا فیصل! اس کے بارے میں غلط انداز سے میں نے نہیں سوچا، میری آنکھوں میں اس کے لیے کچھ بھی کیوں نہ در آیا ہو، مگر غلاظت نہیں‘‘۔ اس نے لہروں پر نظر جمائے اپنی بات اسے بتائی تھی اور اپنی اچھی نیت کا یقین دلانے کے لیے اس کی طرف دیکھا تھا جو کچھ منجمد سا اسے سن رہا تھا، اس کی موجودگی میں اتنا سب کچھ ہو گیا تھا اور وہ لاعلم ہی رہا تھا۔

’’تم اب کیا چاہتے ہو؟ تمہاری نیت اگر صاف ہے تو تم نے کیا سوچا ہے، تم اسے اپنانا چاہتے ہو یا نہیں؟‘‘ خود کو سنبھالتے ہوئے بہت دیر بعد بولا تھا۔

’’یہ مجھے نہیں پتہ کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ جو ہوا میں تو وہ بھی نہیں چاہتا تھا، مگر سب کیسے ہو گیا، میں سمجھ نہیں پا رہا‘‘۔ اس کی بے یقینی کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی اور ایک بڑا سا سوالیہ نشان اس کے ذہن و دل سے چپک کر رہ گیا تھا اور جس کا جواب تو وہ گزرے دنوں میں نہیں پا سکا تھا، اب فیصل کوئی جواب دے دیتا تو اور بات تھی ورنہ اس نے تو کوشش کر دیکھی تھی۔

’’کنعان! تمہیں کچھ دن اپنا جائزہ لینا چاہیے، جو کچھ تم ابھی اس کے بارے میں فیل کر رہے ہو، یہ فیلنگ کتنا عرصہ رہتی ہیں، اس کے بعد ہی کوئی حل نکالا جا سکتا ہے، کیونکہ جو کچھ تم نے بتایا، یہ عوامل محبت کے بھی ہو سکتے ہیں اور اٹریکشن کے بھی، محبت کر بیٹھے ہو تو کوئی برائی نہیں ہے، مگر صرف اٹریکٹ ہوئے ہو تو تمہیں اپنے قدم پیچھے ہٹانا ہوں گے کیونکہ میں اس میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا، ہاں تم سیریس ہوئے تو مجھ سے جیسی بھی ہیلپ تمہیں درکار ہوگی وہ تمہیں ضرور ملے گی‘‘۔ فیصل نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تھا۔

’’یہی تو میں سمجھ نہیں پا رہا فیصل! کہ جو کچھ ہوا اس کے پیچھے کون سے جذبے چھپے تھے؟ میں نے کتنے ہی ممالک میں لٹے کیا ہے، ایک سے ایک حسین لڑکی میری نگاہ سے گزری، تنہائی کے بھی بے شمار مواقع آئے، مگر کبھی نہ میں نے کسی لڑکی کا ہاتھ تھاما، اور نہ ہی کسی کے آنسو پونچھ لینے کی خواہش جاگی، اور کہاں میں اتنا آگے بڑھ گیا‘‘۔ وہ خود اپنے جذبوں پر یا اپنی بے باکیوں پر بے یقینی کا شکار تھا۔

’’میں اسے جانتا نہ ہوتا ناں کنعان! تو شاید یہی کہہ دیتا کہ اس نے تجھے اپنے ناز و انداز سے وہ سب کرنے پر مجبور کیا ہوگا، مگر اس کی زندگی، اس کے طور طریقے، اس کا کردار سب ہی کچھ میرے سامنے ہے، تو میں تو اس پر کوئی الزام رکھ ہی

نہیں سکتا، قصور تو تیرے ہی نکلتے ہیں، تُو نے جذبوں کے حصار میں بہہ کر کیا یا اٹریکشن اتنی تھی کہ تُو خود کو روک نہ سکا، مگر جو ہونا تھا وہ ہوگیا ہے، اب تجھے خود کو روکنا ہوگا، صرف تیری ہی نہیں اس کی نیک نامی کا بھی سوال ہے، تُو تو مرد ہو کر بچ نکلے گا اور وہ.... فضول میں ماری جائے گی، اور سچ بات تو یہ ہے کنعان! کہ تُو نے جو کچھ مجھے بتایا صرف تیرا دوست ہو کر دیکھوں تو میں تجھے سمجھا سکتا ہوں، روک سکتا ہوں، تجھے جسٹی فائی بھی کر سکتا ہوں، مگر اس کے حوالے سے سوچوں تو مجھے تجھ پر غصہ بھی آئے گا اور سارے قصور مجھے تیرے ہی لگیں گے کیونکہ یہ بھی سچائی ہے کہ مجھے اس سب میں اس کا رول نظر نہیں آتا"۔

"تُو مجھے بتا نا میں کیا کروں، کیسے اس سے ایکسکیوز کروں؟"

"رہنے دے، اب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، خاموشی اختیار کر اور اپنے اوپر گہری نظر رکھ، تب ہی فیصلہ ہوگا کہ تُو کیا چاہتا ہے؟ اگر میں تجھ سے اور تیرے کردار سے واقف نہ ہوتا تو میں تجھے ضرور غلط ٹھہراتا، مگر ایسا میں چاہ کر بھی نہیں کر پا رہا، اسی لیے میرا مشورہ ہے کہ تُو اپنی فیلنگز کو سمجھنے کی کوشش کر، تُو ابھی سمجھ نہیں پا رہا، مگر حقیقت یہی ہے کہ تجھے اس سے محبت ہوگئی ہے"۔

"اگر بات یہی ہوئی تو؟" سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ابھی سے کچھ مت کہہ، اور نہ ہی مجھے زیادہ خیال آرائی کرنے دے، خود کو وقت دے، ہر چیز وقت کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہے، مگر یہ اٹریکشن ہوئی تو میرا اور تیرا کچھ نہیں جائے گا، اس معصوم کی زندگی خراب ہو جائے گی، اس لیے زیادہ مت سوچ، ریلیکس ہو جا، جو ہونا تھا ہوگیا، آگے بس کوشش کرنا کہ ایسی غلطی نہ ہو اور مجھے یقین ہے کہ تُو اب اپنی غلطی دہرائے گا نہیں"۔ فیصل نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور اس نے ایک لمبی سانس خارج کرتے ہوئے لب بھینچ کر کاندھے پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ یہ یقین دلانے کے لیے رکھ دیا تھا کہ وہ اس کا یقین ٹوٹنے نہیں دے گا۔

☆..........☆..........☆

"آپ نے مجھے کیوں روکا فضیل! میں اس شخص کی جان....!"

"اسٹاپ اٹ زرمین! کیا ہوگیا ہے تمہیں، یہ وقت اور جگہ ان باتوں کے لیے غیر مناسب ہے، کول ڈاؤن، تمہارے جا کر کچھ کہنے سے کچھ نہیں ہوگا"۔ وہ دونوں ٹہلتے ہوئے ان سب سے الگ ہوگئے تھے، چلتے چلتے تھک گئے تو وہ دونوں پتھروں پر ٹک گئے، اپنی باتیں کر رہے تھے کہ انہیں دھیمے دھیمے انداز میں کسی کے باتیں کرنے کی آواز آنے لگی تھی اور جب فضیل نے کہا تھا کہ یہ فیصل کی آواز ہے اور وہ دونوں وہاں سے اٹھے تھے، کچھ آگے بڑھے تھے کہ کنعان بولنا شروع ہو چکا تھا اور اس کی آواز اور باتیں سن کر وہ فضیل کا ہاتھ تھام گئی تھی اور اشارے سے چپ رہنے کو کہا تھا، اور جیسے جیسے وہ کنعان کی باتیں سن رہے تھے، فضیل متحیر جبکہ اس کو غصہ آنے لگا تھا اور وہ نہایت غصے میں بپھری اس کی جانب بڑھ رہی تھی کہ وہ اس کو روک گیا تھا، اور اسے بازو سے تھامے اس جگہ سے لے آیا تھا اور اب وہ اس سے الجھ رہی تھی۔

"کیسے کچھ نہیں ہوگا، میں اسے آئینہ دکھاؤں گی"۔

"ہوگا کیا اس سے؟ جو کچھ ہو چکا ہے وہ پلٹا نہیں جا سکتا"۔

"یہ کیا بات ہوئی فضیل! ہمیں اس سے جواب طلبی تو کرنی ہی چاہیے، اور یہ فیصل، یہ کتنے آرام سے وہ سب سن رہے تھے، اس نے جو بکواس کی وہ میری بہن کے لیے کی نا، اس لیے، وہاں سحرش بھی تو موجود تھی، اگر یہ سب اس نے سحرش

کے ساتھ کیا ہوتا تب بھی وہ اتنے ہی مطمئن ہوتے اور آپ بھی؟"

"فارگاڈ سیک، زرمین! اس سب میں سحرش کو کیوں بیچ میں لا رہی ہو؟"

"اس لیے تاکہ آپ سمجھ سکیں کہ جس شخص پر آپ کو اور آپ کے بھائی کو بہت یقین ہے وہ اس کے لائق نہیں ہے، نیلی فنکشن میں ہرایرے غیرے کو نہیں بلا لیتے"۔ اس کا پارہ تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، مگر وہاں حسنین اور شازمین کو آتے دیکھ وہ بات ادھوری چھوڑ گئی تھی۔

"زرمین آپی! ہم کب سے آپ کو ڈھونڈ رہے ہیں، کیا یہاں سے جانے کا ارادہ نہیں ہے؟" وہ سامنے آتے ہوئے بولی تھی۔

"ہم لوگ بس آ ہی رہے تھے"۔ زرمین کے بجائے فضیل نے کہا اور وہ ان کے ساتھ ہی آگے بڑھ گئے، اب ان لوگوں کا ارادہ میکڈونلڈ جانے کا تھا، مگر زرمین بری طرح ڈسٹرب ہو چکی تھی، وہ نہ ان لوگوں کے مذاق کا حصہ بنی تھی اور کھانا بھی برائے نام ہی کھایا تھا، اسے تو کنعان سے زیادہ فیصل پر غصہ آرہا تھا اور فضیل پر بھی، اس لیے اس نے فضیل سے گھر آ کر بھی کوئی بات نہیں کی تھی، اور اس نے بھی اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

☆..........☆..........☆

"فیصل! آپ مجھے معاف نہیں کر سکتے، میں شرمندہ ہوں آپ سے؟" وہ تین دن سے سمیرا سے بات نہیں کر رہا تھا، وہ اپنے ڈیڈی کے ہاں چلی گئی تھی، وہاں 2 دن رہی، اس نے ایک دفعہ بھی اسے فون تک نہیں کیا اور اسے لینے بھی نہیں گیا، اس کی طبیعت کچھ خراب تھی، اس لیے مہوش اسے ڈاکٹر کو دکھا کر گھر لے آئی تھیں جبکہ اس کی ناراضی ہنوز برقرار ہے۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اور بخار کی شدت سے سرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر وہ کچھ نرم لہجے میں پوچھنے لگا۔

"میں بالکل ٹھیک نہیں ہوں فیصل! آپ کی ناراضی کے خیال سے میں سو تک نہیں سکی، آئی ایم سوری! وہ بند یاد کھ کر میں نے بہت بُرا ری ایکٹ کیا تھا، آپ کو جانے کیا کچھ کہا، میں ویسا آپ کے بارے میں بالکل نہیں سوچتی، وہ تو بس میں اسے دیکھ کر ڈر گئی تھی، اس لیے وہ سب کہا، بٹ میں آپ سے شرمندہ ہوں"۔ وہ بیڈ پر اس کے پاؤں کے پاس بیٹھی رو تے ہوئے ہاتھ تھام گئی تھی۔

"تم نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے سمیرا! اتنی سی بات کو تم نے اتنا بڑھا دیا اور جب میں تم سے کہہ رہا تھا کہ جو بات کرنی ہے کمرے میں رہ کر کرو، تو تم کمرے سے کیوں نکلیں؟" اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی اور وہ اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

"آئندہ ایسا نہیں کروں گی فیصل! بٹ میں کیا کرتی، مجھے ایسی سچویشن کو ہینڈل کرنا نہیں آتا، میرا نقصان معمولی ہو یا بہت بڑا، میں تو دوڑ کر ڈیڈی کے پاس چلی جاتی تھی اور وہ ہر طرح کی سچویشن ہینڈل کر لیتے تھے، اس وقت بھی مجھے پہلا خیال ڈیڈی کا آیا تھا، میں سب ڈیڈی کو بتا کر آپ کو ڈی گریڈ کرنا نہیں چاہتی تھی، مجھے تو یہی لگا کہ میں ان کو بتاؤں گی تو وہ ہمیشہ کی طرح سچویشن ہینڈل کر لیں گے اور آپ نے بھی تو مجھے کچھ ٹھیک سے نہیں بتایا تھا، اگر آپ مجھے تسلی بخش جواب دے دیتے تو مجھے ڈیڈی کا خیال نہیں آتا"۔ وہ اپنی مجبوری کہے یا کمزوری، اسے بتا رہی تھی۔

"دیکھو سمیرا! تم مجھے سمجھنے کی کوشش کرو، اور سچویشن کو خود ہینڈل کرنا سیکھو، اور مجھے تم پر غصہ صرف اس لیے آیا کہ جب

میں نے کہا کہ وہ بندیا حنین کی ہے اور مجھے ملی تھی، مگر دینا مجھے یاد نہیں رہا تو تمہیں میری بات پر یقین کرنا چاہیے تھا، مگر تم نے میری بات جھٹلائی اور مجھے لگا کہ تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے، تم مجھ پر شک کر رہی ہو"۔

"میں آپ پر شک کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی"۔

"پھر وہ سب کیا تھا سمیرا!! اگر تم شک نہیں کر رہی تھیں تو تمہیں اگنور کر دینا چاہیے تھا، مگر تم نے بات بھابی تک پہنچادی"۔ وہ اپنے پیر سمیٹتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے قدرے برہمی سے بولا تھا۔

"آئی ایم سوری!" اس کا ہاتھ ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ نم زدہ لہجے میں بولی تھی۔

"تمہیں ابھی بہت تیز بخار ہے، ٹیبلٹس لے لی ہیں؟" وہ فکرمندی سے بولا تھا۔

"وہ سب چھوڑیں اور پہلے یہ بتائیں آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے ناں؟" اس کی ایک ہی رٹ تھی اور اس نے بایاں ہاتھ اس کے گال پر رکھا تھا جبکہ دایاں اس کے ہاتھ میں تھا۔

"میں تم سے ناراض نہیں تھا، مجھے تم نے ہرٹ کیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ اس بات کا تمہیں احساس ہو، تا کہ تم جذبات میں آئندہ ایسا کچھ نہ کرو، ہم میاں بیوی ہیں سمیرا!! اور ہماری آپسی محبت اور خفگیاں ہمارے تک ہی محدود ہونی چاہئیں، کیونکہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میری اور میری بیوی کی ذات وجہ موضوع بنے، میں ایک دم پرفیکٹ نہیں ہوں، مجھ میں بہت سی خامیاں ہیں، جو صرف مجھ کو پتہ ہیں یا اب تم ان کی واقف کار ہو، اور میں چاہتا ہوں کہ میری کوئی خامی تمہیں ایریٹیٹ کرے تو تم مجھ سے شیئر کرو، نہ کہ تم اس کا زمانے بھر میں اشتہار لگا دو، کیونکہ ہر انسان میں خوبیاں اور خامیاں دونوں ہی ہوتی ہیں، مگر اس کی ہر خوبی و خامی زمانے کے علم میں نہیں ہوتی، کچھ باتیں انسان کی ذات تک محدود رہتی ہیں، اور رہنی بھی چاہئیں کیونکہ جب انسان کھلی کتاب بن جاتے ہیں تو ان کی ذات اشتہار بن جاتی ہے، اور جس کو پڑھنا اور اپنا کمنٹس دینا لوگ اپنا فرض عین سمجھتے ہیں اور کوئی میری اور میری بیوی کی ذات میں ایک حد تک دلچسپی لے تو ٹھیک ہے، مگر حد سے تجاوز کرے تو مجھے یہ بات برداشت نہیں ہو سکتی، تم اور میں اب ایک ہیں، میری تعریف تمہاری تعریف، اور تمہاری برائی یعنی میری برائی، اور کوئی تمہیں کچھ کہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ کوئی مجھے کچھ کہہ رہا ہے اور ہم دونوں کو ہی اس سے بچنا ہے، اب ہم دونوں ہی ایک دوسرے کا راز بھی ہیں اور پردہ بھی۔ راز کو راز کس طرح رکھنا اور پردہ کس وقت سب کے سامنے کھولنا ہے، یہ ہم پر منحصر ہے، ہم کیوں لوگوں کو موقع دیں کہ وہ جب چاہیں ہماری ذات سے پردہ اٹھالیں اور جھانک کر ہم کو دیکھ لیں؟ اب اٹھو، جا کر منہ دھو کر آؤ، میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں"۔ اس نے اس کا گال تھپتھپایا تھا اور وہ اٹھ گئی تھی، جبکہ فیصل نے کتاب دوبارہ اٹھائی تھی تا کہ اس کے تیار ہونے تک وہ باقی صفحات پڑھ لے۔

☆..........☆..........☆

"تایا ابو! اب آپ مجھے گاڑی لے کر دیں گے، آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں نے انٹر میں پوزیشن لی تو آپ مجھے گاڑی دلا دیں گے اور میں نے تو پورے بورڈ میں فرسٹ پوزیشن لی ہے"۔ حنین نے ان کا وعدہ یاد دلاتے ہوئے فخریہ اپنا کارنامہ بیان کیا تھا۔

"تمہیں ڈرائیونگ کب آتی ہے؟"

"تائی جان! اس کے لیے میں ٹریننگ سینٹر جوائن کر لوں گی، آپ بتایئے تایا ابو! مجھے کار کب دلائیں گے؟" وہ ان کو

جواب دے کر واپس نوید عالم کی جانب گھوم گئی تھی۔

"جب تم کہو"۔ انہوں نے اس کی اتنی بڑی خوشی کو خراب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"تایا ابو! ابھی شوروم چلیں؟" وہ جوش سے بولی تھی۔

"اوہوں...... میں نہیں جا سکوں گا، تم امجد کے ساتھ چلی جانا"۔ انہوں نے نہ جانے کی معذرت کر لی۔

"تایا ابو! میں ارحم بھیا کے ساتھ چلی جاؤں؟" اس نے پوچھا تھا اور ان کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا، انہوں نے حامی بھر لی اور وہ ارحم کو فون کرنے دوڑی اور یہ اس کی خوش نصیبی ہی تھی کہ ارحم گھر پر ہی تھا اور بالکل فارغ بھی۔ اس لیے وہ فوراً ہی راضی ہو گیا اور کچھ ہی دیر میں ارحم نے اسے پک بھی کر لیا۔

"یو آر ویری لکی حنین! انٹر میں، میں نے سیکنڈ پوزیشن لی تھی، بٹ مجھے اتنا بڑا گفٹ کسی نے نہیں دیا، پاپا نے بھی نہیں"۔ وہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے بولا۔

"آپ نے سیکنڈ پوزیشن لی تھی ارحم بھیا! اور میں نے فرسٹ پوزیشن لی ہے"۔ اس نے فخر سے بتایا تو وہ مسکرا دیا۔

"اچھا تو فرسٹ پوزیشن ہولڈر مس حنین عالم! مجھ سے کیا گفٹ لیں گی؟"

"جو آپ دے دیں، گفٹ تو اپنی مرضی اور خوشی سے دیا جاتا ہے، تایا ابو نے بھی گاڑی دینے کا مجھے خود سے وعدہ کیا تھا"۔ وہ اس کی معلومات میں اضافہ کر رہی تھی۔

"تو تم نے صرف گاڑی لینے کی وجہ سے دن رات محنت کی تھی؟"

"جی نہیں، میں نے میٹرک میں بھی فرسٹ پوزیشن لی تھی، بس یہ کہہ سکتے ہیں کہ تایا ابو کے وعدے نے میرا مورال ہائی کر دیا تھا"۔ وہ بہت خوش تھی اور اس کی خوشی انداز و چہرے سے عیاں تھی، ارحم نے اسے کافی دن بعد اپنے اصلی روپ میں دیکھا تھا، وگرنہ وہ پورے 15 دن ان کے ہاں رہی تھی، مگر پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ حنین ان کے ہاں آئی ہوئی ہے، اس کا جوش اور ہنسی ماند سی تھی۔

"تمہارے پاس سیل فون نہیں ہے، اور اب تم یونیورسٹی میں ایڈمیشن لو گی تو اس کی ضرورت پڑے گی تو اس لیے میں تمہیں سیل فون گفٹ کر دیتا ہوں"۔ وہ بڑی مہارت سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے بولا تھا۔

"کیا...؟ سچ ارحم بھیا!" اس کے جوش سے پوچھنے پر اس نے محض سر ہلا کر مثبت جواب دیا تھا۔

"سیل فون میں اپنی پسند سے لوں گی"۔

"او کے، جو چاہو لے لینا، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تم کمپنی اور ماڈل جو چاہو لے سکتی ہو، فی الحال تو یہ بتاؤ گاڑی کون سی لینی ہے؟"

"کرولا لینی ہے، ماڈل واڈل کا مجھے پتہ نہیں، اسی طرح سیل فون مجھے آپ فلپ والا دلا دیجئے گا، ماڈل آپ خود دیکھ لیجئے گا"۔ اس نے اپنی پسند بتائی بھی تھی اور نہیں بھی، اور ساری ذمے داری اس پر ڈال دی تھی، جسے اس نے بڑی ہی خوش اسلوبی سے نبھایا تھا، اور اسی نے قابل اعتماد ڈرائیونگ انسٹیٹیوٹ میں اس کا ایڈمیشن کروا دیا، وہ اس سب سے بے حد خوش تھی۔

☆..........☆..........☆

''ابو! پلیز سمجھنے کی کوشش تو کریں''۔

''کیا سمجھنے کی کوشش کروں اسجد! میں اپنی بہن کو کھونا نہیں چاہتا، سمجھنے کی مجھے نہیں تمہیں ضرورت ہے''۔

''آپ پھپھو سے بات تو کر کے دیکھیں، میں مائدہ کو خوش نہیں رکھ پاؤں گا، میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں''۔

''شرم آنی چاہیے، باپ کے سامنے ایسی باتیں کرتے''۔ نوید عالم کے لہجے میں تختی تھی۔

''ابو! میں مائدہ سے شادی نہیں کر سکتا''۔ وہ بے بسی سے بولا تھا۔

''تمہاری شادی مائدہ سے ہی ہو گی اور اب میں کچھ نہیں سننا چاہتا''۔ انہوں نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

''ابو! میں نے آپ کے کہنے بلکہ مجبور کرنے پر مائدہ سے منگنی کی، شادی بھی کر لیتا، مگر وہ لڑکی جس سے میں نے محبت کی وہ میری محبت میں معذور ہو گئی ہے اور میں اسے بے سہارا نہیں چھوڑ سکتا، اسے میری ضرورت ہے ابو! مائدہ کو مجھ سے اچھے اور بہترین شخص کا ساتھ مل جائے گا، مگر یسریٰ..... وہ جو پہلے غربت کی چکی میں پس رہی تھی، اب زندگی کا دائرہ اس پر مزید تنگ ہو گیا ہے۔ ابو! وہ ایک یتیم لڑکی ہے، اس کا وجود اس کی خالہ کے لیے بوجھ بن گیا ہے اور اس کا ذمے دار کہیں نہ کہیں میں بھی ہوں''۔ اس کے انداز میں قدرے بے چارگی سی تھی۔

''تم کیسے ذمے دار ہو، اسے معذور تم نے بنایا ہے؟'' وہ چیخے تھے۔

''ہاں، اسے معذور میں نے بنایا ہے، اس کا ایکسیڈنٹ میری گاڑی سے ہوا، اور وہ چل نہیں سکتی، یہ معذوری چند سالوں کی ہے یا عمر بھر کی، مجھے نہیں پتہ، مگر اسے اپنانا میں اپنے انسانی فرض کے ساتھ محبت کا فرض بھی سمجھتا ہوں''۔ اسجد کے انداز میں سچائی اور اپنی کہی بات پر عمل کرنے کا عزم موجود تھا اور نوید عالم کے کہنے پر اس نے انہیں ایکسیڈنٹ کی روداد اپنے انداز میں کہہ سنائی تھی، جیسے ارحم کو اس نے نہیں بتایا تھا کہ یسریٰ اس کی گاڑی کے سامنے خود آئی تھی، یہ بات وہ باپ سے بھی چھپا گیا تھا، مگر ارحم اس بات سے اب تک ناواقف ہی تھا کہ اس لڑکی کو اسجد جانتا ہے، اس لیے ہی اس نے علاج پر پیسہ پانی کی طرح بہایا ہے، وہ شادی کی مصروفیات میں بھی پابندی سے ہاسپٹل جاتا رہا تھا اور 3 دن قبل اسے ڈاکٹرز نے یہ کہہ کر ڈسچارج کیا تھا کہ اسے بیڈ ریسٹ کی ضرورت ہے، مکمل احتیاط اور ورزش کے ساتھ کوشش سے وہ پھر سے اپنے پیروں پر چل سکتی تھی، مگر کب؟ یہ ابھی نہیں اس کی 2 سے 3 ماہ میں کنڈیشن دیکھنے کے بعد ہی بتانا پوسیبل تھا۔

''تم نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' استفسار کیا تھا۔

''میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اور اسی ٹینشن میں، میں گھر آیا تھا اور حنین کے بحث کرنے پر فرسٹریشن میں اس پر ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا''۔ اس نے کہتے ہوئے سانس خارج کی تھی۔

''اور پھر زرمین کی شادی اتنی ارجنٹلی فکسڈ ہوئی کہ میں نے آپ سے ذکر نہیں کیا، میں جتنا کر سکتا تھا ابو! میں نے کیا، ہر طرح سے اس کا علاج کروایا ہے، مگر وہ جو معذور ہوئی ہے تو صرف میری وجہ سے''۔

''تم اسے بہترین سے بہترین ڈاکٹر کو دکھاؤ، پیسے کی تم فکر مت کرو، مگر یہ خیال دل سے نکال دو کہ تمہاری اس سے شادی ہو گی، میں اسے مالی طور پر سپورٹ کروں گا، مگر جذباتی طور پر نہیں، کیونکہ اسے سپورٹ کرنے کا مطلب ہو گا، اپنی بہن سے بگاڑ پیدا کرنا''۔

''آپ پھپھو کو سچویشن بتائیں گے تو وہ ضرور میری مجبوری سمجھیں گی''۔

''فریدہ میری اکلوتی بہن ہے اسجد! اور میں بیٹے کی خاطر اسے نہیں چھوڑ سکتا، تمہاری شادی مائدہ سے ہی ہو گی اور اسی ماہ ہو گی''۔ انہوں نے گویا کوئی بم اس کی سماعتوں پر پھوڑا تھا۔

''لیکن ابو.....!'' اس نے کچھ کہنا چاہا تھا، مگر وہ اسے بولنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں اسجد! میں نے تمہارا مائدہ سے رشتہ جوڑا ہے اور تمہاری اس سے شادی بھی ہو گی، تم اپنی خوشی اور اس لڑکی کے مفاد کی خاطر اپنی بہن کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہو؟ کیا تم نے سوچا ہے کہ تم مائدہ سے شادی نہیں کرو گے تو ارحم، شازمین سے شادی کر لے گا؟'' وہ بیٹے سے سوال کر رہے تھے اور اس کے جواب دینے سے قبل خود ہی بولے تھے۔

''کبھی نہیں کرے گا، تمہاری وجہ سے نہ صرف رشتوں میں دراڑ آ جائے گی بلکہ میری بیٹی کا رشتہ بھی ٹوٹ جائے گا، کوئی ماں باپ ایسے نہیں ہوتے کہ بیٹی کو ذلیل کرنے والوں سے ہنس کر ملیں، فریدہ اور یوسف بھی ایسا نہیں کر پائیں گے اور اس سب کے ذمے دار صرف تم ہو گے، اور میں ایسا نہیں چاہتا۔ مائدہ سے شادی نہیں کرو گے تو میں تم سے ہر ایک تعلق ختم کر لوں گا، تمہیں عاق کر دوں گا، اپنی زندگی اور جائیداد سے۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے، اس لڑکی کا علاج کروانا ہے یا نہیں؟ اگر ہاں، تو مائدہ سے شادی کر لو''۔ نوید عالم نے نیچر سے برخلاف ایک سخت فیصلہ لیا تھا۔

''ٹھیک ہے، مائدہ سے میں شادی کر لوں گا، مگر اسے خوش نہ رکھ سکوں تو مجھے الزام مت دیجیے گا''۔ وہ ایک نظر باپ پر ڈالتا وہاں سے ہٹ گیا اور نوید عالم نے ارجنٹلی شادی کی تاریخ رکھ لی، اسی ماہ کی گیارہ کو اسجد اور مائدہ اور راحم اور شازمین کی شادی تھی، زرمین اور سمیرا کی طرح ان کی بھی شادی ایک ہی حال میں ایک ہی دن ہونی تھی، اسجد نے بالکل خاموشی اختیار کر لی تھی، مگر وہ یسریٰ سے اب بھی کونٹیکٹ میں تھا، اس نے یسریٰ کی دیکھ بھال کے لیے اس کے گھر میں ایک نرس رکھ چھوڑی تھی، اس نے یسریٰ کو لیکن اپنی شادی کے بارے میں نہیں بتایا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ جذبات میں آ کر دوبارہ کوئی غلط قدم اٹھائے، یسریٰ کی خالہ کو بھی اس نے ماہانہ 5 ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا، اس لیے وہ یسریٰ کو اپنے گھر میں رکھے ہوئے تھیں، وگرنہ اس کا وجود پہلے ہی ان کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا تو اسے وہیل چیئر پر بٹھا کر وہ ہرگز بھی سر آنکھوں پر نہیں بٹھا سکتی تھیں، مگر وہ ایک لالچی خاتون تھیں، جب گھر بیٹھے اتنا پیسہ مل رہا تھا تو وہ خاموشی اختیار کر گئیں، وگرنہ یسریٰ انہیں آج بھی ناپسند ہی تھی کہ بہن کے مرنے کے بعد اس کی بیٹی کی ذمے داری ان پر پڑ گئی تھی، جسے انہوں نے محض بوجھ سمجھ کر گھر میں رکھ لیا کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

☆..........☆..........☆

''او مائی گاڈ! یہ کیا ہو گیا مجھ سے''۔ حنین کو گاڑی سیکھے بہت زیادہ دن نہیں ہوئے تھے، مگر وہ آج کسی کو بھی بتائے بنا فرسٹ ٹائم اپنی گاڑی لے کر نکلی تھی اور تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے وہ سامنے سے آتے بچے کو دیکھ نہیں سکی تھی اور جیسے ہی نظر پڑی تھی بریک لگاتے لگاتے بھی اتنی دیر ہو گئی تھی کہ وہ بچہ زخمی حالت میں بے سدھ پڑا تھا، اس نے کار سے نکلتے ہوئے اس بچے کو ہلایا تھا، مگر خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا اور وہ دس گیارہ سال کا مانگنے والا بچہ بے ہوش تھا، لوگ جمع ہونے لگے تھے اور اس کی خوف کے مارے جان نکلنے لگی تھی۔

(جاری ہے.....)

☆..........☆..........☆

سعدیہ عابد

قسط نمبر 9۔

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

"یہ بچہ تو لگتا ہے مر گیا ہے"۔ کسی کے کہنے پر وہ ڈھک سے رہ گئی۔

"نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا ہے، پلیز اسے ہاسپٹل لے چلیں، ہو سکتا ہے یہ صرف بے ہوش ہو"۔ خوف سے آواز کانپنے

لگی تھی۔

"جان لے کر کہتی ہو کہ ہو سکتا ہے بے ہوش ہو، اندھوں کی طرح گاڑی کیوں چلا رہی تھیں؟" ایک عمر رسیدہ شخص نے غصے سے کہا تھا۔

"پولیس کو بلانا چاہیے ہمیں، یہ تو سیدھا سیدھا پولیس کیس ہے"۔ ایک اور آواز آئی تھی اور وہ کھڑے ہوتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ مختلف آوازیں ایک ساتھ اس کو روکنے کو بڑھی تھیں۔

"روکو اس کو، یہ تو بھاگ رہی ہے"۔

”نہیں، نہیں میں تو بس گاڑی سے اپنا فون لینے جارہی ہوں“۔

”یہ جھوٹ بول رہی ہے، کسی کی جان لے کر کتنی آسانی سے یہاں سے نکلنا چاہ رہی ہے“۔ کسی کو بھی سڑک پر پڑے بچے کی فکر نہ تھی، سب اس پر لعن طعن میں لگے ہوئے تھے اور وہ کچھ بھی کہہ رہی تھی تو وہ لوگ اس کی بات سنے بغیر کاٹے جارہے تھے، جبھی ایک جیپ آرکی تھی اور ایک باوردی آفیسر کے ساتھ دو سپاہی بھی اس بھیڑ میں جگہ بناتے اس تک آرکے۔

”یہ سب میں نے جان کر نہیں کیا سر! یہ بچہ اچانک ہی سامنے آگیا“۔ وہ روتے ہوئے صفائی میں بولی۔

”جا کر بچے کی نبض چیک کرو، زندہ بھی ہے یا نہیں؟“ آفیسر نے حوالدار سے کہا۔

”سر! بچے کی نبض رک رک کر چل رہی ہے، ہمیں اسے ہاسپٹل لے کر چلنا چاہیے“۔ آفیسر نے بچے کو پولیس جیپ میں ڈالنے کو کہا اور ساتھ ہی حنین کو بھی چلنے کو کہا۔

”پلیز مجھے صرف ایک کال کر لینے دیجیے“۔ لرزتے ہوئے منمنائی۔

”جو کرنا ہے وہ پولیس اسٹیشن جا کر کرنا تمہارے پاس تو مجھے لگتا ہے ڈرائیونگ لائسنس بھی نہیں ہوگا، امیر ماں باپ کی بگڑی ہوئی اولاد معلوم ہوتی ہو، مگر جیل کی ہوا کھاؤ گی تو سارا گھمنڈ نکل جائے گا“۔ ندیم ایک کرپٹ پولیس آفیسر تھا جو نہایت بھنور اصفت رکھتا تھا، وہ خوبصورت حنین کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لیتے ہوئے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا اور اس کی تو جیل کا نام سن کر ہی جان نکلنے لگی۔

”پلیز! آپ مجھے پولیس اسٹیشن نہ لے جائیں، وہ ارحم بھیا، میرے ارحم بھیا کو آپ جانتے ہوں گے، وہ ایس پی.....!“

”زیادہ بک بک نہ کرو، اور شرافت سے چلو، ورنہ ہمیں زبردستی کرنا پڑے گی“۔ وہ اس کی بات کاٹ کر درشت لہجے میں بولا اور جبھی ایک گاڑی کچھ دور جا کر ریورس ہو کر ان سے کچھ فاصلے پر آرکی اور ماہ کنعان ڈرائیونگ ڈور کھول کر بڑی پھرتی میں حنین تک پہنچا۔

”واٹ ہیپن حنین!“ اس کی نظریں روتی ہوئی حنین پر جمی تھیں اور وہ اس کو کیا بتاتی، اسے وہاں دیکھ کر اس کا خوف تو دوچند ہو گیا تھا، جسے محسوس کرتے ہوئے وہ پولیس آفیسر کی طرف گھوما۔

”آفیسر! کیا بات ہے؟ آپ نے انہیں کیوں روکا ہوا ہے؟“ اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے پوچھا تھا، اور وہ تو فوراً ہی مودب بن گیا تھا۔

”ایکسیڈنٹ... آئی مین ان کی گاڑی سے بچہ بری طرح زخمی ہو گیا ہے، بچے کا بچنا مشکل...!“

”آپ اسے فی الحال ہاسپٹل لے جائیں، باقی بعد میں دیکھ لیں گے“۔ ماہ کنعان نے کانپتی ہوئی حنین کو ایک نظر دیکھ کر آفیسر سے کہا اور اس کے لیے انکار کی گنجائش نہیں تھی کیونکہ ماہ کنعان کے فادر کا وہ منظور نظر تھا اور وہ ان کے لیے کتنے ہی غلط کام کر چکا تھا، تو یہ تو بہت ہی آسان کام تھا، وہ خاموشی سے ماہ کنعان سے ہاتھ ملاتا پولیس جیپ کی طرف بڑھ گیا، بھیڑ جو پولیس کو دیکھ کر ہی چھٹ گئی تھی، اکا دکا لوگ بھی پولیس جیپ کے ساتھ وہاں سے نکل گئے تھے اور سنسان سڑک پر صرف وہ دونوں ہی رہ گئے تھے۔

”حنین! آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں“۔ آواز پر اس نے نگاہ اٹھائی اور وہ تو جھیل سی آنکھوں میں ڈوبنے لگا تھا کہ وہ نگاہ جھکا گئی اور بڑی تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھی، ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے فرنٹ سیٹ پر پڑے سیل فون کو اٹھا کر اسجد کا نمبر ملایا تھا، مگر نمبر آف جارہا تھا تو اس نے ارحم کا نمبر ملایا تھا، جو بزی تھا، وہ نوید عالم کا نمبر ڈائل کر رہی تھی کہ چارج نہ ہونے کی وجہ سے موبائل آف ہو گیا، اب گاڑی چلانے کی اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، وہ اسٹیئرنگ پر سر ٹکائے بلکنے لگی، ماہ کنعان اس کے جانے کے انتظار میں کھڑا تھا، مگر گاڑی آگے بڑھتے نہ دیکھ کر اس کے قدم خود بخود اس کی طرف اٹھنے لگے، شیشے سے اس نے حنین کو اسٹیئرنگ پر سر رکھے دیکھ کر شیشے پر دستک دی تھی اور اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”میں تمہاری ہیلپ کر سکتا ہوں“۔ وہ ادھ کھلے شیشے سے جھانکتے ہوئے بولا۔

”نہیں مجھے آپ کی مدد نہیں چاہیے“۔ لہجے میں خوف کی آمیزش سی تھی اور وہ اسے دیکھنے لگا، جو آنسو صاف کرتی گاڑی اسٹارٹ کرنا چاہ رہی تھی، مگر ہاتھ پیروں میں واضح کپکپاہٹ سی اترتی اس کی اس کوشش کو ناکام بنانے لگی۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے جیب سے سیل فون نکالا۔

”میں ماہ کنعان بات کر رہا ہوں، فیصل سے بات کرائیے“۔

”فیصل تو شاور لے رہے ہیں، آتے ہیں تو میں آپ کی بات کراتی ہوں“۔

”بھابی! فیصل گھر میں ہیں تو میری اس سے بات کروا دیجیے، لیکن ذرا جلدی“۔ وہ بڑی عجلت میں سمیرا سے بولا اور وہ کمرے سے نکل کر فیصل کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ وہ اسے سیڑھیوں پر ہی مل گیا۔

”فیصل بھائی! اچھا ہوا کہ آپ مجھے یہیں مل گئے“۔

”کوئی کام تھا؟“

”نہیں... وہ کنعان بھائی کا فون ہے، وہ آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں“۔ کہتے ہوئے سیل فون اس کی طرف بڑھایا جسے وہ حیرت سے تھامتا کان سے لگا گیا۔

”ہیلو... کنعان! سب خیریت تو ہے، کیسے یاد کیا؟“ فیصل کے اتنا کہنے پر اس نے جلدی جلدی مختصراً اسے بات بتائی اور پہنچنے کا کہا۔

”کنعان! میں بس پہنچ رہا ہوں، بٹ اتنی دیر تم وہیں رہنا“۔ کہتے ہوئے لائن کاٹی۔

”فیصل! سب خیریت تو ہے؟“ زرمین ان کے سامنے آتے ہوئے پوچھ رہی تھی اور اس نے زرمین کو ساتھ چلنے کو کہہ دیا۔

”میرے ساتھ آؤ زرمین!“

”بات کیا ہے آخر؟“ وہ پریشان ہو گئی تھی۔

”راستے میں بتاتا ہوں، تم فی الحال جلدی سے آؤ“۔ سیل فون سمیرا کو دیتے ہوئے اسے ابھی آنے کا کہہ کر وہ پورچ کی طرف بڑھا اور اسی کے پیچھے حیران پریشان سی زرمین تھی۔

”کہاں چلی گئی تھیں؟“ آئینے کے سامنے کھڑے برش کرتے فیصل نے اندر آتی سمیرا سے پوچھا اور اس نے کنعان

کے فون سے فیصل کے زرمین کو لیے عجلت میں نکل جانے تک کا اسے بتا دیا۔

''ایسی کیا بات ہوسکتی ہے؟ ذرا فون دو مجھے، میں کنعان سے پوچھوں تو سہی''۔ پریشانی سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے سیل فون لے کر کنعان کا نمبر ملایا اور اس کے پوچھنے پر کنعان نے ساری تفصیل بتا دی۔

''کنعان! جب تک بھائی بھابی وہاں پہنچ نہ جائیں، تم وہیں رہنا''۔

''او کے جناب! اور کوئی حکم؟'' مودبانہ لہجے میں کہتے ہوئے گاڑی میں بیٹھی حنین کو دیکھا جو اب تک رو رہی تھی اور گاڑی اس سے اسٹارٹ ہی نہیں ہو رہی تھی، اس نے فیصل کی لائن ڈسکنیکٹ کی اور اس سے بولا۔

''یوڈونٹ وری، میں نے فیصل کو فون کر دیا ہے وہ اور بھابی آ رہے ہیں''۔ وہ قدرے جھک کر بولا تھا، اور اس کی گیلی پلکیں اٹھی تھیں اور سوالیہ انداز میں نگاہیں اس پر رک گئی تھیں۔

''آئی مین آپ کی زرمین آپی...!'' اس نے بھابی کی وضاحت کی تھی اور اس کی آنکھوں اور چہرے پر اطمینان چھلک آیا تھا، جسے وہ محض دیکھ کر ہی رہ گیا، کچھ ہی دیر میں وہ لوگ آ گئے تھے، زرمین بڑی تیزی سے فرنٹ ڈور کھول کر حنین کی گاڑی کی جانب بڑھی تھی، فیصل اسے راستے میں تفصیل بتا چکا تھا، حنین کی جیسے ہی اس پر نظر پڑی تھی، وہ ڈرائیونگ ڈور کھول کر گاڑی سے باہر آئی تھی اور زرمین کے سینے سے لگی بلک اٹھی تھی۔

''حنین! چپ کر جاؤ، ہم گھر چل رہے ہیں''۔ آنسوؤں کی وجہ سے چپک جانے والے چند بال اس کے چہرے سے ہٹاتے ہوئے وہ بولی تھی۔

''زرمین آپی! میں بہت ڈر گئی تھی، وہ بچہ میری گاڑی کے سامنے خود ہی آ گیا تھا، اور وہ انسپکٹر اور سب نے مجھ سے بہت تیز و گندے لہجے میں بات کی تھی، وہ مجھے پولیس اسٹیشن لے جا رہے تھے''۔ وہ ایک ہی سانس میں زرمین کو سب کچھ بتا دینا چاہتی تھی۔

''اب بس چپ کر جاؤ، ہم گھر چل کر بات کریں گے''۔ اسے ٹوک کر ہوا سے اڑنے والی اس کی دراز زلفیں کیچر میں صحیح سے جکڑی تھیں۔ کنعان جو فیصل سے ہاتھ ملا رہا تھا اس کی تمام توجہ وہ سمیٹ رہی تھی، مگر وہ جان کر انجان بن گیا، ورنہ اس کی اڑتی زلفیں کیسے کیسے طوفان اس کے دل میں مچا رہی تھیں یہ بس وہی جانتا تھا۔

''تھینکس مسٹر کنعان! کہ آپ نے میری حنین کی اتنی مدد کی''۔

''اٹس او کے بھابی!'' وہ مختصراً بولا اور وہ اسے لیے اپنی گاڑی کی طرف بڑھنے لگی تھیں کہ فیصل کے کچھ کہنے پر رک گئی۔

''حنین! کی گاڑی کو کیا ایسے ہی چھوڑ جائیں؟''

''ہاں، اور کوئی آپشن بھی تو نہیں ہے''۔

''آپ آرام سے بے فکر ہو کر جائیں، میرا ڈرائیور گاڑی آپ تک پہنچا دے گا''۔ ماہ کنعان کے مداخلت کرنے پر وہ دونوں خاموش ہو گئے اور فیصل اس سے مصافحہ کرتا گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

''آپ پریشان نہ ہوں، میں تمام صورت حال معلوم کر کے آپ کو انفارم کر دوں گا''۔ فیصل نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے زخمی ہو جانے والے بچے کی خیریت دریافت کی تھی، تب اس نے فیصل کو تسلی دی تھی۔

☆..........☆..........☆

''پلیز چچی! وہ پہلے ہی خوفزدہ ہے''۔

''زرمین! میں تو اس بچے کے بارے میں سوچ رہی ہوں، وہ نہ جانے کیسا ہوگا''۔ ان لوگوں کو کچھ ہی دیر بعد حنین کی غیر موجودگی کا پتہ چل گیا تھا، اس کے سیل پر کانٹیکٹ کیا تھا، مگر اس نے کال ریسیو نہیں کی تھی کیونکہ موبائل تو گاڑی میں تھا اور وہ سڑک پر لوگوں کے ہجوم میں پھنسی کھڑی تھی، زرمین اور فیصل کے ساتھ اسے دیکھ کر وہ حیران پریشان رہ گئے تھے، جب زرمین نے شازمین کو اسے کمرے میں لے جانے کو کہتے ہوئے ان لوگوں کو ساری تفصیل بتا دی تھی۔

''آنٹی! پریشان نہ ہوں، وہ بچہ بالکل ٹھیک ہے''۔ فیصل بولا تھا۔

''اور جو ہونے والی بات تھی وہ ہو گئی ہے، اس لیے بات کو طول دینے سے کیا حاصل ہوگا؟'' زرمین نے کہا تھا۔

''مجھے تو اس لڑکی نے پریشان کر کے رکھ دیا ہے''۔

''چچی! اب حنین بڑی ہو رہی ہے، وہ دوسری لڑکیوں کی طرح اپنی مرضی سے کچھ کرنا چاہتی ہے تو پلیز اسے کرنے دیجیے''۔

''لیکن زرمین! وہ اس طرح گاڑی لے کر نکل گئی، فیصل کا دوست وہاں نہ پہنچتا تو اسے پولیس اسٹیشن...!''

''جو ہوا نہیں، وہ سوچیے بھی مت، اور حنین نے اس طرح کیوں کیا یہ بھی سوچا ہوگا اس نے کہ آپ لوگ اسے کبھی گاڑی لے کر نکلنے کی اجازت نہیں دیں گے''۔

''تو ٹھیک ہے ناں، ہم اسے کیسے اجازت دے سکتے تھے؟ نہ اس کے پاس ڈرائیونگ لائسنس ہے اور نہ ہی اسے ابھی گاڑی چلانی آتی ہے، نوید نے اسے گاڑی اس لیے دلائی کہ اس کی خوشی ماند نہ پڑے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح بغیر بتائے گاڑی لے کر گھر سے نکل جائے''۔ راشدہ کو بھی اس کا یہ اقدام پسند نہیں آیا تھا۔

''امی! میں اسے سمجھاؤں گی، مگر آپ لوگ بھی اسے سمجھنے کی کوشش کریں، اسے اپنے فیصلوں کے مکمل نہیں تھوڑے تو اختیار سونپ دیں، ورنہ اسی طرح کی سچویشن رہی تو یہ معمولی معمولی سے اختلافات کہیں بغاوت کا روپ نہ دھار لیں کیونکہ حنین کی طبیعت میں جہاں بچپنا ابھی تک ہے وہیں ضد اور ہٹ دھرمی بچپن ہی سے موجود ہے''۔

''اس کی یہی نرم گرم فطرت تو میں ماں ہو کر نہیں سمجھ پاتی، کبھی تو اس کی حماقتوں پر سر پکڑتی ہوں تو کبھی اس کی من مانیوں پر سر پکڑ کر روتی ہوں''۔

''چچی! حنین کی طبیعت میں ضد ضرور ہے خودسری نہیں ہے، پیار اور محبت سے سمجھایا جاتا ہے تو سمجھ جاتی ہے''۔

''یہ بھی تم نے خوب کہی زرمین! کسی کی جان گئی اور اس کی ادا ٹھہری۔ میں ماں ہوں، جیسے مجھے میری بیٹی کی تکلیف رلاتی ہے مجھے احساس ہے کہ وہ ماں جس کے بچے کو حنین نے زخمی کیا ہے وہ کس قدر اپنے بچے کے لیے پریشان ہوگی''۔ ساجدہ کی پریشانی کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

''ساجدہ! اب جانے بھی دو، اور جا کر شکرانے کے نفل پڑھ لو''۔

''شکرانے کی نماز ادا کرنا تو میں بھی چاہتی ہوں کہ اللہ نے میری اولاد کو بہ حفاظت مجھ تک پہنچا دیا، مگر اس ماں کی تکلیف کا احساس مجھے روک رہا ہے، جسے میری بیٹی تکلیف دے کر آئی ہے''۔

''تم شکرانے کی نماز کے ساتھ ہی نماز حاجت ادا کر کے اس بچے کی صحت یابی کی دعا مانگ لینا، اٹھو شاباش! پریشان ہونے سے کچھ نہیں ہوگا''۔ وہ بہن کے کہنے پر آنسو دوپٹے میں جذب کرتیں اٹھ گئی تھیں۔

☆..........☆..........☆

''ممی! آئی ایم سوری، بٹ میں آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گی''۔

''تم نے نہ صرف ہم سب گھر والوں کو پریشان کیا بلکہ تم نے کسی اور کو بھی تکلیف پہنچائی ہے''۔

''ممی! میں بہت شرمندہ ہوں، میں نے سوچا تھا آپ سے پوچھوں گی تو آپ منع کر دیں گی، اس لیے میں اس وقت گاڑی لے کر نکلی جب آپ سب سو رہے تھے، لیکن ممی! اس ایکسیڈنٹ میں میری غلطی نہیں تھی، وہ بچہ بہت اچانک میری گاڑی کے سامنے آ گیا تھا، میں نے بریک لگانے کی پوری کوشش کی تھی، مگر بچے کو اپنی گاڑی کے سامنے دیکھتے ہی میں خوفزدہ ہو گئی تھی اسی لیے وہ سب ہوا''۔ وہ ماں کے سامنے شرمندہ سی بیٹھی تھی۔

''مگر آپ پریشان نہ ہوں زرمین آپی بتا رہی تھیں کہ وہ بچہ بالکل ٹھیک ہے، ورنہ اس کا سوچ کر تو مجھے رات بھر نیند ہی نہیں آئی تھی''۔

''اچھا اب اس قصے کو جانے دو، لیکن آئندہ ایسی کوئی حرکت کی ناں تو میں تمہاری بہت پٹائی کروں گی''۔ انہوں نے اپنی لاڈلی بیٹی کے ایک چپت لگائی تھی اور وہ ان کے کاندھے پر جھول گئی تھی۔

''پرامس ممی! اب بالکل آپ کو تنگ نہیں کروں گی''۔

''ہمیشہ یہی کہتی ہو، مگر عمل نہیں کرتیں''۔ وہ اپنی اکلوتی بیٹی سے زیادہ دیر ناراض رہ ہی کب سکتی تھیں۔

''سچی اب کروں گی، پکا پرامس!'' اس نے ہنستے ہوئے ماں کے گال پر بوسہ لیا تھا اور وہ بھی ہنس دی تھیں۔

☆..........☆..........☆

''اسجد! میں بہت بڑی مصیبت میں پھنسنے والی ہوں، پلیز مجھے آ کر بچا لیں''۔ اسجد کی میٹنگ چل رہی تھی، جس سے فارغ ہوتے ہی اس نے اپنا سیل فون اٹھایا تھا اور یسریٰ کی 20 سے 25 مسڈ کالز دیکھ کر اس نے متفکر ہوتے ہوئے اسے کال بیک کی تھی اور اس کا بھاری غمزدہ لہجہ اس کی فکر بڑھا گیا تھا۔

''یسریٰ! رونے کے بجائے مجھے صاف صاف بات بتاؤ''۔

''میرا آج شام نکاح ہے اسجد!'' اس کا انکشاف اسجد کی سماعتوں پر گویا کوئی دھماکہ کر گیا اور کچھ پل تو وہ کچھ کہہ ہی نہیں سکا، پھر خود کو سنبھال کر ایسی بات بولا کہ یسریٰ اپنی راہ بدل لے، مگر یسریٰ بھی اپنے عزائم کی پکی اور محبت کی سچی تھی کہ محبت پر جان وارنے پر ہر لحظہ تیار تھی۔

''تمہاری شادی جہاں ہو رہی ہو، وہیں کر لو''۔

''ایسی کوئی بات نہ کہیں اسجد! ورنہ میں مر جاؤں گی''۔

''ہر وقت مارنے مرنے پر کیوں تل جاتی ہو، مرنا تمہارے نزدیک اتنا ہی آسان ہے؟'' وہ جو اس کے انکشاف پر دکھی تھا یکدم غصے میں آ گیا۔

''میرے لیے زندگی آسان کب ثابت ہوئی جو موت آسانی سے مہربان ہو جاتی، مرنے چلی تھی میں آپ کی محبت میں، مگر صرف ٹانگیں گنوائی ہیں، مگر ایسا ہر بار تو نہیں ہوگا''۔

''تم جذبات میں آ کر کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گی''۔

''میں آپ کو پانے کے لیے سب کچھ کر سکتی ہوں، کسی کی جان لینا پڑے ناں تو وہ بھی کر سکتی ہوں، مگر میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتی، آپ چاہیں تو میری شادی روک سکتے ہیں، چاہیں تو مجھے اپنا بھی سکتے ہیں، مگر آپ ایسا کچھ کرنا ہی کب چاہتے ہیں؟''

''یسریٰ! تم مجھے غلط.....!''

''غلط میں آپ کو نہیں سمجھ رہی، آپ نے مجھے سمجھا تھا، مجھے وقت گزاری کا ذریعہ سمجھا''۔

''یسریٰ! ایسی بات نہیں ہے''۔

''یہی بات ہے، جب تک آپ کو بہتر لگا میرے ساتھ محبت کا ڈرامہ رچایا اور اب دل بھر گیا ہے تو اپنے والدین کے راضی نہ ہونے اور منگنی ہو جانے کی دہائیاں دے کر خود کو مجبور ظاہر کر رہے ہیں، مجبور آپ کب ہیں، مجبور تو میں آپ کی محبت میں اتنی ہو گئی کہ اپنے منہ سے خود کہا کہ آپ میرا رشتہ لے کر آئیں، تف ہے مجھ پر اور میری محبت پر، جس نے مجھے اتنا بے بس و کمزور کر دیا کہ میں اپنی ذات کا غرور آپ کے قدموں میں رکھ گئی''۔

''پلیز، یسریٰ! ایسی باتیں خدا کے لیے نہ کرو''۔

''آپ ہی بتایئے پھر میں کیا کروں؟'' الٹی سے سوال پوچھ بیٹھی تھی۔

''تم مجھے پوری بات تو بتاؤ کہ آخر تمہاری خالہ شادی کر کس سے رہی ہیں؟ ہو سکتا ہے وہی شخص تمہارے لیے پرفیکٹ ہو، میں تو ابو کو راضی تک نہیں کر سکا''۔ کہتے کہتے بے بسی و افسردگی اس پر طاری ہو گئی تھی۔

''اسجد! وہ 60 سال کا بڈھا میرے لیے پرفیکٹ لگتا ہے آپ کو؟ جس نے خالہ کو اتنا پیسہ دے دیا ہے کہ وہ لالچ میں آ کر میری اس سے شادی کر رہی ہیں، وہ مجھے شادی کے بعد علاج کے لیے باہر لے جائے گا، مگر میں ایسا کچھ نہیں چاہتی، اس بڈھے سے شادی کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ میں تاعمر ایسی ہی اپاہج رہوں، میرا آج شام اس سے نکاح ہے، مگر اس سے نکاح پڑھوانے سے کہیں بہتر یہ ہے کہ میں زہر کھا لوں''۔ اس کے لہجے میں قطعیت تھی جو اسجد کو ڈرا گئی کیونکہ وہ اس کا پاگل پن دیکھ چکا تھا۔

''تم کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کرو گی یسریٰ!''

''میں تنگ آ گئی ہوں اپنی زندگی سے''۔

''تمہاری زندگی صرف تمہاری نہیں ہے، مجھ سے محبت کرتی ہو ناں، تو اپنے ساتھ کچھ غلط نہیں کرو گی، میرا تم سے وعدہ ہے جو تم چاہو گی وہی ہوگا، میں تمہاری شادی تمہاری مرضی کے خلاف نہیں ہونے دوں گا''۔ اسجد نے دل کی سچائی سے کہا کیونکہ نوید عالم راضی ہو جاتے تو وہ کب کا اسے اپنی زندگی میں شامل کر چکا ہوتا، مگر باپ کی ضد کہیے یا حکم کے آگے وہ مجبور تھا اور اپنے دل اور یسریٰ کی ضد اور خوشی کے آگے بھی وہ مجبور ہو رہا تھا۔

☆..........☆..........☆

''آپ کس طرح اپنی بھانجی کی شادی ایک عمر رسیدہ شخص سے کر سکتی ہیں؟'' اسجد کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان کو کیسے روکے، جو اس کی کچھ سننا ہی نہیں چاہ رہی تھیں۔

''اس کے لیے پرستان سے کوئی شہزادہ نہیں آنے والا، یہ رشتہ ہی غنیمت ہے آج کل جہاں خوبصورت وخوب سیرت اور بے عیب لڑکیوں کے رشتے نہیں ہیں تو میں کہاں اپنی لنگڑی بھانجی کے لیے رشتے ڈھونڈتی پھروں گی؟'' عارفہ کا لہجہ تند وتخت تھا۔

''وہ صحت یاب ہوجائیں گی ڈاکٹرز پرامید ہیں، وہ پھر سے اپنے پیروں پر چلنے لگیں گی''۔ اسے ان کا یسریٰ کو منہ اٹھا کر لنگڑی کہہ دینا سخت برا لگا تھا۔

''ہوسکتا ہے، اور میں کہاں اتنی لینڈ لارڈ ہوں کہ اس کا علاج کرواسکوں، صابر صاحب، اس کا علاج بھی کروائیں گے، وہ بہت امیر اور پیسے والے ہیں''۔ عارفہ کی جیسے رال سی ٹپکنے لگی۔

''نکاح کے فوراً بعد اس نے 5 لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا ہے''۔ یہ رقم ہرگز بھی معمولی نہیں تھی، صابر ان کے شوہر کے دور پرے کے رشتے دار تھے، اور ایک دن اچانک ان کے ہاں چلے آئے تھے، صابر کی بیوی عرصہ پہلے مرگئی تھی، دونوں بیٹوں اور تینوں بیٹیوں کی وہ شادی کرچکے تھے اور فطرتاً رنگین مزاج تھے، ایک بیوی کو طلاق دے چکے تھے، جب یسریٰ کو دیکھا تو مانوں اس کے سادے حسن پر دل ہار بیٹھے، اکثر ان کے ہاں آنے لگے، جب آتے لدے پھندے ہی آتے، اس لیے عارفہ کو ان کی آمد کافی بھلی لگتی تھی اور اس دوران وہ یہ اندازہ لگا چکے تھے کہ یسریٰ کی اس گھر میں معمولی سی بھی اہمیت نہیں ہے، اس لیے بلا جھجک انہوں نے رشتہ ڈال دیا، مگر عارفہ کا بیٹا بھڑک اٹھا اور اس رشتے کی اس نے بے حد مخالفت کی، کیونکہ وہ یسریٰ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اس کی مخالفت پر نادر بھی حمایتی بن گئے، اس لیے عارفہ نے کچھ دنوں کے لیے خاموشی اختیار کرلی، کیونکہ وہ صابر سے اس عرصے میں کافی پیسہ وصول کرچکی تھیں، مگر جب یسریٰ کو تمام صورتحال پتہ چلی تو اس نے اسجد سے رابطہ کیا اور اس کے بتانے پر کہ اس کی منگنی ہوچکی ہے اور وہ اس سے شادی نہیں کرسکتا، وہ جو پہلے ہی حالات اور رشتوں کی ماری تھی ایک بڈھے سے شادی کرنے سے کہیں بہتر اس نے خودکشی کرنے کو سمجھا اور غصے وجذبات میں آکر اس نے انتہائی قدم اٹھالیا اور وہ بیساکھیوں کی محتاج ہوگئی، ناظر نے یہ دیکھتے ہوئے اپنے قدم پیچھے ہٹالیے اور جب صابر نے 5 لاکھ نقد دینے کا وعدہ کیا تو عارفہ کے ساتھ نادر اور ناظر بھی اس رشتے کے حامی ہوگئے اور یسریٰ کے لاکھ انکار کرنے کے باوجود ان لوگوں نے اس کا رشتہ صابر سے طے کردیا اور آج اس کا نکاح تھا۔

''علاج کی آپ فکر نہ کریں، اب تک میں نے علاج کروایا ہے، آگے بھی.....!''

''بہت مہربانی تمہاری، مگر اب تمہارا کام ختم ہوگیا، بہتر ہوگا تم ہمارے نجی معاملات میں دخل اندازی نہ کرو اور یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ''۔ عارفہ نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیرلی تھیں، ورنہ اس کے آگے بچھ بچھ جاتی تھیں، کیونکہ وہ انہیں اچھی خاصی رقم دے رہا تھا، وہ اس بات سے انجان تھیں کہ یسریٰ اور اسجد کا کوئی افیئر ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں کیونکہ ظاہر یہی کیا تھا اسجد نے کہ ایکسیڈنٹ اس کی غلطی سے ہوا تھا، جس کا وہ کفارہ ادا کررہا ہے اور بس۔

''مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ آپ کس طرح کے اس لڑکی کے اپنے ہیں، جو اسے جان کر کھائی میں دھکیل رہے ہیں''۔ اس کا ضبط جواب دینے لگا، مگر وہ ان سے کوئی بدتمیزی کرکے بات نہیں خراب کرنا چاہ رہا تھا، اس لیے ان کے بدتمیزی سے اکھڑ لہجے میں کہنے پر بھی رسانیت سے بولا۔

''ہم جیسے بھی ہوں، تمہیں کاہے کو اتنا درد اٹھ رہا ہے؟ شرافت سے یہاں سے چلے جاؤ، فضول میں تماشہ بنانے کی

ضرورت نہیں ہے، ہمارے مہمان آگئے ہیں، ان کے سامنے بکواس مت کرنا''۔ صابر صاحب کو دو ہم عمر دوستوں اور قاضی کے ساتھ شوہر کو اندر لاتے دیکھ کر وہ دبے دبے انداز میں غرائی تھیں۔

''مجھے آپ سے اکیلے میں کچھ بات کرنی ہے''۔ نکاح خواں کے ساتھ بیٹھے بلیک تھری پیس میں کافی زیادہ عمر کے صابر کو دیکھ کر وہ نادر کے پاس آرکا اور وہ بدنظمی پھیلنے کے ڈر سے وہاں سے اس کے ساتھ آگئے، اس نے ہر طرح سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ بیوی کی زبان بول رہا تھا۔

''اجی آپ کیا اس کے ساتھ بیٹھے باتیں بگھارتے رہوگے، وہاں صابر صاحب اور قاضی انتظار کررہے ہیں''۔ وہ بھی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی تھیں اور ایک زبردست گھوری اس پر ڈالی تھی، ہر کوشش ناکام ہوتے دیکھ کر اس نے ایک فیصلہ لیا تھا اور اس کی بات ان دونوں میاں بیوی کو ششدر کرگئی تھی۔

''ہوش میں تو ہو، کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں نے کوئی بہت مشکل بات تو نہیں کہہ دی جو آپ کو سمجھ نہیں آرہی، اس صابر نے آپ کو جتنا پیسہ دیا ہے میں دینے کو تیار ہوں، اس کے علاوہ بھی کوئی شرط ہے تو بتادیں، مجھے ماننے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا''۔ اسجد کا اطمینان قابل دید تھا اور وہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی شکل تک رہے تھے۔

''تمہیں آخر اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟'' عارفہ جو پہلے ہی حیران تھیں اب ان کا ماتھا بری طرح ٹھنک گیا۔

''میں ہمیشہ اپنے ضمیر کا مجرم بن کر نہیں رہنا چاہتا، اس لیے مجھے اس لڑکی سے ہمدردی ہے، اور آپ لوگوں کو اعتراض نہ ہو تو میں ابھی نکاح کرنے کو تیار ہوں''۔

''اور اگر ہم انکار کردیں؟'' نادر نے اس کی جانب دیکھا۔

''کوئی بات نہیں، میں تو ویسے ہی ازراہ مروت کررہا ہوں، اگر آپ انکار کردیں گے تو میں پھر پولیس کو بلاؤں گا''۔

''پولیس کو کیوں بلاؤ گے؟'' عارفہ چہک کر بولیں۔

''اس لیے کہ آپ لوگ ایک مجبور بے سہارا لڑکی کی شادی بغیر اس کی مرضی کے اس سے دوگنا بڑے شخص سے کررہے ہیں، اگر لڑکی راضی ہوتی تو اور کوئی بات تھی، مگر اب آپ لوگ اریسٹ بھی ہوسکتے ہیں''۔ اسجد نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا تھا اور ان دونوں کی گھگی سی بندھ گئی تھی، کیونکہ ایکسیڈنٹ کے بعد وہ لوگ جب ہاسپٹل گئے تھے، وہاں پولیس موجود تھی اور اسجد سے بہت اچھے طریقے سے پیش آرہی تھی، جس سے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ اس کی جان پہچان اوپر تک ہے، وہ لوگ تو یہی سمجھے تھے، جبکہ بات کوئی اور تھی، ارحم اس کا کزن اور اس کے ساتھ چند سپاہی تھے، پولیس کا نام سن کر وہ دونوں ڈھیلے پڑگئے تھے، انہیں تو پیسے سے مطلب تھا اور وہ پیسہ انہیں اسجد سے مل رہا تھا، اس لیے انہوں نے لمحوں میں جاکر صابر کو فارغ کردیا، صابر بھی اس کو راضی نہ تھا، بہت شور مچایا اور 2 لاکھ روپوں کا مطالبہ بھی کردیا، جو وہ گزرے 6 ماہ میں انہیں دے چکا تھا، اسجد نے مطلوبہ رقم کا چیک کاٹ کر ان کے حوالے کردیا، اس کے جاتے ہی نکاح خواں نے ان دونوں کا نکاح پڑھادیا اور 5 لاکھ کا چیک کاٹ کر ان کے حوالے کرتا دستاویزی طور پر اس بات کا وعدہ لیتا کہ وہ لوگ یسریٰ سے کبھی رابطہ نہیں رکھیں گے، اگر کوشش کی تو 7 لاکھ کی رقم انہیں یکمشت ادا کرنی ہوگی، وہ یسریٰ کو لیے ہمیشہ کے لیے اس آدھے کچے پکے مکان سے نکل آیا، گاڑی میں بیٹھتے ہی اس سے توقیر نے پوچھا۔

''کہاں چلنا ہے؟'' توقیر اس کا بچپن کا دوست تھا، جس کو اس نے ایڈریس سمجھا کر فوراً پہنچنے کو کہا تھا، یسریٰ سے اس کی ایجنٹ اسی کے آفس میں ہوئی تھی، کیونکہ یسریٰ اس کی سیکریٹری تھی وہاں دیکھا اور دونوں کو محبت ہوگئی اور اسجد کے کہنے پر ہی اس نے جاب چھوڑ دی تھی۔

''جانا تو گھر ہی چاہتا ہوں، مگر ابو نے سختی سے کہہ دیا ہے کہ میں نے کبھی ایسا قدم اٹھایا تو وہ مجھے عاق کر دیں گے اور تُو جانتا ہے ابو جتنے نرم ہیں اس سے کہیں زیادہ سخت ہیں، کبھی اپنی بات سے پھرتے نہیں ہیں، اور نکاح کا سن کر اگر پھوپھو نے قطع تعلقی کرلی تو ابو مجھے پھر تو کبھی معاف نہیں کریں گے''۔ وہ ساری بات اور مسئلے جان کر بھی ان مسئلوں میں خود کو صرف یسریٰ کی خاطر الجھا بیٹھا تھا کہ پوری دنیا میں ہزاروں لڑکیوں کو دیکھ کر صرف اسی کو اپنا بنانے کا خیال دل کی سرزمین پر محبت بن کر جگمگایا تھا اور وہ اس کو آزمائشوں کی نظر نہیں کرسکتا تھا جبکہ آزمائشیں تو اب بھی تھیں، مگر وہ مطمئن تھا، یہ سوچ کر کہ اس نے محبت کو رسوا نہیں ہونے دیا، جس وقت اس کی محبت کو اس کی ضرورت تھی، اس نے قدم پیچھے نہیں ہٹائے تھے۔

''دیکھ ایسی بات ہے نا تو تُو فی الحال بھابی کو گھر مت لے جا، اچانک جائے گا تو سب ہی کو صدمہ لگے گا، انکل راضی نہیں ہوئے تو آنٹی کو راضی کرنے کی کوشش کرنا''۔

''وہ سب ٹھیک ہے توقیر! مگر اس وقت یسریٰ کو کہاں لے جاؤں؟'' اس کا انداز پرسوچ تھا جبکہ وہ بیک سیٹ پر سر جھکائے آنسو بہا رہی تھی، وہ کب یہ سب چاہتی تھی، مگر اس نے 8 سال کی عمر سے ہی محرومیاں دیکھی تھیں، جب سے اسجد اس کی زندگی میں آیا تھا، مانو زندگی میں بہار آگئی تھی اور جسے وہ خزاں میں بدلنے نہیں دینا چاہتی تھی، اور اسجد کو وہ بھلا بھی نہیں پارہی تھی اس نے اسجد کو مجبور خودغرضی میں نہیں اپنے حالات اور دل سے ہو کر کیا اور وہ اس کے ساتھ فقیر تھی اس لیے ہر طرح کی اچھی و بری سچویشن سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار تھی، ان دونوں کی باتیں سن کر کچھ کہنا چاہتی تھی مگر پھر اس نے سوچا کہ اسجد خود فیصلہ کرے تا کہ وہ اس میں اس کا ساتھ دے سکے، اس لیے بڑی خاموشی سے بیٹھی نیر بہا رہی تھی، کیونکہ یہی ایک کام وہ بچپن سے بہت اچھے طریقے سے کرتی آئی تھی۔

''رہائش کا مسئلہ ہے تو میرا اپارٹمنٹ ہے، تم بھابی کو وہاں رکھ سکتے ہو''۔ توقیر نے دوستانہ انداز میں آفر کی تھی۔

''رہائش کا مسئلہ اتنا بڑا نہیں ہے توقیر! رہنے کے لیے جگہ تو کرائے پر بھی لی جاسکتی ہے، مگر میں یسریٰ کو اکیلے کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟'' اس نے اصل مسئلہ دوست کو بتایا۔

''اس کی تُو فکر نہ کر، بوا جی ہیں ناں''۔

''میں سمجھا نہیں توقیر!'' اس نے ڈرائیو کرتے توقیر کو دیکھا۔

''سب سمجھ آجائے گا، تُو فی الحال بھابی کو لے کر میرے اپارٹمنٹ پر چلا جا، میں کچھ دیر میں بوا جی کو لے کر آتا ہوں''۔ توقیر نے پوری بات بنا بتائے اسے اپنے اپارٹمنٹ کے سامنے اتار کر چابی دی اور خود وہیں سے پلٹ گیا اور وہ یسریٰ کو لیے اپارٹمنٹ کے اندرونی حصے کی جانب بڑھنے لگا۔

☆.........☆.........☆

''زبردست، آج کیسے دوست کی یاد آگئی؟'' وہ جوس کا ہاتھ اٹھتے ہوئے بولا۔

''مجھے تو آہی گئی، تجھے کون کی توفیق ہو جاتی ہے اور یہ بے نام کا سوتا کیوں منایا جا رہا تھا؟'' سنڈے کے دن فقط ...

نے سمیرا کو اس کے ڈیڈی کی طرف چھوڑا اور خود کشمان کی طرف نکل آیا اور شام کے ساڑھے 6 بجے اسے سوتے دیکھ کر کچھ حیرت سی ہوئی۔

''کچھ کرنے کو نہیں تھا، گھر میں بھی کوئی نہیں ہے، ٹی وی دیکھتے دیکھتے آنکھ لگ گئی، تُو سنا بھابی کیسی ہیں؟ ساتھ لے آتا''۔

''انکل آنٹی آجائیں تب لے آؤں گا، ویسے بھی ماموں جان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، اس لیے سمیرا اکثر وہیں ہوتی ہے، کتنی ہی دعوتیں ہم نے اسی وجہ سے کینسل کر دیں کہ سمیرا میکے میں ہوتی ہے، بس دعا کرو ماموں جان ٹھیک ہو جائیں''۔

''انکل کو بیماری کیا ہے؟''

''بلڈ کینسر... وہ بھی آخری اسٹیج پر ہے، ڈاکٹرز نے تو جواب دے دیا ہے، مگر کہتے ہیں ناں جب تک سانس ہے تب تک آس ہے، بس اب تو آس ہی رہ گئی ہے''۔ وہ دل گرفتہ ہوگیا اور اسے اس کیفیت سے نکالنے کو وہ بولا۔

''یار! تُو نے اب تک بتایا نہیں کہ تیری شادی ہوکیسے گئی؟''

''کیا مطلب کہ میری شادی کیسے ہوگئی؟'' اس نے ابرو چڑھائے تھے۔

''آئی مین سمیرا سے کیسے ہوگئی، جہاں تک مجھے یاد ہے یہ تمہاری وہی کزن ہے جس کی حرکتوں سے تم نالاں رہتے تھے''۔ وضاحت کرتے ہوئے بات بڑھائی تھی۔

''تمہاری یادداشت بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے اور سچائی بھی یہی ہے کہ مجھے سمیرا کی بچگانہ حرکتیں سخت اری ٹیٹ کرتی تھیں اور اسے لے کر میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا، مگر مامی جان کی وفات کے بعد ماموں جان سمیرا کے رشتے کو لے کر پریشان تھے، کیونکہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور وہ اپنی زندگی میں ہی اکلوتی بیٹی کی شادی کر دینا چاہتے تھے، جبکہ سمیرا اس وقت محض میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی، مگر ماموں جان کی فکر کو دیکھتے ہوئے مما نے سمیرا کو اپنی بہو بنانے کا ارادہ کیا، میں نے سمیرا سے شادی نہ کرنے کی مما سے بات کی تھی، لیکن جب فضیل بھائی نے کہا کہ وہ کسی اور سے محبت کرتے ہیں اور اسی سے شادی کریں گے تو میں نے مما اور ماموں جان کی خوشی کے لیے ہاں کردی، اور تُو تو ویسے بھی جانتا ہے کہ میری زندگی میں کوئی لڑکی دور دور تک نہیں ہے، اس لیے میں نے سمیرا سے شادی کی حامی بھر لی کیونکہ وہ ان میچورڈ تھی، مگر تو اسے ایسے نہیں رہنا تھا، اس میں ابھی بھی بچپنا ہے، دماغ سے کم جذباتی ہو کر دل سے زیادہ سوچتی ہے، مگر اپنی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ وہ جیسی بھی ہے میری بیوی ہے، میں اپنے فیصلے اور اقدام سے خوش ہوں''۔

''صرف خوش ہے یا تجھے بھابی سے محبت وحبت ہوگئی ہے؟'' اس کے سچائی سے کہنے پر کشمان شریر ہوا تھا۔

''پگلی یار! وہ بیوی ہے میری، مجھے اس سے محبت بھی ہے''۔

''بیوی سے ضروری نہیں ہے کہ محبت بھی ہو، لوگ ایسے ہی تو نہیں کہتے کہ میاں بیوی کا رشتہ محض ضرورت کا ہوتا ہے''۔ کشمان نے اس کی بات قطع کر کے سنی ہوئی بات کہی تھی۔

''لوگ کہتے ہیں تو ضرور اس میں سچائی ہوگی، لیکن میں اس سچائی کا حصہ نہیں ہوں، کیونکہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، سمیرا جب تک میری کزن تھی اس کے لیے میں نے اس انداز سے اپنے دل میں سوفٹ کارنر محسوس نہیں کیا تھا کیونکہ

میں شادی سے قبل کی محبت کا نہ قائل تھا اور نہ ہی ایسی واردات مجھ پر گزری، لیکن جس دن اس کے جملہ حقوق میرے نام ہوئے، میرے دل کی حالت بڑی ہی عجیب تھی اور جب سولہ سنگھار کیے میرے کمرے میں موجود اس وجود پر میری نگاہ پڑی تھی تو یقین کرنہ کر، مگر میرا دل اسی لمحے میرے سینے سے نکل کر اس کا ہو چلا تھا، مجھے لگا تھا کہ میں تو سمیرا کو کب سے چاہ رہا تھا، مگر اندازہ اب ہوا ہے، سمیرا کو میں اس لیے سوچتا ہوں کہ وہ میری بیوی ہے، اس کی پرواہ بھی اسی لیے کرتا ہوں کہ یہ اس کا حق ہے، مگر وہ میری ضرورت نہیں ہے، وہ میری محبت ہے، اور اس کا ثبوت اتنا ہی ہے کہ میں اس کی پرواہ دنیا دکھاوے کے لیے نہیں اپنے دل کی خوشی کے لیے کرتا ہوں، کیونکہ میں اس کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں، اگر وہ کوئی ضد کرتی ہے تو میں عام شوہروں کی طرح اسے جھڑکتا نہیں ہوں، اس کی ضد پوری کرنا میرے اختیار میں ہوتا ہے تو کرتا ہوں، ورنہ اسے پیار سے سمجھا لیتا ہوں، وہ میرے کام کرتی ہے تو مجھے اچھا لگتا ہے مگر میں اسے حکم نہیں دیتا کہ وہ میرے کام کرے، میں نے اس سے کبھی اپنے جوتے صاف کروائے تو دور اٹھوائے تک نہیں، شادی سے پہلے میرے موزے کون دھوتا تھا مجھے نہیں پتہ، مگر اب میں خود دھوتا ہوں، کیونکہ مجھے نہیں پسند کہ سمیرا میرے موزے دھوئے، میرے جوتوں کو ہاتھ لگائے، میں اس سے سر دبوا لیتا ہوں، مگر پاؤں کبھی نہیں دبوائے"۔

"یہ تیری اچھی نیچر ہے، کیا میں نے نہیں دیکھا کہ تُو انجان عورتوں کو دیکھ کر کیسے نظریں جھکا لیتا ہے، ان کا احترام کرتا ہے تو وہ تو پھر تیری بیوی ہے، جس مرد نے غیر عورتوں کو عزت دی ہو کیا وہ اپنی بیوی کو عزت نہیں دے گا؟ تُو نے جو کچھ کہا وہ تیری کیئرنگ فطرت اور اعلیٰ سوچ کا سبب ہے، میں نہیں سمجھتا کہ اس میں محبت کا ہاتھ ہے"۔ ماہ کنعان نے دھیرے دھیرے بولتے فیصل کی بات قطع کر کے اس کی نیچر کا درست تجزیہ کرتے ہوئے اپنا خیال بھی ظاہر کیا تھا۔

"تُو کہتا ہے تو شاید ایسا ہی ہو، یہ محبت نہیں اپنائیت ہو، مگر تجھے وہ دن یاد ہے جب میں تیرے آفس آیا تھا اور واپسی میں تیرے گھر چلا گیا تھا؟"

"ہاں، تیری چوتھی کی رسم تھی نا اس دن؟"

"رائٹ... اس دن تُو بار بار پوچھ رہا تھا کہ میں کچھ اپ سیٹ ہوں؟"

"اور تُو نے میرے لاکھ پوچھنے پر بھی کچھ نہیں بتایا تھا"۔

"اس دن میرے کپڑوں سے سمیرا کو وہی بندیا ملی تھی جو میری مہندی کی شب مجھے تیری شرٹ کے بٹن کے ساتھ اٹکی ملی تھی"۔

"او... تو تُو بھابی سے جھگڑا کر کے آیا تھا؟" اس کے کہنے پر فیصل نے تفصیل بتائی تھی۔

"مجھے اس دن سمیرا پر بے تحاشہ غصہ آیا تھا، مگر جس پل اس نے کہا کہ وہ میرے ساتھ نہیں رہے گی تو میرے دل کو کچھ ہوا تھا، ایسا کچھ کہ میں نے اپنی نیچر کے برخلاف اسے صفائی دینا چاہی تھی، اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ جب کمرے سے چلی گئی تو میں اس لیے اسے روکنے کو آگے نہیں بڑھا تھا کہ وہ اس بات کا ذکر سب سے کرے گی، مجھے یہ ڈر تھا کہ وہ چلی نہ جائے، اور جس وقت وہ کمرے میں آئی تھی اس کے متورم چہرے کو دیکھ کر دل میں آیا تھا کہ اس کی ساری اداسی دور کر دوں، مگر وہ اس طرح کا ری ایکٹ دوبارہ نہ کرے اس لیے میں گھر سے ناراضی کا اظہار کرتا نکل آیا تھا، مگر یہ خیال کہ وہ رو رہی ہوگی، مجھے لے کر پریشان ہوگی، مجھے بہت ڈسٹرب کر رہا تھا اور جس وقت میں تیرے ساتھ گھر پہنچا تھا وہ بھی سو رہی

میرے دل میں اتری جا رہی تھی، مگر میں نے جان کر اسے نظر انداز کیا، وہ مجھ سے ایکسکیوز کرنا چاہتی تھی، مگر اس کے ردعمل نے مجھے بے انتہا ہرٹ کیا تھا، اس لیے میں نے اس سے لاتعلقی اختیار کی، مگر اس کا رونا مجھے برداشت نہیں ہو رہا تھا، اس لیے میں نے اسے ماموں جان کے ہاں چھوڑ دیا، اسے بخار ہو گیا تھا، مگر میری اس دن بہت امپورٹنٹ میٹنگ تھی، اس لیے میں نے سما سے فون کر کے کہا کہ وہ سمیرا کو ڈاکٹر کے پاس لے جا کر گھر لے آئیں، اور جب وہ گھر آئی اس نے روتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہا تو میں نے اسے اس کی غلطیوں کا احساس نہیں دلایا، کیونکہ اس کی خطا تو میں معاف کر چکا تھا، ناراضی تھی مگر صرف اس لیے کہ اس نے میرے دل کو چوٹ پہنچائی تھی اور میں چاہتا تھا کہ جس کا اسے احساس ہو"۔

"چپ کر جا یار! مان گیا کہ تُو بھابی سے محبت کرتا ہے"۔ فیصل کافی نپا تلا بولنے کا عادی تھا، اور ایسا ہی کچھ ماہ کنعان کے ساتھ بھی تھا، دونوں اپنے سرکل میں خاموش طبیعت مشہور تھے، مگر دونوں جب اکیلے میں بات کرتے تو اپنی اپنی فیلنگز شیئر کرنے کے لیے بے تکان بولا کرتے تھے، اور اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا اور ماہ کنعان شرارت سے اسے ٹوک گیا اور اس نے چپ ہوتے ہوئے تکیہ اٹھا کر اسے کھینچ مارا۔

"بہت کمینہ انسان ہے تُو، مجھے تجھ سے اپنی فیلنگز شیئر کرنا ہی نہیں چاہیے تھیں"۔

"اچھا میں کمینہ ہوں اور تُو خود تو بہت بڑا اسادھو درویش ہے"۔ ماہ کنعان نے تپ کر کشن اسے مارا اور وہ ہنس دیا۔

"کچھ کھانے پینے کو ہی لے آ، کب سے آیا ہوا ہوں، ذرا جو تجھے میرا خیال ہو"۔ وہ آتشی کی چپل پہنتا ہوا کھڑا ہو گیا، تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی کچن میں آ گیا۔

"شادی کر لے اب تُو بھی، چائے تو کم از کم خود بنانا نہیں پڑے گی"۔ وہ سیب کھاتے ہوئے بولا۔

"بیویاں میکے بھی تو جاتی ہیں"۔ چائے کپوں میں نکالتے ہوئے اس نے فریج سے کیک نکال کر اس کے سامنے رکھا۔

"یہ تُو نے ٹھیک کہا، اور میری بیوی تو زیادہ دن میکے میں ہی رہتی ہے اور مزے کی بات یہ کہ کھانا بنانا تو دور اسے چائے بھی بنانی نہیں آتی"۔

"شاباش ہے بھئی! اس کے باوجود شادی کرنے کا مشورہ دے رہا ہے؟" کیک سے انصاف کرتے ہوئے اسے گھورا۔

"یار! صرف اس لیے کہ وہ کہتے ہیں ناں کہ شادی تو وہ لڈو ہے جو کھائے وہ بھی پچھتائے، اور جو نہ کھائے وہ بھی پچھتائے، اس لیے نہ کھا کر پچھتانے سے بہتر کھا کر پچھتانے میں ہے"۔ اس نے آنکھ ماری تھی۔

"شادی کے بعد تُو بڑا ہی کمینہ ہو گیا ہے"۔

"اتنی جلدی پہچان لینے کا بہت شکریہ"۔ گویا کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"ابھی کہیں جانے کا ارادہ ہے؟" اسے جانے کو پر تولتے دیکھ کر پوچھا۔

"ماموں جان کی طرف جاؤں گا، سمیرا کو لینے، مگر تُو کیوں پوچھ رہا ہے؟"

"ایسے ہی پوچھ لیا تھا، میں نے سوچا تھا کہ گھر جا رہا ہے تو دوستوں کی طرف نکل جاتے ہیں، سب تجھے یاد کر رہے تھے، شادی کے بعد تُو بڑا ہی مصروف ہو گیا ہے"۔

"ایسی بات نہیں ہے، بابر سے کل میری بھی ملاقات ہوئی تھی اور نعمان سے فون پر رابطہ ہے، آفس کے بعد اتنی تھکن

ہوجاتی ہے کہ کہیں جانے کو دل نہیں کرتا اور دعوتوں کا سلسلہ اور ماموں جان کی طبیعت، بس یہی کچھ وجوہات تھیں جو میں کہیں آ جا نہ سکا اور جب تیری شادی ہوگی تب پوچھوں گا کہ دوستوں کی محفلیں کتنی جمتی ہیں"۔

"تیری طرح محض بیوی کا ہو کر نہیں رہ جاؤں گا، اور میرا ویسے بھی ابھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے"۔

"لیکن جہاں تک میرا خیال ہے تجھے شادی کر لینی چاہیے"۔

"میرا کنوارہ پن تجھے زیادہ ہی نہیں کھٹک رہا؟"

"بات یہ نہیں ہے یہ ذرا ایک منٹ رک فون آ رہا ہے"۔ کچھ کہتے کہتے رکا تھا اور کال ریسو کر لی تھی۔

"فیصل! آپ مجھے کب تک لینے آئیں گے؟ ڈیڈی آپ کو یاد کر رہے ہیں"۔

"ابھی تو میں کنعان کی ہی طرف ہوں، 1 گھنٹے تک آتا ہوں"۔

"خیریت تو تھی؟"

"ہاں کھانے پر ماموں جان انتظار کریں گے، اس لیے سمیرا کہہ رہی تھی کہ میں کھانا وہیں کھاؤں"۔ سیل آف کر کے اسے دیکھا جبھی اسے کچھ یاد آیا۔

"کنعان! تو نے بتایا نہیں کہ تجھے حنین کیسے مل گئی تھی اور وہ بچہ اب کیسا ہے؟"

"وہ ساری تفصیل میں تجھے فون پر بتا چکا ہوں اور وہ بچہ اب بالکل ٹھیک ہے، بٹ یار! تمہاری بھابی کے گھر والے اتنے کیئرلیس کیسے ہو سکتے ہیں؟ بغیر لائسنس کے گاڑی لے کر اسے نکلنے کیسے دے دیا؟ اور مجھے تو لگتا ہے کہ اسے گاڑی چلانا ٹھیک سے آتی بھی نہیں ہے"۔

"ہاں ٹھیک کہا تو نے، مہینہ پہلے ہی تو انکل نوید نے اسے انٹر میں فرسٹ پوزیشن لینے پر گاڑی دلائی ہے اور وہ کار چلانے کی ٹریننگ لے رہی ہے، بھابی سے فون کر کے سمیرا نے بعد میں پوچھا تھا تب پتہ چلا کہ وہ کسی کو بھی بتائے بنا فرسٹ ٹائم اپنی گاڑی لے کر نکلی تھی، اور شکر تو یہ ہوا کہ تم نے اسے دیکھ کر مدد کی، ورنہ تو پولیس کیس بن جاتا، تو نے انسپکٹر سے بات تو کر لی تھی؟"

"ہاں یار! ورنہ تو انسپکٹر اسے پولیس اسٹیشن لے جا رہا تھا، میں نے ساری بات سنبھال لی ہے، آگے بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا، مگر تیری بھابی کے گھر والوں کو خیال رکھنا چاہیے، حادثے میں اس کو بھی نقصان پہنچ سکتا تھا، اور جب وہ سب ہوا تو وہ کتنی ڈری ہوئی تھی"۔

"انکل نوید کی پوری فیملی حنین کا بے حد خیال رکھتی ہے، اور ان لوگوں کے بے جا لاڈ پیار نے ہی اسے ضدی بنا دیا ہے اور جہاں تک ڈر جانے کی بات ہے ایسی سچویشن میں تو مضبوط سے مضبوط اعصاب کے مالک بھی خوفزدہ ہو جائیں اور حنین تو وہ ہے کہ اپنے سائے سے بھی ڈرتی ہے تو اپنی ممی کو اور گھر والوں کو ہی پکارتی ہے، اس دن خود تو نے اس کی چیخ سنی تو تھی، سوتے میں ڈر جاتی ہے، اندھیرے میں خوفزدہ ہو جاتی ہے، یار! اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ پیرنٹس کو اپنے بچوں کا اتنا زیادہ خیال بھی نہیں رکھنا چاہیے کہ بچے مکمل طور پر ان پر ڈیپینڈ کرنے لگیں، ان کے بغیر ایک قدم بھی نہ چل سکیں، حنین کی شخصیت اکیلے ہو کر کچھ بھی نہیں ہے، جب وہ اپنوں کے درمیان ہوتی ہے بہت مکمل لگتی ہے اور اکیلے میں لگتا ہے کہ کوئی خوفزدہ سی بچی ہے، سمیرا کو بھی مامی اور ماموں جان نے کچھ اسی انداز میں پالا ہے، مگر اس کی شخصیت اتنی بری طرح متاثر نہیں ہوئی، کیونکہ اس کے کچھ غلط کرنے پر بعض اوقات ماموں جان ڈانٹ دیا کرتے تھے، مگر حنین کو تو کوئی ڈانٹنے کا سوچ

بھی نہیں سکتا، دن میں کئی کئی فون بھابی کے پاس اس کے آتے ہیں اور وہ اپنی معمولی معمولی باتیں بھی بھابی سے شیئر کر کے ان کی گائیڈنس میں روزمرہ کے کام کرتی ہے، یہ سب اپنائیت اور محبتیں بہت اچھی ہیں مگر یہ سب مل کر حنین کو کمزور کر رہے ہیں، اب کوئی اس سے اونچی آواز میں بات بھی کرتا ہے تو وہ خوف سے کانپنے لگتی ہے، اور کوئی کچھ کہہ دے تو اسے لگتا ہے کہ کسی کو اس سے محبت نہیں ہے، ایکسٹریم لیول پر جا کر محبت کی جائے یا نفرت، نقصان دہ ہی ثابت ہوتی ہے"۔ فیصل نے وہ باتیں جو چاہ کر بھی کسی سے نہ کہی تھیں آج وہ بھی کنعان کے سامنے کہہ ڈالی تھیں۔

"ہاں، کہہ تو تو ٹھیک رہا ہے، میں نے تیری شادی کے دوران یہ سب نوٹ کیا تھا، اور جس وقت غلطی سے میں اس کے روم میں گیا تھا اگر اسے دیکھ نہ لیتا تو کبھی یقین نہ کرتا کہ وہ اس کا روم ہے، ڈفرنٹ ٹیڈی بیئرز، باربی ڈولز، کارٹونز کی پکچرز دیواروں پر آویزاں، یار! لاج بھی اس کی ایج کی ہوگی بٹ اس کے روم کی ڈیکوریشن بالکل ایسی نہیں ہے، اس کا روم ایک لڑکی کا ہی لگتا ہے، مگر وہ روم تو کسی بچی کا لگتا ہے"۔

"ہاں تو ان سب نے اسے بچی ہی بنایا ہوا ہے، انکل نوید کے ہاں کیبل نہیں لگی، سحرش گانے بھی سنتی ہے اور موویز بھی دیکھتی ہے بٹ حنین کو ایسی کوئی اجازت نہیں ہے، اخبار جہاں اور ڈائجسٹ کیا ہوتے ہیں یہ تو اسے معلوم بھی نہیں ہوگا، وہ تو بچوں کی کہانیاں ہیری پورٹر وغیرہ ہی پڑھتی ہے، جبکہ اس کی ایج کی ہی ہے سحرش، دونوں اسکول کالج میں بھی ساتھ پڑھتی ہیں وہ مستقل ڈائجسٹ پڑھتی ہے اور بھی اس کی ایکٹیویٹیز ہیں جو حنین کی ایکٹیویٹیز کی طرح ہرگز بھی بچکانہ نہیں ہیں"۔

"یہ سب مجھے تو کیوں بتا رہا ہے؟" اتنے گہرائی سے تذکرے پر وہ الجھا۔

"وجہ تو جانتا ہے، جان کر انجان مت بن"۔ فیصل نے صوفے پر نیم دراز کنعان کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔

"میں انجان بننے کی کوشش نہیں کر رہا، مجھے تیرے یہ سب بتانے پر کچھ حیرت سی ہے کیونکہ تو مجھے اچھے سے جانتا ہے کہ اگر میں کچھ سوچ لوں تو اسے پورا کیے بغیر نہیں رہتا، حنین کو جس دن اپنانے کا سوچ لوں گا ناں تو پھر وہ میرے سوا کسی کی ہو بھی نہیں سکے گی"۔ اس کے لہجے میں اس کی ضدی فطرت بولنے لگی۔

"جانتا ہوں، اسی لیے تو تجھے سمجھا رہا ہوں کہ وہ بہت معصوم ہے"۔

"وہ معصوم ہے ناں تو میں بھی کوئی جلاد نہیں ہوں، اس لیے اس قصے کو فی الحال تو تو جانے دے، کیونکہ تیرے کہے کے مطابق میں خود کو آبزرو کر رہا ہوں اور یار! جس طرح میں اس کی مدد کو رکا مجھے اپنی پوری زندگی میں نہیں یاد کہ میں نے اس طرح کسی کی مدد کی ہو، لیکن اسے وہاں دیکھ کر خود بخود میرے پاؤں بریک پر جا پڑے، اور مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوف در آیا تھا، جبکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اتنی بری سچویشن میں کسی جانے پہچانے چہرے کو دیکھ کر اسے اطمینان ہونا چاہیے تھا، مگر جو میں اس کے ساتھ کر چکا تھا اس کے بعد تو مجھے دیکھ کر اسے خوفزدہ ہی ہونا تھا وہ گاڑی اسٹارٹ کرنا چاہ رہی تھی جو ہو کے نہیں دے رہی تھی، اس لیے میں نے تجھے کال کی تھی، تیرے یہاں آنے سے پہلے انسپکٹر کا فون آیا تھا اور کس طرح سچویشن میں نے ہینڈل کی ہے بس یہ مجھے ہی پتہ ہے"۔

"کیوں، خیریت تو ہے؟ وہ بچہ...!"

(جاری ہے)

☆———☆———☆

سعدیہ عابد

قسط نمبر 10۔

سلسلے وار ناول

بندِ قبا کھلنے لگی جاناں

''وہ بچہ ساری زندگی کے لیے نابینا ہو گیا ہے''۔

''او مائی گاڈ!''

''وہ بچہ بہت غریب ہے، اس کی ماں جھولی پھیلا پھیلا کر بددعائیں دے رہی تھی اور اس کا منہ بند کرنے کی میں نے اسے اتنی رقم دے دی ہے کہ اس کی سات پشتوں میں کسی نے اتنی دولت کا تصور بھی نہیں کیا ہوگا''۔ وہ عام سے لہجے میں بولا تھا۔

''تُو نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ حیران تھا۔

''میں نے تجھے پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور اسی لیے جب فیصل کا فون آیا تو میں نے اسے بھی تسلی دے کر فون بند کر دیا، کیونکہ جب میں سب کچھ ہینڈل کر چکا ہوں تو پھر سب کو پریشان کرنا میرے نزدیک حماقت ہی تھا''۔

''مجھے تجھ سے اتنی سمجھداری کی امید تھی''۔

''میں نے یہ سب کیوں اور کیسے کیا میں خود حیران ہوں''۔

''تُو حنین کو لے کر سیریس ہے؟''

''ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا، مگر صرف اتنا ہے کہ میں صرف وہاں اس لیے رکا کہ وہ حنین تھی، اور جس شام وہ ارحم کے ساتھ گاڑی خریدنے گئی تھی میں نے ان دونوں کو ساتھ دیکھا تھا اور اس کا ہنستا مسکراتا روپ جتنا مجھے اچھا لگا تھا، اس سے کہیں زیادہ برا احساس ان دونوں کی بے تکلفی کو دیکھ کر جاگا تھا، اس کو سوچنا اچھا لگتا ہے اور اس کو لے کر میں پوزیسیو بھی ہو رہا ہوں، اور یہ سب محبت کے انداز ہیں۔ تو میں کہنے میں عار محسوس نہیں کروں گا کہ مجھے حنین عالم سے محبت ہے، اور جس دن یہ احساس مکمل طور پر ہوا اور محبت کی شدت جس دن شدت سے محسوس ہوئی، اسی دن حنین عالم کو حنین ماہ کنعان نہیں بنایا تو میرا بھی نام ماہ کنعان نہیں''۔ ماہ کنعان کے خوبصورت چہرے پر اپنی ذات کا غرور اور دولت و اسٹیٹس کی حاکمیت رقصاں ہوگئی۔

''تیری ضدی و حاکمیت پسند فطرت مجھے اکثر یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ....!''

''تیرے جیسے کول مائنڈڈ اور نرم فطرت کے حامل شخص سے میری دوستی کیسے ہوگئی''۔ ماہ کنعان نے اس کی بات کاٹ کر اس کے منہ کی بات کہہ دی تھی۔

''مگر میں ساری دنیا کے لیے برا ہو سکتا ہوں فیصل! یہاں تک کہ اپنے لیے بھی، مگر تیرے لیے کبھی نہیں، میری تمام تر حاکمیت پسندی و سختی ان کے لیے ہے جو مجھے ناپسند ہیں یا میرا ارادہ یہ ڈیز رد کرتے ہیں''۔ اس نے فیصل کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''آئی نو یار! بٹ اتنی سختی بھی اچھی نہیں ہوتی، اگر تُو حنین کے لیے اپنے دل میں سوفٹ کارنر محسوس کر رہا ہے تو ٹھیک ہے نا، میں خود اسے تیرا بنانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا، مگر صرف کوشش''۔ اس نے دوست کو دیکھتے ہوئے اسے بہت کچھ باور کرانا چاہا تھا۔

''مگر میں کوشش پر یقین نہیں رکھتا''۔

''آئی نو، بٹ تمہیں حنین کے معاملے میں احتیاط سے کام لینا پڑے گا''۔

''بٹ وائے؟'' وہ حیران ہوا تھا اس کی بات پر۔

''صرف اس لیے کہ تُو میرا دوست ہے، میرے سرکل میں میرے توسط سے تیری پہچان ہے، میرے دوست احباب تجھے اس لیے جانتے ہیں کہ تُو میرا دوست ہے، میرے احباب تجھے اس لیے نہیں جانتے کہ تُو بہت بڑے پولیٹیشن کا بیٹا ہے، اور جب تُو کچھ غلط کرے گا تو انگلیاں تو مجھ پر بھی اٹھیں گی؟''

''یہ بات ہے تو میرا تجھ سے وعدہ رہا کہ میرے سبب تجھ پر انگلیاں نہیں اٹھیں گی، تُو کہے نہ تو ہنستے ہنستے جان دے دوں ایک لڑکی اور اس کی محبت سب تیرے آگے ہیچ ہیں''۔ اس کے انداز میں دوست کی محبت اور دوستی پر جانثار کر دینے کا عزم سا جھلک رہا تھا۔

''تجھے میری خاطر اتنا کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے یار! بس حنین....!''

''تُو جیسا چاہے گا ویسا ہی ہوگا''۔ اس نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی اور وہ محض اسے دیکھ کر رہ گیا تھا کیونکہ جانتا تھا کہ وہ اپنی بات سے ہٹے گا نہیں۔

☆..........☆..........☆

''اسجد! آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ جو ہوا میں نے ایسا نہیں سوچا تھا''۔ ان دونوں کے درمیان کافی دیر سے خاموشی بول رہی تھی جسے گھبرا کر یسریٰ نے توڑا تھا۔

''سوچا تو میں نے بھی نہیں تھا یسریٰ! مگر اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا کیونکہ ابو ہماری شادی پر راضی نہیں ہو رہے تھے اور تمہاری شادی ایک بے جوڑ شخص سے ہو رہی تھی، اور میں نہیں چاہتا تھا کہ تم جذبات میں آ کر کچھ بھی غلط کرو''۔

''تو آپ نے یہ شادی صرف مجھے کچھ غلط کرنے سے روکنے کی غرض سے کی ہے، مجھے تو لگا تھا کہ میری طرح آپ بھی مجھے کھونا نہیں چاہتے''۔ اس کے لہجے میں افسردگی سی در آئی۔

''یسریٰ! تم ہمیشہ نیگیٹو کیوں سوچتی ہو؟''

''میں پوزیٹو نہیں سوچ سکتی، مجھے زندگی میں مثبت ملا ہی کیا ہے جو مجھے کچھ پوزیٹو لگے گا، زندگی بھر رشتوں کو ان کی محبتوں کو ترستی، ایک واحد آپ تھے جس نے میرے لبوں پر مسکراہٹ کھلائی، اور میں اپنی زندگی کی واحد خوشی و محبت کھونا نہیں چاہتی تھی، آپ کو کھو کر جینے سے بہتر میرے لیے موت تھی، مگر موت بھی مہربان نہیں ہوئی''۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بری طرح رونے لگی اور اسجد سامنے صوفے سے اٹھ کر اس کے برابر آ بیٹھا اور وہ اس کے کاندھے سے لگ کر سسکنے لگی۔

''آئی ایم سوری اسجد! میں آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی، میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ آپ مجھے اپنے پیرنٹس کے خلاف جا کر اپنائیں، مگر میں کیا کرتی، مجھے کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آ رہا تھا''۔ وہ اس کے کاندھے سے لگی رہی تھی اسجد کا ہاتھ اس کے سر پر آ ٹھہرا۔

''پلیز، چپ کر جاؤ، جو ہوا یہ سب اسی طرح ہونا تھا، اب خود کو ہلکان مت کرو''۔ اسجد نے اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے آنسو صاف کیے۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ میری پوری زندگی تمہیں روتے دیکھ کر اور تمہارے آنسو صاف کرتے ہی گزر جائے گی''۔ اسے چپ ہوتے نہ دیکھ کر وہ شرارت سے بولا۔

''آپ زندگی بھر میرا ساتھ تو دیں گے ناں؟'' وہ نم پلکوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں بھئی! محبت کرتا ہوں تم سے، اور اب تم بیوی ہو میری، ہمارا ساتھ آخری سانس تک کا ہے''۔ اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''آپ کے پیرنٹس.....جب ان کو ہماری شادی کا پتہ چلے گا.....!''

''ابو کو راضی کرنے کی کوشش تو کر چکا ہوں، اب امی سے بات کروں گا''۔

''اگر وہ بھی راضی نہ ہوئیں تو؟'' اسے نئی فکر لاحق ہوئی۔

''یہ باتیں ہم پھر کبھی کر لیں گے''۔ اسے ٹالنا چاہا۔

''آپ مجھے یہاں کیوں لائے، اپنے گھر کیوں نہیں لے گئے؟''

''میں تمہیں اچانک نہیں لے جا سکتا تھا یسریٰ''۔

''آپ مجھے اپنے گھر لے چلیں اسجد! میں آپ کے پیرنٹس کے قدموں میں گر کر.....!''

''یہ پاسیبل نہیں ہے یسریٰ! کیونکہ گھر میں میری شادی کی تیاریاں چل رہی ہیں، اس طرح تمہیں لے جاؤں گا تو بنتی ہوئی

بات ہمیشہ کے لیے بگڑ جائے گی، اس لیے مجھے امی سے بات کرنا ہوگی اس کے بعد ہی میں تمہیں وہاں لے جاسکتا ہوں''۔ اس نے گویا کوئی دھماکہ کیا تھا، یسریٰ تو ساکت رہ گئی تھی۔

''تم پریشان نہ ہو، میں اپنے پیرنٹس سے بات کرلوں گا''۔ اسے ساکت دیکھ کر ہاتھ پکڑ کر دلاسہ دینا چاہا۔

''اور اگر وہ راضی نہ ہوئے تو آپ..... آپ شادی کرلیں گے؟'' وہ اسے دیکھ رہی تھی، اسجد نے اس کا چہرہ دیکھا، خوبصورت چہرے پر سائے سے لہرا رہے تھے۔

''میں تمہیں دکھی نہ دیکھ سکتا ہوں نہ ہی دکھی کرنا چاہتا تھا، اسی لیے میں نے تم سے کہا تھا کہ میری منگنی ہوگئی ہے اور تم بھی وہیں شادی کرلو جہاں تمہاری خالہ کررہی ہیں، مگر میرے اور تمہارے کچھ کہنے سے کب کچھ ہوتا ہے، ہماری شادی ہونا طے تھی سو وہ ہوگئی، اب میں اپنے پیرنٹس کو راضی کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا''۔ ایک ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھا اور دوسرا ہاتھ اس کے کاندھے پر آرکا۔

''اور اب تم پلیز چپ کرجاؤ، میں اس موضوع پر تم سے بعد میں بات کروں گا''۔ اس نے بات ختم کرنے کو کہا تھا مگر وہ کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ ڈور بیل کی آواز پر رک گئی تھی۔

''یقیناً یہ توقیر ہوگا، میں تمہیں اندر کمرے میں چھوڑ دیتا ہوں، تم ہاتھ منہ دھو کر فریش ہوجاؤ''۔ کہتے ہوئے اسے اٹھایا تھا مگر اس کے انکار کرنے پر وہ اسے بیڈ پر چھوڑ کر جلدی سے ڈور کھولنے کو بڑھا تھا دروازے پر توقیر اور ایک خاتون تھیں اور توقیر نے بتایا تھا کہ یہ خاتون ان کی بہت پرانی ملازمہ کی بہن ہیں جو ان سے ملنے گاؤں سے آئی تھیں اور اب انہیں یسریٰ کے ساتھ اس فلیٹ میں رہنا ہے، اسجد کو اطمینان سا ہو چلا اور وہ توقیر کے ہمراہ یسریٰ کو تسلی دے کر فلیٹ سے نکل گیا۔

☆..........☆..........☆

''اسجد بھائی! اچھا ہوا کہ آج آپ آفس سے جلدی آگئے''۔ خلاف معمول اسے ساڑھے پانچ بجے گھر میں دیکھ کر حنین خوشی سے بولی۔

''کیوں، کوئی خاص بات ہے کیا؟'' وہ ماں اور چاچی کو سلام کرتا ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے پر دراز ہوتے ہوئے اس کے خوشی سے جگمگاتے چہرے کو دیکھ کر اپنائیت سے کہتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

''خاص بات ہی تو ہے بھائی! ہم لوگ مائدہ اپیا کے لیے ویڈنگ ڈریس لینے جارہے ہیں، اب آپ آگئے ہیں تو اچھا ہے آپ بھی ساتھ چلے جائیں گے''۔ اس کی مسکراہٹ یکدم ہی سمٹ گئی۔

''میں ساتھ نہیں جاسکوں گا، کچھ تھکا ہوا ہوں''۔ آہستگی سے کہتا کھڑا ہوگیا اور شازمین سے چائے کا کہتا اپنے روم کی طرف بڑھ گیا، اس نے کسی کو کچھ بھی کہنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔

''شازمین چائے چڑھا کر زرمین سے فون کرکے پوچھ لینا کہ وہ کب تک آئے گی؟''

''ضرورت نہیں ہے مائی سوئیٹ مدر!'' زرمین کی آواز سن کر وہ سب اسے دیکھنے لگے اور وہ مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی، سلام کرکے ان دونوں کے سامنے جھک کر سر پر ہاتھ رکھوایا اور دعائیں لیتی سیدھی ہوگئی۔

''آپ آئیں کس کے ساتھ ہیں؟''

''فیصل آفس میں تھے، مجھے فیصل چھوڑ گئے ہیں''۔

''ارے بیٹا! تو فیصل کو گھر میں کیوں نہیں لائیں؟ باہر کے باہر ہی کیوں جانے دے دیا؟''

''امی! میں نے کہا تھا مگر فیصل کو ضروری کام سے جانا تھا''۔

''فیصل بھیا! ساتھ نہیں آئے تو ہم کس کے ساتھ جائیں گے؟'' حنین کو فکر ہوئی تھی کیونکہ ان لوگوں نے یہی سوچا تھا کہ فیصل جب زرمین کو چھوڑنے آئے گا تو وہ اس کے ساتھ نکل جائیں گی، وہ لوگ مائدہ کے لیے ویڈنگ ڈریس لینے جارہی ہیں اسی لیے زرمین کو بلایا تھا۔

''ڈونٹ وری، ہم ٹیکسی سے چلے جائیں گے اور ہاں! میں نے اسجد بھائی کی گاڑی کھڑی دیکھی ہے جب وہ گھر میں ہیں تو ہم ان کے ساتھ بھی تو جاسکتے ہیں۔

''انہوں نے منع کردیا ہے''۔ حنین نے منہ بنایا اور جب ہی شازمین چائے لے کر آگئی۔

''شازمین! تم رہنے دو بھائی کی چائے میں لے جاتی ہوں، ان سے مل بھی لوں گی اور چلنے کا بھی پوچھ لوں گی''۔ وہ ٹرے میں 2 کپ لے کر اسجد کے روم میں آگئی۔

''میں ٹھیک ہوں بھائی! فیصل آفس میں تھے۔

''واپسی میں مجھے گھر لے جائیں گے؟''

''تم خوش تو ہو زرمین!'' اس نے بڑے بھائیوں والی فکر سے پوچھا۔

''جی بھائی! سب گھر والے بہت اچھے ہیں، میرا خیال رکھتے ہیں''۔

''اور فیصل، وہ کیسا ہے؟''

''وہ بھی اچھے ہیں بھائی!'' وہ دھیمے سے بولی اور اس کے چہرے سے جھلکتے اطمینان کو دیکھ کر وہ مطمئن ہوگیا۔

''اللہ تم دونوں کو ہمیشہ بہت زیادہ خوش رکھے''۔ اسجد کا ہاتھ اس کے سر پر آٹھہرا تھا۔

''میں آپ کے پاس جس کام سے آئی تھی، وہ تو بھول ہی گئی''۔ یکدم خیال آیا تو کہہ اٹھی۔

''اوہ..... تم میرے پاس کام سے آئی تھیں اور میں سمجھا میری بہن مجھ سے ملنے آئی ہے''۔ اسجد کا شرارتی انداز اسے گڑبڑا گیا۔

''نہیں میں تو آپ سے ملنے کے لیے ہی آئی تھی تو سوچا کام.....!''

''اب بہانے مت بناؤ اور اصلی بات کہو''۔

''میں بہانے تو نہیں کررہی بھائی! میں واقعی آپ سے.....!''

''مذاق کررہا ہوں''۔ اس کے ہنس کر کہنے پر اس نے اسے بات بتائی تھی اور وہ انکاری ہوگیا تھا مگر پھر اس کے کہنے پر اس نے ہامی بھرلی تھی۔

''میں صرف تم لوگوں کو ڈراپ کردوں گا اور جب فارغ ہوجاؤ تو کال کرکے بلالینا، میں آجاؤں گا''۔ اسجد کے راضی ہوجانے پر حنین، زرمین اور ساجدہ اس کے ساتھ شاپنگ سینٹر آگئی تھیں انہیں وہاں چھوڑ کر وہ واپس گھر آگیا تھا تاکہ ماں سے بات کرسکے کیونکہ راشدہ کبھی شاپنگ پر جاتی ہی نہیں تھیں اور اس وقت موقع بھی اچھا تھا وہ ماں سے اطمینان سے بات کرسکتا تھا۔

☆..........☆..........☆

''زرمین آپی! مجھے تو یہ ریڈ والا لہنگا اچھا لگ رہا ہے''۔

''نہیں ریڈ نہیں لینا، مائدہ کو یہ کلر پسند نہیں ہے''۔ اس نے حنین سے کہتے ہوئے شاپ کیپر سے اچھے کلر دکھانے کو کہا تھا اور ان لوگوں نے برات کے لیے آتشی اور رسٹ کنٹراسٹ کا لہنگا لے لیا تھا اور ولیمے کے لیے ساجدہ کے کہنے پر انہوں نے فیروزی شرارہ خریدا تھا اور جیولری اور سینڈلز بھی لے لی تھیں اور اس سب خریداری میں انہیں صرف 3 گھنٹے لگے تھے، اسی لیے حنین کے کہنے پر اب وہ اس کے لیے کپڑے دیکھ رہی تھیں، مگر جوان لوگوں کو پسند آتا اسے وہ ریجیکٹ کر دیتی اور خود اسے تو کچھ پسند ہی نہیں آرہا تھا، ساجدہ کو کچھ غصہ آنے لگا تھا کہ اسے تقریباً 1 گھنٹے کی کوشش کے بعد بلیک اور وائٹ کنٹراس کی کلیوں والی فراک پسند آ گئی۔

''زرمین آپی! یہ کیسی لگ رہی ہے؟''

''بہت اچھی ہے''۔ ان دونوں نے اس کی پسند کو اوکے کر دیا۔

''آئی ایم سوری میم! یہ ڈریس سیل ہو چکا ہے''۔

''واٹ.....؟ بٹ مجھے یہی ڈریس لینی ہے''۔ حنین چیخی تھی۔

''اسٹاپ اٹ حنین!'' زرمین نے اس کے چیخنے پر اسے ڈپٹا۔

''آپی! یہ فراک مجھے کتنی مشکل سے پسند آئی ہے، مجھے بس یہی لینی ہے''۔ اس کے انداز میں بے چارگی اور لہجے میں ضد تھی، فیصل اس کو دیکھنے لگا۔

''آر یو سیریس؟'' وہ دونوں شاپ کی لیفٹ سائیڈ پر کھڑے تھے۔

''ہنڈریڈ پرسنٹ.....تو جا Pay میں کر دوں گا''۔ ماہ کنعان نے اس کے گلابی چہرے سے نگاہ ہٹا کر اسی سے کہا تھا۔

''سوری میم! یہ سیل ہو چکی ہے، آپ کوئی دوسری ڈریس پسند کر لیں''۔

''نو.....دے، مجھے یہی لینی ہے''۔

''ہم اگر ڈبل Pay کر دیں تو؟''

''سوری میم! یہ پاسیبل نہیں ہے، ہم اپنے کسٹمر کو کوئی ڈریس فروخت کرنے کے بعد اس سے نہیں لیتے، ہاں آپ چاہیں تو خود ان سے یہ ریکوئیسٹ کر سکتی ہیں''۔ شاپ کیپر شائستگی سے کہہ رہا تھا۔

''السلام علیکم!'' وہ تینوں چونکی تھیں اور فیصل کو دیکھنے لگی تھیں۔

''فیصل.....آپ؟''

''جی بھابی! بس وہ سمیرا کے لیے شاپنگ کرنے آیا تھا، اس نے جھوٹ کا سہارا لیا تھا، کیونکہ وہ تو کنعان کے کہنے پر یہاں آ گیا تھا کیونکہ ماہ لاج نے انٹر میں تھرڈ پوزیشن لی تھی کنعان کو اس کے لیے گفٹ لینا تھا، اسے کچھ سمجھ نہ آیا تو کال کر کے اسے بلا لیا اور فیصل کے کہنے پر ہی وہ لاج کو ڈریس دینے کا سوچ کر اس شاپ میں آیا تھا جہاں اس نے بلیک اور وائٹ کنٹراس کی کلیوں والی فراک جس کی فرنٹ اور بیک پر کڑھائی تھی لاج کے لیے پسند کر لی تھی اور پے منٹ بھی کر چکا تھا تبھی فیصل سمیرا کے لیے کوئی ڈریس دیکھنے لگا تھا، جبھی وہ تینوں شاپ میں آئی تھیں، فیصل ان تک پہنچتا کہ حنین نے پہلی ہی نظر میں اس ڈریس کو اوکے کر دیا تھا وہ ان کی باتیں سن چکے تھے، اس لیے کنعان کے کہنے پر وہ ان تک آیا تھا۔

''سمیرا کہاں ہے، دکھائی نہیں دی؟''

''وہ میرے ساتھ نہیں آئی، میں اکیلا ہی آیا ہوں، آپ لوگوں کو کچھ پسند آیا کہ ابھی تلاش جاری ہے؟'' اس کے کہنے پر حنین نے ڈریس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ایک گھنٹے میں یہ ایک ڈریس پسند آیا، مگر یہ سیل ہو چکا ہے''۔ وہ قدرے فاصلے پر کھڑا حنین کو دیکھ رہا تھا جس کے منہ کے زاویے بری طرح بگڑے ہوئے تھے۔

''یہ ڈریس تمہیں اچھی لگ رہی ہے تو لے لو''۔

''آپ نے شاید سنا نہیں کہ یہ سیل ہو چکی ہے''۔ اس کے آرام سے کہنے پر وہ خفگی سے بولی۔

''حنین! بس اب چپ کر جاؤ، کوئی اور ڈریس خریدنا ہے تو ٹھیک ورنہ گھر چلو''۔ ساجدہ کی برداشت جواب دے گئی۔

''ایکسکیوزمی مسٹر! یہ ڈریس پیک کر کے میم کو دے دیجئے''۔ سیلز مین اوکے کہتا ڈمی کی جانب بڑھ گیا تھا اور وہ تینوں متحیر رہ گئی تھیں۔

''فیصل! یہ آپ.....!''

''بھابی! یہ ڈریس میں نے خریدی ہے، بٹ حنین کو پسند ہے تو کوئی بات نہیں، میں سمیرا کے لیے کوئی دوسری ڈریس لے لوں گا''۔

''لیکن بیٹا.....!''

''پلیز آنٹی! مجھے اچھا لگے گا کہ میری بہن اپنی پسند کا ڈریس لے کر خوش ہو''۔ اس نے ان دونوں کو کچھ کہنے سے روکا تھا اور حنین کے تو دل کی کلی کھل گئی تھی۔

''تھینک یو سو مچ فیصل بھیا!'' خوشی اس کے چہرے پر بکھری گئی تھی اور کنعان اسے خوش دیکھ کر دل میں سکون سا اترتا محسوس کر رہا تھا، اور وہ اپنی پسند کا ڈریس لیے خوشی خوشی پونی جھلاتی، آنچل لہراتی شاپ سے نکل گئی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس کے دل میں یکدم ہی اندھیرے در آئے ہیں۔

☆..........☆..........☆

''امی! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے''۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی شازمین کے ساتھ مل کر دوپٹوں میں لیس لگا رہی تھیں وہ کچھ دیر ٹی وی کے چینل سرچ کرنے کے بعد ان سے بولا تھا۔

''ہاں کہو بیٹا! کیا بات کرنی ہے؟''

''امی! مجھے اکیلے میں آپ سے بات کرنی ہے''۔

''میں باقی دوپٹے اپنے کمرے میں مکمل کر لیتی ہوں''۔ شازمین فوراً ہی پھیلا ہوا سامان اٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔

''ایسی کیا بات ہے بیٹا! جو تم بہن کے سامنے مجھ سے نہیں کر سکتے تھے؟'' راشدہ غور سے بیٹے کے سنجیدہ انداز کو دیکھتے ہوئے بولی تھیں اور اس نے لمحوں میں جیسے کوئی دھماکہ کر دیا تھا۔

''جانتے بھی ہو کیا کہہ رہے ہو؟''

''امی! میں مائدہ سے شادی نہیں کر سکتا''۔

''یہ خیال تمہیں اب آرہا ہے جب شادی میں محض 8 دن رہ گئے ہیں؟'' اس کے زور دے کر کہنے پر وہ غصے سے بولی تھیں کیونکہ انہیں کب امید تھی کہ وہ ان سے ایسی کوئی بات کرے گا۔

''ابو سے میں نے اس وقت یہ بات کی تھی جب میری منگنی کی بات چلی تھی، مگر انہوں نے میری کسی بات پر توجہ نہیں دی، مجھے منگنی کرنے پر مجبور کر دیا''۔

''تم کیا کہہ رہے ہو مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا''۔

''امی! میں مائدہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا، کیونکہ میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں اور اسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، یہ بات میں نے منگنی ہونے سے قبل ابو سے کہہ دی تھی، لیکن انہوں نے کہا کہ وہ انکل یوسف اور پھپھو کو زبان دے چکے ہیں اور میں نے منگنی نہیں کی تو وہ مجھ سے ہر ایک رشتہ ختم کر لیں گے، میں نے مجبور ہو کر منگنی کر لی اور جب میری منگنی کا اسے پتہ چلا تو اس نے سوسائیڈ کرنے کی کوشش کی، اس لیے ابو سے میں نے پھر بات کی لیکن ابو کی بھی ایک رٹ ہے کہ میری شادی مائدہ سے ہوگی، میں ابو کی خاطر یہ شادی کر لیتا، مگر یسریٰ کو میری ضرورت ہے، اور میں اسے ایسے وقت میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا''۔ وہ ماں کو تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا کہ باپ کی آواز پر رک کر انہیں دیکھنے لگا۔

''ماں باپ کو تو چھوڑ سکتے ہو؟'' وہ اندر چلے آئے۔

''میں کیوں آپ لوگوں کو چھوڑنا چاہوں گا؟''

''تمہیں یا تو اس لڑکی کا خیال دل سے نکالنا ہوگا یا پھر ہمیں چھوڑنا ہوگا، مائدہ سے شادی سے انکار کرو گے تو میں تم سے ہر ایک رشتہ ختم کر کے تمہیں اپنی زندگی سے بے دخل کرتے ہوئے اپنی جائیداد سے عاق کر دوں گا''۔ ان کا لہجہ د تیور بے لچک تھے۔

''نوید! یہ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے''۔

''نوید! جب اسجد شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تو آپ کو اس کے ساتھ زبردستی.....!''

''اچھا تو پھر کیا کروں، اکلوتی بہن کو چھوڑ دوں، اس ناہنجار اولاد کی خاطر؟'' وہ بہت تیز لہجے میں بولے تھے۔

''ابو! بات اتنی بڑی نہیں تھی، جب میں نے اس رشتے سے انکار کیا تب بات گھر کے لوگوں کے درمیان تھی، بات ختم کی جاسکتی تھی، مگر آپ نے اسے شادی تک پہنچا دیا، لیکن میں یہ شادی ہرگز نہیں کروں گا''۔ اس کا لہجہ بھی سخت ہو چلا تھا۔

''اسجد! تمیز سے بات کرو، باپ ہیں یہ تمہارے''۔

''میں نے ایسی کوئی بدتمیزی نہیں کی ہے امی! ابو کو صرف حکم چلانے کا شوق ہے، دیکھنے میں انتہائی نرم خو، مگر فیصلے ایک دم اٹل کرتے ہیں''۔

''مجھے اپنی زبان کا پاس ہے اور میں کبھی اسے جھٹلانے نہیں دوں گا، مائدہ بیٹی سے شادی نہیں کی تو.....!''

''آپ مجھے عاق کر دیں گے، تو ٹھیک ہے جب آپ کو بیٹے کی خوشیوں کی پرواہ نہیں ہے صرف اپنی بات خراب ہونے کا خیال ہے تو میں صرف اپنی خوشی کا خیال کروں گا، مجھے کل بھی مائدہ سے شادی سے انکار تھا اور آج بھی ہے، گھر چھوڑ کر جانے کو کہیں گے تو میں چلا جاؤں گا''۔

''اسجد.....!''

''امی! آپ بیچ میں مت بولیں، اول و آخر فیصلہ تو ابو نے ہی لینا ہے''۔ اس کے لہجے میں بھرپور طنز کی آمیزش صاف جھلک رہی تھی۔

''ٹھیک ہے تم میرے گھر سے جاسکتے ہو، میں تمہیں اپنی زندگی سے بے دخل کرتا ہوں''۔

''نوید! پلیز اس طرح نہ کریں''۔

''جب ٹھوکریں لگیں گی زمانے کی تو والدین کی قدر آئے گی، جانے سے پہلے لیکن یہ یاد رکھنا کہ برأت کی شام سے قبل تک لوٹ آئے تو اس گھر کے دروازے تمہیں کھلے ملیں گے، مگر میرے اور میری بہن کے سروں پر خاک ڈالنے کے بعد اگر تم آؤ گے تو صرف باپ کا مرا منہ دیکھو گے''۔ وہ اپنی بات کا اثر دیکھے بنا ہی وہاں سے واک آؤٹ کر گئے تھے اور وہ فیصلہ جو اس نے بہت سوچ بچار کے بعد کوئی راہ نہ پا کر تھک ہار کر کیا تھا وہ باپ کے فیصلے کے آگے کھڑا منہ چڑا رہا تھا کیونکہ وہ اپنے باپ کی فطرت سے بہ خوبی واقف تھا ضد ان کی فطرت میں نہیں تھی مگر جس بات پر آ کر اٹک جاتے تھے اس سے کوئی انہیں ہٹانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

☆.........☆.........☆

''اسجد بیٹا! آپ اس وقت؟'' وہ 6 سے 7 دنوں میں پہلی دفعہ رات کے ڈیڑھ بجے اسے یہاں دیکھ کر قدرے حیران اور پریشان سی پوچھ رہی تھیں۔

''گھر ہے میرا کبھی بھی کسی بھی وقت آسکتا ہوں''۔ اسجد نے کہاں کا غصہ کہاں نکالا تھا جبکہ وہ شرمندہ ہو گئی تھیں۔

''آپ اس وقت نہیں آتے بس اس لیے''۔

''فضول کی تشویش کرنے سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ آپ میرے لیے چائے بنا دیں، اور یسریٰ کہاں ہے؟'' صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

''یسریٰ بٹیا تو سو گئی ہیں، آپ کہو تو میں انہیں اٹھا دوں؟''

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے''۔ منع کرتے ہوئے اس نے ٹی وی کھول لیا تھا مگر اس کا ذہن اس قدر منتشر تھا کہ وہ بس مسلسل سوچ کرتا رہا تھا اور چائے بھی رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی تھی، اس نے ماں باپ سے مایوس ہو کر کل دوپہر میں مائدہ کو فون کیا تھا مائدہ جو منگنی کے بعد پہلی دفعہ اس کا فون سن کر ہی گھبرا گئی تھی اس کی بات اسے یکدم ہی عرش سے فرش پر بڑی بے دردی سے پٹخ گئی تھی۔

''مائدہ! میں تم سے شادی نہیں کر سکتا''۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' اس کی آواز حلق میں پھنس سی گئی تھی۔

''وہی جو تم نے سنا کہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتا''۔ اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا جبکہ اس کا وجود زلزلوں کی زد پر تھا اور وہ تو کچھ بول بھی نہیں سکی تھی اور وہ مزید کہہ رہا تھا۔

''میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں مائدہ! اس لیے تم سے شادی نہیں کر سکتا''۔

''ہمارا رشتہ جڑے 8 سے 10 ماہ ہو گئے ہیں، یہ خیال آپ کو اب آرہا ہے کہ آپ کسی اور سے شادی کرنا چاہتے ہیں، وہ

بھی اس وقت کے اس کے اگلے دن رسم حنا ہے“۔ اس کی آنکھیں ضبط کی کوشش کے باوجود برس رہی تھیں اور اس نے یہ سب کیسے کہا تھا یہ بس وہی جانتی تھی۔

”مائدہ! میں نے ابو اور امی کو سمجھانے کی بہت کوشش کی اور ان سے مایوس ہو کر میں نے یہ سب تم سے کہا ہے کیونکہ یہ شادی ہو بھی گئی تو میں تمہیں خوش نہیں رکھ سکوں گا“۔

”آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟“

”تم اس شادی سے انکار کر دو“۔

”میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں؟“

”تمہیں ایسا کرنا ہوگا مائدہ!“

”میں ایسا کبھی نہیں کروں گی، آپ پر کوئی الزام نہ آئے اس لیے مجھے مشق ستم بنا رہے ہیں، مگر میں ایسا نہیں کر سکتی“۔ اپنے ہی پیروں پر کھڑے رہنا اسے دشوار لگ رہا تھا۔

”پھر آگے کی ذمے دار تم خود ہوگی، مجھ سے اچھے کی امید مت رکھنا، تم ہمارے گھر کا حصہ میرے حوالے سے ضرور بنو گی مگر میں تمہیں بیوی کا حق اور درجہ کبھی نہیں دوں گا“۔ وہ ریسیور کان سے لگائے ساکت کھڑی تھی۔

”تم صرف بہو بن کر ہمارے گھر میں رہو گی“۔

”میں اپنی خوشی اور ذات کا مان اہم سمجھتی ہوں، مگر اپنے والدین کی عزت پر میں خود کو بھی قربان کر سکتی ہوں“۔ اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا، اور آج ان کی مایوں مہندی کی رسم ایک ہی ہال میں ایک ساتھ ہی کی گئی تھی جہاں مائدہ نے اپنے دکھ کو باہر نہیں آنے دیا تھا، وہیں اسجد کا سنجیدہ اور قدرے بیزار انداز سب ہی نے محسوس کیا تھا مگر اس سے کہا کسی نے کچھ نہیں تھا اور وہ رسموں سے فارغ ہو کر گھر جانے کے بجائے توقیر کے فلیٹ پر آ گیا تھا، جہاں یسریٰ رہ رہی تھی، اسجد نے یہ فلیٹ اس سے خرید کر یسریٰ کے نام کر دیا تھا اور اکیلے پن کی وجہ سے بوا جی چوبیس گھنٹے ساتھ ہی رہتی تھیں، وکیلہ بی بی کی ایک بہن جو توقیر کے گھر ملازمہ تھی کہ علاوہ کوئی بھی نہیں تھا، شوہر کو مرے 15 برس ہو گئے تھے اور اکلوتا بیٹا 16 برس کی عمر میں ٹائیفائیڈ کا شکار ہو کر 6 ماہ قبل چل بسا تھا اور بیٹے کی موت کے بعد ہی وہ اپنا آبائی گاؤں چھوڑ کر بہن کے پاس آ گئی تھی جو بے اولاد تھی اور شوہر بھی نہیں تھا، توقیر کے گھر برسوں سے نوکری کر رہی تھی، وکیلہ بی بی کو اور کیا چاہیے تھا نوکری تو ملی ہی تھی سر چھپانے کو چھت بھی مل گئی تھی۔

”اسجد بیٹا! چائے نہیں پی، رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی ہے“۔ وہ اس وقت تک سو جاتی تھیں، مگر اسے کسی چیز کی ضرورت نہ پڑے اس خیال سے جاگ رہی تھیں، فلیٹ میں دو بیڈ روم تھے جس میں سے ایک ان کے تصرف میں تھا۔

”جی، خیال نہیں رہا، مگر آپ سوئی نہیں؟“ وہ کسی خیال سے چونک اٹھا تھا۔

”میں نے سوچا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہوگی“۔

”نہیں آپ جا کر سو جائیے، کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو میں خود لے لوں گا“۔ وہ دکھتے سر کو انگلیوں سے دبا رہا تھا، وہ اثبات میں سر ہلاتی مڑی ہی تھیں کہ یسریٰ انہیں آوازیں دے رہی تھی وہ اس کے روم میں چلی گئی تھیں اور ان کے بتانے پر کہ اسجد آیا ہے وہ گھڑی پر نظر ڈالتی متحیر ہوئی تھی۔

”اسجد! اور اس وقت.... سب خیریت تو ہے؟“ وہ بال سمیٹتی اٹھ بیٹھی تھی اور جبھی اسجد دروازے پر ہلکے سے دستک دیتا اندر

چلا آیا تھا اور بوا جی کمرے سے نکل گئی تھیں۔

”اسجد! سب خیریت تو ہے آپ....!“

”میں اس وقت فضول بات نہیں سننا چاہتا، سر میں شدید درد ہو رہا ہے، کچھ کر سکتی ہو تو میرا سر دبا دو، ورنہ خاموشی سے سو جاؤ“۔ وہ نہایت سنجیدگی سے کہتا شرٹ کے کف فولڈ کرنے لگا تھا، موبائل اور گاڑی کی چابی سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی اور بیڈ کی بائیں جانب لیٹ گیا تھا۔ کیونکہ دائیں طرف یسریٰ بیٹھی تھی، اس نے پیروں پر پھیلایا کمبل اس پر ڈالا تھا اور سرک کر اس کے سرہانے آ بیٹھی تھی اور دھیرے دھیرے اس کا سر دبانے لگی تھی۔

”اسجد! آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں، مجھے اپنی پریشانی کی وجہ نہیں بتائیں گے؟“ اس کے لہجے میں بلا کی نرمی تھی تو اس نے آنکھیں کھول کر یسریٰ کے چہرے کو دیکھا تھا گلابی چہرہ تیکھے نقوش وہ اس کا ہاتھ تھام گیا تھا۔

”کوئی پریشانی نہیں ہے“۔ ہلکے سے کہتے ہوئے اس کے گلابی ہاتھ کا جائزہ لینے لگا تھا، اس کی آنکھوں میں ایسا کچھ تھا کہ اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکالنا چاہا تھا جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

”تمہارے ہاتھ بہت خوبصورت ہیں یسریٰ!“ کہتے ہوئے وہ اس کے ہاتھ کی پشت پر لب رکھ گیا تھا جسے وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں کھینچ گئی تھی۔

”اسجد! آپ کو اس وقت یہاں نہیں آنا چاہیے تھا“۔ گھبراہٹ اور شرم و حیا اس کے چہرے کو مزید دلکش بنا رہے تھے اور وہ بیڈ کے سرے پر جا بیٹھی تھی۔

”کیا مطلب نہیں آنا چاہیے تھا، کون ہے جو مجھے میرے ہی گھر میں میری بیوی کے پاس آنے سے روک سکے؟“ وہ اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوا تھا اور اسے یاد آیا تھا ان کی تیسری یا چوتھی ملاقات تھی وہ پی سی میں لنچ کرنے گئے تھے یسریٰ کافی کنفیوز ہو رہی تھی، اسے ریلیکس رہنے کا کہتے ہوئے وہ یسریٰ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ گیا تھا اور وہ تو جیسے کرنٹ کھا کر سیٹ سے ہی اٹھ گئی تھی، چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں اور اس دن کے بعد اس نے کبھی ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی، وہ بڑے محتاط انداز میں اس سے فاصلے پر ہو کر ہی بیٹھا کرتی تھی اور اس کی یہ احتیاط اسجد کو بڑی بھلی لگتی تھی، اس کا شرارت بھرا لہجہ اس کی نگاہیں جھکا گیا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچا تھا اور وہ اس کے کاندھے سے آ لگی تھی اس نے ٹھوڑی سے پکڑ کر چہرہ اونچا کیا تھا، گلابی چہرے پر سیاہ پلکیں لرزتے ہوئے سایہ فگن تھیں، اس نے پہلی دفعہ اپنے حق کا استعمال کرتے ہوئے بھرپور استحقاق سے جسارت کی تھی۔

”پلیز اسجد! آپ نے کہا تھا“۔ اس کے لب لرزے تھے۔

”میں نے تو بہت کچھ کہا تھا، مگر یہ وقت ان باتوں کو دہرانے کا نہیں ہے“۔ وہ مکمل اس کے حسن کے سحر میں جکڑا جذبات کی رو میں بہنے کو بے قرار تھا، اور وہ کہاں اس کی جسارتوں پر بندھ باندھ سکتی تھی۔

☆..........☆..........☆

”شہناز مین! پلیز روؤ نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا“۔

”زرمین آپی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے“۔ زرد کپڑوں میں پھولوں کا زیور پہنے وہ بے حد پژمردہ لگ رہی تھی۔

”تم خوامخواہ میں ڈر رہی ہو، میں اسجد بھائی کو اچھے سے جانتی ہوں، وہ کہیں نہیں جائیں گے، وہ گھر آ جائیں گے“۔

”آپ نہیں جانتیں آپی! اسجد بھائی گھر چھوڑنے کا کہہ رہے تھے“۔ جب وہ سب ہال سے گھر آئے تھے اسجد کو نہ پا کر

تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے، مگر نوید عالم بیوی سے یہ کہہ کر چلے گئے تھے۔

''وہ گھر پر نہیں ہے تو نا سہی، اسے کال کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، شادی پر وہ نہیں پہنچا تب اسے بتاؤں گا کہ وہ میرا باپ نہیں میں اس کا باپ ہوں''۔ نوید عالم کے صاف منع کرنے پر بھی راشدہ نے اس کا نمبر ملایا تھا جو بند آرہا تھا اور شاز مین نے زرمین کو کل سن لینے والی باتیں بتادی تھیں۔

''وہ گھر چھوڑ کر نہیں جائیں گے، تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟'' زرمین نے اس کا سرد ہاتھ تھام لیا تھا۔

''آپی! اگر اسجد بھائی نہیں آئے اور پھپھو کی فیملی کو پتہ چلے گا تو کیا ہوگا؟''

''کیوں فضول کی سوچیں پال رہی ہو؟''

''مجھے خوف آرہا ہے آپی! اگر بھائی کی عین شادی والے دن شادی ٹوٹے گی تو ساتھ میں میری بھی شادی ٹوٹ جائے گی''۔

''پاگل مت بنو، ایسا کچھ نہیں ہوگا''۔ اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

''ایسا ہی ہوگا آپی! جب بھائی مائدہ اپیا سے شادی نہیں کریں گے تو راحم بھی مجھ سے شادی نہیں کریں گے، اور میں ان کے بغیر مر جاؤں گی، بہت محبت کرتی ہوں میں راحم سے''۔ شاز مین اس کے کاندھے سے لگی سسک رہی تھی، خوفزدہ تو وہ خود بھی تھی اس لیے بلکتی ہوئی بہن کو تسلی و دلاسے بھی ڈھنگ سے نہیں دے پا رہی تھی، بمشکل اسے پانی پلا کر چپ کروایا۔

''مجھے لگتا ہے جب اسجد بھائی، مائدہ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتے تو ابو کو ان کے ساتھ زبردستی نہیں کرنی چاہیے''۔ وہ کچھ دیر بعد کچھ سوچ کر بولی تھی۔

''مائدہ اپیا کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، اس بات سے مجھے انکار نہیں ہے اور میں بھائی کے جانے سے اس لیے خوفزدہ نہیں ہوں کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ ان کی شادی ٹوٹی تو میری بھی ٹوٹ جائے گی، اگر شادی ٹوٹ جانے میں اپیا کی بھلائی ہے تو میں بھی چاہوں گی کہ یہ شادی ٹوٹ جائے، مگر آپ خود بتایئے، عین شادی والے دن اسجد بھائی کا شادی سے انکار اپیا کی زندگی برباد نہیں کردے گا، جبکہ شادی ہو گئی تو بھائی ابھی نہیں مگر کچھ سالوں میں انہیں محبت کرنے لگیں گے جبکہ پہلی صورت میں کتنی ہی انگلیاں ان پر اٹھیں گی، اسجد بھائی کو اس شادی پر اعتراض تھا تو پہلے کہتے یوں مہندی کی شب تو فرار حاصل نہ کرتے''۔ شاز مین کو بھائی پر بے انتہا غصہ آرہا تھا۔

''ہاں، اسی خیال سے تو میں بھی خوفزدہ ہوں، اور اگر چچا اور پھپھو کو اس سب کا پتہ چلے گا تو وہ کتنے دکھی ہوں گے، عمر بھر کے لیے رشتوں میں دراڑیں پڑ جائیں گی جنہیں قیامت تک بھرا نہیں جاسکے گا''۔ زرمین کو بھی بھائی کے فیصلے نے رنج پہنچایا تھا، مائدہ کی وہ واحد دوست جو اس کے تمام جذبوں سے واقف تھی، اسی لیے بھی چاہتی تھی کہ شادی ہو جائے کیونکہ اسے یقین تھا کہ مائدہ کی محبت اسجد کا دل جیت لے گی مگر وہ یہ کہاں جانتی تھی کہ اسجد کے دل پر جس کا بسیرا تھا وہ اس کے تن من کا ساتھی بن کر اسے اپنی زندگی میں بہت اہم جگہ دے چکا تھا ایسے میں مائدہ کی جگہ کہیں نکلتی ہی نہیں تھی، یہ شادی مائدہ کی عزت نفس کے قتل کے مترادف تھی، جہاں اسے روز جینا اور روز مرنا تھا، اس کے اپنے اس کے لیے اچھا بہت اچھا سوچ رہے تھے مگر اپنوں کے اچھا کرنے اور سوچ لینے سے قسمت کے اندھیرے کبھی نہیں مٹتے اور مائدہ کے مقدر میں فی الحال تو اندھیرا ہی رقم تھا۔

☆..........☆..........☆

''اسجد بھائی! خدا کے لیے گھر آجائیں، اگر آج آپ نہ آئے تو کتنے ہی دل اجڑ جائیں گے، رشتے بکھر جائیں گے، اپنوں کی خاطر بہن کی خوشی کے لیے ہی یہ شادی کرلیں، ورنہ سب ختم ہو جائے گا، ہیلو...... بھائی! آپ سن رہے ہیں ناں؟'' زرمین نے جواب نہ پا کر ہیلو ہیلو کرنا شروع کیا تھا کہ سیرئی نے جلدی سے لائن کاٹ دی تھی۔

''اسجد کی آج شادی ہے اس لیے یہ رات سے یہاں ہیں''۔

''کہاں گم ہیں مسز اسجد!'' وہ شاور لے کر نکلا تھا اسے گم صم دیکھ کر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی یہ وہ شخص تھا جسے وہ خود سے زیادہ چاہتی تھی، جس کی خاطر جان دینے چلی تھی، جو کل تک اس کے دل کا مکین تھا، آج وہ اس کی روح اس کے جسم و جان کا مکین بنا بیٹھا تھا، جس کا نام اس کے نام کے ساتھ جب سے لگا تھا اسے اپنا نام معتبر لگنے لگا تھا۔

''مسز! رات کے سحر سے باہر نکل آیئے''۔ شرارت سے اس کے رخسار پر چٹکی لی تھی۔

''اسجد! آپ رات میرے پاس کیسے آئے تھے؟''

''کیسے آیا تھا، ابھی بتا دیتا ہوں''۔ وہ شرارت سے اس پر جھکا تھا مگر وہ اس کو پرے دھکیلتی بیڈ کے کونے پر سرک گئی تھی۔

''اسجد! آپ نے کہا تھا کہ آپ کا یہاں اس گھر میں میرے پاس رات گئے تک آنا مشکل ہوگا، تو آپ رات کیسے آگئے؟'' اس کی غیر معمولی سنجیدگی اسے چونکا گئی۔

''تم کیا پوچھنا چاہ رہی ہو؟''

''آپ نے کہا تھا کہ جب تک آپ کے پیرنٹس کو آپ راضی نہیں کرلیں گے جب تک آپ دوریاں مٹانے کی کوشش نہیں کریں گے، یہ بات میں نے رات کو بھی آپ کو یاد دلانا چاہی تھی، مگر آپ کے منہ زور جذبوں نے جسے ناکام بنا دیا، مگر مجھے اب اس سوال کا جواب چاہیے کہ آپ کیا کہہ کر رات سے اب تک یہاں ہیں؟'' اس کی نگاہیں اس کے پرکشش چہرے پر جمی تھیں۔

''تمہیں میرا اپنے نزدیک آنا اچھا نہیں لگا؟''

''ایسی بات ہوتی ناں تو میں رات کو ہی کہتی، ایک بیوی کے لیے اس کے شوہر کی محبت اور اس کا قرب ہی زندگی ہوتا ہے''۔

''تو پھر فضول کی باتوں کا مطلب کیا ہے؟''

''آپ مجھے صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ، اپنے پیرنٹس کو چھوڑ آئے ہیں؟'' وہ اسے دیکھ رہی تھی اور وہ بری طرح چونکا۔

''تم سے کس نے کہا؟''

''اس بات کو رہنے دیں اور میری بات کا جواب دیں''۔

''میں اپنے باپ کا گھر چھوڑ آیا ہوں، مل گیا جواب ہوگئی تسلی؟'' وہ کھڑا ہوتے ہوئے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا اور برش کرنے لگا۔

''لیکن کیوں اسجد؟'' اسے دکھ ہوا تھا۔

''کیونکہ آج میری مائدہ سے شادی ہے، اگر وہاں رہتا تو مجھے شادی کرنا پڑتی اس لیے میں وہاں سے چلا آیا''۔

''یہ کہیں کہ بھاگ آئے ہیں''۔

''اب جو بھی کہہ لو''۔ وہ تپ کر کہتا دوبارہ اس کے برابر آ بیٹھا۔

''آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اسجد!''

''تو پھر کیا کرتا، ہر ممکن کوشش کی ابو کو راضی کرنے کی، امی کو منانا چاہا مگر سب بے سود، مہندی کا فنکشن میرے جذبات پر ہتھوڑے سے برسا رہا تھا، اس لیے میں نے گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا، میں مائدہ سے شادی نہیں کر سکتا اور کیا تم یہ برداشت کر لوگی؟'' اس نے الٹا اسی سے پوچھ لیا تھا اور اس نے جو جواب دیا تھا کہ کم از کم اس کی اسے امید نہیں تھی۔

''جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو؟''

''ہاں اسجد! آپ کو مائدہ سے شادی کر لینی چاہیے، اس طرح کتنی ہی زندگیاں تباہ ہونے سے بچ جائیں گی''۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، اپنے شوہر کو دوسری شادی کرنے کا کہہ رہی ہو؟''

''ہاں میں اپنی خوشی اور مرضی سے آپ کو دوسری شادی کی اجازت دے رہی ہوں''۔ وہ اس کو بغور دیکھ رہا تھا، یہ سب بظاہر وہ مضبوط لب و لہجے میں کہہ رہی تھی مگر دل کے اندر کیسی طغیانی تھی، وہ محسوس کر سکتا تھا، اس نے ہی تو اس پاگل لڑکی کی شدتیں آنکھوں سے دیکھی اور دل سے محسوس کی تھیں۔

''اوہ... اجازت دے تو رہی ہو، مگر میرے بغیر جی سکوگی، مجھے کسی اور کے ساتھ بانٹ لینے کا حوصلہ رکھتی ہو اپنے دل میں؟''

''نہیں اسجد! نہیں.... آپ بن تو میں مرجاؤں گی، یہ اجازت میں جس دل سے دے رہی ہوں بس میں ہی جانتی ہوں''۔ وہ رو رہی تھی۔

''تو تم سے کون کہہ رہا ہے کہ تم ایسا کچھ کرو؟'' اپنی پوروں پر اس کے آنسو چنتے ہوئے برہمی سے بولا۔

''آپ کے رشتے اسجد! انہیں آپ کی ضرورت ہے، ایک بیٹے کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے فیصلے کی لاج رکھے، ماں کے ارمان پورے کرے، بہنوں کو خوش رکھے، یہ بھائی کا فرض ہوتا ہے، آپ نے مائدہ سے شادی نہیں کی تو آپ کی بہن کی شادی ٹوٹ جائے گی، اور میں نہیں چاہتی کہ میرے اسجد، رشتوں کے مقروض ہو جائیں''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔

''میں نے آپ سے محبت کی ہے مگر میری محبت خود غرض نہیں ہے، میرے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کا نام میرے نام کے ساتھ جڑا ہے، آپ کے وجود کی مہک میرے وجود میں اور میرا وجود آپ کے وجود کو مہکا رہا ہے اور اس مہک کو بانٹنا میرے لیے بہت مشکل ہے مگر میں ساری زندگی رشتوں کو ترسی ہوں ان کی اہمیت جانتی ہوں اور نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کے رشتے آپ سے بچھڑ جائیں، آپ کے رشتے اب میرے بھی ہیں، آج آپ اپنے پیرنٹس کا مان رکھیں گے تو ہو سکتا ہے وہ ایک دن میرے وجود کو تسلیم کر لیں، مگر آج آپ نے میری خاطر انہیں چھوڑ دیا تو میں ساری زندگی خود سے نظر نہ ملا سکوں گی، رشتے ملنے کی جو آس بندھی ہے، وہ بھی ساتھ چھوڑ جائے گی اور میں ایسا نہیں چاہتی اس لیے آپ سے ریکویسٹ کرتی ہوں کہ آپ گھر چلے جائیں اور جا کر شادی کر لیں''۔

''پاگل ہو گئی ہو، یہ سب جتنی آسانی سے کہہ رہی ہو، برداشت نہیں کر سکوگی، اور ابھی میں نے گھر میں ہماری شادی کا نہیں بتایا، مائدہ سے شادی کے بعد تو بالکل نہیں بتا سکوں گا، تو پھر میرے والدین تمہیں ایکسیپٹ کریں گے؟''

''ابھی نہیں بتایا، آئندہ بھی کبھی مت بتایئے گا، کم از کم اس طرح آپ کے گھر والے تو خوش رہیں گے''۔

''میں کچھ چھپانا نہیں چاہتا''۔

''مگر مجبوری ہے، آپ کو میری قسم اسجد! انکار مت کریں''۔ اسے منہ کھولتے دیکھ کر وہ لجاجت سے بولی تھی۔

''اسلام میں تو چار شادیوں کی اجازت ہے، اور عورتیں بھی تو برداشت کرتی ہیں میں بھی کر لوں گی، آپ سے کبھی شکایت نہیں کروں گی، بس میری آپ سے اتنی ہی ریکویسٹ ہے کہ مجھ سے جب تک میں زندہ ہوں اپنا نام اور محبت مت چھینئے گا، ورنہ میں مر جاؤں گی''۔ وہ اس کے سینے سے لگ کر بلک اٹھی تھی۔

''مائدہ! اگر تم اس شادی سے انکار کر دیتیں تو آج یہ سچویشن الگ ہوتی، تم سے اپنی یسریٰ کے ایک ایک آنسو کا حساب لوں گا''۔ اس نے یسریٰ کے آنسو پونچھتے ہوئے نفرت سے سوچا تھا۔

☆..........☆..........☆

شاز مین رخصت ہو کر راحم کے ساتھ چلی گئی تھی اور مائدہ رخصت ہو کر اسجد کے سنگ چلی آئی تھی، شاز مین سسرال والوں کی بھی من چاہی تھی اور راحم کے دل پر بھی اس کا بسیرا تھا جبکہ مائدہ جس کے سبب آئی تھی وہی اس سے انجان تھا، رسمیں ادھوری چھوڑ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا، وہ دونوں بہنیں ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھیں اور ساجدہ کے کہنے پر زرمین اسے اسجد کے کمرے میں لے آئی تھی۔

''تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتا دو؟''

''زرمین! ایک گلاس پانی دے دو''۔ مائدہ کے کہنے پر اس نے روم فریج سے نکال کر پانی پلایا تھا، دو دن سے تو اس کی بھوک ہی اڑی ہوئی تھی وہ برائے نام ہی کھا رہی تھی اور آج دوپہر سے تو اس نے ایک لقمہ گلے سے نیچے نہیں اتارا تھا۔ زرمین کے بہت کہنے پر بھی وہ کچھ کھانے کو تیار نہیں ہوئی تھی اور وہ اسے وہاں چھوڑ کر نکل گئی تھی اس کے جاتے ہی وہ بیڈ سے اتری تھی واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی اس لیے وہ الماری سے سادہ کاٹن کا سوٹ نکال کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی تھی، سارے زیورات اور کپڑے وغیرہ اتار کر اس نے وہیں رکھ دیئے تھے اور تقریباً 20 منٹ میں اس سب سے فارغ ہو کر وہ دروازہ کھول کر نکلی اور ادھر ادھر دیکھے بنا واش روم میں چلی گئی، ٹشو پیپرز سے میک اپ صاف تو کر چکی تھی، مگر اس نے فیس واش سے اچھی طرح منہ دھویا اور ٹاول سے منہ خشک کرتی کمرے میں آگئی تو اس کی نگاہ بیڈ کی سائیڈ جانب بیٹھے اسجد پر پڑی اور اسی وقت اس نے بھی مائدہ کو دیکھا، مگر جیسے وہ نظر انداز کرتی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا رکی اور قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگی۔ وہ جس طرح زرمین کی شادی میں اسے دیکھ کر گھبراہٹ کا شکار ہوتی رہی تھی، اس کے بعد مائدہ کا اتنا پر اعتماد انداز اسجد کو اندر ہی اندر حیران کر گیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ وہ جب واش روم سے نکلے گا تو وہ بیڈ پر بیٹھی اس کی منتظر ہوگی، مگر وہ تو سرے سے غائب تھی اور لوٹی بھی تو اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی، بلکہ اسے بری طرح اگنور کر دیا تھا، وہ اس کے پہلے جھٹکے سے نہیں سنبھلا تھا کہ وہ اپنے کام سے فارغ ہوتی بیڈ کی دائیں طرف کا تکیہ درست کرتی بیڈ پر دراز ہو گئی تھی اور وہ کچھ پل تو ساکت سا بیٹھا رہا تھا پھر یکدم غصے سے تنتناتا ہوا اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

(جاری ہے......)

☆..........☆..........☆

سعدیہ عابد

قسط نمبر 11

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

''تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی، میرے بستر پر لیٹنے کی؟'' وہ اس کی گرجدار آواز پر اٹھ بیٹھی۔
''مجھے نیچے سونے کی عادت نہیں ہے، میری کمر میں درد ہو جاتا ہے''۔ وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

''میں اس بات کا ذمے دار نہیں ہوں، تم اس بیڈ کے علاوہ کہیں بھی سو سکتی ہو، میں مجبوری میں تمہارا وجود اس کمرے میں تو برداشت کر سکتا ہوں، مگر اپنے بیڈ پر ہرگز نہیں''۔ اس کے لہجے میں حقارت سی تھی۔
''کیوں، جب کمرے میں برداشت کر سکتے ہیں تو بیڈ پر کیوں نہیں؟ کیا آپ خوفزدہ ہیں کہ سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے؟'' وہ نہایت طنز بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
''بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اتنا نفس کا غلام نہیں ہوں، جب کمرے میں رہ کر دوری قائم رکھ سکتا ہوں تو مجھے اس بات سے بھی فرق نہیں پڑے گا کہ تم صوفے پر سو رہی ہو یا مجھ سے فاصلے پر ایک بستر پر، یاد رکھنا تمہیں چھونا میں

نہیں چاہتا، اور تمہیں بھی مجھے اکسانے کی ضرورت نہیں ہے، تمہیں صرف نام دیا ہے دنیا دکھاوے کو، میرا اور تمہارا رشتہ کتنا بے معنی ہے بہت جلد اندازہ ہوگا، کیونکہ مجھے تمہارے ہونے اور نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پہلے پڑا ہے اور نہ ہی آئندہ پڑے گا"۔ وہ زہر میں ڈوبے نشتر اس کے وجود میں اتارتا اس کی عزت نفس، ذات کی دھجیاں بکھیر رہا تھا۔

"ہاں تم نے میرے ساتھ کے لیے جو دن گن گن کے گزارے ہیں اور میرے قرب کی خواہش جو تمہیں میرے ساتھ بستر شیئر کرنے پر اکسا رہی ہے، اس سلسلے میں، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا"۔ اس کی اتنی بڑی بات سن کر تو اس کا چہرہ آتشیں ہو گیا تھا اور بستر سے تو محسوس ہو رہا تھا کہ ایک آگ سی نکل رہی ہے جو اس کو اور اس کی نسوانیت و عزت نفس کو جلا کر خاکستر کر دے گی۔

"مسٹر اسجد عالم! میں اتنے کمزور کردار کی لڑکی نہیں ہوں نہ ہی نفس کی غلام، جو اپنے پندار و نسوانیت کو اپنے ہی پیروں تلے روند ڈالتی ہیں"۔ اتنی بے عزتی پر آنسو اس کے رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے اسے شرمندگی سی ہوئی تھی مگر اس کے بہتے آنسو اسے نہ جانے کیوں سکون دینے لگے تھے۔

"مجھے اپنے یہاں ہونے اور اس بستر پر لیٹنے و بیٹھنے پر نہ ندامت ہے نہ شرمندگی کیونکہ آپ نے کہہ دیا کہ آپ نے صرف مجھے اپنا نام دیا ہے اور میں صرف اس گھر کی بہو بن کر رہوں گی، آپ کی بیوی کبھی نہیں بنوں گی، مگر آپ کے کہہ دینے سے حقیقت مٹے گی نہیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جسے آپ جھٹلا نہیں سکتے، میں آپ کی بیوی ہوں، اس گھر، اس کمرے، اس بستر اور یہاں تک کہ آپ پر بھی میرا حق ہے، مگر جسے آپ تسلیم نہیں کرتے تو مجھے بھی زبردستی تسلیم کروانے کی نہ چاہ ہے اور نہ ہی ضرورت"۔ وہ اپنے آنسو بے دردی سے ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی بیڈ سے اتری تھی اور ایک کٹیلی نگاہ اس خوبرو شخص پر ڈالتی وہاں سے نکل کر ڈریسنگ روم میں بند ہو گئی تھی اور یہاں آ کر وہ اتنا روئی تھی کہ اپنی پوری زندگی میں روئی نہ ہوگی، اس دنیا میں یہ واحد شخص تھا جسے اس نے چاہا، دعاؤں میں مانگا اور خود کو اس کی امانت سمجھ کر سینت سینت کر رکھا، مگر اسی شخص نے آج اسے اتنا بے عزت کیا تھا کہ وہ خود سے بھی نظر نہیں ملا پا رہی تھی، اور اسجد کمرے کے وسط میں پشیمان سا کھڑا تھا کیونکہ غصے میں جو کچھ اسے کہا تھا وہ ہرگز بھی ڈیزرو نہیں کرتی تھی، اس بے چاری کا تو کوئی قصور بھی نہیں تھا، منگنی سے قبل یا فوراً بعد وہ اسے کچھ کہتا تو ممکن تھا کہ وہ منگنی ختم کروانے میں اس کی مدد کرتی مگر شادی سے ایک دن پہلے اس سے یہ سب کہنا غیر دانشمندی تھی اور مائدہ نے تو یہی سوچا تھا کہ یہ شادی اس طرح ٹوٹی تو اس کے گھر والوں پر ایک آفت سی آجائے گی، زمانے کے طعنے تشنے کیا کچھ اس کے بھائیوں اور والدین کو سننا پڑتا۔ اس نے یہ فیصلہ لے کر ایک اچھی بہن اور بیٹی ہونے کا ثبوت دیا تھا مگر اس سب میں اس کی ذات بری طرح متاثر ہوگئی تھی، ابتداء اتنی بری ہوئی تھی کہ اس کی امید بھی دم توڑنے لگی تھی کیونکہ انجام اسے انتہائی خطرناک نظر آرہا تھا۔

☆..........☆..........☆

"حنین! جاؤ بیٹا شازمین کو اوپر راحم کے کمرے میں لے جاؤ"۔ سحرش کے ساتھ باتیں کرتی حنین کو فریدہ نے مخاطب کر کے کہا تھا وہ ان دونوں کو رسموں کے لیے لے آئی تھیں اور دونوں نے مل کر خوب رنگ جمایا تھا اور شاندار طریقے اور ہلے گلے میں شازمین کا اس گھر میں استقبال ہوا تھا اور وہ دونوں اس کا بھاری کامدار لہنگا سنبھالتی اسے راحم کے کمرے میں لے آئیں تھیں اور راحم کو اندر آتے دیکھ کر وہ فوراً دروازے کی طرف لپکی تھیں اور اندر آنے کا راستہ بلاک کر کے کھڑی

"آپ اتنی آسانی سے اندر نہیں جاسکتے، جیب خالی کرنا پڑے گی"۔ حنین نے کہا تھا اور سحرش اس کی بھرپور تائید کر رہی تھی۔

"ارے، یہ کیا بات ہوئی اب مجھے اپنے کمرے میں جانے کا ٹکٹ دینا پڑے گا"۔

"یہی سمجھ لیں"۔

"اور یہ مت سمجھیے گا 15، 10 روپے میں جان چھوٹ جائے گی، پورے 20 ہزار لیں گے، 10 میرے اور 10 سحرش کے"۔ بے نیازی کی انتہا تھی اور وہ تو اتنے پیسے سن کر کرنٹ کھا کر رہ گیا۔

"دماغ ٹھیک ہے تم دونوں کا، زیادہ سے زیادہ 5 ہزار دے سکتا ہوں"۔

"ہمیں تو پورے 20 ہزار چاہئیں"۔ وہ دونوں ایک زبان ہوگئی تھیں۔ بیڈ پر بیٹھی شازمین کے لبوں پر ان کی تکرار سے مسکراہٹ کھل گئی اور اس نے ریلیکس کرنے کے لیے کمر بیڈ کے سرہانے سے ٹکائی کیونکہ وہ کل رات سے [illegible] نہیں تھی، تھکن سے اس کا برا حال ہو رہا ہے۔

"میں تو نہیں دینے والا"۔ وہ صاف انکاری ہوا تھا۔

"اور ہم بھی آپ کو اندر جانے نہیں دینے والے"۔ اور کافی بحث و تکرار کے بعد راحم نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ان دونوں کی طرف ایک ایک ڈبیہ بڑھائی جسے عجلت میں حنین نے کھولا، جس میں ننھے ننھے ڈائمنڈ ٹاپس جگمگ کر رہے تھے۔

"اٹس سو بیوٹی فل"۔

"اب تو خوش ہو یا 10 ہزار ہی چاہئیں؟" وہ متبسم ہوا۔

"یہ زیادہ اچھے ہیں راحم بھیا!" وہ دونوں کہتیں سامنے سے ہٹ گئی تھیں۔ ایسے ہی ٹاپس راحم نے مائدہ اور زرمین کے لیے بھی بنوائے تھے، لیکن ابھی دیے نہیں تھے، ورنہ حنین نے شور کر دیا تھا کہ پہلے ان دونوں کو کیوں دیے، سارا سرپرائز ختم کر دیا، وہ ان دونوں سے جان چھڑا کر کمرے میں آیا، اور اس کی نگاہ سوئی ہوئی شازمین پر ٹھہر گئی، اس کے حسن کی رعنائیاں اس کے دل کی دنیا تہہ و بالا کر گئی تھیں اور وہ چلتا ہوا، عین اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور ہلکے سے اس کا حنائی ہاتھ تھام لیا اور اس کے ہاتھوں پر مہر محبت ثبت کی تو وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی، نیند کے باعث پہلے تو کچھ بھی نہیں سمجھی مگر اس کے اشعار پڑھنے پر وہ گڑبڑا کر سیدھی ہو گئی تھی۔

"ہم ہیں مشتاق اور وہ ہیں بیزار
یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟"

اس کا ہاتھ راحم کے ہاتھ میں تھا اور اس کی انگلیاں چوڑیوں کو حرکت دے رہی تھیں اور اس کی نظریں تھیں کہ اٹھ نہیں رہی تھیں۔

"مجھے تم سے یہ امید تو نہ تھی شاز! کہ تم میرا انتظار کرنے کے بجائے سکون سے سو جاؤ گی"۔ لہجہ سنجیدہ تھا مگر آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی اور وہ کچھ نہیں بولی۔

”تمہیں نیند مجھ سے زیادہ پیاری ہے؟“

”ایسی بات نہیں ہے“۔

”پھر کیسی بات ہے؟“ نگاہ میں شوخی اور لہجے میں تبسم سجائے وہ اسے زچ کرنے لگا۔

”تھکن کی وجہ سے کمر لگائی تھی اور آنکھ لگ گئی“۔

”تم سوتے ہوئے بہت پیاری اور پرسکون لگ رہی تھیں“۔

”اب جانے بھی دیں“۔ وہ اس کی ایک ہی تکرار سے شرمندہ ہو رہی تھی۔

”اچھا تم کہتی ہو تو جانے دیتا ہوں“۔ وہ مسکرا رہا تھا اور اس نے سونے کا بریسلیٹ جس میں ننھے ننھے ڈائمنڈ جگمگا رہے تھے بڑے پیار سے اس کی کلائی میں سجا دیا۔

”خاموش کیوں ہو، کچھ کہو گی نہیں؟“ اس کا چہرہ اونچا کیا۔

”وہ راحم! مجھے بھوک لگ رہی ہے“۔ وہ اتنی دیر بعد بولی بھی تو کیا، وہ پہلے تو حیرانگی سے اسے دیکھنے لگا، پھر اس نے زبردست چھت پھاڑ قہقہہ لگایا۔

”مجھے واقعی بھوک لگ رہی ہے راحم! میں نے کل رات سے کچھ نہیں کھایا“۔ وہ برا مان گئی تھی۔

”اچھا، تم جا کر چینج کرو، جب تک میں کچھ انتظام کرتا ہوں“۔ وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی اور جیسے ہی کانوں کے جھمکے اتارنے کو ہاتھ بڑھایا تھا وہ اس کا ہاتھ تھام گیا۔

”ابھی رہنے دو، بہت اچھی لگ رہی ہو“۔

”نہیں راحم! یہ سب بہت ہیوی ہے، میرا دم گھٹ رہا ہے“۔ وہ بے چارگی سے بولی تھی وہ اب اس بوجھ سے آزادی چاہتی تھی۔

”ٹھیک ہے“۔ یہ دو لفظ کہہ کر وہ خود اس کی جیولری اتارنے لگا تو اس کی پلکیں عارضوں پر آ رکی تھیں اور راحم نے آہستگی سے ساری چوڑیاں اتار دی تھیں اور اب دوپٹے سے وہ پنیں نکال رہا تھا، بھاری زرتار کامدانی دوپٹہ اس کے سر سے سرکایا تھا تو وہ جلدی سے بیڈ سے اتر گئی تھی اور وہ اس کے کانپتے وجود کو دیکھنے لگا تھا، دوپٹہ آدھا اس کے کاندھے پر اور آدھا بیڈ پر تھا جسے راحم نے پورا کھینچ لیا تھا۔

”راحم! میں چینج کر لیتی ہوں“۔ وہ اس کے مقابل کھڑا ہوا تھا تب اس کے لب لرزے تھے۔

”ایک تو تمہیں بھوک بہت غلط وقت پر لگی ہے، جاؤ فوراً ورنہ کہیں مجھے خود پر کنٹرول رکھنا مشکل ہو گیا تو کل مجھے کہو گی کہ میں نے پیار کی بارش میں نہلایا مگر بھوک کا احساس نہیں کیا، اب پہلی ہی شب ظالم شوہر کا ایوارڈ تو نہیں لے سکتا“۔ وہ اپنے ازلی پیار بھرے غیر سنجیدہ انداز میں کہہ رہا تھا اور وہ اس کی سائیڈ سے نکلنے لگی تھی کہ اس کی کلائی تھام کر اپنی جانب کھینچا تھا کہ وہ اس کے سینے سے آ لگی تھی۔

”بہت پیاری لگ رہی ہو مسز راحم! تمہارا یہ سجا سنورا روپ دل کے ایوانوں پر سج گیا ہے“۔ اس کے لہجے میں جذبوں کی آنچ تھی اور اس نے بہت پیار سے اس کی صبیح پیشانی پر پہلی محبت کی مہر ثبت کی تھی۔

”آپ بھی حیرت انگیز طور پر آج بہت اچھے لگ رہے ہیں“۔ وہ خود کو چھڑاتی بھاگ گئی تھی اور واش روم کے دروازے

بے ساختہ رک کر اسے دیکھتے ہوئے شرارت سے بولی تھی، اسے وہاں بڑھتے دیکھ کر اس نے زبان چڑاتے ہوئے انگوٹھا دکھایا تھا اور اس کے وہاں پہنچنے تک وہ دروازہ بند کر گئی تھی۔

”بھاگ لو جتنا مجھ سے بھاگ سکتی ہو، مگر آنا تو تمہیں میرے ہی پاس ہے، تمہاری ساری راہیں، سارے راستے مجھ ہی تک آ کر رکتے ہیں“۔ دروازے پر ہاتھ مارتے ہوئے اس نے تیز آواز میں کہا تھا۔

”جناب! ہم راہ فرار اختیار نہیں کر رہے، مگر انتظار کروانا اپنا حق سمجھتے ہیں، آخر کو آپ نے ہماری نیند خراب کرنے کا ظلم کیا ہے“۔ وہ دل کی دھڑکنیں سنبھالتی بولی تھی اور اس کا قہقہہ سن کر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

”لے لو بدلہ، میں بھی گن گن کر بدلے لوں گا، میں نے تو صرف آج نیند اڑائی ہے اور تم نے تو برسوں سے میری نیند اڑائی ہوئی ہے“۔ وہ کہتے ہوئے روم فریج کی جانب بڑھ گیا تھا اور جتنی دیر میں وہ چینج کر کے آئی تھی وہ کافی کچھ اس کے لیے نکال کر رکھ چکا تھا، وہ مطمئن ہو گئی تھی، راحم کے ساتھ کے لیے اس نے کتنی ہی دعائیں مانگی تھیں رب کا شکر ادا کر کے اس نے جو کچھ کھا سکتی تھی کھایا تھا اور پھر وہ بھی اور راحم کی بے قراریاں اور پیار بھری جسارتیں اسے خود پر اور اپنی قسمت پر رشک ہونے لگا تھا وہ آج بہت خوش تھی بہت زیادہ۔

☆............☆............☆

”خیریت تو ہے آج حنین عالم، اتنی صبح صبح کیسے جاگ گئی ہیں؟“ پیپرز ختم ہونے کے بعد وہ دن چڑھے تک سوتی رہی تھی، اس لیے امجد کو تشویش ہوئی تھی۔

”آپ بدولت کا آج یونیورسٹی میں فرسٹ ڈے ہے“۔ جامعہ کراچی میں اس کا ایڈمیشن ہو گیا تھا اور وہ اسے خوشی خوشی بتا رہی تھی۔

”گڈ یہ تو اچھی بات ہے اور مجھے امید ہے کہ تم یونیورسٹی میں بھی اپنی قابلیت کے جھنڈے ضرور گاڑو گی، وش یو بیسٹ آف لک“۔ امجد کے لب و لہجے میں بڑے بھائیوں کا سا مان تھا۔

”تھینک یو امجد بھائی!“

”امجد! آفس جاتے ہوئے تم حنین کو ڈراپ کر دینا“۔

”ابو! میں آج تو کر دوں گا، لیکن روز یہ ذمے داری نہیں اٹھا پاؤں گا“۔

”جانتا ہوں کہ یونیورسٹی تمہارے آفس سے بالکل آؤٹ سائیڈ ہے، اسی لیے میں نے ڈرائیور کی بات کر لی ہے جو صرف حنین کو پک اینڈ ڈراپ کر لیا کرے گا بلکہ گھر کی خواتین کو بھی جہاں جانا ہو گا وہ اسی کے ساتھ چلی جایا کریں گی، مگر بس [illegible] تک حنین کو لانے لے جانے کی ذمے داری ہمیں اٹھانا پڑے گی کیونکہ ڈرائیور گیارہ، بارہ تاریخ کو جوائن کرے گا“۔ انہوں نے پوری تفصیل سے بیٹے کو آگاہ کیا تھا، ڈرائیور تو پہلے بھی موجود تھا جو گاؤں شفٹ ہو گیا تھا اس کے بعد کوئی قابل اعتماد نہیں لگا تھا وہ تو چند ہفتے قبل انہیں اپنا پرانا ڈرائیور نظر آ گیا جس سے انہوں نے بات کی تھی وہ خود تو بوڑھا ہو گیا تھا، اس لیے اس نے اپنے بیٹے کے لیے بات کی تھی اور چونکہ وہ ان کے فادر کا ڈرائیور تھا اس لیے وہ اس کے چال چلن اور طور طریقوں سے واقف تھے اس لیے اس کے بیٹے کو نوکری پر رکھ لیا تھا اور اس پر چیک رکھنے کے لیے ہی انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ پہلے انہیں آفس لانے لے جانے کی ذمے داری اٹھائے گا اور بعد میں حنین کی۔ مگر مسئلہ یہ تھا

کہ ڈیوٹی جوائن وہ کچھ دن بعد ہی کر سکتا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے ابو! چھوڑ تو میں دیا کروں گا، مگر واپسی میں کیسے پک کر سکتا ہوں، ہزار کام ہوتے ہیں"۔

"بیٹا! کچھ دن کی بات ہے، ہمیں مینیج کرنا ہی پڑے گا، اور جس دن تم زیادہ بزی ہو گے میں پک کر لوں گا، اور زیادہ ہی پرابلم ہوئی تو سحرش کے ساتھ حنین آ جایا کریں گی"۔ یہی بات رات زرمین اور فیصل نے کہی تھی کیونکہ سحرش کو یونیورسٹی چھوڑنے کی ذمے داری فیصل نے بہ خوشی لے لی تھی کہ اس کا وہی روڈ تھا اور رہا مسئلہ واپسی کا تو فیاض نے اسے پک کر لینا تھا کہ وہ آج کل فارغ ہونے کی وجہ سے گھر پر ہی تھے، فیاض پی ٹی سی ایل میں گورنمنٹ ملازم تھے اور چھ ماہ قبل ہی انہوں نے ریٹائرمنٹ لی تھی۔

"ابو! جب انکل فیاض، سحرش کو پک کیا کریں گے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، حنین ان کے ساتھ ہی آ جایا کرے گی، ویسے بھی انہیں اپنے گھر جانے کے لیے ہمارے ہی روڈ سے گزرنا پڑے گا"۔

"یہ بات رات زرمین نے کہی تھی، مگر بیٹا! اب اچھا نہیں لگتا، مانا کہ ہمارا گھر راستے میں پڑے گا مگر وہ حنین کو سڑک پر اتار کر تو نہیں جا سکتے، انہیں روز گاڑی ٹرن کر کے گلی میں لانی اور پھر لے جانے کی مشقت اٹھانا پڑے گی اور اب اچھا نہیں لگتا کہ وہ ہماری وجہ سے اتنا پریشان ہوں"۔ حنین کے سامنے جوس کا گلاس رکھتے ہوئے ساجدہ نے کہا تھا جبکہ جس کی باتیں تھیں وہ انجان بنی ناشتہ کر رہی تھی۔

"حنین! لگتا ہے تمہارا اسیل فون بج رہا ہے"۔ مائدہ نے کہا تھا اور جبھی گھر کا پی ٹی سی ایل بھی بجنے لگا تھا۔

"یہ اتنی صبح صبح کون فون کر رہا ہے؟" وہ اٹھنے لگی تھی۔

"تم جوس ختم کرو، میں دیکھ لیتی ہوں"۔ ساجدہ نے ریسیور اٹھایا تھا، دوسری طرف سحرش تھی۔

"حنین بھی تیار ہے، بس وہ اور اسجد نکلنے ہی لگے ہیں"۔ سحرش کے پوچھنے پر بولی تھیں۔

"اسجد بھائی کے ساتھ کیوں جائے گی، میں نے اسی لیے تو فون کیا ہے کہ وہ ہمارا انتظار کر لے، ہم جاتے ہوئے اسے پک کر لیں گے"۔

"بیٹا! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، حنین کو اسجد ڈراپ کر دے گا"۔ وہ اس کے خلوص سے کہنے پر کہہ اٹھی تھیں اور اسی وقت اس نے فون فیصل کو تھما دیا تھا۔

"کوئی پریشانی نہیں ہوگی، جب فیصل ایک بہن کو چھوڑنے جا رہا ہے تو ساتھ ہی دوسری بہن کو بھی لے جائے گا اور ڈیڈی دونوں بیٹیوں کو پک کر لیں گے"۔

"لیکن بیٹا!"

"لیکن ویکن کچھ نہیں، ابھی فون رکھتا ہوں، آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں، انشاء اللہ بعد میں بات کروں گا"۔ فیصل نے انہیں بولنے کا موقع ہی نہیں دیا اور انہوں نے آ کر ان سب کو بتا دیا تھا۔

"یا ہو..... اب میں اور سحرش ساتھ جائیں گے"۔ اس نے خوشی سے نعرہ لگایا تھا۔

"اچھا اب جاؤ، بیگ لے آؤ، وہ لوگ آتے ہی ہوں گے"۔ راشدہ کے کہنے پر وہ اپنے کمرے کی جانب دوڑی تھی۔

اور کچھ ہی دیر میں فیصل نے انہیں یونیورسٹی گیٹ پر بہت ساری بیسٹ وشز کے ساتھ اتار دیا تھا، اور وہ بھی ایک خفگی بھری

نگاہ فیصل پر ڈالتی ان دونوں کے پیچھے بڑھی تھی اور فیصل نے مسکراتے ہوئے گاڑی بیک کر لی تھی، یہ سوچ کر کہ اسے منانا کون سا مشکل ہے؟

☆..........☆..........☆

"السلام علیکم بھابی! آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"آپ کے دوست کی مہربانی ہے"۔ وہ نہایت تپے ہوئے لہجے میں بولی اور اس نے زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

"میں نے آپ کو کوئی جوک نہیں سنایا ہے"۔ وہ برا مان کر بولی تھی۔

"انداز کچھ ایسا ہی ہے"۔ ماہ کنعان کے بے ساختہ کہنے پر وہ جھینپ گئی۔

"لگ رہا ہے فیصل نے زبردستی آپ کا ایڈمیشن کروایا ہے"۔

"زبردستی کی نوبت ہی کب آنے دی انہوں نے، سب کچھ کر لیا اور آج کہہ دیا کہ میں تیار ہو جاؤں یونیورسٹی میں میرا فرسٹ ڈے ہے"۔ وہ نیند کی بہت کچی تھی، گھر میں کوئی کام وغیرہ بھی نہیں کرتی تھی، اس لیے وہ صبح دیر سے ہی اٹھتی تھی، کبھی فیصل کے شور کرنے پر اس کی آنکھ کھل جاتی تھی تو وہ فیصل کے بہت کہنے پر کھلتی بند ہوتی پلکوں سے ٹائی باندھ دیتی تھی، ورنہ تو اسے پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ فیصل کب آفس کے لیے نکل گیا۔ اور آج تو اس نے سمیرا کو اسپیشلی الارم لگا کر اٹھایا تھا نیند خراب ہو گئی تھی مگر وہ اٹھی نہیں، مگر وہ جب پیار سے اس پر جھکا اپنی محبت کے عملی مظاہرے پیش کر رہا تھا، وہ اس پر خفگی بھری نگاہ ڈالتی اٹھ بیٹھی تھی اور جب اس نے تیار ہونے کے لیے کہا تو اس نے ڈیڈی کے ہاں جانے کا سوچ کر خوشی خوشی مرجنڈا کلر کا شیفون کا سوٹ نکال لیا تھا، جس پر مرودڑی اور دبکے کا نہایت نفیس کام بنا ہوا تھا، مگر جسے فیصل نے اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا اور پنک لائٹ سی ایمبرائیڈری والا سوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا کاٹن کا وہ جو ڈیڈی کے ہاں جانے کے خیال سے لپ اسٹک لگانے لگی تو اس نے منع کر دیا اور بال باندھنے کا کہتے ہوئے اسے بتایا کہ اس کا وہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروا چکا ہے اور وہ سحرش کے ساتھ یونیورسٹی جایا کرے گی، وہ تو سن کر ہی حیران پریشان رہ گئی اور اس کے فیصلہ سنا دینے پر تو وہ بالکل رو دینے کو ہو گئی تھی، مگر فیصل نے صاف کہہ دیا کہ وہ آج ہی نہیں ریگولر یونیورسٹی جائے گی، اس معاملے میں وہ اس کی بالکل نہیں سنے گا اور وہ شادی کے اتنے دن بعد فیصل کا پرانا روپ دیکھ کر ڈر ہی گئی تھی، اس کے کہے کے مطابق وہ اب یونیورسٹی میں تھی، ماہ کنعان بہن کو چھوڑنے آیا تھا، مگر سمیرا کو دیکھ کر وہ اس تک چلا آیا اور سمیرا سے بات کرتے ہوئے اس کی نگاہ کچھ فاصلے پر کھڑی حنین پر پڑی، وہ سحرش کو اشارہ کر رہی تھی تاکہ وہ وہاں سے جا سکیں، مگر اس کے دیکھنے پر وہ گڑبڑا گئی، اسی کی وجہ سے تو وہ وہاں آئی نہیں تھی۔ ماہ کنعان کی نگاہ اس پر ٹھہر گئی تھی، بلیک پرنٹڈ کاٹن کے سوٹ میں اس کی اجلی رنگت بڑی نمایاں تھی۔

"اور وہ خود ہی چھوڑ بھی گئے ہیں"۔ سمیرا کی بات کے اختتام پر وہ اس پر سے نگاہ ہٹا کر اس سے اجازت لینے لگا۔

"چلیں میرے یار سے تو بہت دل لگا لیا آپ نے، اب کتابوں میں دل لگائیں"۔ اس کے نروٹھے چہرے کو دیکھ کر ماہ کنعان شرارت سے بولا اور وہ تو بری طرح جھینپ گئی۔

"آپ اپنے دوست سے کم نہیں ہیں"۔ بے ساختہ ہی اس نے ایک اور قہقہہ لگایا تھا اور اس کے وہاں سے جاتے ہی وہ حنین کی طرف بڑھی تھیں، جو شدید غصے کے زیر اثر آ چکی تھی۔

”فرسٹ ڈے ہی کلاس میں لیٹ جائیں گے“۔

”ٹینشن کیوں لیتی ہو اورینٹل کلاس ہے اور ابھی شروع ہونے میں پورے 10 منٹ ہیں“۔

”کلاس شروع ہونے میں 10 منٹ ہیں اور ہمیں ابھی اپنی کلاس بھی ڈھونڈنی ہے“۔ حنین تپ کر بولی تھی۔

”لالہ جان نے ہماری کلاس دیکھ لی تھی، ہمیں ڈھونڈنا نہیں پڑے گی“۔ ماہ لاج نے مداخلت کی تھی۔

”دیکھی لالہ جان نے اور ڈھونڈنی ہمیں نہیں پڑے گی، واٹ آ گڈ جوک“۔ نہ جانے کیوں اسے غصہ آ رہا تھا۔

”مجھے لالہ جان نے کلاس کی لوکیشن اور روم نمبر سمجھا دیا تھا“۔ ماہ لاج برا مانے بغیر بولی تھی، کیونکہ رات ہی تو سحرش نے فون کر کے اس سے کہا تھا کہ حنین بھی اس کی کلاس فیلو ہے اور اگر اس سے دوستی کرنا ہے تو شروع میں اس کا سب بی ہیویئر اگنور کرنا پڑے گا اور یہی سب حنین کو بھی بتاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ لاج کے ساتھ مس بی ہیو نہ کرے، ماہ کنعان پر غصہ ہے بھی تو کم از کم لاج پر نہ نکالے اور یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی اور اس نے سحرش سے کہا تھا کہ وہ لاج سے دوستی کر لے گی مگر ماہ کنعان کو دیکھ کر وہ رات کی کہی بات بھول گئی تھی، لاج کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا تھا، مگر دوسری کوئی بات نہیں کہی تھی، وہ چاروں جس وقت کلاس کے باہر پہنچی تھیں، دھک سے رہ گئی تھیں کیونکہ کلاس شروع ہو گئی تھی۔

”مجھے ڈانٹ پڑی تو میں آئندہ تمہارے ساتھ نہیں آؤں گی“۔ حنین نے سحرش کو دھمکایا تھا اور اسی نے اندر جانے کی اجازت لی تھی۔

”آپ خواتین نے یہ مقولہ ضرور سنا ہوگا کہ فرسٹ امپریشن از لاسٹ امپریشن“۔ ڈائس پر کھڑے عین العارفین نے تیکھے چتونوں سے ان کو دیکھا تھا اور وہ شرمندہ ہو گئی تھیں مگر کہا کچھ نہیں تھا اور دو دو کر کے دو سیٹوں پر بیٹھ گئی تھیں اور اتفاق سے انہیں دونوں سیٹیں تیسرے نمبر کی ملی تھیں۔

”تم لوگ وہاں باتیں کرنے کھڑی نہیں ہوتیں تو اتنی شرمندگی نہیں اٹھانا پڑتی اور نہ ہی اتنے آخر کی سیٹ پر بیٹھنا پڑتا“۔ وہ ہمیشہ فرسٹ سیٹ پر ہی بیٹھا کرتی تھی۔

”آپس میں باتیں کرنے سے بہتر یہ ہوگا کہ آپ لوگ اپنا تعارف کروا دیں، اسکول سے جو دوست بنتی ہیں اسے ہر جگہ ساتھ لٹکا کر پھرتی ہیں اور باتیں کرتے وقت نہ جگہ دیکھتی ہیں نہ ہی وقت“۔ عین العارفین کا لہجہ بہت کچھ جتا رہا تھا۔ ماہ لاج کے بعد سمیرا تعارف کروانے کھڑی ہوئی تھی اور سمیرا اینجل کہتے کہتے اس نے سمیرا اشا کر کہہ کر اپنا تعارف کروایا تھا اور سحرش کے بیٹھتے ہی اسے کھڑا ہو جانا چاہیے تھا، مگر وہ بیٹھی رہی تھی۔

”محترمہ! وقت نہ ہو تو تعارف کروا دیں“۔ عین العارفین کی خوبصورت آنکھیں اس پر جمی تھیں اور وہ جو بیٹھے بیٹھے بولی تھی اسے سن کر ساتھ بیٹھی سحرش کے ساتھ کلاس میں موجود اکا دکا اسٹوڈنٹس اور خود عین العارفین بھی متحیر رہ گیا تھا۔

”میں اپنا تعارف کروانا ضروری نہیں سمجھتی“۔

”آپ کو ٹیچر سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے؟“

”مجھے ٹیچرز سے بات کرنے کی تمیز ہے، مگر صرف ٹیچرز سے، ان نام نہاد ٹیچرز کو میں اپنا تعارف نہیں دیتی جو سٹوڈنٹس کو فول بنانے کے لیے داڑھی مونچھ لگا کر آتے ہیں“۔ وہ طنز سے کہتی اپنی سیٹ سے اٹھی تھی اور عین العارفین کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ اس تک پہنچی تھی اور اس کے چہرے پر سجی نقلی داڑھی مونچھ نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا دی تھی اور

وہ ہکا بکا سا کھڑا اس کی جرأت ملاحظہ کر رہا تھا، جوابی کارروائی کے طور پر کچھ کہتا یا کرتا ایک ڈیسنٹ لیڈی روم میں داخل ہوئی تھیں، جنہیں دیکھ کر قہقہوں پر نقب لگ گئی تھی اور وہ چند سینئر اسٹوڈنٹس جو عین العارفین کا ساتھ دینے کی غرض سے وہاں بیٹھے تھے، میڈم عائشہ کو دیکھ کر فوراً ہی وہاں سے کھسک لیے تھے۔

”تمہیں تو میں دیکھ لوں گا“۔ وہ دھمکی دیتا ڈائس سے اترا تھا اور روم سے نکل گیا تھا اور وہ بھی اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی تھی پھر اسٹوڈنٹس اپنا تعارف کروانے لگے تھے، حنین نے بھی اپنا تعارف کروا دیا تھا اور میڈم عائشہ بریفلی طور پر اپنے سبجیکٹ اکنامکس کی بابت لیکچر دے کر چلی گئی تھیں، اس کے بعد آنے والے ٹیچرز نے بھی آج محض تعارف کی رسم ہی نبھائی تھی، اسی طرح پہلا دن تھوڑی مصروفیات اور شرارتوں کے ساتھ گزر گیا تھا، حنین کی حرکت پر ان تینوں نے ہی اس سے کہا تھا کہ اسے شک ہو بھی گیا تھا تو چپ رہنا تھا مگر وہ کاندھے اچکا گئی تھی اس لیے وہ بھی چپ ہو گئی تھیں یہ سوچ کر کہ جو ہونا تھا وہ ہو گیا اور جس نے کیا جب اس کو فرق نہیں پڑتا تو پھر انہیں کیا ضرورت پڑی ہے پریشان ہونے کی؟

☆..........☆..........☆

”بھابی! کھانے کو کچھ دے دیں، بڑی بھوک لگی ہے“۔ سمیرا یونیورسٹی سے آنے کے بعد کھانا کھائے بغیر سو گئی تھی، فیصل آفس سے آیا تو وہ سو رہی تھی اس نے فریش ہو کر اسے اٹھانا چاہا تھا، وہ کمبل ہٹاتی اسے موقع دیے بغیر واش روم میں چلی گئی تھی، وہ اس کے واپس آنے کا انتظار کر رہا تھا، مگر اسے کمرے میں دیکھ کر وہ بالوں سے ٹاول ہٹاتی الجھے گیلے بال کیچر میں جکڑتی روم سے نکل گئی اور وہ اس کی بچکانہ حرکتوں پر مسکراتا اس کے پیچھے ہی روم سے نکل آیا تھا۔

”بھابی سے کیوں کہہ رہی ہو، خود بھی کچھ کر لیا کرو“۔ اس کے ناراض چہرے پر نظر ڈالی تھی اور وہ رخ پھیر گئی تھی۔

”مجھے کچھ کرنا نہیں آتا“۔ لہجے میں روٹھا پن تھا۔

”تم بیٹھو میں کھانا گرم کر دیتی ہوں“۔

”کھانا کھانے کو دل نہیں کر رہا“۔

”میں نے رول اور سموسے بنائے ہیں، ساتھ میں کباب بھی تل دیتی ہوں“۔ زرمین کے کہنے پر وہ ڈائننگ ٹیبل کی چیئر کھسکا کر بیٹھ گئی۔

”نہیں یار! آج تو بہت مشکل ہے کل کا پروگرام رکھ لو“۔ وہ کن انکھیوں سے اسے دیکھتا فون پر بات کر رہا تھا۔

”یار! مینج کر لے بابر کل یو ایس اے جا رہا ہے، اس لیے سارے دوست جمع ہو رہے ہیں، اب تو نہیں آئے گا تو سب ہی فیل کریں گے، تو ویسے ہی کافی ماہ سے دوستوں کے ساتھ اکٹھا نہیں ہوا“۔ ماہ کنعان نے تفصیل بتاتے ہوئے اس پر زور ڈالا تھا۔

”اوکے میں آ رہا ہوں، جب تو نکلنے لگے تو مجھے فون کر دینا“۔ اس نے بات ختم کر کے اسے دیکھا تھا جو بظاہر تو اس کی جانب متوجہ نہیں تھی مگر وہ جانتا تھا کہ وہ غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی اور اب اس کے جانے کا سوچ کر غصہ ہو رہی ہوگی (دل ہی دل میں)۔

”سمیرا! میری چائے کمرے میں لے آنا“۔

”سوری، اس وقت میں بزی ہوں“۔ بے رخی سے کہتے ہوئے زرمین کے ہاتھ سے ٹرے لے لی تھی اور یوں شروع

ہوگئی تھی جیسے اس سے ضروری کوئی کام ہی نہ ہو۔

”فیصل! آپ سموسے.....!“ چائے دیتے ہوئے پوچھنا چاہا تھا۔

”نہیں بھابی! دل نہیں کررہا، اور ابھی دوستوں کی طرف جارہا ہوں، ڈنر پر آپ لوگ میرا انتظار مت کیجیے گا، میں لیٹ ہوجاؤں گا“۔ وہ احترام سے کہتا ڈائننگ ہال سے نکل گیا، کمرے میں آکر کپڑے چینج کیے اور مہوش کو اپنے جانے کا بتا کر وہ پورچ کی جانب بڑھ گیا، گاڑی میں بیٹھتے ہوئے یاد آیا تھا کہ وہ سیل فون کمرے میں ہی بھول آیا ہے، پلٹا تھا کہ سمیرا آتی دکھائی دی تھی اور سیل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی تھی۔

”مجھے ڈیڈی کے پاس چھوڑ دیں“۔

”سمیرا! تمہیں پھر کبھی ماموں جان کے پاس لے جاؤں گا، اس وقت میں جلدی میں ہوں، کنعان میرا انتظار کررہا ہے“۔

”جب میں یونی گئی ہوئی تھی مما کے پاس ڈیڈی کا فون آیا تھا وہ مجھے یاد کررہے ہیں“۔

”لے جانے کا مسئلہ نہیں ہے، واپسی میں مجھے بہت دیر ہوجائے گی، تمہیں پک نہیں کرسکوں گا، اس لیے ہم کل چلیں گے“۔

”مجھے ابھی جانا ہے، آپ مجھے چھوڑ دیں، میں وہیں رک جاؤں گی“۔

”تو..... تمہیں صبح جامعہ جانا ہے“۔ وہ سختی سے کہتا گاڑی میں بیٹھنے لگا۔

”آپ مجھے ابھی ڈیڈی کے پاس نہیں لے جائیں گے تو میں صبح کہیں نہیں جاؤں گی“۔ کار کے دروازے پر ہاتھ رکھے رکھے وہ پلٹا۔

”جانتا ہوں، یہ سارے بہانے نہ جانے کے لیے ہی ہورہے ہیں، مگر میں اس وقت جلدی میں ہوں، آکر بات کروں گا“۔ اس کے گلابی چہرے پر ایک برہم سی نگاہ ڈالتا وہ گاڑی میں بیٹھا اور یہ جا وہ جا، اور وہ بھی پیر پٹختی اندر چلی گئی، رات کھانا بھی نہیں کھایا، کیونکہ بھوک نہیں تھی اوپر سے نیند بھی نہیں آرہی تھی، ٹی وی چینل بدلتی اکتا گئی تو کتاب اٹھالی، مگر کتاب میں بھی دل نہیں لگا۔

”یہ فیصل پتہ نہیں کیسے رات گئے تک کتابیں پڑھ لیتے ہیں“۔ کتاب بند کرتے ہوئے سوچا، فیصل اس طرح پہلی بار کہیں گیا تھا اس لیے اسے خالی کمرہ کچھ زیادہ ہی عجیب لگ رہا تھا اور کروٹیں بدلتے فیصل کا انتظار کرتے کرتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی تھی، رات کے ڈھائی بجے وہ جس وقت کمرے میں داخل ہوا وہ بیڈ کے عین وسط میں سورہی تھی، آس پاس اتنی جگہ نہیں تھی کہ وہ لیٹ جاتا اسی لیے دھیرے سے اسے سائیڈ میں کیا تھا کہ اس نے کسمساتے ہوئے آنکھیں کھول دی تھیں۔

”آپ مجھے مت اٹھائیں، میں بالکل نہیں جاؤں گی“۔ آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

”کہاں نہیں جاؤ گی؟“ مسکراتے ہوئے آنکھوں پر سے اس کا ہاتھ ہٹایا تھا۔

”مجھے پڑھنے کا بالکل شوق نہیں ہے فیصل! اب آپ میری نیند خراب نہ کریں، پہلے ہی اتنی مشکل سے سوئی ہوں“۔

”بھئی! میں نے تمہاری نیند خراب کرنے کا حق حاصل کیا ہے مذاق بات نہیں ہے، اور میرے بغیر تمہیں کہاں اتنی آسانی سے نیند آسکتی تھی“۔ ایک ہاتھ سر کے نیچے اور دوسرے ہاتھ کی کہنی بستر پر جمائے وہ قدرے اس پر جھکا کہہ رہا تھا۔

”مجھے تنگ مت کریں، میں آپ سے ناراض ہوں“۔ خفگی سے کہتی اٹھنے لگی تھی جسے وہ ناکام بنا گیا تھا۔

”ناراض ہوکر بہت اچھی لگ رہی ہو“۔ شرارت سے کہتے ہوئے وہ اس پر جھکا تھا اور اس کی خفگی اور غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اسے اپنے پیار کی اوس میں بھگوتا چلا گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

”زرمین! میرے موزے نہیں مل رہے؟“

”سحرش! چائے نکال لینا، مجھے فیصل بلارہے ہیں“۔ وہ عجلت میں کچن سے نکل کر روم میں آگئی۔

”موزے کہاں رکھ دیئے، کب سے ڈھونڈ رہا ہوں“۔

”سوری فیصل! میں نکالنا بھول گئی تھی“۔ شرمندگی سے کہتی الماری میں سے موزے نکال لائی، جسے لیتے ہوئے فیصل نے ایک نظر اسے دیکھا، بالوں کو جوڑے کی شکل میں بے ترتیب سا لپیٹا ہوا تھا، کل کے پہنے ملگجے کپڑوں پر ایپرن باندھے پژمردہ چہرہ لیے وہ اس کے سامنے تھی۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ وہ اثبات میں سر ہلاتی مڑی تھی اور وہ اس کی کلائی تھام گیا، اور وہ تو دھک سے رہ گئی کہ اسے ایسی کوئی امید ہی کب تھی۔

”تمہیں تو بخار ہورہا ہے“۔ کلائی چھوڑ کر پیشانی پر ہاتھ رکھا اور متفکر سا بولا۔

”نہیں میں ٹھیک ہوں، آپ کو کوئی کام تو نہیں ہے، مجھے کچن میں بہت سے کام ہیں“۔

”کام مما دیکھ لیں گی، تمہیں بتانا تو چاہیے تھا“۔

”میری آنکھ آج دیر سے کھلی ہے فیصل! بس اس لیے ساری گڑبڑ ہوگئی، آپ جلدی سے تیار ہوکر آجائیں، میں آپ کے لیے آملیٹ بنالیتی ہوں“۔ وہ کیا کہہ رہا تھا اور وہ کیا کہہ رہی تھی۔

”کھانا مما دیکھ لیں گی، تمہیں آرام.....!“

”معمولی بخار ہے، میں نے رات کو ٹیبلیٹ لے لی تھی، آپ پریشان نہ ہوں“۔

”کیسے پریشان نہ ہوں؟ تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں“۔

”ٹھیک ہے، آپ آفس جاتے ہوئے لے جایئے گا“۔ وہ کہتی باہر نکل گئی، ڈائننگ ہال میں سب ہی موجود تھے، سحرش نے ٹیبل لگانے میں اس کی پوری مدد کی تھی جبکہ سمیرا آنکھوں میں نیند لیے ابھی ابھی ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی تھی۔

”زرمین! اب تم بھی آجاؤ بیٹا! صبح سے لگی ہوئی ہو“۔ فیاض صاحب نے اسے آواز لگائی تھی۔

”مجھے تو بے حد شرمندگی ہورہی ہے، صبح سے شام تک لگی رہتی ہے، میری طبیعت ٹھیک ہی نہیں ہے چند دنوں سے، ثمانہ بھی اس کی کوئی مدد نہیں کروا پاتی، اور یہ دونوں تو ہیں ہی سدا کی نکمی“۔ انہوں نے زرمین کو پیار سے دیکھتے ہوئے ان دونوں کو گھرکا تھا۔

”مما! گھر کے کام تو کرنا ہی پڑتے ہیں اور یہ دونوں بھی جب وقت آئے گا کرلیا کریں گی“۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر تم بھی تھک جاتی ہوگی اور آج تو مجھے تمہاری طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی“۔ ان کی شرمندگی کم نہیں ہورہی تھی، اور فیصل کی بات نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی تھی۔

''محترمہ کو تیز بخار ہے''۔

''آپ لوگ پریشان نہ ہوں، میں دوائی لے چکی ہوں''۔

''بیٹا! تم آفس جانے سے پہلے بہو کو ڈاکٹر کے ہاں لے جانا''۔ فیاض بولے۔

''بیٹا! تم ہمیں بتاتیں تو سہی، بیماری کی حالت میں کام کرتی رہیں''۔

''مما! اب خدانخواستہ سیریس بیمار نہیں ہوئی، ٹیبلیٹ لے لی تھیں، سوچا ٹھیک ہو جاؤں گی''۔ وہ ان سب سے زیادہ شرمندہ ہو رہی تھی۔

''اچھا اب جلدی سے حلیہ ٹھیک کر کے آ جاؤ''۔ سحرش نے اسے وہاں سے اٹھایا تھا۔

''مما! میں آج چھٹی کر لیتی ہوں''۔

''نہیں، ضرورت نہیں ہے، تم دونوں جاؤ، میں ہوں''۔ ان کے کہنے پر وہ دونوں فیصل کے ساتھ نکل گئی تھیں، مگر یسرا کافی اپ سیٹ ہو گئی تھی، دوپہر اور رات کا کھانا مہوش نے خود بنایا تھا، صفائی کرنے ماسی آ گئی تھی، زرمین کو انہوں نے کچھ کرنے نہیں دیا تھا۔

☆..........☆..........☆

''یسریٰ! ایکسر سائز میں تمہیں پرابلم ہو رہی ہو تو میں نرس کا انتظام کر دیتا ہوں''۔ وہ آفس سے جلدی نکلا تھا اور گھر جانے کے بجائے یہاں آ گیا۔

''فی الحال تو ضرورت نہیں ہے، بواجی میری کافی ہیلپ کروا دیتی ہیں''۔

''یہ سب تکلیف تمہیں اپنی جذباتیت کی وجہ سے اٹھانا پڑ رہی ہے''۔ وہ اس کے کاندھے سے لگی نیم دراز تھی اور اس کی انگلیاں اس کے ریشمی بالوں میں بڑی سرعت سے چل رہی تھیں۔

''ہونے والی بات ہوتی ہے تو ہو کر رہتی ہے، یہ بتایئے گھر میں سب کیسے ہیں؟''

''سب ٹھیک ہیں، زرمین آئی ہوئی ہے اس کی طبیعت کچھ خراب ہے''۔

''کیا ہوا ہے زرمین کو؟'' وہ پریشان ہوئی تھی، اسجد غائبانہ طور پر سب کا تعارف کروا چکا تھا۔

''بدلتے ہوئے موسم کی وجہ سے فلو اور بخار ہے، یہ بتاؤ تم نے کب تک ایسے ہی فارغ رہنے کا سوچا ہے؟''

''فارغ رہ رہ کر تو میں بھی تنگ آ گئی ہوں، مگر کیا کروں؟ گھر سے باہر بھی نہیں نکل سکتی، کتنے ماہ سے گھر کے باہر کی فضا نہیں دیکھی''۔ وہ اداس ہو گئی تھی۔

''اور اکیلا گھر بھی کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے، خالہ کے گھر میں تو ہر وقت ہنگامہ بپا رہتا تھا، وہ لوگ نہ جانے مجھے یاد بھی کرتے ہوں گے یا نہیں؟'' وہ جیسے بھی تھے اس کے اپنے تھے اور ان کی یاد اس کی پلکیں نم کر گئی۔

''جنہوں نے تمہیں پاس رکھ کر یاد نہیں رکھا دور جانے کے بعد کیا کریں گے''۔ وہ تلخ ہوا تھا۔

''وہ مجھے یاد کریں نہ کریں میں ان سب کو بہت مس کرتی ہوں، بڑا دل کرتا ہے ان سب سے ملنے کا، کیا آپ مجھے خالہ سے ملوانے لے جا سکتے ہیں؟'' وہ بڑی آس سے پوچھ رہی تھی۔

''میں ان لوگوں کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا، اتنے دوغلے اور مکار لوگ میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھے''۔

''ایسے تو مت کہیں اسجد! وہ جیسے بھی ہیں میرے اپنے ہیں''۔

''تمہیں آنسو بہانے کی ضرورت نہیں ہے، میں چاہتا تو نہیں ہوں، ان لوگوں سے کسی بھی قسم کا رابطہ کرنا، لیکن تمہاری خوشی کے لیے کسی دن لے چلوں گا''۔ وہ آنسو پونچھتا ہوا بولا اور وہ خوش ہو گئی۔

''تھینک یو اسجد! آپ بہت اچھے ہیں''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے جوش سے بولی، اور وہ کچھ کہتا کہ اس کا سیل بجنے لگا، اس نے سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر دیکھا اور گھر کا نمبر دیکھ کر کال ریسیو کر لی، مگر مائدہ کی آواز سن کر ساری خوشگواریت لمحوں میں اڑن چھو ہو گئی۔

''اسجد! میں مائدہ بات کر رہی ہوں''۔

''کیسے فون کیا؟''

''آپ کب تک آئیں گے؟''

''ابھی آفس میں ہوں، فارغ ہوتا ہوں تو آ جاؤں گا''۔

''لیکن ابو تو کہہ رہے ہیں آپ آفس سے نکل گئے ہیں''۔

''تم یہ بتاؤ کیسے فون کیا؟'' اس کی بات پر غصہ تو آیا مگر یسریٰ کی وجہ سے آواز دھیمی ہی رکھی۔

''ماما کا کتنی ہی دفعہ فون آ چکا ہے، آج ہم ان کے یہاں انوائٹ ہیں، سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں''۔

''میں آدھے گھنٹے تک پہنچ رہا ہوں''۔ راحم کی پروموشن ہوئی تھی، اس لیے ان لوگوں نے ایک گیٹ ٹو گیدر رکھ لی تھی اور آفس جاتے ہوئے مائدہ نے اسے بتاتے ہوئے جلدی آنے کا کہا تھا، مگر اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔

''فون پر مائدہ تھی؟'' وہ چونکا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آپ کو مائدہ سے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا''۔

''پھر کیا سچ کہہ دیتا؟'' اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''مجھے اپنا آپ مجرم لگتا ہے اسجد! کہ آپ کو میری وجہ سے اپنی بیوی اور پیرنٹس سے جھوٹ بولنا پڑتا ہے''۔

''مائدہ میری بیوی ضرور ہے مگر اس کا نمبر دوسرا ہے، اور تم سے تو دل کا معاملہ جڑا ہے''۔ وہ شوخ ہوا تھا مگر اس کی سنجیدگی ہنوز قائم رہی۔

''وہ چاہے آپ کی دوسری بیوی ہے، مگر اس کی جو حیثیت دنیا اور آپ کے پیرنٹس کی نظر میں ہے اس مقام تک میں کبھی نہیں پہنچ پاؤں گی، میرا شوہر مجھ سے ملنے کسی چور کی طرح آتا ہے اور یہ بات مجھے اذیت دے رہی ہے''۔

''یہ سب تمہاری وجہ سے ہے، ورنہ میں تو شادی ہی کرنا نہیں چاہتا تھا، تمہارے لیے اپنے گھر والوں کو چھوڑ رہا تھا''۔

''میں اپنے دل کو بسانے کے لیے آپ کے پیرنٹس کا دل نہیں اجاڑ سکتی تھی اور مائدہ.... اس کا کیا قصور ہے جو آپ عین شادی پر اس سے شادی سے انکار کر دیتے؟ اس نے بھی تو کتنے ہی خواب سجائے ہوں گے''۔

''ایک تو مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی، خود ہی تم نے یہ راستہ منتخب کیا، مجھے اس راستے کا مسافر بنایا اور خود اذیت میں ہو اور مجھے بھی اذیت دے رہی ہو، جانتی ہو نا تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا''۔ اس کے لہجے و چہرے پر بکھری اذیت وہ بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔

"میں بھی کیا کروں، چاہتی ہوں آپ اپنوں کے ساتھ رہیں، ہمیشہ خوش رہیں، میری خوشی صرف آپ ہیں"۔

"اور میری خوشی صرف تم ہو"۔ وہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھے لفظوں پر زور دے کر بولا۔

"جانتی ہوں، اسی لیے تو خوش رہنے کی کوشش کرتی ہوں امجد! مگر میں مکمل خوش ہونا چاہتی ہوں، کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ جیسے میں نے آپ کی شادی ایکسیپٹ کرلی ہے آپ کے پیرنٹس اور مائدہ ہماری شادی ایکسیپٹ کرلیں؟" وہ اسے امید بھری سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں اپنے پیرنٹس سے بات کرنا چاہ رہا تھا کیونکہ مجھے لگتا تھا کہ جب انہیں یہ پتہ لگے گا کہ میں نے تم سے نکاح کرلیا ہے تو وہ خود ہی مائدہ سے میری شادی ختم کردیں گے، مگر میں تمہاری ضد اور قسم کے آگے ہار گیا، کیونکہ تم نے ہی تو کہا تھا کہ میں اس بات کو راز ہی رہنے دوں، جب بتانے کا وقت تھا تم نے بتانے نہیں دیا اور اب کہتی ہو کہ وہ ہماری شادی ایکسیپٹ نہیں کرسکتے؟" امجد سمجھ نہیں پارہا تھا کہ وہ آخر چاہتی کیا ہے؟

"امجد! وہ بتانے کا بالکل بھی مناسب وقت نہیں تھا، آپ کے فادر آپ سے تعلق ختم بھی کرسکتے تھے اور آپ شادی سے انکار کرتے تو آپ کے اور آپ کی پھپھو کے خاندان (سسرال) کی عزت خاک میں مل جاتی، مگر اب آپ طریقے سے اپنے پیرنٹس سے بات کرسکتے ہیں اور جب مائدہ کو میں نے آپ کی بیوی کے روپ میں برداشت کرلیا ہے وہ بھی کرلے گی، عورت کو ایک سائبان ہی تو چاہیے ہوتا ہے اور آپ ہم دونوں کا سائبان بن جائیں گے تو ہمیں پھر اور کچھ نہیں چاہیے ہوگا"۔ وہ زندگی بھر ایک چھت کو ہی تو ترستی تھی، ایسی چھت جہاں اپنے ہوں، ان میں پیار ہو، ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی ہوں، اس کے اپنے تھے مگر اس کے وجود سے یکسر بیگانہ جہاں اسے ہر وقت یہ احساس دلایا گیا کہ یہ گھر اس کا نہیں ہے، اس لیے اس نے ہمیشہ ایک گھر کا خواب دیکھا جو اسے ادھورا لگتا تھا، اس لیے اس نے اتنی بڑی قربانی دی، امجد کو دوسری شادی کی اجازت دی، امجد اس سے ملنے روز آتا تھا مگر وہ چاہتی تھی کہ اسے اس کا جائز مقام طریقے سے ملے یوں چوری چھپے نہیں۔

"اس وقت میں چلتا ہوں، تم پریشان مت ہوا کرو، میں نے تمہیں اپنا نام دیا ہے، نکاح کیا ہے تم سے، اور آج میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ بہت جلد تمہیں اپنے گھر لے چلوں گا، تمہاری جائز حیثیت اور مقام کے ساتھ۔ بس تم رویا نہ کرو، مجھے تکلیف ہوتی ہے"۔ وہ اس کے کاندھے تھامے جذباتی انداز میں کہتا اس کی پیشانی پر اپنے ہونٹوں کی مہر ثبت کرتا اسے ریلیکس رہنے کا کہتا گاڑی کی چابی اور موبائل سائیڈ ٹیبل سے اٹھاتا پھر آنے کا کہہ کر روم سے نکلا تھا، بوا جی کو اس کی طبیعت وصحت کے متعلق چند ہدایات دی تھیں اور فلیٹ سے نکل آیا تھا، گاڑی میں بیٹھتے ہوئے مائدہ کا نمبر ملایا تھا۔

"تم گھر والوں کے ساتھ اپنے گھر چلی جاؤ، میں ایک گھنٹے تک وہاں پہنچ جاؤں گا"۔ اور جس وقت وہ گھر پہنچا تھا، لوگ چلے گئے تھے۔ اس نے تھکن مٹانے کے لیے شاور لیا تھا، الیکٹرک کیٹل سے اپنے لیے چائے بنائی تھی اور چائے کے ساتھ سر درد کی ٹیبلیٹ لی تھی اس کا وہاں جانے کو دل نہیں تھا مگر مائدہ نے ان کے رشتے کی کمزوری اور تمام تلخیاں کمرے تک محدود رکھی تھیں، اس لیے وہ بھی سب کے سامنے مائدہ سے نارمل بی ہیو ہی کرتا تھا، اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ایک گھنٹے کا کہہ کر دو گھنٹے میں وہاں پہنچ گیا تھا۔

☆ ----- ☆ ----- ☆

سعدیہ عابد

قسط نمبر 12

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

"آپ لوگوں نے آنے میں اتنی دیر کر دی، اور یہ اسجد بھائی کہاں ہیں؟" شازمین ماں اور چچی سے ملتے ہوئے باری باری ان کے گلے لگتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"اسجد کو آفس میں کچھ کام تھا، وہ ختم کر کے آ جائیں گے۔" وہ سادگی سے کہتی سب سے ملنے لگی تھی، ان کی فیملی کے علاوہ وجاہت کی پوری فیملی بھی انوائیٹڈ تھی اور وہ لوگ کب کے آ گئے تھے۔

"ارحم بھیا! دکھائی نہیں دے رہے۔" حنین کو سب سے پہلے وہ یاد آتا تھا۔

"ابھی، ابھی آیا ہے اوپر اپنے کمرے میں ہے۔" فریدہ نے بتایا تھا۔

"فریش ہو کر آ جائے گا جب مل لینا۔" وہ جو اٹھنے لگی تھی واپس بیٹھ گئی۔

"تم لوگوں کی اسٹڈی کیسی چل رہی ہے؟" مائدہ نے پوچھا۔

''ایک دم بور''۔ سمیرا جلدی سے بولی۔

''ابھی تو اسٹارٹ ہے ناں، اس لیے لگ رہا ہوگا''۔ مائدہ نے اندازہ لگایا تھا۔

''اسٹارٹ کی وجہ سے نہیں آپیا! سمیرا کو پڑھنے کا شوق ہی نہیں ہے''۔

''ایسی بات تھی تو ایڈمیشن کیوں لیا؟''

''میں نے کب لیا ہے، فیصل نے زبردستی کروایا ہے''۔ اس نے سامنے صوفے پر بیٹھے فیصل پر خفگی بھری نگاہ ڈالی تھی وہ اس سے اب بھی خفا تھی، مگر وہ اس کی سن کب رہا تھا، روز اسے صبح 7 بجے اٹھا دیتا تھا، سمیرا کے دیکھنے پر اس نے اسمائل پاس کی مگر وہ نگاہ پھیر گئی۔

''تو اچھی بات ہے ناں، انٹر کی ڈیمانڈ ہی کب ہے، ماسٹرز نہیں تو کم از کم گریجویٹ تو کرنا ہی چاہیے اور جب فیصل بھیا خود تمہیں اجازت دے رہے ہیں، تو پھر کیا مسئلہ ہے؟ تم تو خوش نصیب ہو اس لحاظ سے، ورنہ تو شادی کے بعد لڑکیوں کو پڑھنے کی اجازت مل ہی نہیں پاتی''۔ مائدہ سچائی سے بولی کیونکہ ہوتا بھی تو یہی ہے شادی سے پہلے تو وعدے کر لیے جاتے ہیں مگر شادی کے بعد سارے وعدے بھول جاتے ہیں۔

''مجھے پڑھنے وڑھنے کا شوق نہیں ہے، میں نے انٹر ہی اتنی مشکل سے کیا ہے، جبکہ یونیورسٹی کی پڑھائی بہت ٹف ہے، ریگولر جانا ہی اتنا مشکل ہے''۔

''چند دنوں میں یوزڈ ٹو ہو جاؤ گی، ورنہ فیصل بھیا سے بات کرنا وہ تمہاری بات مان لیں گے''۔ اس کے روٹھے چہرے کو دیکھ کر نرمی سے شاز مین نے کہا۔

''فیصل اس سلسلے میں میری بالکل نہیں ماننے والے، خیر اس قصے کو جانے دیں اور یہ بتائیں امجد بھائی کیوں نہیں آئے؟''

''امجد بھائی آگئے ہیں''۔ حنین ان لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی تھی کیونکہ وہ باہر سے ہی آئی تھی، وہ سب اپنی گفتگو میں لگ گئیں۔

''بچیوں آج صرف محفل جمائے رکھنے کا ارادہ ہے، کھانا کھلانے کا ارادہ نہیں ہے؟'' یوسف الحسن کے شگفتگی سے کہنے پر شاز مین کے ساتھ وہ تینوں بھی اس کی مدد کروانے کے خیال سے اٹھ گئی تھیں، جبکہ حنین ارحم کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''اور سناؤ بھئی! جناب کی اسٹڈی کیسی چل رہی ہے؟'' وہ فیصل کو چھوڑ کر فوراً اس کی جانب متوجہ ہوا تھا کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔

''ابھی چل کہاں رہی ہے بھیا! ابھی تو رینگ رہی ہے''۔ وہ شان بے نیازی سے کہتی پونی ٹیل میں انگلیاں چلانے لگی، ساجدہ کو اس کی یہ عادت سخت ناپسند تھی، کیونکہ اس کے بال بہت خوبصورت تھے اور بالوں میں بار بار اور مستقلاً ہاتھ پھیرا جائے تو کہتے ہیں کہ بال جھڑنے لگتے ہیں، اسی خیال سے وہ بیٹی کو منع کرتی تھیں، مگر وہ بھی کیا کرتی خود بخود ہاتھ بالوں کی جانب اٹھ جاتے تھے، اسی لیے ساجدہ اسے پونی ٹیل باندھنے نہیں دیتی تھیں اور خود اس کے لانبے بالوں کی روزانہ صبح وشام چوٹی گوندھ دیتی تھیں، مگر آج اس نے ضد کر کے پونی ٹیل بندھوائی تھی جو گردن کی حرکت کے ساتھ لچکیلی شاخ کی مانند ادھر سے ادھر جھول رہی تھی۔

''فرسٹ ڈے کیسا رہا تھا؟ سینئرز نے بے وقوف تو بنایا ہوگا؟''

''کسی میں اتنا دم کہاں کہ وہ حنین عالم کو بے وقوف بنا سکے''۔ اس نے فخر سے فرضی کالر اونچے کیے اور سحرش کو دیکھنے لگی، جسے زرمین نے کچن سے بھگا دیا تھا، اور وہ حنین کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی اور اس نے سحرش کے اشارے سے منع کرنے پر بھی ساری تفصیل بتا دی۔

''ارحم بھیا! ڈائس کے اوپر وہ شخص کافی ینگ لگ رہا تھا، اور فضول میں رعب جھاڑ رہا تھا، جبھی مجھے ایسا لگا کہ بولتے ہوئے اس کی ناک کے ذرا نیچے موجود کوئی چیز ہل رہی ہے اور میں نے جا کر اس کی نقلی داڑھی مونچھ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا دی، سچ ارحم بھیا! اس کی شکل دیکھنے والی تھی''۔ وہ اپنا کارنامہ بتاتے ہوئے بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

''مگر تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا''۔

''یہی تو سحرش وغیرہ بھی کہہ رہی تھیں، مگر وہ ہمیں بے وقوف بنا رہا تھا، کلاس ٹائم پر پہنچے تھے مگر وہ ڈرامے باز کلاس اسٹارٹ ہونے سے پہلے وہاں پروفیسر بنا کھڑا تھا اور ہماری کتنی انسلٹ کی، فرسٹ امپریشن از لاسٹ امپریشن، مائی فٹ... سارے امپریشن نکال دیے، آئندہ اس طرح کسی کو فول بنانے کا سوچے گا بھی نہیں''۔ بے تحاشہ ہنسنے کی وجہ سے آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتی ناک چڑھا کر نخوت سے بولی، اسے سرزنش کرنے کے لیے ارحم نے لب وا ہی کیے تھے کہ زرمین کھانا لگ جانے کی نوید لیے چلی آئی تھی اور وہ فوراً اٹھ گئی۔

''مجھے تو بہت سخت بھوک لگ رہی ہے''۔ وہ لب بھینچ گیا، کھانا بہت ہی خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

''بھائی صاحب! مجھے آپ سے حنین کے سلسلے میں کچھ بات کرنی ہے''۔ چائے اور کافی کے گرم گرم ماحول میں سیاست کا موضوع زیر بحث رہا تھا، جیسے ہی مردوں کے درمیان کچھ خاموشی ہوئی تھی مہوش کچھ سوچ کر کہہ اٹھیں۔

''حنین کے بارے میں کیا بات کرنی ہے؟'' وہ کچھ حیران ہوئے۔

''بھائی صاحب! بات یہ ہے کہ بھیا صاحب کی سالی حمیرا اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آپ کے گھر آنا چاہ رہی ہیں''۔ وہ کافی تفصیل سے بولیں۔

''حنین کا رشتہ...!'' وہ زیر لب بڑبڑائے اور وہ لڑکے کی تفصیل انہیں بتانے لگیں کہ ایجوکیشن کتنی ہے اور کیا کرتا ہے۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے، مگر حنین کا رشتہ اتنی جلدی ہم نہیں کرنا چاہتے، ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہے''۔ وہ تفصیل سن کر بولے تھے۔

''بھائی صاحب! ہماری حنین نے انٹر کر لیا ہے، اب اتنی بھی چھوٹی نہیں ہے، ذمے داری ڈالیں گے تو اس میں کچھ شعور آئے گا اور مہوش نے تو وہی بات چھیڑ دی ہے جو میں خود بھی آپ سے کرنا چاہ رہی تھی''۔ فریدہ نے بھی مداخلت کی جبکہ امجد اور ارحم کے ساتھ باتیں کرتا فیصل ان کی باتوں پر دھیان دینے پر مجبور ہو گیا۔

''میں کچھ سمجھا نہیں''۔

''بھائی صاحب! ہمارے پڑوس میں ڈاکٹر نعیمی رہتے ہیں ان کی بہو نے اپنے بھائی کے لیے حنین کی بات کی ہے اور ارحم کے دوست کی مدر بھی ایسا ہی کچھ چاہتی ہیں''۔ فریدہ نے طریقے سے بات بڑھائی۔

"زرمین کی شادی کے بعد ایک دو رشتے تھے مگر نوید نے سب سے معذرت کر لی"۔ راشدہ بولی تھیں۔

"کیونکہ میں حنین کی شادی اتنی جلدی نہیں کروں گا، بڑی دونوں بیٹیوں کی شادی گریجویشن کے بعد کی ہے"۔

"بھائی صاحب! رشتے دیکھنے تو جا سکتے ہیں"۔ مہوش نے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں یہ سب قبل از وقت ہوگا، حنین ابھی کم عمر ہے لوگ اسے دیکھنے آئیں گے، گھر میں باتیں چلیں گی اس سب سے اس کی پڑھائی پر بھی فرق پڑے گا۔ جب مناسب وقت ہوگا میں کوئی فیصلہ کر لوں گا، کیونکہ زرمین اور شازمین کی شادی میں نے آنکھ بند کر کے کر دی، رشتے گھر کے تھے کوئی مسئلہ نہیں ہوا، حنین کے لیے خاندان سے باہر رشتہ کرنا ہے، چھان بین کے دشوار مسئلے سے گزرنا پڑے گا، اس لیے میں عجلت سے کام نہیں لینا چاہتا"۔ نوید عالم اپنے مخصوص سادہ اور نرم لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"بھائی صاحب! اگر آپ کو برا نہ لگے اور مناسب محسوس ہو تو آپ جمال سے مل لیں، جس طرح کا اطمینان چاہیں کر لیں کیونکہ بھیا صاحب نے مجھ سے خود بات کی ہے، وہ جمال کی ذمے داری لینے کو تیار ہیں اور شادی بھی فوری نہیں کرنا چاہتے، سال دو سال تک انتظار کر لیں گے"۔ حمیرا نے اور شاکر نے دونوں نے ہی ان پر کافی زور ڈالا تھا۔

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا، آپ مجھے لڑکے کے مکمل کوائف دے دیجیے گا، انکوائری کے بعد ہی فیصلہ کروں گا، مگر یہ یاد رکھیے گا اگر لڑکے میں ذرا سی بھی کمی ہوئی تو وہ قابل قبول نہیں ہوگی اور سب سے بڑھ کر اس کی فیملی ایسی ہونی چاہیے جو ہماری حنین کو عزت اور پیار سے رکھے میری بیٹی بہت معصوم ہے اور میں اس کا رشتہ ایسے ہی لوگوں میں کروں گا جو اس کی قدر کریں گے"۔ انہوں نے دوٹوک انداز میں حتمی فیصلہ سنا دیا جبکہ فیصل بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا، وہ حنین کے معاملے میں ان لوگوں کی جذباتیت سے واقف تھا مگر اتنی شدید جذباتیت کا اس نے کب سوچا تھا، اسے ماہ کنعان کی فکر ہونے لگی، پہلے تو اس نے سوچا کہ یہ ذکر اسے کنعان سے نہیں کرنا چاہیے پھر اس خیال سے کہ وہ اگر سیریس ہے تو اسے دکھ ہوگا، اس نے کنعان سے ذکر کرنے کا فیصلہ کیا تھا، تاکہ اگر وہ سیریس ہے تو رشتہ بھیج کر قسمت آزما لے۔

☆............☆............☆

"ایک گڈ نیوز ہے"۔ شازمین ان لوگوں کو باتوں میں مگن چھوڑ کر لاؤنج میں یہ دیکھنے اور پوچھنے آئی تھی کہ وہاں کسی کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے جب اس نے بڑوں کی باتیں سن لی تھیں۔

"گڈ نیوز... پلیز بجو! جلدی بتایئے ناں"۔ حنین پرجوش ہو گئی۔

"تم کیوں ایکسائیٹڈ ہو رہی ہو، ضروری تو نہیں ہے کہ خوشی کی خبر تم سے ری لیٹڈ ہو"۔ بیڈ پر وہ آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے تکیہ گود میں رکھ کر بڑے مزے سے کہتی حنین کو شرارتی نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی۔

"جی میں آپ کی طرح خود غرض نہیں ہوں، جو صرف اپنی خوشی پر ہی خوش ہوتے ہیں"۔ وہ ہمیشہ کی طرح برا مان گئی۔

"میں خود غرض ہوں ناں تو ایسے ہی سہی، اب بجو کچھ نہیں بتاؤں گی"۔

"میں بھی آپ کی سو کالڈ گڈ نیوز سننے کے لیے مری نہیں جا رہی"۔ وہ زبان چڑاتی جانے کو اٹھی تھی جبکہ وہ تینوں ان کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہی تھیں، زرمین کے ہونٹوں پر بڑی ہی دلکش مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"مری مت جاؤ، فضول میں خرچا ہوگا اور بات جاننے کے لیے لوٹ کر تو یہیں آنا پڑے گا، آفٹر آل گڈ نیوز تو مجھے ہی

معلوم ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ تم سے ہی ریلیٹڈ ہے"۔ وہ اس کا ہاتھ تھام گئی اور وہ جوش سے واپس بیٹھ گئی۔

"اب بتا بھی دو شازمین!" زرمین کے کہنے پر اس نے حنین کو مزید ستانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

"پتہ ہے شازمین آپی! وہ لاؤنج میں....!"

"نہیں پتہ ہے جبھی تو آپ سے پوچھ رہے ہیں"۔ حنین نے پھر مداخلت کی۔

"تمہیں بڑی جلدی ہے جاننے کی تو سن لو، وہاں نیچے تمہاری شادی کی باتیں ہو رہی ہیں"۔

"واٹ....؟" وہ چلائی تھی اور وہ تینوں حیرت سے شازمین کے چہرے کو دیکھنے لگی تھیں۔

"شازمین! کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"وہی جو سنا ہے، سحرش آنٹی نے سمیرا کے کزن کا پرپوزل حنین کے لیے دیا ہے جبکہ مما بھی کسی رشتے کا ذکر کر رہی تھیں"۔ شازمین متبسم سی بولی تھی۔

"لیکن مجھے شادی نہیں کرنی ہے میں ابھی جا کر تایا ابو سے کہہ دیتی ہوں"۔ وہ غصے سے باہر نکلتی کہ زرمین اس کی راہ میں آ گئی۔

"حنین! یہاں ابھی اس طرح کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، گھر جا کر بات"۔

"ابھی کیوں نہیں آپی؟"

"کہا ناں گھر جا کر بات کرنا، اور ویسے بھی رشتہ طے نہیں ہو رہا ابھی صرف بات نکلی ہے، تمہیں میں منع کر رہی ہوں حنین! میری بات نہیں مانو گی؟" وہ یکدم ہی لب بھینچ گئی تھی۔

"شازمین! تمہیں اتنی عقل نہیں ہے کہ کون سی بات کب کرنی چاہیے؟"

"لیکن آپی....!"

"لیکن ویکن کیا، کوئی بات پتہ چل گئی تھی تو اس طرح کہنے کی کیا ضرورت تھی؟" زرمین اسے ڈانٹنے لگی۔

"میں نے سنا تو آ کر بتا دیا، مجھے کیا پتہ تھا کہ حنین اس طرح بی ہیو کرے گی"۔ وہ اس کے ڈانٹنے پر شرمندہ سی ہو گئی۔

"جانتی نہیں ہو اس میں برداشت بالکل نہیں ہے، اس کے ذہن میں جو ایک دم آیا وہ جا کر نیچے سب کے سامنے کہہ دیتی تو جانتی ہو کتنا برا امپریشن پڑتا؟ اور ابھی تو صرف رشتے کی بات ہوئی ہے، تم نے سنا کہ ابو نے کیا کہا؟" اس نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"انہوں نے یقیناً منع کر دیا ہوگا، جانتی ہوں ابو کو حنین کی اتنی جلدی شادی نہیں کریں گے"۔ اس نے باپ کے رویے اور گھر میں اس کی حیثیت کے مطابق اندازہ لگایا کیونکہ اسے وہ سب ایک چھوٹی بچی کی طرح ٹریٹ کرتے تھے، زرمین کی شادی کے بعد جب اس کا رشتہ آیا تو وہ لوگ حیران ہی تو رہ گئے تھے، نوید عالم تو کچھ لمحے کچھ بول ہی نہیں سکے تھے، کہ جوان کے کاندھوں سے لگی کل تک چاکلیٹ، آئسکریم کی فرمائش کرتی تھی وہ آج اتنی بڑی ہو گئی کہ اس کی شادی کا قصہ چھڑ گیا۔

"بھابی! ہم لوگوں کو نیچے چلنا چاہیے، کافی دیر ہو گئی ہے"۔ سمیرا کے اچانک بول پڑنے کی وجہ سے زرمین لب بھینچ گئی۔

''آپ ہمارے ساتھ چلیں گی؟'' سحرش نے پوچھا تھا اس کا ارادہ تو تھا، مگر جواب بدل گیا تھا۔

''فضیل! آپ کل مجھے لینے.....!''

''ابھی ساتھ نہیں چل رہیں؟ فون پر تو یہی کہا تھا''۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا وہ ایک ہفتے سے میکے میں تھی۔

''جی... کہا تو تھا لیکن.....!'' اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ بدلے ہوئے ارادے کا کیا ریزن دے۔

''اوکے.... میں کل آفس سے واپسی پر پک کرلوں گا''۔ وہ اسے مشکل سے نکال گیا اور وہ محض اسے دیکھ کر رہ گئی کہ وہ کیسے لمحوں میں اس کی مشکل دور کر دیتا تھا۔

''ارے تم کہاں جا رہی ہو؟'' حنین کو ان سب کے ساتھ جاتے دیکھ کر ارحم نے اسے ہاتھ پکڑ کر روکا۔

''وہ مجھے صبح یونیورسٹی جانا ہے ورنہ ضرور رک جاتی''۔

''تم کہیں نہیں جا رہی ہو، مسئلہ جامعہ جانے کا ہے تو میں ڈراپ کر دوں گا، ارحم پک کرلے گا''۔ اس نے لائحہ عمل تیار کیا۔

''آج میرا دل نہیں کر رہا ارحم بھیا! دو چار دنوں میں امجد بھائی کے ساتھ آ جاؤں گی''۔ وہ اس وقت زرمین کی وجہ سے رک گئی تھی، مگر اس کے دل و دماغ میں ہلچل و کھد بدی تھی، اس لیے جانا چاہ رہی تھی ورنہ تو وہ اپنا بیگ لے کر آئی تھی کیونکہ فریدہ نے اس سے کہا تھا مگر وہ جب رکنا ہی نہیں چاہ رہی تھی تو وہ لوگ خاموش ہو گئے تھے۔

☆..........☆..........☆

''تایا ابو! میں شادی نہیں کروں گی''۔ ناشتے کی ٹیبل پر اس نے دھماکہ کیا تھا، وہ کل راستے میں سو گئی تھی کیونکہ صبح کی اٹھی ہوئی تھی اور ساجدہ کے اٹھانے پر وہ بمشکل اپنے کمرے تک گئی، مگر رات جو نیند کی وجہ سے بات ذہن سے نکل گئی تھی وہ بیدار ہوتے ہی یاد آ گئی۔

''یہ خیال کیوں ذہن میں آیا؟'' سوال میں حیرت پنہاں تھی اور اس نے شازمین کی بات کہہ دی۔

''شازمین بجو کہہ رہی تھیں کہ آپ میری شادی کر رہے ہیں''۔

''شازمین کو غلط فہمی ہوئی ہے''۔ وہ ساری تفصیل سن کر سنجیدگی سے بولے۔

''لیکن بجو.....!''

''میں نے کہا ناں ایسی کوئی بات نہیں ہے تم صرف اپنی اسٹڈیز کی جانب توجہ دو''۔ وہ اسے کچھ کہنے سے روکتے دو ٹوک بولے اور وہ خاموشی سے جوس پینے لگی پھر تھوڑی ہی دیر میں فیصل کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا اور وہ جلدی سے سب کو خدا حافظ کہتی باہر نکل گئی۔

''شازمین نے اتفاقی طور پر کچھ سن بھی لیا تھا تو وہ حنین کے سامنے کہنے کی کیا ضرورت تھی؟'' کب سے مچلتا ذہن میں سوال وہ بالآخر کہہ اٹھے۔

''شازمین نے تو از راہ مذاق کہہ دیا ہوگا بھائی صاحب! بہنیں آپس میں ہنسی مذاق کرتی ہی ہیں''۔ ساجدہ بول اٹھیں۔

''وہ سب ٹھیک ہے مگر جو بات ہم حنین کے سامنے ابھی نہیں کرنا چاہ رہے تھے شازمین بیٹی نے اس کا ڈھنڈورا.....!''

''بھائی صاحب! اگر برا نہ مانیں تو میں کچھ کہنا چاہتی ہوں''۔ وہ کچھ ہتے ہوئے رک کر چونک کر انہیں دیکھنے لگے ان کے چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگاتے ہوئے بولے۔

''اگر آپ کی مرضی بھی ہے تو سحرش کو فون کر دیجیے گا، میں لڑکے سے مل لوں گا''۔

''میں نے ایسا تو نہیں کہا بھائی صاحب!'' وہ شرمندہ سی ہو گئی تھیں (ان کے درست اندازے پر)۔

''آپ ماں ہیں، بیٹی کے لیے کوئی غلط فیصلہ تو نہیں لے سکتیں''۔

''بھائی صاحب! مائیں تو جذباتی ہوتی ہیں، باپ زیادہ درست فیصلے کرتے ہیں اولاد کے حق میں، اور میں نے ماں کا جتنا حق ادا نہیں کیا اس سے کہیں گنا زیادہ آپ نے حنین کے باپ ہونے کا حق ادا کیا ہے، اور اس کی شادی کا فیصلہ بھی مجھے یقین ہے کہ آپ مجھ سے بہتر کریں گے''۔ وہ سچائی اور عقیدت سے کہہ رہی تھیں اور ایسا صرف منہ زبانی نہ تھا وہ ایسا سمجھتیں اور دل سے مانتی بھی تھیں۔

''لیکن آپ کی مرضی ہے تو لڑکے کو دیکھ لینے میں حرج نہیں ہے، وگرنہ میں تو سال دو سال تک اس چکر میں پھنسنا نہیں چاہ رہا تھا''۔ وہ صاف گوئی سے کہہ گئے۔

''نوید! اس میں برائی نہیں ہے، دونوں بچیاں گھر میں گئی ہیں مگر حنین کے لیے باہر کوئی رشتہ دیکھنا ہے اور یہ سب اتنا آسان تو نہیں ہوگا''۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں راشدہ! مگر میں یہ سب اس لیے کہہ رہا ہوں اور چاہتا ہوں کیونکہ حنین اس قصے کو فی الحال برداشت نہیں کرے گی، وہ آفس جوائن کرنا چاہتی تھی، کتنی مشکل سے وہ چیپٹر کلوز ہوا ہے، وہ پہلے ہی بدگمان تھی کہ میں اسے صرف بہلا رہا ہوں، ایسی کوئی بات چلی تو اس کا یقین بن جائے گا اور ویسے بھی ان باتوں کے برعکس میں خود بھی یہ سب قبل از وقت سمجھتا ہوں، جیسے دونوں بیٹیوں کی گریجویشن کے بعد شادی کی ہے، اسی طرح چھوٹی بیٹی کو بھی گریجویشن تک پڑھانا چاہتا ہوں، اور آج کل کا جیسا ماحول ہے اس کے پیش نظر منگنی کی رسم کے میں سخت خلاف ہوں، شازمین اور امجد کی منگنی بھی صرف یوسف الحسن کے کہنے پر کی، بات گھر کی تھی، مگر منگنی کے بعد ملنا، فون کالز، یہ سب مجھے پسند نہیں، حنین کی اگر ہم بالفرض ابھی منگنی کرتے ہیں تو لڑکے اور لڑکے کی فیملی کی جانب سے ایسی کوئی ڈیمانڈ بھی ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ آج کل کا فیشن بن گیا ہے، مگر میں اس فیشن کو نہیں اپنا سکتا، آپ سوچ لیں ساجدہ! اور سوچ کر مجھے جواب دیں، کیونکہ میں حنین بیٹی کی منگنی نہیں کروں گا''۔ وہ اپنے موقف سے ان سب کو آگاہ کر رہے تھے۔

''بھائی صاحب! آپ جو مناسب سمجھیں''۔

''میں دو سال تک اس معاملے کو چھیڑنا بھی نہیں چاہتا''۔ وہ صاف کہتے اٹھ گئے۔

''ایک تو نوید کی بھی مجھے سمجھ نہیں آتی، جو سوچ لیتے ہیں اس سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہیں ہوتے، شادی نہیں کرنی، منگنی نہیں کرنی، رشتہ تو دیکھا ہی جا سکتا ہے، بات کا کیا ہے وہ تو بڑوں کے درمیان زبانی بھی طے ہو جاتی ہے''۔ راشدہ کو اعتراض ہوا تھا مگر وہ شوہر کے سامنے کہہ نہیں سکی تھیں۔

''آپا بیگم! بھائی صاحب بھی کچھ غلط نہیں کہہ رہے، ان کی سوچ سے میں اتفاق کرتی ہوں، اور منگنیاں سال دو سال قائم رہتی ہیں اور ٹوٹ جاتی ہیں، میں نے اس سلسلے میں بات اس لیے کی کہ ذہن میں تھا کہ رشتہ دیکھ لیا جائے آگے میری

بیٹی کا نصیب۔

''چچی! ابو نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے، حنین کو اتنی جلدی ان جھنجھٹوں میں نہیں ڈالنا چاہیے، اس میں ابھی بہت بچپنا ہے، یونیورسٹی جانے لگی ہے اس کی شخصیت وقت اور تعلیم کے ساتھ گروم ہو جائے تب ہی کوئی فیصلہ کرنا چاہیے، جہاں تک رشتوں کی بات ہے جب نصیب میں ہوگی تب ہی ہوگی، آپ کے چاہنے اور ابو کے نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، آپ بس یہی دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری حنین کے نصیب اچھے کرے''۔ زرمین کے کہنے پر انہوں نے ''آمین'' کہا تھا۔

''فیصل بھیا! آج آپ اکیلے آئے ہیں، سحرش اور سمیرا کہاں ہیں؟'' وہ بیک ڈور کھولتے ہوئے یک دم رک کر حیرانگی سے پوچھ رہی تھی۔

''سمیرا کی طبیعت خراب ہے اور سحرش کام کے لیے رک گئی ہے کیونکہ بھابی گھر پر نہیں ہیں''۔

''وہ دونوں چھٹی کر رہی تھیں تو آپ مجھے بھی لینے نہ آتے....!''

''سحرش نے تمہارے سیل پر ٹرائی کیا تھا، مگر تم نے ریسیو نہیں کیا اور میں نے سوچا کہ ان دونوں کی وجہ سے تمہاری چھٹی نہیں ہونی چاہیے، مگر تمہارا دل نہیں چاہ رہا تو تم چھٹی...!''

''نہیں....میں چلتی ہوں، بلاوجہ چھٹی مجھے پسند نہیں ہے، تایا ابو سے بھی ڈانٹ پڑے گی''۔ وہ کہتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''تم اندر جا کر بتا آؤ کہ تم آج اکیلی....!''

''کلاس اسٹارٹ ہو جائے گی بھیا! میں آ کر بتا دوں گی''۔ اس نے کار اسٹارٹ کر دی۔

''فیصل بھیا! مجھے اپنا سیل فون دیجیے گا میں لاج سے پوچھ لوں کہ وہ آ رہی ہے یا نہیں؟'' خیال آنے پر وہ بولی، وہ اپنا موبائل کل پھپھو کے ہاں بھول آئی تھی، اس کے کہنے پر فیصل نے اسپیڈ کم کرتے ہوئے ڈیش بورڈ سے موبائل اٹھا کر گردن گھما کر اس کی طرف بڑھایا۔

''اوہ....شٹ....لیکن مجھے اس کا نمبر یاد نہیں ہے''۔ وہ موبائل لیتے لیتے رک گئی۔

''میں خود پوچھ کر تمہیں بتاتا ہوں''۔ وہ سیل لیتے ہوئے بولا۔

''آپ کے پاس لاج کا نمبر ہے؟'' وہ اس کے کہنے پر خوش ہو گئی۔

''لاج کا نہیں ہے، میں کنعان سے پوچھ لیتا ہوں''۔ وہ کہتے ہوئے نمبر ڈائل کرنے لگا، اس نام پر اس کے منہ کے زاویے بن گئے جو اس نے بیک مرر سے دیکھ لیے۔

''وہ محترم نہ جانے کن خوابوں کی دنیا کی سیر کو نکل پڑنے کو تیار بیٹھے ہیں اور یہ محترمہ اس کا نام سننے کی بھی روادار معلوم نہیں ہوتیں، اللہ ہی بہتر کرے''۔ وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوا۔

''فیصل کے بچے! اب پھوٹ بھی اتنی صبح کیسے فون کیا ہے؟'' وہ ماہ کنعان کی آواز پر چونکا اور فون کرنے کا مقصد بتانے لگا۔

''میں لاج کو یونیورسٹی ہی تو چھوڑنے جا رہا ہوں، راستے میں ہوں، لیکن تُو کیوں پوچھ رہا ہے؟''

''تُو لاج کو فون دے، پھر وہ خود تجھے بتا دے گی''۔ ماہ کنعان نے فیصل کے کہنے پر سیل فون فرنٹ سیٹ پر بیٹھی بہن

کی طرف بڑھا دیا۔

''السلام علیکم! فیصل لالہ!''

''میں حنین بول رہی ہوں''۔

''ارے حنین! لالہ جان تو فیصل لالہ سے بات کر رہے تھے، اس لیے میں سمجھی لالہ ہوں گے''۔ وہ حنین کی آواز پر اور اس کے نام پر چونک اٹھا تھا۔

''تم بتاؤ کیسے فون کیا؟''

''صرف یہ پوچھنے کے لیے کہ تم یونی آ رہی ہو؟''

''ہاں، راستے میں ہوں، مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''یار! آج سمیرا اور سحرش دونوں نے ساتھ ہی چھٹی کر لی ہے، اس لیے سوچا کہ تم سے پوچھ لوں، تم بھی نہ آتیں تو بڑی بوریت ہوتی''۔ اس نے اصل بات بتا کر اس سے اجازت لی تھی اور سیل فیصل کو دے دیا، اور اس نے بھی ماہ کنعان کو سیل واپس کر دیا۔

''میں اس سب کا مقصد سمجھا نہیں''۔

''جانے دے، ہر بات کی کھوج میں مت لگا کر، ہو سکتا ہے رات میں تیری طرف چکر لگاؤں، کچھ بات کرنی ہے''۔

''ایسی کیا ضروری بات ہے؟''

''آ کر بتاؤں گا، ابھی رکھتا ہوں بائے!'' فیصل نے اسے موقع دیے بغیر لائن کاٹ دی اور ماہ کنعان نے سیل ڈیش بورڈ پر ڈال دیا۔

''فیصل کیا کہہ رہا تھا؟'' موڑ کاٹتے ہوئے عام سے لہجے میں پوچھا۔

''میں نے فیصل لالہ سے نہیں اپنی فرینڈ حنین سے بات کی ہے''۔ اس نے حنین سے ہوئی بات اسے بتا دی۔

''لیکن یہ حنین کون ہے؟ تمہاری کوئی نئی فرینڈ ہے تو فیصل....!'' وہ جان کر انجان بن کر لاعلمی ظاہر کرنے لگا۔

''لالہ جان! حنین وہی ہے جن کے گھر ہم فیصل لالہ کی چوتھی کی رسم میں گئے تھے، لالہ کی بھابی کی کزن ہے''۔ اس کے بتانے پر اس نے محض سر ہلایا۔

''آپ تو اسے بھول بھی گئے مگر وہ آپ کو بہت برے انداز میں یاد رکھے ہوئے ہے''۔ ماہ لاج عام سے لہجے میں بولی تو وہ بہت بری طرح چونک گیا۔

''میں سمجھا نہیں لاج!''

''اصل میں لالہ جان! لالہ کی شادی میں آپ اس سے ٹکرائے یا وہ آپ سے مگر وہ اس کا ذمے دار آپ کو ٹھہراتی ہے، اسی لیے تو وہ مجھ سے بات تک نہیں کر رہی تھی، سحرش نے بہت مشکل سے اسے سمجھایا تو اس نے اس شرط پر مجھ سے دوستی کی کہ میں اس سے یا اس کے سامنے بھی آپ کا ذکر نہیں کروں گی، یہ بات مجھے اچھی تو نہیں لگی تھی مگر سحرش نے کہا لیکن حنین کی شرط مان لوں، کیونکہ اسے آپ پر غصہ ہے اور وہ ضد اور غصے میں ایسی بات کر رہی ہے، مگر وہ دل کی بہت اچھی ہے، ہماری دوستی ہو جائے گی تو بعد میں سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا''۔ ماہ لاج کی باتیں اسے عجیب سی سچویشن سے

دوچار کر گئی تھیں، اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ غصہ کرے یا نہیں؟ اور اس سے کچھ کہے تو کیا؟

''اور اس گزرے ہفتے میں، میں نے جانا کہ وہ ضدی ہے برداشت بھی بالکل نہیں ہے مگر وہ بے بہت سوفٹ نیچر، کائنڈ ہارٹ، میری اس سے بہت اچھی دوستی ہو گئی ہے، آپ سے ایک بات کہوں لالہ جان؟'' اس نے محض اثبات میں سر ہلا دیا، ورنہ کافی دیر سے وہی تو کہہ رہی تھی وہ تو صرف سن رہا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ کہ غلطی پر کون ہے اور سحرش کہہ رہی تھی کہ بات اتنی بڑی نہیں ہے، حنین معمولی بات پر بھی زبردست طریقے سے ری ایکٹ کرتی ہے، صرف اس لیے اس نے بات کو بہت بڑھا دیا ہے''۔

''لاج! جو کہنا چاہتی ہو صاف کہو''۔ الجھتے ہوئے بہن کو ٹوکا۔

''آپ حنین سے سوری....!''

''نیور.... تم مجھے اچھے سے جانتے ہوئے بھی کہہ رہی ہو کہ میں اس لڑکی سے سوری کروں، میں نے غلطی پر ہو کر کبھی سوری نہیں کی''۔ وہ خود کو بہت مشکل سے کنٹرول کیے ہوئے تھا۔

''لالہ جان! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ وہ آپ کا نام سنتے ہی منہ کے زاویے بگاڑ لیتی ہے، معافی مانگنے سے کوئی چھوٹا تو نہیں ہو جاتا، اگر آپ....!''

''پلیز لاج! چینج دا ٹاپک''۔ وہ اس کی ایک ہی رٹ سے تنگ آ گیا۔

''لالہ جان! بات کچھ بھی نہیں ہے، لیکن نہ وہ سمجھنے کو تیار ہے اور نہ ہی آپ، اور میں چاہتی ہوں کہ میری برتھ ڈے پارٹی میں حنین آئے، مگر وہ کسی طور راضی نہیں ہو رہی، بہت ضدی ہے وہ اگر آپ آج اس سے مل کر ایکسکیوز کر لیں تو ہو سکتا ہے وہ آ جائے، میں آپ سے یہ تو نہیں کہہ رہی کہ آپ اس سے معافی مانگیں کیونکہ میں اپنے لالہ جان کو جانتی ہوں کہ وہ کچھ غلط نہیں کر سکتے اور حنین سے آپ فیصل لالہ کی محفل میں ملے اور میں جانتی ہوں فیصل لالہ سے جڑا ہر ایک رشتہ آپ کے لیے کتنا قابل احترام ہے، وہ سب جو ہوا مجھے سحرش نے بتایا وہ سب اچانک ہوا، آپ نے جان کر ایسی حرکت نہیں کی، حنین کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں تو بس اس لیے چاہتی ہوں کہ حنین کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو میں ایسا ہی چاہتی، کیونکہ کوئی میرے لالہ کے بارے میں غلط رائے رکھے، انہیں غلط سوچے سمجھے یہ مجھے برداشت نہیں ہوگا''۔ وہ یونیورسٹی کے سامنے اتر گئی۔

''وہ میرے بارے میں غلط رائے رکھنے پر مجبور ہے، کیونکہ میں بے خودی میں اس کے ساتھ غلط کر چکا ہوں''۔ سوچتے ہوئے اندر کا اشتعال باہر لانے کے لیے اس نے غصے سے ہاتھ اسٹیئرنگ پر مارا۔

''میں اپنی غلطی پر پردہ ڈالنا نہیں چاہتا مگر یہ بھی نہیں چاہوں گا کہ وہ اپنی جذباتیت میں آ کر تم سے کچھ کہے، کیونکہ جو سب کی نگاہ میں میری غلطی، بلکہ میرا گناہ ہو گی اسے میں خود کوئی نام ابھی تک نہیں دے پایا''۔ اس نے گاڑی بیک کی اسی وقت فیصل کی کار رکی اور بیک ڈور کھول کر وہ اتری اور ماہ کنعان گاڑی بڑھا لے جانے کی بجائے یک ٹک اسے دیکھنے لگا، جو ڈرائیونگ ڈور کے پار کھڑی قدرے جھک کر اندر بیٹھے فیصل سے کچھ کہہ رہی تھی اور بات کرتے ہوئے اس کے احمریں لبوں کی تراش میں ہلکی سی جنبش ہوئی تھی اور اس نے سوچا تھا کہ اتنی خوبصورت مسکراہٹ اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی، دیکھی بھی تھی تو جو خوبصورت احساس آج دل میں در آیا تھا ایسا کوئی خیال کبھی اس کے آس پاس پھٹکا تک نہ تھا، وہ بے بی پنک کلر کے ایمبرائیڈری سوٹ میں دوپٹہ کاندھوں پر پھیلائے لانبے بالوں کی اونچی سی پونی ٹیل بنائے، کاندھے پر

ہلکا سا ایک لگا کے فیصل کو ہاتھ ہلاتی وہاں سے نکلتی چلی گئی، اور کچھ فاصلے پر اسی کے انتظار میں کھڑی ماہ لاج سے جا ملی اور وہ اب تک اسے ہی ساکت سا بیٹھا دیکھ رہا تھا اور اسے پتہ بھی نہیں چلا تھا کہ فیصل کب گاڑی سے نکل کر اس کی کھڑکی تک پہنچا، اس کے شیشہ ناک کرنے پر اس کی محویت ٹوٹی۔

''برخوردار! ایسا اچھی بات نہیں ہے''۔

''آج کی نوبت خود کو مجبور پاتا ہوں''۔ اس نے سرد سانس خارج کرتے ہوئے بے بسی سے کہا اور وہ اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھنے لگا تھا، جو قدرے سرخی مائل ہو رہی تھیں، اور اس کی آنکھوں میں کچھ اور بھی تھا جو بالکل نیا تھا، جسے ابھی کوئی نام نہیں دے پایا۔

''میں رات تیری طرف آؤں گا پھر بعد میں بات کریں گے''۔ وہ پلٹ گیا اور اس نے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر سر سیٹ کی بیک سے لگا لیا اور خود کو ریلیکس کرنا چاہا اور تھوڑی ہی دیر بعد اس نے گاڑی اسٹارٹ کی جس کی اسپیڈ معمول سے کافی زیادہ تیز رکھی۔

☆..........☆..........☆

''ٹائم تو کافی زیادہ ہو گیا ہے لیکن انکل فیاض پتہ نہیں کیوں نہیں آئے؟'' ان دونوں کی ایکسٹرا کلاس چل رہی تھی، جس سے فارغ ہو کر وہ باہر آئیں تو ماہ کنعان کی گاڑی کھڑی تھی، مگر فیاض انکل کی گاڑی انہیں کہیں دکھائی نہیں دی۔

''ہم لوگ تو ویسے ہی لیٹ ہو گئے ہیں، انکل کو اب تک آ جانا چاہیے تھا''۔ ماہ لاج نے تبصرہ کیا۔

''لاج! کہیں انکل واپس تو نہیں چلے گئے؟'' اس کو فکر ہونے لگی۔

''ارے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے، یقیناً وہ ٹریفک میں پھنس گئے ہوں گے''۔

''میرے پاس آج سیل فون بھی نہیں ہے ورنہ ان سے پوچھ ہی لیتی کہ کب تک آئیں گے''۔ وہ قدرے بے چارگی سے بولی۔

''تم میرے سیل سے فون کر لو جب تک میں لالہ جان کو بتا آتی ہوں''۔ وہ سیل فون اسے دے کر آگے بڑھ گئی۔

''انکل کا مجھے نمبر نہیں یاد اور سحرش کال ریسیو نہیں کر رہی''۔

''تم ہمارے ساتھ چلو، لالہ جان تمہیں ڈراپ کر دیں گے''۔

''نہیں، تم جاؤ میں انکل فیاض کا انتظار کر لوں گی''۔ اس کے سختی سے کہنے پر ماہ لاج نے اپنے لب بھینچ لیے اور اس کے ہاتھ سے سیل لے کر سحرش کے نمبر پر دوبارہ کال کی مگر اس کا نمبر ہی آف تھا۔

''وہ ساتھ چلنے کو راضی نہیں ہے، وہ انکل کا انتظار کرے گی، اگر آپ کو جلدی ہے تو ہم چلتے ہیں ورنہ انکل کے آنے کا ویٹ کر لیتے ہیں''۔

''تم اپنی فرینڈ کے پاس جاؤ میں انکل کو کال کر کے معلوم کر لیتا ہوں کہ وہ اب تک کیوں نہیں آئے؟ وہ 4 بجے گھر پہ ہوتی ہے اور پونے تین بج گئے ہیں''۔ ماہ کنعان نے ان کا نمبر ڈائل کیا، مگر نمبر بزی تھا اس نے کچھ سوچ کر فیصل کو کال کی۔

''اوگاڈ! آج وہ دونوں نہیں آئیں اس لیے ہو سکتا ہے ڈیڈی نے سوچا ہو کہ حنین بھی نہیں گئی ہو گی، میں ابھی ڈیڈی کو کال کر کے پہنچنے کو کہتا ہوں''۔ فیصل تفصیل سن کر پریشان ہو گیا۔

''انکل کا نمبر بزی ہے، وہ ہمارے ساتھ چلنے کو بھی تیار نہیں ہے، تم آ سکتے ہو تو آ جاؤ، یا اس کے گھر سے کسی کو بلا دو۔''

''میری تو 10 منٹ بعد امپورٹنٹ میٹنگ ہے، انکل نوید یا اسجد کو وہاں پہنچنے میں کافی ٹائم لگے گا تم ایسا کرو اسے فون دو، میں بات کرتا ہوں''۔ فیصل کے کہنے پر وہ گاڑی سے اترا اور نہ وہ جان کر گاڑی میں ہی بیٹھا ہوا تھا، اسے آتے دیکھ کر وہ منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔

''فیصل بات کرنا چاہتا ہے تمہاری فرینڈ سے''۔

''فیصل بھیا! یہاں کھڑے کھڑے میرے پاؤں دکھ گئے ہیں، انکل ابھی تک کیوں نہیں آئے؟'' وہ بے قراری بولی۔

''ڈیڈی کچھ مصروف ہیں، تم لاج کے ساتھ.....!''

''نہیں، مجھے لاج کے ساتھ گھر نہیں جانا''۔ وہ پشت موڑے کھڑی تھی اور وہ دونوں اس کے چہرے کے تیور تو نہیں دیکھ سکے لہجے کی ناگواری صاف محسوس کی تھی۔

''حنین! بات کو سمجھا کرو، لاج تمہاری فرینڈ ہے، اس کے ساتھ جانے میں تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے''۔

''لاج کے ساتھ جانے میں مجھے اعتراض نہیں ہے، مگر وہ آپ کے دوست..... میں ان کے ساتھ جانے سے بہتر کچھ دیر انتظار کرلوں گی، انکل نہیں آ رہے تو میں تایا ابو کو بلالوں گی''۔ ماہ کنعان بھی نظر چرانے پر مجبور ہوگیا۔

''انکل کو وہاں آنے میں بہت ٹائم لگے گا''۔ فیصل کو اسے سمجھانا بہت مشکل لگ رہا تھا۔

''میں انتظار کرلوں گی، بائے!'' اس نے لائن ہی ڈسکنیکٹ کردی تھی۔

''لاج! میں اپنے تایا ابو کو بلالیتی ہوں، تم مجھے ایک فون کروادو، اور پھر تم چلی جانا، مجھے اپنی وجہ سے تمہیں پریشان کرنا اچھا نہیں لگ رہا''۔ وہ قدرے شرمندگی سے بولی۔

''مس حنین!'' اس نے مخاطب کیا۔

''میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتی اور نہ ہی آپ کے منہ سے اپنا نیم سننا چاہتی ہوں''۔ اس نے اب تک جان کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا اب ذرا کی ذرا پلکیں اٹھائیں اور غصے سے اسے دیکھ کر وہ لاج کو دیکھنے لگی۔

''مجھے لیکن کسی کا فون نمبر یاد نہیں ہے، یہاں تک کہ گھر کا بھی نہیں، مجھ سے فون نمبرز یاد نہیں ہوتے''۔ اسے صحیح معنوں میں اب فکر لاحق ہوئی تھی اور کنعان جو ایک زوردار تھپڑ اسے لگا کر اس کا دماغ درست کرنے کا سوچ رہا تھا، اس کے صبیح چہرے پر در آنے والی پریشانی کو دیکھ کر سانس بھر کر رہ گیا۔

''حنین! تم ہمارے ساتھ چلو، لالہ جان کی کسی بات سے تم ہرٹ ہوئی ہو تو میں تم سے سوری کرتی ہوں''۔

''نہیں لاج! تم سوری مت کرو، مجھے اچھا نہیں لگ رہا، بٹ میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتی''۔ اس کے چہرے پر خجالت کی سرخی دوڑ گئی تھی۔

''پھر تم فون کیسے کروگی؟'' اس کی ضد ان دونوں کو ہی زچ کرنے لگی۔

''مجھے ارحم بھیا کا نمبر یاد ہے''۔ وہ جوش سے بولی اور سر اٹھا کر کنعان نے اسے دیکھا، کتنا اطمینان اس کے چہرے پر جگہ بنا گیا تھا اور وہ چمکتی آنکھوں سے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

''ہیلو..... ایس پی ارحم الحسن اسپیکنگ!''

''ارحم بھیا! میں حنین بول رہی ہوں''۔

''حنین! تم یہ کس کے نمبر سے بات کر رہی ہو؟'' اس نے گاڑی کی اسپیڈ بہت کم کردی۔

''ارحم بھیا! آئی نیڈ یو!''

''تم ہو کہاں؟'' اس کا گھبرایا ہوا لہجہ اسے پریشان کر گیا۔

''یونیورسٹی میں، انکل فیاض مجھے لینے نہیں آئے''۔ اب آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔

''اوہ گاڈ! تم پریشان نہ ہو، میں 15 سے 20 منٹ میں پہنچ رہا ہوں''۔

''ارحم بھیا! پلیز جلدی آئیے گا، مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے اور ڈر بھی لگ رہا ہے''۔ وہ اس کے آنسو صاف کرنے کی خواہش دل میں دباتا لب بھینچے کھڑا تھا۔

''ڈر کیوں لگ رہا ہے؟ سحرش تمہارے ساتھ.....!''

''وہ نہیں آئی اسی لیے انکل فیاض مجھے لینے آنا بھول گئے، ماہ لاج میرے ساتھ ہے لیکن اس کے بھائی بھی ہیں اسی لیے مجھے ڈر لگ رہا ہے''۔ وہ بے دھڑک ہمیشہ کی طرح ارحم سے کہہ گئی، ماہ لاج نے لب بھینچے کھڑے بھائی کو دیکھا، جس کے چہرے پر غصے کی سرخی اور ضبط کی کوشش نظر آئی۔

''تم کس کی ماہ کنعان کی بات کر رہی ہو؟'' اسپیڈ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''جی ارحم بھیا!'' وہ فوراً بولی۔

''اس نے تم سے کچھ کہا؟'' پریشانی سے پوچھا۔

''نہیں، بس آپ جلدی آجائیں''۔

''یو ڈونٹ وری، میں بس پہنچ رہا ہوں''۔ اس کے کہنے پر حنین نے فون بند کردیا۔

''مس حنین! میری خاموشی سے تم نے بہت ناجائز فائدہ اٹھایا ہے''۔

''فائدہ میں نے نہیں، آپ نے اٹھانے کی کوشش کی تھی، نفرت کرتی ہوں میں آپ سے''۔ وہ سرد لہجے میں کہتا خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا جب وہ غصے سے چلائی، ماہ لاج کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

''تم مجھے غصہ دلا رہی ہو، اور ایسا نہ ہو کہ میں غصے میں کچھ ایسا کر بیٹھوں کہ تمہاری ساری اکڑ، سارا طنطنہ نکل جائے''۔ ماہ کنعان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ غصے میں اس کا قتل کردے۔

''لالہ جان! آپ یہ سب کیا کہہ رہے ہیں، آپ کو حنین سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے''۔ اس کی غیر ہوتی حالت کے پیش نظر اس نے بھائی کو ٹوکا۔

''اور اسے زیب دیتا ہے کہ یہ مجھے اس طرح ڈی گریڈ کرے''۔

''لاج! تم یہاں سے جاؤ، مجھے تمہاری ہیلپ نہیں چاہیے، میرے ارحم بھیا آتے ہی ہوں گے''۔ وہ اس کے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر خوف کا شکار ہو رہی تھی، اور اسی وقت پولیس جیپ آکر رکی، ارحم الحسن باہر آیا اور وہ اسے دیکھ کر دیوانہ وار اس کی طرف بھاگی اور اس کے چوڑے سینے میں سما گئی۔

''گڑیا! اس طرح رونے کی کیا ضرورت ہے، آ گیا ہوں ناں میں''۔ اسے خود سے الگ کیا، مگر وہ اس کا بازو جکڑے

ہوئے تھی، ماہ کنعان کے چہرے پر غصے کی جگہ ناگواری نے لے لی اور ماتھے پر سلوٹیں سی پڑ گئیں۔ ارحم الحسن نے اسے جیپ کی فرنٹ سیٹ پر بٹھایا اور وہ چلتا ہوا ماہ کنعان کے پاس آرکا۔

''تھینکس مسٹر کنعان! کہ آپ نے میری سسٹر کی اتنی مدد کی، آپ اپنی سسٹر کو لے کر چلے جاتے تو اس نے نہ جانے کیا کرنا تھا''۔ وہ ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

''مسٹر ارحم! کچھ گھنٹے قبل تک میرے دماغ میں یہ احساس تھا کہ میں نے جو کیا تھا وہ کرنا نہیں چاہیے تھا، مگر مجھے شرمندگی پہلے بھی نہیں تھی کیونکہ میں اپنے کیے اقدام کا ازالہ کر چکا تھا، مگر جس طرح کا بی ہیو آج حنین نے کیا وہ لاج کے ساتھ کرتی رہی ہے، اس کے بعد میرے دل و دماغ میں صرف اتنا ہی آ رہا ہے کہ میں نے اس دن حنین کی غلطی پر پردہ ڈالا ہی کیوں، میں بہت برا انسان ہوں ناں تو مجھے اس آپرچونٹی سے فائدہ اٹھانا چاہیے تھا''۔ وہ بہت سرد لہجے میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا ارحم نے کچھ کہنا چاہا تو وہ ہاتھ کے اشارے سے روک گیا۔

''میری بات ختم نہیں ہوئی ہے، میں نے زندگی میں کبھی کچھ غلط نہیں کیا اور کیا بھی تو نہ شرمندہ ہوا نہ ہی معافی مانگی، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے مگر میں اتنا ہی خود پسند ہوں، میرے لیے میری ذات سے بڑھ کر دنیا میں کوئی شے نہیں ہے، حنین کا بی ہیویر میرے ساتھ جیسا تھا اس کا میں ذکر بھی نہیں کرنا چاہتا، مگر اتنا ہے کہ حنین، فیصل کی ریلیٹو نہیں ہوتی تو آج کم از کم زندہ نہ ہوتی''۔

''مسٹر کنعان! آپ حد سے زیادہ بول رہے ہیں''۔

''میں بولتا نہیں ہوں، عمل کرتا ہوں، میں نے غلطی کی ہے ٹھیک ہے میں اپولو جائز کرنے کو تیار ہوں، بتاؤ میں کہاں کس جگہ، کس چینل پر ایسا کروں، میں تیار ہوں مگر تم ایسا نہیں چاہو گے، اس لیے بہتر ہوگا کہ اپنی بہن کو تمیز سکھاؤ، اسے طاقت کی اہمیت بتاؤ، میں نے اس دن جو کیا وہ جان کر نہیں کیا، مگر اب خود کو مجبور پاتا ہوں، جس دن میرا ٹیمپر لوز ہو گیا میرا کچھ نہیں جائے گا، خسارہ اس کے حصے میں آئے گا، سو بی کیئر فل''۔ وہ انگلی اٹھا کر اسے چیلنجنگ انداز میں جھٹکتا اسے سرد نگاہوں سے دیکھتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا، کہنے کو ارحم بہت کچھ کہہ سکتا تھا مگر اس نے کچھ نہیں کہا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جس فیملی سے وہ بی لانگ کرتا ہے وہ اسی طرح کی باتیں اور بی ہیو کر سکتا تھا، اسے کنعان پر نہیں حنین پر غصہ آ رہا تھا، اسے ابھی حنین سے پوچھنا تھا کہ اس نے ایسا اسے کیا کہا جو وہ اتنے غصے میں آ گیا؟

☆..........☆..........☆

''سحرش! تم گھر آ گئیں لیکن حنین.... وہ ابھی تک گھر نہیں آئی''۔

''بھابی! میں اور سمیرا تو آج یونیورسٹی ہی نہیں گئے''۔ زرمین کو فون کر کے پوچھنے کا ساجدہ نے کہا تھا وہ سحرش کی آواز سن کر حیران اور اس کی بات سن کر پریشان ہو گئی۔

''کیا... لیکن حنین کو لینے صبح فیصل خود آئے تھے، ان کی گاڑی کا ہارن سن کر ہی تو حنین گھر سے نکلی تھی''۔

''بھابی! میں نے صبح حنین کو کافی کالز کیں، مگر اس نے ریسیو نہیں کیا، اس لیے فیصل بھیا نے کہا کہ ہماری وجہ سے حنین کی چھٹی نہیں ہونی چاہیے، اسی لیے انہوں نے حنین کو پک کر لیا ہوگا''۔

''مگر وہ ابھی تک گھر نہیں آئی، 4 بج رہے ہیں وہ 3 بجے تک آ جاتی ہے، ڈیڈی اسے پک کرنے کے لیے گئے ہوئے

بھی یا وہ گھر میں ہیں؟''

''ڈیڈی 2 بجے کے قریب گھر سے نکلے میں اس وقت واش روم میں تھی، اس لیے ان سے پوچھ نہیں سکی، آپ ہولڈ پر رہیں میں اپنے سیل سے ڈیڈی کو فون کر کے پوچھ لیتی ہوں کہ وہ کہاں ہیں؟''

''میں تمہیں 5 منٹ بعد فون کرتی ہوں''۔ زرمین کی حالت غیر ہو رہی تھی، مگر اس نے ساجدہ سے کہہ دیا کہ وہ کچھ دیر میں آ جائے گی اور بے چینی سے وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگی، سحرش نے فیاض کا نمبر ڈائل کیا۔

''ڈیڈی! آپ اس وقت کہاں ہیں؟'' وہ چھوٹتے ہی پوچھ رہی تھی۔

''میں واحدی کے ہاں ہوں، کیوں سب خیریت تو ہے؟ تم کچھ پریشان لگ رہی ہو؟''

''ڈیڈی! آپ حنین کو یونیورسٹی سے لینے نہیں گئے؟''

''نہیں.... میں نے سوچا کہ تم دونوں نے چھٹی کی ہے تو حنین بیٹی نے بھی چھٹی کی ہوگی، وہ یونیورسٹی گئی ہے تو مجھے کم از کم بتاتی تو سہی''۔ وہ پریشانی سے بولے۔

''ڈیڈی! آپ گھر سے ایسے ٹائم پر نکلے کہ مجھے لگا کہ آپ حنین کو لینے جا رہے ہیں''۔

''نہیں، مجھے کب پتا تھا کہ وہ یونیورسٹی گئی ہے، یہ بتاؤ وہ گھر آ گئی ہے یا نہیں؟ ٹائم تو کافی زیادہ اوپر ہو گیا ہے''۔ انہوں نے گھڑی پر نگاہ ڈالی تھی جو سوا 4 بجا رہی تھی۔

''نہیں ڈیڈی! اسی لیے تو زرمین بھابی کا فون آیا تھا، وہ بہت پریشان ہیں، انہیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ ہم یونیورسٹی نہیں گئیں''۔ فیاض بیٹھے سے یکدم کھڑے ہو گئے۔

''تم نے اس کے سیل پر ٹرائی کیا؟''

''وہ فون نہیں لے گئی کل فریدہ آنٹی کے ہاں بھول آئی ہے''۔

''تم پریشان نہ ہو میں دیکھتا ہوں جا کر''۔ ان کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے وہ دوست سے بعد میں آنے کا کہتے بڑی عجلت میں گھر سے نکلے۔ زرمین دوبارہ کال ملانے کے لیے فون کی جانب بڑھی تھی کہ فون خود ہی بجنے لگا اور اس نے نمبر دیکھے بنا عجلت میں ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا تھا۔

''کیا ہوا سحرش! انکل سے بات ہوئی وہ حنین کو لینے چلے گئے؟''

''میں ارحم بات کر رہا ہوں''۔

''ارحم! آپ....؟''

''حنین میرے ساتھ ہے''۔

''کیا... آپ کے ساتھ؟'' وہ بولی اور ارحم نے فون پر ہی اسے ساری تفصیل بتا دی۔

''پریشان نہ ہو، ہم کچھ دیر میں آ رہے ہیں''۔ کہہ کر فون بند کر دیا اور زرمین نے فیاض ہاؤس کا نمبر ڈائل کیا، سحرش کو ان کی خیریت کی اطلاع دی اور اب سحرش باپ کو یہ سب بتانے کے لیے ان کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

(جاری ہے......)

☆..........☆..........☆

سعدیہ عابد

قسط نمبر 13۔

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

''حنین! میں ہوں ناں اب تمہارے ساتھ تو تم کیوں رو رہی ہو، پلیز چپ کر جاؤ''۔ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی حنین سے بولا۔

''آپ کو نہیں پتہ ارحم بھیا! مجھے کتنا زیادہ ڈر لگ رہا تھا، انکل فیاض کا انتظار کرتے کرتے میری ٹانگیں دکھ گئیں، دھوپ بھی کتنی تیز تھی، میری اسکن بری طرح جھلسنے لگی تھی، اور وہ ہیں کہ مجھے لینے ہی نہیں آئے، میں آئندہ ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی، وہ مجھے لینے نہیں آتے وہ تو سحرش اور سمیرا کو لینے آتے ہیں اور آج وہ دونوں نہیں آئیں تو وہ مجھے لینے ہی نہیں آئے''۔ اس کے لہجے میں غصہ اور ناپسندیدگی سی در آئی تھی۔

''نہیں! ایسی بات نہیں ہے، یقیناً انکل بہت بزی...!''

''آج ہی وہ بزی کیوں ہو گئے؟ اور بزی تھے تو بتانا تو چاہیے تھا، وہ دونوں بھی ہوتیں تو انکل اتنی ہی غیر ذمے داری کا

ثبوت دیتے؟‘‘ اس کی ناگواری بڑھنے لگی تھی۔

’’اچھا اب اس بات کو جانے دو، یہ بتاؤ آئسکریم کھاؤ گی؟‘‘ وہ جانتا تھا کہ اس وقت اس سے کچھ بھی کہنا فضول ہی ہوگا، اس لیے بات بدل دی۔

’’نہیں میرا دل نہیں کر رہا، میں بہت تھک گئی ہوں، آپ کو اندازہ بھی نہیں ہے کہ انکل کے نہ آنے کی وجہ سے میں کتنا پریشان ہوگئی تھی، اور مجھے فیصل بھیا پر بھی غصہ آرہا ہے جب وہ خود مجھے یونی چھوڑ گئے تھے تو ان کی ذمے داری تھی کہ وہ خود آتے، انکل کو بھیجتے یا کم از کم تایا ابو سے کہہ دیتے، وہ تو مزے سے اپنے آفس میں بیٹھے مجھے آرڈر کر رہے تھے کہ میں ان کے دوست کے ساتھ چلی جاؤں‘‘۔ اس کو رہ رہ کر غصہ آرہا تھا۔

’’فیصل نے ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہا تھا، تم اپنی دوست کے ساتھ چلی جاتیں تو اتنے مسئلے ہی نہیں ہوتے‘‘۔

’’یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ارحم بھیا! جبکہ آپ سب کچھ جانتے بھی....!‘‘

’’ہاں میں کہہ رہا ہوں اور اس کے ساتھ اس کی بہن بھی تھی، اس لیے مجھے ان لوگوں کے ساتھ تمہارے چلے جانے میں کوئی قباحت نظر نہیں آرہی، وہ اکیلا ہوتا تو...!‘‘

’’مجھے وہ شخص سخت ناپسند ہے، میں لاج سے بھی دوستی نہیں کرنا چاہتی تھی، کیونکہ جیسے میں اپنی باتوں میں اپنے بھائیوں کا ذکر کرتی ہوں ایسے ہی لاج بھی، اور میں اس شخص کا نام بھی سننا نہیں چاہتی‘‘۔ وہ نہایت ناگوار تاثرات چہرے پر سجائے سختی سے بولی۔

’’حسین! وہ شرمندہ ہے‘‘۔

’’مجھے ان کی شرمندگی نہیں چاہیے، اور مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ آپ ان کی اتنی حمایت کیوں کرتے ہیں؟ آپ کے لیے یہ بات اتنی غیر اہم ہے کہ اس شخص نے آپ کی بہن کو چھوا اور آپ اسے ہٹ کرنے کی بجائے اس کو فیور کر رہے ہیں‘‘۔

’’شٹ اپ حسین! فضول مت بولا کرو، میں اسے فیور نہیں کر رہا، مگر تمہارا سخت رویہ ٹھیک نہیں ہے‘‘۔

’’آپ کو لگتا ہوگا ایسا، مگر مجھے نہیں، مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ ممی نے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے لڑکوں سے دوستی نہیں کرنی ان سے دور رہنا ہے، ہمیشہ انہوں نے مجھ سے یہی کہا کہ مجھے لڑکوں سے ہاتھ تک نہیں ملانا ہے، کوئی کچھ دے تو نہیں لینا، کچھ کہے تو اگنور کر کے بعد میں انہیں بتانا ہے اور انہوں نے مجھے ہاتھ لگایا، مجھے وہ سب بالکل اچھا نہیں لگا تھا، آپ کو کیا پتہ، میں آج کل کتنی خوفزدہ رہتی ہوں، ممی کو یہ سب پتہ چلا تو وہ مجھ پر کتنا غصہ ہوں گی، میں ممی کو بتانا چاہتی تھی مگر پہلے آپ نے اور پھر زرمین آپی نے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا، مگر زرمین آپی نے کہا ہے کہ مجھے اس شخص سے دور رہنا ہے، وہ اچھا انسان نہیں ہے‘‘۔ کاشانہ عالم کے سامنے گاڑی روک کے وہ اسے دیکھنے لگا، وہ کتنی معصوم تھی، دنیاوی برائیوں سے نابلد ساجدہ نے اس کی بہت اچھے خطوط پر پرورش کی تھی، فضول ناولوں اور فلموں سے بیٹی کو بہت دور رکھا، اور اس کی معصومیت اس کے خوبصورت چہرے اور ہر ایک انداز سے جھلکتی تھی، لاڈ پیار کی وجہ سے وہ بہت ضدی اور موڈی ہوگئی تھی، لیکن وہ آجکل کی لڑکیوں کی طرح تیز و طرار بالکل نہیں تھی، 16 سال کی ہو کر سترہویں سال میں لگی تھی، مگر معصومیت ایسی تھی کہ 13، 14 سال کی کم عمر بچی ہی لگتی تھی اور اسے گھر میں ٹریٹ بھی ایسے ہی کیا جاتا تھا۔

’’اچھا بس اب اندر چلو، سب پریشان ہو رہے ہیں‘‘۔ وہ اس کے نم چہرے سے نگاہ ہٹاتا بولا اور ڈرائیونگ ڈور کھولتا اس کے ساتھ ہی باہر آگیا۔

’’زرمین آپی! میں انکل کے ساتھ کبھی نہیں آؤں گی، وہ مجھے لینے ہی نہیں آئے، مجھے ارحم بھیا کا سیل نمبر یاد نہ ہوتا تو....!‘‘ وہ اس کے سینے سے لگی رو رہی تھی، زرمین اسے بمشکل چپ کرواتی روم میں لے گئی، ارحم نے ان دونوں کو ساری تفصیل بتادی، جو زرمین نے اب تک چھپائے رکھی تھی، اور وہ دونوں بھی پریشان ہوگئیں، وہ لوگ کھانا ہی کھا رہے تھے کہ فیاض اور مہوش چلے آئے، وہ بہت شرمندہ تھے، غلطی فیاض کی نہیں تھی اور وہ سب اسے مان رہے تھے، لیکن وہ انکل فیاض کو خفگی بھری نگاہوں سے دیکھتی وہاں سے واک آؤٹ کرگئی اور سب کے بہت سمجھانے پر بھی وہ اپنی بات پر اڑی رہی، تو نوید عالم نے فیاض سے ایکسکیوز کر کے اس کے لیے ڈرائیور رکھ لیا اور وہ ڈرائیور کے ساتھ آنے جانے لگی، جس سے وہ بات پہلے ہی کر چکے تھے، لیکن فیصل کی پیار بھری ضد پر خاموش ہوگئے تھے اور وہی ڈرائیور ان کو آفس لانے لے جانے کی ذمے داری اٹھا رہا تھا، اور اس عرصے میں وہ اس کو پرکھ چکے تھے، اس لیے حسین کو لانے لے جانے کی ذمے داری بلا جھجک اس پر ڈال دی۔

☆..........☆..........☆

’’مجھے اندازہ نہیں تھا میرا! کہ تم پڑھنے کی اتنی زیادہ چور ہوگی، روز نئے بہانے گھڑ کے بیٹھ جاتی ہو‘‘۔ وہ آفس سے لوٹا تھا تو وہ سو رہی تھی اور وہ اسے ڈسٹرب کیے بغیر شاور لینے چلا گیا، فریش ہو کر اس تک آیا اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بخار چیک کیا تھا، جو ہلکی ہلکی گرم ہو رہی تھی، وہ سیدھا ہوا کہ اس نے آنکھیں کھول دیں، اور بکھرے بال سمیٹتی اٹھ بیٹھی اور وہ بیڈ کے کونے پر ٹکتے ہوئے شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولا، جبکہ وہ تو بری طرح تپ گئی۔

’’صبح سے بخار میں جل رہی ہوں اور آپ کو لگتا ہے کہ میں بہانے بنا رہی ہوں؟‘‘ آنکھوں میں آنسو آگئے۔

’’مذاق کر رہا تھا، ایک تو تم مذاق بھی نہیں سمجھتیں‘‘۔ تاسف سے کہتے ہوئے اس کے آنسو صاف کرنے کو ہاتھ بڑھایا، مگر وہ کچھ پیچھے ہوگئی۔

’’مجھے آپ کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے‘‘۔

’’ناراض ہو کر اچھی نہیں لگ رہی ہو‘‘۔

’’میں بری ہوں ناں تو بری ہی سہی‘‘۔ وہ خفگی سے کہتی وہاں سے اٹھنے لگی تھی کہ وہ اس کو بازو سے تھام کر شرارت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

’’بری تو تم بہت ہو، اتنی بری کہ چوری بھی کرتی ہو میرا سکون میرا چین و قرار اور میرا دل چرائے بیٹھی ہو‘‘۔ وہ مخمور لہجے میں کہتا اس کی پلکوں کو رخساروں کو سجدہ کرنے پر مجبور کر گیا۔

’’فضول الزام مت لگائیں‘‘۔

’’الزام لگا رہا ہوں؟ سچ ہی تو کہہ رہا ہوں، جب سے میری زندگی میں آئی ہو مجھے اپنا بھی ہوش نہیں رہا، تم زندگی بن گئی ہو‘‘۔ وہ ہنستے ہوئے ایک شوخ جسارت کر گیا اور وہ یہیں آکر تو بے بس ہو جاتی تھی۔

’’زندگی بن گئی ہوں، میری بات تک کی تو اہمیت نہیں ہے، ڈائیلاگز اتنے بڑے بڑے مارتے ہیں‘‘۔ وہ پلکوں کی باڑ اٹھاتی دھیمے سے بولی۔

’’ڈائیلاگز.... میری محبت، میرا اقرار وفا تم کو ڈائیلاگز لگتے ہیں؟‘‘ وہ اس پر بگڑا (مصنوعی) تھا۔

’’ہاں نہیں تو اور کیا، ہر معاملے میں تو اپنی چلاتے ہیں، آپ کی مرضی سے سوؤں، آپ کی مرضی سے جاگوں اور تو اور زبردستی لے کر میرا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروادیا‘‘۔ وہ تپے تپے خفا انداز میں کہتی اسے مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

’’اوہ... اب سمجھ آیا محترمہ اصل میں اتنی تپی ہوئی کیوں ہیں؟‘‘

’’آپ میری بات کو مذاق میں مت اڑائیں فیصل! مجھے سچ میں پڑھائی سے ذرا بھی شغف نہیں ہے، کتنی مشکل سے میں نے انٹر کیا ہے اور یونیورسٹی میں پڑھنا تو بے حد مشکل ہے، گزرے ہفتے میں ہی تھکن اور اکتاہٹ نے میرا برا حال

کر کے رکھ دیا ہے"۔ تھکن اور اکتاہٹ اس کے چہرے سے چھلکنے لگے۔

"میں تمہاری اس بات کے ساتھ کمپرومائز نہیں کر سکتا، شروع شروع میں پرابلم ہوگی بعد میں سیٹ ہو جاؤ گی، ہاں پڑھائی سے متعلق کوئی مسئلہ ہو تو میں ہیلپ کر دوں گا"۔ وہ اپنے مخصوص بے لچک لہجے میں کہتا بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔

"آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں، جب مجھے شوق ہی نہیں ہے تو زبردستی مجھے کیوں اس مشکل میں پھنسا رہے ہیں؟"

"انٹر آج کل کے دور میں کوئی معنی نہیں رکھتا، اسی لیے میں شادی کے بھی خلاف تھا کیونکہ تمہیں بچپن سے جانتا ہوں، مجھے اندازہ تھا کہ تم شادی کے بعد ہزار بہانے تراش لو گی، لیکن میں تمہارا کوئی بہانہ نہیں سنوں گا، تم اپنی ایجوکیشن کنٹینیو رکھو گی، اور پلیز اب یہ روز کے بہانے اور تاویلیں ملتوی کر دو، میں تمہاری یہ بات نہیں مانوں گا، ہاں اگر سبجیکٹ تمہیں یہ نہیں رکھنے، مشکل لگ رہے ہیں تو چینج کروا سکتا ہوں، جبکہ یہ سبجیکٹ میں نے تمہاری مرضی سے رکھے ہیں اور سحرش اور حنین بھی تمہارے ساتھ ہیں تو کوئی پرابلم بھی نہیں ہوگی"۔ اس نے فارم جمع کروانے سے پہلے باتوں باتوں میں اس سے سبجیکٹ پوچھے تھے اور اکنامکس کے علاوہ سارے سبجیکٹ وہی تھے، اکنامکس سحرش نے لی تھی، اس لیے اس نے اسے بھی اکنامکس ہی رکھوا دی۔

"فیصل! مجھے پڑھائی میں بالکل انٹرسٹ نہیں ہے، آپ اپنی ضد چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟" وہ اب قدرے لاڈ سے بولی۔

"بحث نہیں کرنا چاہتا میں"۔

"مان جائیے ناں فیصل! پلیز... آپ کو میری قسم"۔ وہ جذباتی لہجے میں کہتی پیار سے اس پر جھکی۔

"تم کیوں نہیں مان جاتیں جانِ فیصل!" اس کی معصوم ادا پر مسکراتے ہوئے اس کی ناک کھینچی۔

"پھر طے ہو گیا کہ میں آگے نہیں پڑھوں گی"۔ اس کا نرم لہجہ اسے خوش فہم کر گیا۔

"یہ طے ہے کہ تم آگے پڑھو گی اور اس فیصلے میں رد و بدل نہیں ہوگی، جو چاہو وہ مان لو، مگر میری یہ بات مان لو، اسے میری فرمائش سمجھ لو، میری خوشی یا پھر میرا حکم"۔ ماتھے پر جھولتی لٹ انگلی پر لپیٹتے ہوئے وہ بولا، اور وہ سیدھی ہو گئی۔

"آپ بہت زیادہ ضدی ہیں فیصل! ہمیشہ اپنی ہی منواتے ہیں آپ کے نزدیک صرف اپنی خوشی اپنا فیصلہ اہم ہے، میری خوشی تو جیسے معنی ہی نہیں رکھتی"۔ وہ خفگی بھری نگاہ اس پر ڈالتی بیڈ سے اتر گئی۔

"تم فضول میں نہ صرف بات بڑھا رہی ہو بلکہ بات کو غلط رنگ بھی دے رہی ہو، میں ایسا ضد میں نہیں چاہتا، میں تمہارا مستقبل محفوظ کرنا چاہتا ہوں، عورت کے پاس تعلیم ہو تو وہ بڑے بڑے امتحانوں سے آرام سے نبرد آزمائی کر لیتی ہے، اور میں نہیں چاہتا سمیرا! کہ خدانخواستہ کہ زندگی کبھی مشکلات کی نظر ہو تو تم میں اس سے نبٹنے کی صلاحیت ہی نہ ہو"۔ اس نے اپنا اصل موقف بیان کرنا چاہا۔

"مجھے یہ سب باتیں سمجھ نہیں آتیں، مجھے پڑھنے کا شوق نہیں ہے، جیسے تیسے انٹر کر لیا ہے یہی بہت ہے، اور میں اب آپ سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی، مجھے آگے نہیں پڑھنا ہے بس"۔ وہ اس کی بات کاٹ کر سختی سے بولی، اور الماری سے کپڑے نکالنے لگی، وہ کچھ کہتا کہ وہ خود ہی بول پڑی۔

"میں تیار ہو جاؤں تو آپ مجھے ڈیڈی کے پاس چھوڑ دیجیے گا، اور اب میں ڈیڈی کے ہاں سے جب ہی آؤں گی جب آپ میرا ایڈمیشن کینسل کروا دیں گے"۔ وہ کہہ کر رکی نہیں، کپڑے لیے واش روم میں چلی گئی، اور اس نے غصہ کنٹرول کرتے ہوئے کنعان کو فون کر کے اپنے آنے کا بتایا اور وہ اسے لیے ماموں کے ہاں آ گیا۔

"تم اب یہیں رہنا جب تک چاہو جب تک نہیں، صرف اپنے ماسٹرز کمپلیٹ ہونے تک"۔ اسے گاڑی سے اترتے دیکھ کر بولا، جبکہ وہ تو تھم ہی گئی۔

"میری ہی غلطی تھی کہ ماموں جان کے اور مما کے زور ڈالنے پر راضی ہو گیا، میں تم سے تمہارے ماسٹرز کے بعد شادی کرنا چاہتا تھا، مگر بگڑا اب بھی کچھ نہیں ہے، میں اپنی خوشی سے تمہیں یہاں چھوڑ رہا ہوں، یہ سمجھ لینا کہ ہماری شادی ہی نہیں ہوئی اور ماسٹرز کے بعد شادی ہوگی، جس دن فائنل ایئر کا لاسٹ پیپر ہوگا میں تمہیں آ کر لے جاؤں گا"۔ اس نے تو ڈیڈی کے ہاں جانے کی بات کی اس لیے تھی کہ وہ اس طرح بلیک میل ہو جائے گا مگر وہ تو پورے 4 سالوں کے لیے اسے چھوڑ رہا تھا۔

"آپ کو تو مجھ سے پیار ہے نہ دلچسپی، مجھ سے جان چھڑانے کے بہانے تلاشتے رہتے ہیں"۔ وہ کھسیاہٹ کا شکار ہو گئی۔

"اب کچھ بھی سمجھ لو"۔ اس کی سنجیدگی میں ذرا برابر فرق نہیں آیا۔

"میں ڈیڈی سے کہہ دوں گی کہ آپ نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے"۔

"یہ بھی کر کے دیکھ لو، میں کون سا خاموش رہوں گا، ساری بات صاف بتا دوں گا اور سب تمہیں ہی غلط کہیں گے"۔ وہ اندر ہی اندر اس کی بے بسی سے حظ اٹھا رہا تھا۔

"آپ.... آپ!" وہ کچھ کہہ ہی نہیں پائی اور وہ اسے اپنی طرف کھینچتا شرارت سے بولا۔

"بہت اچھے ہیں"۔ اور اس کی پیشانی پر لب رکھ دیے۔

"آپ بہت برے ہیں، میں ڈیڈی سے آپ کی شکایت کروں گی"۔

"کوئی اعتراض نہیں ہے مجھے، 4 سال ہوں گے تمہارے پاس پڑھائی کے، ساتھ کوئی مشغلہ بھی تو چاہیے ہوتا ہے، ماموں جان سے میری خوب برائیاں کرنا، شکایتیں لگانا، میں بالکل برا نہیں مانوں گا"۔ وہ اسے بری طرح چڑانے لگا۔

"آپ اتنے سال مجھ سے دور رہ لیں گے؟" نہایت جذباتی لہجے میں پوچھا۔

"ہاں... مجبوری ہے، مگر کبھی کبھی ملنے آ جایا کروں گا، مگر رزلٹ اچھا نہیں آیا تو فون تک کرنا بند"۔ وہ اسے ڈرا ہی تو گیا۔

"اس کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے؟" وہ ہارنے لگی۔

"ہے تو سہی مگر وہ تمہیں قبول ہی کب ہے"۔ کن انکھیوں سے دیکھا۔

"آپ چاہتے کیا ہیں؟" وہ زچ ہو گئی۔

"صرف تمہیں"۔ ادائے بے نیازی سے کہا گیا۔

"فضول باتیں مت کریں، اور مجھے اموشنل بلیک میل بھی مت کریں، جانتے ہیں ناں کہ آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی، اس لیے ایسی شرطیں لگا رہے ہیں"۔

"تم مان جاؤ تو میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں"۔ اس کے اداس ناراض چہرے کو اپنی طرف گھمایا۔

"پوری 10 شرطیں ماننا پڑیں گی"۔ اس نے گویا ہتھیار ڈال دیے تھے۔

"صرف 10...؟" وہ کھل کر مسکرایا۔

"کم ہیں ناں تو پوری 20...!"

"اچھا اب زیادہ پھیلو نہیں، اندر چلو ماموں جان کیا سوچیں گے گھر میں ہمیں ایک دوسرے سے بات کرنے کا موقع

نہیں ملتا، جو اس طرح گاڑی سے نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہے"۔ شرارت سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ کی پشت پر لب دے کر چھوڑ دیا۔

"آپ میری بات مت بدلیں، میری پوری 20 شرطیں ہی ماننا پڑیں گی آپ کو، ورنہ میں یونیورسٹی قطعی نہیں جاؤں گی"۔ وہ ٹھنک کر روٹھے لہجے میں بولی۔

"مادام! ہم آپ کی ہر شرط مان لیں گے، ابھی اندر چلو اور بعد میں ساری شرطیں ایک پیپر پر لکھ لینا، خادم کسی ایک کی بھی خلاف ورزی نہیں کرے گا"۔

"میں ساری شرطیں ایک ساتھ نہیں بتاؤں گی، بلکہ وقتاً فوقتاً"۔

"منظور ہے، مگر میری بھی ایک شرط ماننا پڑے گی"۔

"آپ کوئی شرط نہیں رکھ سکتے، آپ نے جو منوانا تھا وہ منوا چکے اب میری باری ہے اور میری بھی ایک بات یاد رکھیے گا، بعد میں آئیں بائیں شائیں کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا"۔ پرس اٹھاتے ہوئے جذباتی انداز میں اسے دھمکایا۔

"تم سے برا کوئی ہو بھی نہیں سکتا"۔ ہنستے ہوئے گاڑی سے باہر آ گیا۔

"آپ نے میری ایک شرط بھی ماننے سے انکار کیا تو ہماری ڈیل کینسل ہو جائے گی"۔ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔

"جو کہو گی، جیسا کہو گی، مان لوں گا، بس اس ٹاپک کو ختم کرو، بھیجا خالی کر کے رکھ دیا ہے"۔ باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

"خود کا بھیجا خالی ہو گیا ہے ناں تو اسی لیے تو چاہتے ہیں کہ میرا دماغ بھی خالی ہی ہو جائے، سڑی ہوئی کتابوں سے مغز ماری کرنا پڑے گی، اللہ کرے سب پیپرز میں زیرو سے کر آؤں، تاکہ آپ کی بے عزتی ہو پھر پتہ چلے گا"۔ وہ اسے گھورتی ہوئی دل کے پھپھولے پھوڑنے لگی۔

"میری بے عزتی تمہاری بے عزتی اور زیرو لاؤ گی تو تمہارا ہی نقصان ہوگا کیونکہ مجھے تو صرف تمہاری ماسٹر کی ڈگری چاہیے، اب یہ تم پر ڈپینڈ کرتا ہے کہ تم وہ 4 سال بعد دو گی یا 6، 8، 10 سال۔ جتنے سال لگانا چاہو لگا لینا، کوئی اعتراض نہیں ہے"۔

"اس طرح میٹھے میٹھے طنز کرتے ہوئے سخت برے لگ رہے ہیں"۔ وہ آگے بھی کچھ کہتی کہ کوریڈور میں ہی اسے شاکر مل گئے اور وہ ان سے لپٹ گئی، اور وہ کھانا کھا کر کنعان کی طرف چلا گیا۔

☆..........☆..........☆

"شاباش ہے بھئی! 9 بجے کا کہہ کر 11 بجے آ رہا ہے"۔

"تمہاری بھابی کی وجہ سے لیٹ ہو گیا"۔

"ہاں جی جناب کی شادی کیا ہوئی مصروفیت ہی ختم نہیں ہو رہی"۔

"او اب چپ کر جا، یہ جذباتی جملے اپنی بھابی کے کہنے کے لیے ہی رہنے دے، میرا سے مغز ماری کر کے آ رہا ہوں، اب تُو میرے پیچھے مت پڑ"۔ وہ اسے ٹوکتا ریلیکس ہو کر نیم دراز ہو گیا۔

"بات کیا ہے آخر اس دن بھابی سے یونیورسٹی میں ملاقات ہوئی، وہ بھی بری طرح تپی ہوئی تھیں اور تُو بھی کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے، آخر مسئلہ کیا ہے بھابی سے لڑائی ہو گئی ہے کیا؟" وہ روم فریج سے پیپسی کے کین نکالتے ہوئے بولا اور فیصل نے اسے ساری تفصیل کہہ سنائی۔

"بھابی! آگے پڑھنا ہی نہیں چاہتیں تو تجھے ان کے ساتھ زبردستی نہیں کرنی چاہیے"۔

"یار! تعلیم بے حد ضروری ہے، وقتِ ضرورت جاب کے لیے بچوں کی تعلیم ان کی اچھی پرورش کے لیے پیرنٹس کا

ایجوکیٹڈ ہونا ضروری ہوتا ہے"۔ اس نے اپنا موقف بیان کیا، جس سے وہ اگری کرتا تھا۔

"ہاں یہ تُو نے ٹھیک کہا، مگر بھابی مانیں نہیں تو تجھے ناکوں چنے نہ چبوا دیں، 20 شرائط مجھے تو سوچ کر ہی ہول اٹھ رہے ہیں"۔

"ابے کچھ نہیں ہوتا، اس کی سو کالڈ شرطیں اس کی طرح ہی بے وقوف ہوں گی تُو پریشان نہ ہو"۔ وہ پرسکون تھا، یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا سارا سکون و اطمینان درہم برہم ہونے والا تھا۔

"تُو مجھ سے صبح کون سی بات کرنے کو کہہ رہا تھا"۔ وہ پیپسی کے گھونٹ بھر رہا تھا، جب یاد آیا تو پوچھ بیٹھا۔

"ہاں بات تو تھی مگر ختم ہو گئی ہے، اس لیے جانے دے"۔ وہ سی ڈیز چیک کرنے لگا تھا۔

"بات کیا تھی کچھ پتہ بھی تو چلے"۔ اس نے فیصل کی دی ہوئی سی ڈی لگا کر میوزک سسٹم آن کر دیا۔

"حنین نے تم لوگوں کے ساتھ آنے سے صاف انکار کر دیا تھا، تجھے غصہ تو بہت آیا ہوگا"۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھ سر کی پشت سے ٹکاتے ہوئے اسے دیکھا جس کے چہرے کے زاویے یکدم ہی تن سے گئے۔

"میں اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہتا، نہ جانے خود کو کیا سمجھتی ہے، ایک تھپڑ لگا کر سارے کس بل نکال دیتا، مگر لاج کی وجہ سے برداشت کر گیا"۔ وہ دوست کو ساری بات اور اس کی تفصیل سے آگاہ کرنے لگا۔

"وہ لاج کے ساتھ کتنا مس بی ہیو کرتی رہی ہے، میرے کسی بھی فعل کی لاج ذمے دار نہیں ہے، لیکن اس نے فضول کے ری ایکشن سے مجھے لاج کی نظروں میں مشکوک کر دیا ہے، لاج مجھے سوری کرنے کو کہہ رہی تھی، مگر میری جوتی کو بھی غرض نہیں پڑی کسی سے معافی مانگنے کی"۔ اسے نئے سرے سے غصے نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

"تُو معافی نہیں مانگ سکتا یہ میں جانتا ہوں، مگر غلطی بہر حال تجھ سے ہوئی ہے اور تُو اس سے انکار نہیں کر سکتا"۔ وہ اس کے غصے کو کسی خاطر میں نہیں لایا۔

"غلطی ہو گئی تو کیا کروں؟ معافی مانگوں، مگر وہ سننے کو تیار کب ہے؟"

"تُو معافی مانگنے کو تیار ہے؟"

"ایسا چاہتا نہیں ہوں، اور یہ میرے لیے مشکل بھی بہت ہے مگر لاج کے لیے ایسا کر لوں گا، میں نہیں چاہتا کہ وہ کسی بھی بات کا ذکر لاج سے کرے اور اس سے کچھ بعید بھی نہیں ہے کہ وہ سب لاج سے کہہ دے"۔

"ایسا تُو خوف کے پیشِ نظر کرنا چاہتا ہے"۔

"واٹ ربش فیصل! خوفزدہ اور میں .... بچوں جیسی بات مت کر"۔ وہ بری طرح بھڑکا۔

"پھر بات کیا ہے آخر؟"

"یہی تو میں سمجھ نہیں پا رہا، جو کر بیٹھا ہوں نہ اس کا سبب سمجھ پا رہا ہوں، نہ ہی اپنی فیلنگز سمجھ پا رہا ہوں، اس کو دیکھنا، سوچنا دل کو اچھا لگ رہا ہے، تو اس کی آنکھوں میں اپنے لیے غصہ اور بے اعتباری دیکھ کر دل کتنا زخمی ہوا ہے، چاہوں بھی تو نہیں بتا سکتا، لاج کا تو بہانہ ہے، مگر میں اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مٹانا چاہتا ہوں اور ایسا میرے معافی مانگ لینے سے ممکن ہے تو میں اس سے معافی مانگ لوں گا"۔ وہ اس وقت اپنے سخت و سرد مہر روپ سے کافی ڈیفرنٹ لگ رہا تھا۔

"اور اگر اس نے معاف نہیں کیا تو...؟"

"تو میں کچھ کر بیٹھوں گا فیصل! لاج کی برتھ ڈے آنے والی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ وہ اس میں آئے اور وہ اگر نہیں آئی اور اس کا سرد بے مہر انداز نہیں بدلا تو میں ضرور کوئی ایکشن لوں گا"۔ اس کے ماتھے کی سلوٹیں بڑھ گئی تھیں، اور آنکھوں میں سرخی اترنے لگی۔

سعدیہ عابد

قسط نمبر 14۔

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

''میری طرف سے تو معذرت، میں نہیں آ پاؤں گی''۔ اس کا کورا جواب ماہ لاج کے چہرے کو تاریک کر گیا تھا اور اس کے چہرے کو دیکھ کر وہ اسے تاسف سے دیکھنے لگی تھیں جسے کسی کا دل رکھنا نہیں آتا تھا، رواداری اور دنیا نبھانے کا طریقہ

نہیں آتا تھا۔

''لیکن کیوں؟ اگر اجازت کا مسئلہ ہے تو میں تمہاری ممی سے بات کرلوں گی''۔ وہ خود کو کمپوز کر کے سوال داغنے کے ساتھ ہی حل بھی پیش کر گئی تھی۔

''مجھے پارٹیز وغیرہ میں جانا قطعاً پسند نہیں ہے اور تایا ابو کو بھی یہ سب ناپسند ہے وہ مجھے کبھی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ ویسے بھی میں خود ہی تمہارے گھر نہیں آنا چاہوں گی اسی لیے اجازت لینے کی کوشش بھی نہیں کروں گی''۔ پہلے تو پھر بھی اس کا لہجہ کچھ نرم تھا اب کے وہ بے رخی سے ناک چڑھا کر بولی تھی اور پیپسی کا ٹین خالی کر کے ان لوگوں کو لائبریری

جانے کا بتا کر کینٹین سے نکلتی چلی گئی تھی۔

”آئی ایم سوری لاج! میں جانتی ہوں تم صرف میری وجہ سے حنین کا مس بی ہیویئر برداشت کر لیتی ہو“۔ سحرش نہایت شرمندگی سے کہہ رہی تھی۔

”حنین سے دوستی میں نے صرف اور صرف اس لیے کی کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ مجھ میں یا حنین میں سے تمہیں کسی ایک سے دوستی ختم کرنی پڑے، لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ حنین دوستی کر لینے کے بعد بھی میرے ساتھ گزری تلخیوں کی کڑواہٹ نکالے گی“۔ وہ نہایت متاسفانہ لہجے میں بول رہی تھی۔

”ایسی بات نہیں ہے کہ وہ کنعان بھائی کا غصہ تم پر نکال رہی ہے، وہ بائے نیچر ہی ایسی ہے، اسے کسی کا دل رکھنا نہیں آتا، بلیومی کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہو گی، دوستی پکی ہو گی تو تم ہی نہیں وہ بھی تمہیں سمجھنے لگے گی کہ وہ منہ پھٹ ضرور ہے مگر کسی کو ہرٹ نہیں کر سکتی، خاص کر جان کر کے، انجانے میں اپنی فطرت کے آگے مجبور ہو کر ہی بس وہ تمہارے ہی نہیں کسی کے بھی ساتھ مس بی ہیو کر جاتی ہے، مگر احساس ہوتا ہے تو ازالے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے زیادہ نہیں تو سوری تو کر ہی سکتی ہے اور وہ احساس ہوتے ہی تم سے بھی معذرت کر لے گی، بس تم اسے کچھ وقت دے دو“۔ سحرش اور اس کا ساتھ بچپن کا تھا، حنین کی تمام تر نازک مزاجیوں کے باوجود اسے اپنی دوست بے حد عزیز تھی اور اسے لگا کہ اس کی دوسری دوست اس سے بدگمان ہو رہی ہے تو اس نے اس کی بھرپور طریقے سے وکالت کی تھی۔

”سحرش ٹھیک کہہ رہی ہے، حنین جیسی دکھتی ہے یا ظاہر ہوئی ہے وہ ایسی بالکل نہیں ہے کہ دل میں برائی رکھ کر تو وہ کسی سے بھی نہیں مل سکتی کہ اسے کنعان بھائی کی پرخاش تم سے نکالنی ہوتی تو وہ تم سے دوستی ہی نہ کرتی“۔ سمیرا نے بھی دوستی کا حق ادا کرتے ہوئے فوراً ہی اسے سپورٹ کیا تھا۔

”اس کے مزاج کو میں بھی سمجھنے لگی ہوں، لیکن یہ بات بہت زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے کہ کوئی ہمارے عزیز سے اتنا بدگمان اور متنفر ہے کہ اس کی موجودگی کو برداشت کرنا تو دور کی بات اس کا نام تک سننا گوارا نہ کرے“۔ وہ اداسی سے بول رہی تھی۔

”مجھے یہ بات سمجھ نہیں آ رہی کہ محض اچانک ٹکرا جانے کے سبب حنین میرے لالہ جان کو اتنا سخت ناپسند کرنے لگی ہے تو کیوں؟ کہ اچانک تو کسی سے بھی ٹکرایا جا سکتا ہے ایسے میں اتنی شدید ناپسندیدگی و ردعمل کا ظاہر کرنا میری تو سمجھ سے باہر ہے“۔ وہ ہر بار الجھ جاتی تھی مگر اس کی الجھن کوئی بھی سلجھانے کے موڈ میں نہ تھا اور وہ دونوں تو خود اس کی طرح الجھن کا ہی شکار تھیں۔

”حنین فطرتاً ہی نازک مزاج اور حساس طبیعت رکھتی ہے، وہ معمولی سی بات کو بھی بھلا نہیں پاتی کہ اس کے اردگرد بسے لوگ صرف اس کی راحت کا سبب ہیں ایسے میں کوئی تکلیف پہنچا دیتا ہے تو اس کی حساس طبیعت پر نہ صرف گراں گزرتا ہے بلکہ وہ برداشت نہیں کر پاتی، بات کچھ نہیں ہے بس مسئلہ حساسیت کا ہے، کچھ عرصے میں وہ سب بھول جائے گی تو نارمل ہو جائے گی اور اس سارے عرصے میں تمہیں بھی سروائیو کرنا پڑے گا کہ میں نہ تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں نہ اسے سمجھا سکتی ہوں کہ وہ کسی بھی بات پر قائل تو ہو جاتی ہے مگر مطمئن صرف اپنے دل و دماغ کے فیصلے کے بعد ہے اور یہ بات حنین کی فطرت کی ہر مضبوطی و کمزوری اس کا ہر رشتہ جانتا ہے اسی لیے اسے اسی حساب سے ٹریٹ بھی کرتا ہے، میں بھی اسے غلط مانتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتی سوائے اس کے کہ تم سے اس کے ہر برے رویے کی معذرت کر لوں“۔ حنین اس کی بیسٹ فرینڈ تھی اسے بہت عزیز تھی اسے مکمل سپورٹ کر رہی تھی مگر ایسے کہ ماہ لاج ناراض نہ ہو کہ وہ بھی اس کی دوست تھی، ماہ لاج یکدم ہی مسکرادی۔

”تم معذرت نہ کرو کہ اب وہ اچھی ہے، بری ہے جیسی بھی ہے میری دوست ہے، لالہ جان کی وجہ سے ہرٹ ہو جاتی ہوں کہ ان سے بہت محبت کرتی ہوں اور ان کے ذکر پر اس کا منہ بنانا مجھے تکلیف دیتا ہے، لیکن مجھے رشتوں کو بیلنس کرنا آتا ہے میں انشاء اللہ دوست کی وجہ سے بھائی اور بھائی کی وجہ سے دوستی کے رشتے میں دراڑ نہ آنے دوں گی، حنین کو دوست بنایا ہے تو اب دوستی نبھاؤں گی بھی، اسی لیے اس سارے ذکر کو جانے دو اور یہ سوچو کہ میری برتھ ڈے پارٹی میں، میں اس کی شرکت کو کیسے یقینی بناؤں؟“ وہ اداسی بھلا کر بشاشت سے کہتی ان دونوں کو ہی پرسکون کر گئی تھی۔

”لیکن! مجھے نہیں لگتا کہ وہ آئے گی؟“ سمیرا نے خیال ظاہر کیا تھا۔

”اوہوں....! مجھے بھی یہی لگتا ہے اس لیے میری مانو تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، اسے فورس بالکل مت کرو“۔ سحرش اس کی ہمنوا بن گئی تھی۔

”خیال ظاہر نہ کرو، آئیڈیا سوچو کہ وہ کسی طرح میری برتھ ڈے پارٹی میں شریک ہو جائے“۔ اس نے ان دونوں کو ہی گھور کر کہا تھا۔

”اگر میں زرمین بھابی سے بات کروں تو کیسا رہے گا؟ کہ اگر وہ مان گئیں تو وہ خود ہی حنین کو منالیں گی“۔ سمیرا کا مشورہ ان دونوں کو ہی پسند آیا تھا اور وہ زرمین سے بات کرنے کا کہتی اٹھ گئی تھی کہ بریک ٹائم ختم ہو گیا تھا ان کی کلاس شروع ہونے والی تھی۔

☆..........☆..........☆

”پلیز! زرمین بھابی! اس میں حرج ہی کیا ہے؟ ماہ لاج ہماری مشترکہ دوست ہے اور اس کی فیملی بھی کوئی انجان نہیں ہے، آپ تو جانتی ہی ہیں کہ لاج، فیصل کے دوست کی بہن ہے، میں فیصل کے ساتھ ان کے گھر بھی گئی ہوں، آپ بات کریں گی تو نوید انکل حنین کو اجازت دے دیں گے“۔ جب سمیرا نے اسے ساری بات بتائی تھی تو اس نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا تھا اور بڑے سبھاؤ سے نوید عالم کو ڈھال بنا کر حنین کے نہ جانے کا جواز پیش کر دیا تھا مگر وہ کہاں ماننی تھی الٹا اسے قائل کرنے کی کوشش کرنے لگی تھی جبکہ اسے بھی قائل نہ ہونا تھا کہ وہ ہر بات سے واقف تھی اور وہ حنین کو ہرگز بھی اس شخص کے گھر نہ بھیجتی جس کی بے باکی کی داستان اسے آج بھی مضطرب کر دیتی تھی۔

”سمیرا! ابو نے ہم بہنوں کو اس طرح دوستوں کے گھر آنے جانے کی اجازت کبھی نہیں دی، اور حنین کو تو وہ کبھی اکیلے کہیں جانے ہی نہیں دیتے“۔

”میرے اور سحرش کے ہوتے ہوئے وہ اکیلی کیسے ہو گی؟ کہ ویسے بھی پارٹی میں تو آپ نے بھی جانا ہے وہ ہماری پوری فیملی کو انوائٹ کرے گی“۔ اس نے فوراً ہی زرمین کے جواز کو مسترد کر دیا تھا۔

”وہ انوائٹ کرے گی جب کی جب دیکھی جائے گی کہ اگر ابو چاہیں گے تو اسے اجازت دے دیں گے“۔ وہ بہت تحمل کا مظاہرہ کرتی بولی اور بات ہی ختم کر کے اٹھ گئی۔

”بھابی! اصل میں بات انکل کی اجازت کی نہیں ہے، حنین کی مرضی کی ہے کہ وہ جانے سے صاف انکار کر چکی ہے، آپ کی شادی میں جو کنعان بھائی اس سے ٹکرا گئے تھے اس کی وجہ سے وہ ان پر کچھ غصہ ہے اور وہ اپنا غصہ نہ چاہتے ہوئے بھی لاج پر نکال دیتی ہے اور آپ خود بتائیے! کہ کیا یہ سب صحیح ہے؟“ وہ سمیرا کی بات پر پلٹی اور اسے دیکھنے لگی۔

”لاج تو اس کے ساتھ فیئر ہے لیکن وہ لاج کے ساتھ اکثر روڈلی بی ہیو کر جاتی ہے اور یہ بات تو انتہائی غلط ہے ناں کہ کسی کے کیے کی سزا کسی اور کو دی جائے اور ویسے بھی لاج ٹھیک ہی کہتی ہے کہ اچانک تو کسی سے بھی انسان ٹکرا سکتا ہے جب انسان کی غلطی نہ ہو اور وہ پھر بھی معافی مانگ لے تو اس کے بعد آپ کا برا رویہ کیا معنی رکھتا ہے؟ حنین کا رویہ ہم میں

سے کسی کو بھی سمجھ نہیں آرہا، کنعان بھائی جان کر تو نہیں ٹکرائے تھے جو وہ یوں ان پر غصہ ہے کہ جان کر ایسا کرتے تو اس کا غصہ کرنا بنتا بھی، لیکن ان کے معافی مانگ لینے کے بعد بھی اس کا رویہ ہنوز ہے تو کیوں؟'' سمیرا نے نہ صرف اپنے ذہن کی بلکہ ماہ لاج کی کہی بھی ہر بات کہہ ڈالی تھی اور زرمین کے لیے سوچوں کے کئی در وا کر دیے تھے۔

''جو بات کسی کے علم میں نہیں ہے وہ تم سب کو خبر کرنے کیوں چلی ہو؟'' ارحم الحسن کا خائف لہجہ کانوں میں گونجا تھا۔ اس نے سمیرا سے کہہ دیا تھا کہ وہ حنین کو سمجھائے گی اور تب سے وہ کمرے میں بند ان ہی سب باتوں کو سوچے جا رہی تھی۔

''ارحم نے ٹھیک کہا تھا کہ جو ہو گیا وہ لوٹایا نہیں جا سکتا، ہاں آگے احتیاط کی جا سکتی ہے تاکہ آئندہ ایسا کچھ نہ ہو اور نہ ہی کسی کو کسی بھی سب کچھ بھی پتہ چلے اور اس کے لیے مجھے حنین کی برین واشنگ کرنی ہو گی کہ کہیں وہ اپنی ازلی بے وقوفی دکھاتے ہوئے لاج کو یا سحرش و سمیرا میں سے کسی کو کچھ نہ بتا دے کہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ منظر عام پر نہ ہی آئیں تو بہتر ہوتا ہے اور اس کے لیے مجھے ہی کچھ کرنا ہو گا''۔ وہ یک دم ہی فیصلے پر پہنچ گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

''میری بنی کا موڈ کیوں آف ہے؟'' اس نے سب گھر والوں کو شام کی چائے پیش کی تھی کہ اسی وقت ملازمہ اس کا سیل فون لیے چلی آئی تھی، حنین کا لنک دیکھ کر وہ اپنا کپ لیے بڑی سرعت سے ''ایکسکیوز می'' کہتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی، سب نے تو اتنا محسوس نہیں کیا تھا مگر نہ جانے کیوں فیصل کو برا لگا تھا جبکہ اسے محض اندازہ ہی تھا کہ زرمین بھابی کے پاس حنین کا فون آیا ہو گا، اسے چھوٹی سے چھوٹی بات کے لیے حنین کا زرمین کو فون کرنا بہت برا لگتا تھا، مگر ہائے ری مجبوری، کہہ کچھ نہیں سکتا تھا اس نے ایک نظر بھائی پر ڈالی تھی جو سینڈوچ کھاتا مکمل طور پر سحرش کی جانب متوجہ تھا کہ وہ بھائی کو اپنی کوئی بات بتا رہی تھی جسے وہ دلچسپی سے سن رہا تھا، اس نے ایک سانس خارج کی اور چائے کے سپ لینے لگا، کمرے میں آتے ہی اس نے کال ریسیو کی تھی اور ہائے ہیلو کے درمیان ہی وہ اس کے خراب موڈ کی بو پا گئی تھی اس لیے نہایت پیار سے بولی تھی۔

''لاج کی وجہ سے میرا موڈ آف ہے''۔ اس نے فوراً ہی اس کی بات کی تصدیق کر دی تھی، مگر وہ بے طرح چونک اٹھی تھی۔

''کیوں.... کیا نئی دوست سے جھگڑا ہو گیا ہے؟'' وجہ جاننے کو نرمی سے استفسار کیا تھا۔

''نہیں، جھگڑا نہیں ہوا آپی! اس سنڈے کو اس کی برتھ ڈے ہے اور آج وہ انویٹیشن کارڈ لے کر گھر آئی تھی، جب میں نے اسے منع کر دیا تھا کہ میں پارٹی اٹینڈ نہیں کروں گی تو وہ کیوں کارڈ لے کر گھر آئی؟'' اس نے تپے تپے سے لہجے میں موڈ آف ہونے کی وجہ بتا دی تھی۔

''تو تم نے کیوں منع کر دیا؟ وہ تمہاری دوست ہے تم اپنی دوست کی برتھ ڈے پارٹی میں چلی جاتا''۔ وہ چونکہ سوچ چکی تھی فیصلہ لے چکی تھی اس لیے نارمل کہہ گئی تھی جبکہ اسے کہاں امید تھی کہ زرمین اسے جانے کو کہے گی اس لیے وہ حیران ہوئی تھی اور حیرانگی سے نکلی تھی تو خفگی سے بولی تھی۔

''آپی! آپ مجھے وہاں جانے کو کیسے کہہ سکتی ہیں وہ فیصل بھیا کے دوست کا گھر ہے، وہ دوست جنہوں نے آپ کے ریسپشن میں میرے ساتھ کتنی غلط حرکت کی تھی''۔ ان ساعتوں کا خیال ہی اس کو مضطرب کر گیا تھا، گردن پر چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہونے لگی تھیں، وہ سرخ پڑتی لب کچلنے لگی تھی، جس دوپہر اس نے لاج کے بہت کہنے پر بھی ماہ کنعان کی وجہ سے ماہ لاج سے لفٹ نہیں لی تھی اس دوپہر اس نے روتے روتے ساری تفصیل زرمین کو بتا دی تھی مگر زرمین نے اس سے نہ کہا تھا نہ ظاہر کیا تھا کہ وہ یہ سب ماہ کنعان کے منہ سے سننے کے بعد وہ ارحم الحسن سے بھی تصدیق کر چکی تھی۔

''میں سب کچھ جاننے کے باوجود بھی ایسا کہہ رہی ہوں کیونکہ تم نے بریو بننا ہے کہ لڑکیوں کو اپنے معاملے میں خاص کر اپنی عزت کے معاملے میں بہت مضبوط ہونا چاہیے، اتنا کہ کوئی انہیں غلط بات نہ کہہ سکے، چھونا کوئی غلط حرکت کرنا تو بہت دور کی بات ہے''۔ وہ اس کے لیے مخصوص نرمی سے بول رہی تھی۔

''لیکن آپی!'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس نے موقع نہ دیا۔

''تم نے اس شخص سے یا کسی بھی مرد سے ہرگز بھی ڈرنا نہیں ہے، اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنی ہے، تم اس شخص کے سامنے جاؤ مگر ایسے کہ وہ تمہاری طرف چاہ کر بھی پیش رفت نہ کر سکے کہ تم ڈرو گی، کمزوری دکھاؤ گی تو وہ تمہیں تر نوالہ سمجھ کر تم پر حاوی ہونے کی کوشش کرے گا، خود اعتمادی سے اس کا سامنا کرو گی تو وہ قدم تمہاری طرف چاہ کر بھی نہیں بڑھا سکے گا''۔ وہ اسے نہایت نرمی سے ایک ایک بات سمجھا رہی تھی۔

''لیکن آپی! مجھے بہت ڈر لگتا ہے، وہ اچھے انسان نہیں ہیں، انہوں نے مجھے پھر پریشان کیا تو؟'' وہ کچھ سمجھی تھی، کچھ نہیں سمجھی تھی مگر جب بولی تھی تو ہزار خدشے اور خوف عیاں ہو گیا تھا۔

''وہ تمہیں اب پریشان نہیں کریں گے بالفرض کریں تو تم نے ان سے ڈرنا نہیں ہے بلکہ انہیں ان کی اوقات بتانی ہے کہ لڑکیاں اگر ڈریں تو مرد انہیں مزید ڈراتے ہیں جبکہ لڑکیوں کو ڈرنے کی بجائے اپنی عزت کی حفاظت کرنی آنی چاہیے''۔ اب وہ اسے کافی کچھ ڈھکے چھپے انداز میں سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''آپی! مجھے آپ کی باتیں سمجھ نہیں آ رہیں، میں نے لاج کے گھر جانا ہی نہیں ہے تو آپ کو اتنا سب کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے''۔ وہ قدرے اکتائے ہوئے ناسمجھ انداز میں بولی تھی۔

''ضرورت ہے تب ہی کہہ رہی ہوں، تم نے میری باتوں پر غور کرنا ہے اور عمل بھی کرنا ہے اور تم پارٹی میں بھی جا رہی ہو کہ میں نہیں چاہتی اس سب کا کسی کو بھی پتہ چلے اور تمہارا ری ایکشن سب کو تشویش میں مبتلا کر رہا ہے، اس لیے تم نے سب کچھ بھول کر ایک دم نارمل بی ہیو کرنا ہے''۔ زرمین کو اس کی معصومیت پر پیار سا آیا تھا اور اب کے وہ اسے مزید نرمی سے آسان لفظوں میں سمجھا رہی تھی ان کا انداز ایسا تھا کہ بات اس کی سمجھ میں آ جائے اور اس کے ذہن پر بھی کوئی برا اثر نہ پڑے۔

''اوکے! آپ کے کہنے پر چلی جاؤں گی، کسی سے اب کچھ کہوں گی بھی نہیں، نہ ہی خود کو کسی کے بھی سامنے کمزور پڑنے دوں گی''۔ ایک گھنٹے کی مغز ماری کے بعد اس کا جواب اسے کچھ پرسکون کر گیا تھا۔

''مگر اتنا یاد رکھیے گا آپی! کہ وہ مجھے نہیں پسند، اب انہوں نے کوئی غلط حرکت کی تو اس کی ذمے دار آپ ہوں گی کہ آپ کے کہنے پر ہی میں ان کے گھر جاؤں گی''۔ اس کا ہر بات کی ذمے داری اس پر ڈال دینا اسے مضطرب کر گیا تھا کہ وہ تو یہ سب نہیں چاہتی تھی بہت سوچ کر کڑے دل سے فیصلہ لیا تھا۔

''شاید... وہاں حنین کو جانے کے لیے راضی کرنے کا میرا فیصلہ درست نہیں ہے''۔ اس نے اضطراب اور بے چینی سے ٹہلتے ہوئے با آواز بلند خود کلامی کی تھی۔

''نہیں، تمہارا فیصلہ ایک دم درست ہے''۔ فیصل کی آواز پر وہ چونکی۔

''آئی ایم سوری زرمین! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اب تک حنین سے فون پر بات کر رہی ہو گی، میں نے تمہاری گفتگو کا بس آخری حصہ ہی سنا ہے اور اس کے لیے معذرت خواہ ہوں، مگر سن لیا ہے، اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم نے ایک صحیح فیصلہ وقت لیا ہے''۔ اس کی آنکھوں میں یکدم ناراضی اترتے دیکھ کر اس نے جلدی سے وضاحت دی تھی اور ساتھ ہی اپنا مشورہ بھی دے ڈالا تھا، اور وہ اتنی پریشان و الجھی ہوئی تھی کہ اس سے اپنا مسئلہ شیئر کر گئی تھی، اس نے زرمین کو بغور دیکھا

تھا، سی گرین کاٹن کے پرنٹڈ سوٹ میں وہ تمام تر سادگیوں کے ساتھ الجھی سی اس کے سامنے تھی۔

''جو ہوا ہرگز بھی ہونا نہیں چاہیے تھا زرمین! مگر جو ہوگیا اسے بدل نہیں سکتے مگر سچائی سے کہوں تو جو فیصلہ تم نے لیا ہے اس میں تم ڈر اور وسوسے کا شکار ہو، مگر میں ذہن و دل سے مطمئن ہو کر تمہارے فیصلے کی حمایت کر رہا ہوں''۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں الجھن و اضطراب کی لکیریں گہری ہونے لگی تھیں۔

''حنین ہمیشہ سے میرے لیے سحرش کی طرح ہی ہے اور اگر اس شخص کو میں برا پاتا تو سب سے پہلے میں سحرش کی حفاظت کے لیے حکمت عملی تیار کرتا مگر میں ایسا نہیں کر رہا کیونکہ اس شخص کو بدنیت و بدفطرت نہیں پایا۔ کبھی اور جب سحرش کو اس کے گھر جانے یا اس کے سامنے آنے سے نہیں روک رہا تو کوئی تو وجہ ہوگی ناں؟ تو بس تم اسی بات کو سوچ کر مطمئن ہو جاؤ کہ میں سحرش کو کسی غلط جگہ نہیں بھیج سکتا اور جب میں اپنی بہن کو نہیں بھیج سکتا تو تمہیں کیسے اجازت دوں گا یا حمایت کروں گا کہ تم ایک غلط جگہ اپنی بہن کو جانے دو؟ کہ تمہاری بہن میری بھی بہن ہے اور یقین رکھنا کہ جیسا میں کبھی سحرش کا برا نہیں چاہ سکتا، حنین کا بھی برا چاہ ہی نہیں سکتا کہ سحرش اس لیے عزیز و قابل احترام ہے کہ وہ میری بہن ہے اور حنین اس لیے کہ وہ تمہاری بہن ہے اور ہم جب ایک ہیں تو ہمارے رشتے، ہمارے احساسات کیسے الگ ہو سکتے ہیں؟'' اس کا وہی ازلی نرم ٹھہرا ہوا لہجہ تھا جو زرمین کی ہر الجھن ہر بے چینی کو ختم کرتا چلا گیا تھا۔

''تھینکس فیصل! آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ نے میری کتنی بڑی پرابلم کو سولو کر دیا ہے''۔ اس کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا تھا اور لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی اور سادگی نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتا فیصل یکدم ہارٹ بیٹ مس کر گیا تھا کہ اس کا گلابی چہرہ کھل کر گلاب کی طرح مہک اٹھا تھا اور وہ مہک اسے اپنی جانب کھینچنے لگی تھی۔

''حنین! میرے لیے مجھ سے زیادہ اہم ہے، اس کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں ہوتے، اس کی خوشی مجھے اپنی خوشی سے بڑھ کر عزیز ہے اور میں جانتی ہوں کہ جو ہوا اس کے ننھے ذہن پر ضرب لگا گیا ہے وہ ظاہر نہ کرے مگر میں محسوس کر سکتی ہوں کہ وہ جب سے ہی مضطرب ہے اور میں چاہتی تھی کہ وہ ہر ٹینشن سے آزاد ہو جائے مگر میں اپنی ٹینشن کے چلتے اسے ٹینشن فری نہیں کر پا رہی تھی، لینے کو فیصلہ لے لیا تھا مگر ہزار ہا خوف کے سائے میرے گرد منڈلا رہے تھے مگر اب آپ کا ساتھ میرے لیے بہت بڑی ڈھارس ہے، آپ نے مجھے ٹینشن فری کر دیا ہے اور اب میں انشاء اللہ حنین کو اس فیز سے نکال لوں گی''۔ وہ اس کی بدلتی کیفیت سے انجان حنین کے لیے اپنے جذبات بیان کرتی اسے تشکر سے دیکھ رہی تھی اس کے مسکرانے پر وہ دھیمے سے جوابی مسکراہٹ اچھالتا پلٹ گیا تھا، ان کی شادی کو تقریباً تین ماہ ہو گئے تھے، اجنبیت بھلے نہ تھی مگر دوریاں اور فاصلے ان کے درمیان ہنوز تھے، اس نے اگر اسے وقت دیا تھا تو اپنی بات، اپنے فیصلے پر قائم بھی تھا اور وہ تھی کہ سب کے لیے سایہ دار شجر ثابت ہونے والی اس کے لیے تو دھوپ بھی ثابت نہیں ہو رہی تھی، اس کا خیال رکھتی تھی، اس کی پرواہ کرتی، کھانے پینے، کپڑوں اور ہر چیز کا دھیان رکھتی تھی، اس سے ہر کسی کی بات کر لیتی تھی، اب تو بلا جھجک ہر موضوع پر عام سے انداز میں بات کر لیتی تھی، بات نہیں ہوتی تھی تو ان دونوں کی، ان کی خواہشات و ضروریات کی، رشتے کے تقاضے اور محبت کی۔ وہ جس طرح انجان بنتی تھی وہ الجھ جاتا تھا لیکن اس سے کوئی سوال نہیں کرتا تھا، وہ انجان تو پہلے بھی نہیں رہنا چاہتا تھا اور وقت کے گزرتے انجان بنے رہنا جذبات کو جھٹکنا، جذبوں پر بندھ باندھنا بہت مشکل لگتا تھا مگر وہ اس کی خوشی کے لیے ان ساری مشکلات سے نبرد آزمائی کر رہا تھا کہ اس کی سوچ یہی تھی کہ اجنبیت کی دیوار گر گئی ہے، وقت کے چلتے دوریاں بھی سمٹ جائیں گی اور وہ جو اسے انجان سمجھ رہا تھا وہ اتنی بھی انجان نہ تھی کہ اس کی نگاہ کا اٹھنا، پھر ٹھہرنا اس کا دل دھڑکا دیا کرتا تھا مگر دھڑکنوں کا ساز الگ ہی تان اٹھاتا تو وہ گھبرا جاتی تھی کہ وہ شخص جو کچی عمر میں نگاہ میں سمایا تھا، دل میں ٹھہرا تھا، دعا بن کر لبوں کی سدا بنا تھا وہ نصیب نہ تھا، نہ ملا تھا، نہ ملنے کی امید تھی لیکن دل کا کیا کرتی کہ اب

ہر دعا میں اسے دل سے نکل جانے کی التجا کرتی، اسے بھول جانے کی کوشش میں آج کل شدتوں سے یاد کر رہی تھی اور اسی لیے اس کی محبت اور اس کی طلب کو نظر انداز کر رہی تھی کہ وہ بٹے ہوئے دل، کبیدہ ذہن کے ساتھ اس کے جیون میں شامل ہوئی تھی، اس کی بننا نہیں چاہتی تھی کہ اس پیارے سے سادہ شخص کے ساتھ وہ جو ناانصافی کر چکی تھی مزید نہیں کرنا چاہتی تھی کسی اور کو دل میں بسا کر جیون میں شامل ہونا اس کی مجبوری تھی، مگر اب وہ اس مجبوری کو توڑ کر ذہن و دل کی پوری آمادگی سے اس شخص کی بننا چاہتی تھی لیکن یہ سب اتنا آسان بھی نہ تھا وہ روز ٹوٹنے اور جڑنے کے مرحلے سے گزرتی، خود کو فیصل کا مجرم پاتی، معافی کی آس میں جی رہی تھی، کب پرانی محبت دل سے نکلتی اور فیصل کی محبت سما جاتی؟

☆.........☆.........☆

''تھینکس فار کمنگ حنین! میں بتا نہیں سکتی کہ تمہیں اپنی برتھ ڈے پارٹی میں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے''۔ وہ حنین سے والہانہ انداز میں ملی تھی اس کی خوشی اس کے چہرے و انداز سے ہی عیاں ہو رہی تھی۔

''میں صرف زرمین آپی کے مجبور کرنے پر آئی ہوں کہ میں ان کی کسی بات سے چاہوں بھی تو انکار نہیں کر سکتی''۔ اس کے چہرے پر کوئی خوشی نہ تھی ایک عجیب سا ہی تاثر تھا جبکہ وہ مسکرا دی تھی۔

''میرے لیے تمہارا آجانا ہی کافی ہے، وجہ چاہے کچھ بھی ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ زرمین بھابی سے جب ملوں گی تب ان کا دل سے شکریہ ادا کروں گی''۔ وہ اس کا موی ہاتھ اپنے خوبصورت ہاتھ میں تھامے گرمجوشی سے بولی تھی۔

''زرمین آپی! کو فیصل بھیا کے ساتھ ان کے دوست کی ویڈنگ اینی ورسری میں جانا تھا ورنہ وہ بھی آتیں''۔ وہ اس کی محبت کے جواب میں دھیمے سے بولی تھی۔

''اوہوں.... بھابی نے صبح ہی مجھے فون کر کے وش کیا تھا اور آنے سے معذرت کر لی تھی، آؤ میں تمہیں اپنے پیرنٹس سے ملواتی ہوں''۔ وہ مسکرائی تھی اور اس کا ہاتھ تھامے اپنے پیرنٹس کی جانب بڑھ گئی تھی، اسے ماہ لقا سے مل کر بالکل بھی خوشی نہیں ہوئی تھی کہ انہوں نے بلیک نیٹ کی ساڑھی پر گہرے گلے کا سلیولیس بلاؤز پہنا ہوا تھا اور نیٹ کی سیاہ ساڑھی سے ان کا جھلکتا سفید دودھیا جسم دعوت نظارہ دے رہا تھا اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی کہ اکثر خواتین نے اسی قسم کی ڈریسنگ کی ہوئی تھی مکس گیدرنگ تھی ہنستے مسکراتے کپلز اس کو یکدم ہی بے چینی ہونے لگی تھی اور وہ جانے کا سوچنے لگی تھی کہ سمیرا اور سحرش آگئی تھیں اور اتنے اجنبی لوگوں میں ان دونوں کو دیکھ کر اسے گونا گوں سکون کا احساس ہوا تھا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو''۔ حنین نے سمیرا کی دل سے تعریف کی تھی وہ مہردن رنگ کی اسٹائلش ساڑھی میں لائٹ سے میک اپ اور ڈائمنڈ جیولری میں لگ ہی بہت اچھی رہی تھی اور وہ لاشعوری طور پر اس کا موازنہ وہاں ہنستی مسکراتی عورتوں سے کرنے لگی تھی کہ اس نے ان سب کے برعکس ساڑھی کو بہت سلیقے سے پہنا ہوا تھا اور اس کے ذہن میں جو کھچڑی پک رہی تھی اس نے سمیرا کے استفسار پر کہہ ڈالی تھی۔

''ہر انسان کا اپنا لائف اسٹائل ہوتا ہے، اپنی پسند ہوتی ہے''۔ سمیرا دھیمی سی مسکان کے ساتھ بولی تھی اور وہ تینوں ہی ماہ لاج کے ساتھ آتے عین العارفین کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں اور ماہ لاج نے اس کا یہ کہہ کر تعارف کروایا تھا کہ وہ اس کے اکلوتے ماموں کا اکلوتا بیٹا ہے۔

''یہ تمہارے کزن ہیں، یہ تم نے اس دن کیوں نہیں بتایا تھا؟'' سحرش نے سوال کیا تھا۔

''اس دن موقع نہیں ملا تھا اور بعد میں عارفین بھائی یونی بھی نہیں آئے کہ مجھے بتانے یا تعارف کروانے کا خیال آتا''۔ عین العارفین کے فادر ہارٹ سرجری کے لیے باہر گئے ہوئے تھے اور وہ ان کے ساتھ ہی گیا تھا اس کی واپسی دو دن قبل ہی ہوئی تھی۔

"یہی تو تمہاری بھول ہے صبا! جب ہم کسی کے لیے بددعا کرتے ہیں تو وہ بددعا پلٹ کر آتی ہے اور جب ہم دعا کرتے ہیں کسی کے لیے تو وہ دعا پلٹ کر ہمارے پاس آتی ہے، رحمت بن جاتی ہے، ہماری مشکلیں آسان ہوتی ہیں، شر اور خیر اللہ ہی کی طرف سے ہے، بس یہ نصیب کے جس کو ہدایت مل جائے، تم ہماری رومی کے لیے دعا کرو، کلثوم کہہ رہی تھی کہ وہ ٹھیک نہیں ہے"۔ یہ سن کر صبا جہاں کھڑی تھیں کھڑی رہ گئیں۔

"اچھا تو وہ بلا پھر واپس آ گئی؟" وہ بہت حیرانگی سے اپنی ساس کو دیکھ رہی تھیں۔

"تم اس کے حق میں دعا کرو، لائبہ ٹھیک ہو جائے گی"۔

"آپ یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ اس منحوس لڑکی کی وجہ سے میری بیٹی بیمار ہوئی ہے، میں نے کوئی ظلم کیا ہے اس کے اوپر، اس گھر میں وہ رہے گی یا میں، کچھ بھی ہو جائے لائبہ زندہ رہے یا نہ رہے، فیصلہ ایک بار ہوتا ہے"۔ وہ غصے سے بولتی باہر نکل گئی تھیں۔

ولید حیدر کمرے کے باہر صبا سے نظریں چرائے رخ پھیرے کھڑے تھے، بڑی تھی یا دکھ تھا، بہر حال وہ سامنے نہیں آئے، البتہ حذیفہ آ کر صبا سے بولا تھا۔

"مام! چلیں، لائبہ سے ملنے کے لیے ڈاکٹرز نے اجازت دے دی ہے"۔

"ٹھیک ہے میں چلتی ہوں لیکن روی اس گھر میں نہیں آئے گی یا وہ یا میں، یہ فیصلہ وقت کرے گا"۔ انہوں نے غصے سے پلٹ کر ولید کی جانب دیکھا تھا وہ نڈھال تھکے تھکے قدموں کے ساتھ حذیفہ کے ساتھ ہاسپٹل جانے کے لیے نکل گئی تھیں، تمام راستے حذیفہ انہیں لائبہ کو دیکھنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کرتا رہا تھا۔

"مام! جب مریض ہاسپٹل میں ہوتے ہیں تو ڈاکٹرز اپنے حساب سے سب کچھ کرتے ہیں ویسے تو لائبہ ٹھیک ہے"۔ وہ رخ پھیر کر ان کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"لائبہ سے تمہیں بہت ہمدردی ہو گئی ہے"۔ وہ بغور حذیفہ کو دیکھ رہی تھیں۔

"یہ انسانی فرض بھی ہے کہ ہم دوسرے کی مدد کریں، لائبہ آپ کی بیٹی ہے میری بہن لگتی ہے وہ"۔

"حذیفہ! جھوٹ مت بولو، یہ چال بازیاں مجھے پسند نہیں ہیں، کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا، جو اشمل کے لیے میرے دل میں جگہ ہے وہ حذیفہ کے لیے تو نہیں ہے، پھر لائبہ کیسے تمہارے دل میں قابل احترام ہو سکتی ہے؟ یہ تو ایک حادثہ تھا جو اس کے ساتھ ہوا، تم ہنستے کھیلتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کر رہے ہو، ابھی ابھی ایکسیڈنٹ ہوا اور تم مر جاؤ، لائبہ کا بھی یہی ہوا، مگر وہ بچ گئی"۔

"اللہ بچانے والا ہے، اس نے واقعی لائبہ کو زندہ رکھا ہے"۔ وہ بہت احترام سے بولا، صبا کو اس نے ہر چند لائبہ کے لیے ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا پھر بھی لائبہ، لائبہ نہ تھی کار ایکسیڈنٹ نے اس کی شکل، حلیہ سب بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

"نہیں نہیں، یہ لائبہ نہیں ہے یہ جھوٹ ہے، تم لوگ مجھے چیٹ کر رہے ہو، مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے ڈرامہ کھیل رہے ہو، یہ لائبہ نہیں ہے"۔ صبا کی تیز آواز پر لائبہ نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"مام! میں آپ کی لائبہ ہی ہوں"۔

"لائبہ! میری جان...!" وہ اس کی آواز پہچان کر تڑپ گئی تھیں۔

"ریلیکس مام!" حذیفہ نے بڑھ کر انہیں تھام لیا تھا، وہ سسک سسک کر رو رہی تھیں، لائبہ کی بے بسی پر یا اپنی بد نصیبی پر، وہ کرسی پر سامنے بیٹھی لائبہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے سہلاتی رہیں اور جب اٹھیں تو صدیوں کی مسافت وہ عبور کر چکی تھیں، بوڑھوں کا انداز اور تھکے تھکے قدموں سے وہ ہاسپٹل سے باہر آ گئی تھیں۔

"مام! گھر آ گیا، اتریں"۔ حذیفہ نے اتر کر دروازہ کھول دیا تھا، انہوں نے نظر اٹھا کر ولید ہاؤس کو دیکھا، اونچا شاندار بالائی منزل کا تاج محل کے ڈیزائن سے مشابہ تیسری منزل کی بارہ دری نظر آ رہی تھی، جہاں نماز پڑھی جاتی تھی، دعائے خیر ہوتی۔

"یہ سب کیا ہوا حذیفہ! ٹوٹ پھوٹ گیا ولید ہاؤس تو کتنا ویران اور اجڑا ہوا لگ رہا ہے"۔

"مام! سب کچھ ویسا ہی ہے، آپ پریشان ہیں ناں تبھی آپ کو ایسا لگ رہا ہے، آپ اندر چلیں"۔ وہ ہاتھ پکڑ کر صبا کو اندر لے کر آیا تھا، وہ ذہنی طور پر لاسٹ ہو چکی تھیں۔

"میں نے بہت بڑے بڑے پلان بنائے تھے کسی کا کوئی پرابلم ہوتا تو لوگ مجھ سے مشورہ کرتے ہیں میں نے زندگی کے مسائل چٹکیوں پر حل کر دیے ہیں، کتنی آسانی سے میں نے اپنی زندگی اور اس گھر سے رومی کو نکال دیا، اماں کو بڑا غرور تھا اپنے رشتے داروں، اپنے بچوں کا، ایسا میں نے ان کا گھر اجاڑا ہے، اشمل برباد ہو گئی حذیفہ! ایسی لڑکیوں سے کوئی شادی نہیں کرتا، ارسلان برباد ہو گیا زویا چلی گئی، رومی کبھی واپس نہیں آئے گی۔ ارج میرے کہنے پر آئی ہے"۔ وہ سرگوشی کے انداز میں بولیں۔

"بھائی مبین کو تو تم جانتے ہو ناں، ہم نے ایک پلان بنایا اور رومی آؤٹ... آؤٹ... آؤٹ"۔ ولید حیدر سامنے سے آ رہے تھے۔

"میں نے سب کو آؤٹ کر دیا، اماں نے سعیدہ کو آؤٹ کیا تھا ناں اس گھر سے"۔

"نزدیک آؤ"۔ انہوں نے اشارے سے ولید حیدر کو بلایا اور بولیں۔

"پتہ ہے اماں نے جو الزام سعیدہ پر لگایا ہے وہی الزام میں نے رومی پر لگایا اور پلان کامیاب ہو گیا، تم کب آئے؟" وہ ہذیانی انداز میں آہستہ آہستہ بول رہی تھیں۔

"حذیفہ! تم صبا کو لے کر اندر جاؤ"۔

"چلیں مام! چلیں ریلیکس، آپ بہت زیادہ ٹینس ہیں، میں ابھی ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں، فائزہ آنٹی! آپ مام کا خیال رکھیں میں آتا ہوں"۔

ولید ہاؤس میں بہت گہرا اندھیرا تھا، سناٹا بڑھتا جا رہا تھا، ہر شخص اپنی اپنی دنیا میں بے حد پریشان کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے، صبا کو میڈیسن دے کر سلا دیا گیا تھا، اسٹڈی روم کی لائٹ جل رہی تھی اس کا مطلب تھا ولید حیدر ابھی تک جاگ رہے تھے، حذیفہ ابھی تک ارسلان کے پاس سے واپس نہیں آیا تھا، اشمل لائبہ سے مل کر بے حد اداس اور دکھی ہو گیا تھا، مام کے کمرے میں آیا تو وہ بے خبر سو رہی تھیں، فائزہ دوا کا الارم لگا کر جا چکی تھیں، رات کی نرس صبا کے پاس موجود تھی، وہ ان کے روم سے پلٹ آیا، ایزل اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، گھڑی پر نظر پڑی تو رات کے دس بج رہے تھے، اس نے جھک کر لان کی طرف دیکھا تو بہت گہرا سناٹا تھا، بارش برس کر تھم چکی تھی، بھیگے ہوئے پرندے پھڑ پھڑا رہے تھے، بڑے سے گیٹ کی لائٹس آن تھیں اور رات کی ڈیوٹی کے گارڈز تبدیل ہو کر آ گئے تھے، دور تک سناٹا بڑی خاموشی بھیگی ہوئی سڑکیں نظر آ رہی تھیں، ایزل بار بار تنگ کر رہی تھی، گارڈ نے جب گیٹ کھولا اسے دور سے نظر آیا تھا کہ ارج کسی کے ساتھ گاڑی میں آئی ہے، وہ اپنے کمرے میں پلٹ کر آیا اور چینج کر کے اس نے گرے شلوار قمیض پہن کر خود کو آئینے میں دیکھا اس کی گرے آنکھوں میں سرخ اور تھکن کے ڈورے تھے کمرے میں روی کی یادیں تھیں۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر اچانک گئی تھی، صبا بھی کچھ چینج نہ کر سکی تھیں وہ سب کچھ چھوڑ کر اچانک گئی تھی، کمرہ جوں کا توں پڑا تھا، صفائی ضرور ہوئی تھی مگر چیزوں کی ترتیب وہی تھی، زندگی سے ترتیب ٹوٹ جائے

’’اتنے سارے اسٹوڈنٹس میں صرف آپ نے ہی کیسے جج کرلیا تھا کہ میں فول بنا رہا ہوں؟‘‘ اس کی نگاہ حنین کے میچیچ چہرے پر ٹھہری ہوئی تھی۔

’’جب آپ پلاننگ کر رہے تھے تو میں نے آپ کی باتیں سن لی تھیں‘‘۔ اس نے دھیمے سے کہا تھا کہ ماہ کنعان کی وجہ سے وہ سب سے الگ ہو کر کھڑی ہوگئی تھی اور وہ تھوڑی دیر میں ایکسکیوز کرتا وہاں سے ہٹ گیا تھا اور اس کے جاتے ہی اس کو گونا گوسکون کا احساس ہوا تھا کہ وہ اس کی نگاہیں خود پر جمی محسوس کرکے ان کمفرٹ فیل کر رہی تھی۔ ماہ لاج کو سب کو ہی کمپنی دینی تھی اس لیے وہ وقتاً فوقتاً ان کو جوائن کر رہی تھی جو ساتھ کھڑیں دنیا جہان کی باتیں کر رہی تھیں۔ مردانہ قہقہے پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا اور اتفاق سے اسی پل سہرینہ کی بات پر قہقہہ لگاتے ماہ کنعان کی نگاہ بھی اٹھی تھی اور جہاں اس کی اٹھی نگاہ میں ناگواری وڈر آن سمائے تھے اس کی آنکھیں خوشگوار حیرت سے پھیلتیں شوق کا ایک جہان آباد کر بیٹھی تھیں اور وہ اردگرد کا ہوش بھلائے 20، 25 قدموں کے فاصلے پر موجود حنین عالم کا جائزہ لینے لگا تھا، فیروزی ایئرلائن فراک، چوڑی دار پاجامے پر ہائی ہیل، بالوں کی پونی ٹیل بنائے، ایک ہاتھ میں فیروزی چوڑیاں، دوسرے میں گھڑی باندھے، کانوں میں ننھے ننھے سوٹ کے ہم رنگ آویزے اور گلے میں لاکٹ پہنے میک اپ کے نام پر کاجل اور لپ گلوز لگائے تمام تر سادگیوں، چہرے پر نوعمری کا بانکپن لیے وہ اسے مبہوت کرگئی تھی۔

’’ہے.... کنعان! کہاں کھوگئے بھئی؟‘‘ سہرینہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا اور بے تکلفی سے شانے پر رکھ دیا تھا اس کی پلٹتی نگاہ یکدم رکی رہ گئی تھی اور ناگواری پہلے سے کہیں گنا بڑھ گئی تھی۔

’’ایکسکیوزمی...!‘‘ وہ بڑی عجلت میں اپنے ڈیڈ سے باتیں کرتے فیصل کی جانب بڑھا تھا جبکہ وہ پیچ وتاب کھاتی رہ گئی تھی۔

’’اس شخص کی ساری بے اعتنائی ایک دن نکال نہ دی تو میرا نام بھی سہرینہ فاروق نہیں‘‘۔ اس کی پشت پر نگاہ جمائے کلس کر سوچا تھا۔

’’تُو نے بتایا کیوں نہیں کہ حنین بھی آئی ہے؟‘‘ وہ دوست سے خفگی سے بولا تھا۔

’’میں سمجھا نہیں....‘‘ اسے گھورا اور کچھ فاصلے پر سمیرا کے ساتھ کھڑی حنین کی طرف اشارہ کیا جسے دیکھ وہ بھی حیران ہوا تھا۔

’’حنین میرے ساتھ نہیں آئی، مجھے تو اس کی موجودگی ہی اچھنبے کا باعث لگ رہی ہے‘‘۔ وہ الجھا الجھا سا بولا تھا۔

’’اوہوں.... یقین تو مجھے بھی نہیں آرہا، مگر خوشی بہت ہو رہی ہے اور آج میں اس سے اپنے سابقہ تمام رویوں و حرکات کی معافی طلب کرلوں گا‘‘۔ وہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔

’’ہرگز نہیں، تُو اس سے بات بھی نہیں کرے گا‘‘۔ اس نے سختی سے اسے ٹوک دیا تھا وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

’’وہ یہاں یقیناً کسی کے فورس کرنے پر آئی ہوگی اس لیے بہتر ہوگا کہ تُو اس سے کوئی بات نہ کرے‘‘۔ وہ کچھ کہتا کہ ماہ لاج چلی آئی تھی۔

’’السلام علیکم! فیصل لالہ! کیسے ہیں آپ؟‘‘ وہ صرف اس کو دیکھ کر سلام دعا کے لیے ہی آئی تھی۔

’’وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں‘‘۔ مسکرا کر کہا تھا اور اسے برتھ ڈے وش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا پریزنٹ بھی دے دیا تھا جسے وہ تھینکس کہہ کر تھام گئی تھی۔

’’کیا حنین اکیلی آئی ہے؟‘‘ دوست کی بے چینی محسوس کر رہا تھا اس لیے پوچھ لیا تھا۔

’’جی، حنین کے بھائی (اسجد) اس کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں، سچ کہوں مجھے تو ابھی تک اس کے آنے کا یقین نہیں آرہا‘‘۔ وہ دونوں ہی اس کی آخری بات پر چونک اٹھے تھے۔

’’ارے، وہ کیوں بھئی؟‘‘ خوش دلی سے استفسار کیا تھا اس کی ماہ لاج سے کافی حد تک بے تکلفی تھی کہ وہ ماہ کنعان کی طرح ہی اس کی عزت کرتی تھی اور وہ اسے سحرش کی طرح ٹریٹ کرتا تھا اور اس نے بھی مختصراً ساری بات اس کے گوش گزار کی تھی اس کا مقصد ماہ کنعان کو بتانا تھا وہ لب بھینچے کھڑا تھا اس کے چہرے پر اشتعال کا رنگ آرہا تھا، جا رہا تھا۔

’’سنا تُو نے وہ یوں ہی مجھے ذلیل کر رہی ہے، اس دن کتنی شدت سے اس نے لفٹ لینے سے انکار کردیا، مجھے دیکھ کر چہرے کا رنگ یوں اڑتا ہے جیسے میں اسے کھا جاؤں گا‘‘۔ ماہ کنعان دبے دبے انداز میں غرا رہا تھا، فیصل اسے غصے سے ٹہلتے دیکھ رہا تھا کہ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں آگیا تھا ناچار اسے بھی آنا پڑا تھا۔

’’غصہ نہ کر کہ بہرحال جو تُو کرچکا ہے اس کے بعد اس کا ڈرنا یا ناپسندیدگی کچھ ایسی غلط بھی نہیں ہے‘‘۔ وہ سچائی و سنجیدگی سے بولا اور بیڈ پر نیم دراز ہوگیا جبکہ وہ اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

’’میں اپنی غلطی مان رہا ہوں، معافی بھی مانگنے کی کوشش کرچکا اور اب بھی معافی مانگنے کو تیار ہوں اس کے علاوہ کیا کروں کہ فیصل! اپنے کیے پر شرمندگی ہے مگر اپنی تذلیل بہرحال برداشت نہیں کرسکتا اور وہ بے اعتباری دکھا کر مجھے ذلیل کر رہی ہے اور یہ تو میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ بات لاج کے علم میں آئے کہ جو کرچکا ہوں وہ کیوں کرگیا اس کے لیے میں خود سے ہی روز سوال کرتا لڑ رہا ہوں، مگر بہرحال مجھے اپنی نیک نامی بہت عزیز ہے اور جس طرح کا اس کا بی ہیویئر ہے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ غصے میں کچھ کر بیٹھا تو تُو مجھے کوئی الزام نہ دینا کہ تیری بھی ساری ہمدردیاں اسی کے ساتھ ہیں، وہ معصوم، بے قصور لگتی ہے اور میں جلاد قصوروار‘‘۔ اس کی خوبصورت آنکھیں لہو رنگ ہوگئی تھیں، ماتھے پر رگیں ابھر آئی تھیں، وہ اسے گھورتا خونخوار لہجے میں بول رہا تھا اس نے فوراً ہی مسکین سی شکل بنالی تھی۔

’’تو تُو سارا غصہ مجھ پر کیوں نکال رہا ہے، میرا کیا قصور ہے؟ اب میں تجھے تیری غلطیاں بھی نہ بتاؤں؟‘‘ وہ اسے جانتا تھا کہ اشتعال نکال دینے کے بعد وہ پرسکون ہوجائے گا اس لیے وہ اس کے غصہ دکھانے سے ہرگز بھی متاثر نہ ہوا اور اسے گھور کر ٹی وی آن کرلیا۔

’’قصور کے بچے.... تُو جیسے اس کی سائیڈ لیتا مجھے بہت غلط ثابت کرنے پر تل جاتا ہے ناں، کسی دن میرے ہاتھوں قتل ہوجائے گا‘‘۔ بیڈ سے اٹھا کر تکیہ اسے مارا تھا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر پاؤں پھیلا لیے تھے۔

’’تُو مجھے اس کی سائیڈ لینے پر مجبور کرتا ہے، تجھے جانتا ہوں اسی لیے تجھے کچھ نہ کہا نہ سرزنش کی کہ تیرے عمل پر میں خود حیران ہوں، مگر جب میں کہہ رہا ہوں کہ سب بھول جا، وہ جو بھی ری ایکشن دے رہی ہے اس کو مت فیل کر کہ وہ حق پر ہے، تُو یوں ری ایکٹ کرکے اس کے ری ایکشنز میں اضافہ کر رہا ہے، تُو نظر انداز کر وہ بھی بھول جائے گی، مگر نہیں، تجھ پر تو اب عشق کا بھوت سوار ہونے لگا ہے، اسے دیکھ کر تیری آنکھوں میں جو جذبے ابھرتے ہیں، فاصلے پر ہونے کے باوجود میں محسوس کرگیا تھا، لیکن کہیں تیری یہی بے اختیاریاں تیرے اور اس کے لیے مسائل کھڑے نہ کردیں، اس لیے اپنے جذبات کو کنٹرول کرنا سیکھو‘‘۔ چینل پر چینل بدلتا وہ اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

’’اسے دیکھ کر وہی تو نہیں ہوتا میرے یار!‘‘ وہ اس سے کسی عقل کی بات کی توقع کر رہا تھا شرارت سے کہنے پر بڑے ناراضی سے اس کی طرف دیکھا تھا اور اس کے آنکھ دبانے پر اسے بھی غصہ آگیا تھا کہ وہ اسے جو سمجھا رہا تھا وہ

اسے سمجھنے کو ہی تیار نہ تھا۔

"اب تُو نے کوئی چھچھوری حرکت کی ناں تو وہ تو نہیں میں تجھے جان سے ضرور مار دوں گا"۔ فیصل نے اسے گھورا اور ریموٹ دیوار پر مارتا اٹھ کھڑا ہوا مگر کمرے سے جا نہیں سکا تھا کہ اس نے قہقہہ لگا کر اس کے غصے کو ہوا دی تھی مگر ہاتھ تھام کر اسے جانے سے روک گیا۔

"سالے صاحب! جب اتنا غصہ دکھا رہے ہیں تو بہن صاحبہ کتنا دکھائیں گی؟" وہ جتنا غصے میں آ رہا تھا وہ اتنی ہی شوخی دکھا رہا تھا۔

"پلیز ماہ! تو یہ چیپ حرکتیں اور باتیں ترک کر دے تُو مجھے بہت عزیز ہے اور میں تجھے بہت زیادہ خوش دیکھنا چاہتا ہوں اور اگر تُو ایسی ہی حرکتیں و باتیں کرتا رہا تو میں تجھے سپورٹ نہیں کر پاؤں گا"۔ وہ فی الحال اپنی فیلنگز کو کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا جبکہ وہ اس کی تمام فیلنگز کو نہ صرف محسوس کر گیا تھا بلکہ اس کے لیے پریشان بھی ہو رہا تھا اور وہ اس کی نئی بات پر متحیر ہو کر کچھ کہتا کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی، ملازمہ تھی جو ماہ لاج کا پیغام لے کر آئی تھی۔ اس نے آنے کا کہا تھا اور اپنی کہی بات کے برعکس اس نے کوٹ اتار کر دور اچھالا اور جوتے اتارنے لگا۔

"واٹ ہیپن؟ لاج کیک کاٹنے کے لیے تمہارا ویٹ کر رہی ہے اور تم...!" وہ قدرے مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھتا متحیر سا بولا تھا۔

"تم چلے جاؤ، میرا موڈ نہیں ہے"۔ عام سے لہجے میں کہہ کر وہ راکنگ چیئر پر جا بیٹھا تھا۔

"اب کیا مصیبت آ گئی ہے؟" وہ بے حد چڑ چکا تھا۔

"مصیبت تو آئی ہوئی ہے اسی لیے میرا یہاں رہنا ہی ٹھیک ہے کہ اس مصیبت کو گلے لگانا مجھے ضرور اچھا لگے گا مگر نہ وہ مصیبت میرے گلے لگنے کو تیار ہو گی اور نہ ہی یہ تجھ سے برداشت ہو گا"۔ وہ معنی خیزی سے بول رہا تھا۔

"اب تُو نے بکواس کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا"۔ وہ غرا کر بولا تھا اس نے کن اکھیوں سے اس کا سرخ چہرہ دیکھا تھا۔

"تجھے مجھ پر بھروسہ نہیں ہے، تجھے یقین ہے کہ میں ضرور کوئی الٹی حرکت کروں گا تو میں نہیں جاتا، اس کے باوجود کہ اس محفل کا حصہ بننے کو میرا دل شدتوں سے تیار و بے قرار ہے"۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا کہ تجھ پر تو خود سے زیادہ بھروسہ ہے اور تجھ پر میرا یقین اتنی سی بات پر نہیں ٹوٹ سکتا"۔ اسے ناگواری سے گھورا اور کمرے سے نکل گیا اور وہ جو اس کو ستانے کے لیے فضول باتیں کر گیا تھا اس کے ناراض ہو کر چلے جانے سے اس کی ساری شرارت و شوخی ہوا ہو گئی وہ اٹھا، پیر میں لیدر کی انگوٹھے والی خوبصورت اسنا کش چپل ڈالی اور شرٹ کے کف فولڈ کرتا لان میں آ گیا، نظر دوڑائی تو وہ اسے سمیرا کے ساتھ کھڑا نظر آ گیا۔

"اوہو... تو بھابی کی یاد ستانے لگی تھی تو صاف کہتا مجھ پر غصہ کر کے ناراضی کا بہانہ کر کے کیوں چلا آیا؟" ماہ کنعان کی آنکھیں اپنی شرارت پر متبسم تھیں، فیصل نے اسے گھورا تھا اور سمیرا... وہ تو بری طرح جھینپ گئی تھی۔

"السلام علیکم بھابی! کیسی ہیں آپ؟" وہ فیصل کو آنکھ مارتا سرخ پڑتی سمیرا کی جانب متوجہ ہوا تھا اور نہایت ادب و شائستگی سے سلام کر کے اس کی خیریت دریافت کی تھی، اس نے نہایت دھیمی آواز میں جواب دے کر اپنی خیریت بتائی تھی۔

"بھابی! آپ کو اتنا خوبصورت و پیارا نظر نہیں آنا چاہیے تھا کہ اس کا میرے پاس دل ہی نہیں لگا آپ کی خوبصورتی و پیار کی کشش میں یہ کھنچا چلا آیا"۔ وہ اسے احترام بھری نگاہوں سے دیکھتا شرارت پر آمادہ تھا، وہ شرم و حیا سے سرخ پڑ گئی

تھی، فیصل نے اس کے حسین چہرے و لرزتی پلکوں کو دیکھا اور ایک دھپ اس کی پشت پر رسید کی تھی۔

"زیادہ بکواس نہ کر...!" مسکرا کر اسے ڈپٹا تھا اس کا موڈ بحال دیکھ کر وہ مطمئن سا مسکرا دیا تھا۔

"بھابی ہی نہیں تُو بھی بہت اچھا لگ رہا ہے"۔ اس نے فیصل کا جائزہ لیا تھا بلیک تھری پیس میں اس کا دراز قد اور گوری رنگت اور تیکھے تیکھے نین نقش والا چہرہ نمایاں تھا، وہ اس کے انداز پر مسکرا دیا وہ سحرش وغیرہ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"تُو اتنے رف حلیے میں پارٹی میں آ گیا؟" اس کا جائزہ لیا تھا۔

"اوہوں... کیا برا لگ رہا ہوں؟" اشارے سے ویٹر کو بلا کر کولڈ ڈرنک کے گلاس اٹھائے تھے ایک گلاس اس کی طرف بڑھا کر خود سپ لینے لگا تھا"۔

"نہیں، تُو تو ہر حال میں اچھا لگتا ہے، تھوڑا حیران ہوں کہ مجھے نہیں یاد کہ تُو نے اس طرح ڈریس اپ ہو کر کبھی کوئی پارٹی اٹینڈ کی ہو گی"۔ وہ سچائی سے کہہ رہا تھا کہ بلیک ڈریس پینٹ پر وائٹ شرٹ کی آستین فولڈ کیے وہ انفارمل ڈریسنگ میں بھی کافی ڈیشنگ لگ رہا تھا کہ وہ تھا ہی مردانہ وجاہت کا شاہکار۔

"یار! فارملیٹیز بہت نبھالی تھیں اس لیے انفارمل ڈریس اپ ہو کر آ گیا، تُو بتا تو لگا لوں اس مصیبت کو گلے؟" وہ پھر بڈی سے اترا تھا اور نگاہ فاصلے پر نان اسٹاپ بولتی حنین پر جا ٹھہری تھی، فیصل نے ایک گہرا سانس لیا تھا اس کی چونکہ اپنی جانب غیر توجہی محسوس کر چکا تھا اس لیے کچھ نہیں بولا تھا کہ وہ اس کی توجہ کے تمام ارتکاز حنین کی جانب محسوس کر چکا تھا، حسین سے سراپے والی وہ دلکش حسینہ کسی بات پر ہنسی تھی، سفید گالوں میں پڑتے بھنور، چمکتے موتیوں سے دانت، اس نے ماتھے پر جھولتی لٹ کو دو انگلیوں کی مدد سے پیچھے کیا تھا اور ماہ لاج کے ہاتھ پر ہاتھ مارتی ایک بار پھر ہنسی تھی، وہ بے خود سا اس پر نگاہ جمائے ہوئے تھا جس نے ہوا سے اڑتے فیروزی آنچل کو پکڑ کر شانوں پر صحیح سے برابر کیا تھا اور اب وہ ہرنی سی چال چلتی ان سب کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔

"کنعان!" اس نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا اس نے خفیف ہو کر نگاہ چرالی تھی۔

"اس لڑکی میں ایسا کچھ ہے فیصل! کہ یہ مجھے اپنے حصار میں باندھ لیتی ہے، اس پر پڑنے والی ہر نگاہ جادو کا سا اثر رکھتی ہے، ملنے سے انکاری، جھکنے سے متنفر، یہ مجھے پاگل کر دے گی، اپنا بنا کر چھوڑے گی"۔ ماہ لاج کے اشارے پر وہ لان کے اس حصے کی طرف بڑھتے ہوئے فیصل سے بے خود سے لہجے میں کہہ رہا تھا جہاں کیک کی ارینجمنٹ کی گئی تھی، فیصل کچھ نہیں بولا تھا اور وہ جو ماہ لاج کے ساتھ ہی دائیں طرف کھڑی تھی کہ بائیں طرف سحرش اور خود اس کے برابر میں سمیرا کھڑی تھی اس کو دیکھ اس کی آنکھوں میں بے اختیار ناگواری اتری تھی اور وہ نامحسوس طریقے سے وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی، مگر وہ اسے بھاگنے کو پر تولتے دیکھ چکا تھا۔

"تم اپنی دوستوں کے ساتھ مل کر کیک کاٹو، بس ہمیں بھی کیک کھلا ضرور دینا"۔ وہ ٹیبل کے اس پار اس کے سامنے رکا حنین سے شائستگی سے بولا تھا اور لاج نے مسکرا کر بے حد خوبصورت اور مہنگے کیک پر چھری پھیری تھی وہ اس کو دیکھ رہا تھا حنین کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بحالت مجبوری ٹھہری ہے کہ اس سے تالیاں تک نہیں بجائی گئی تھیں، وہ یونہی سی لب کچل رہی تھی، اس کی نگاہ خود پر محسوس کرتی اسے بے چینی ہونے لگی تھی کبھی گھبراہٹ میں وہ انگلیاں مروڑتی کبھی جھنجلا کر ماتھے پر لہراتی لٹیں پیچھے کرتی۔ ماہ لاج نے کیک پیس سامنے کھڑے بھائی کی طرف سب سے پہلے بڑھایا تھا جسے اس نے مسکرا کر منہ میں رکھ لیا تھا اور اس کے ہاتھ سے باقی کیک لے کر اس کو کھلایا تھا۔ اب وہ اپنی دوستوں کی جانب گھومی تھی۔

"سوری... بٹ میں چاکلیٹ کیک کے علاوہ کوئی کیک نہیں کھاتی"۔ سحرش کے بعد وہ حنین کو کھلانے لگی تھی کہ وہ

شرمندگی سے معذرت کر گئی تھی اور وہ بناء کچھ کہے سمیرا کی جانب بڑھ گئی تھی۔

"میں اسجد بھیا کو بلا رہی ہوں، مجھے آئے کافی دیر ہوگئی ہے"۔ وہ اب تک وہیں کھڑا تھا وہ سحرش کی طرف کھسک کر سنناتے لہجے میں بولی تھی اور ہوا سے اڑ کر بال منہ پر آنے لگے تھے وہ حد درجہ جھنجھلا گئی تھی اور قدرے بےزاری سے خوبصورت بال کاندھے سے پشت پر کیے تھے۔

"لیڈیز اینڈ جینٹل مین!" وہ کچھ دیر اسے دیکھتا میوزک کارنر کی جانب بڑھا تھا اور میوزک بند کروا کر مائیک لے کر سب کو مخاطب کیا تھا اور سب کے متوجہ ہو جانے کے بعد اس نے اعلان کیا تھا کہ وہ کچھ روکھی پھیکی سی اس تقریب کو اپنی آواز کے سارے رنگ عطا کرنے والا ہے، پورا لان تالیوں سے گونج اٹھا تھا کہ ان میں سے اکثر لوگ ان کے بے حد قریبی رشتے دار تھے اور جانتے تھے کہ وہ کافی اچھا گا لیتا ہے۔ اس کے کزنز عین العارفین، وقاص اور حماد وغیرہ نے تو باقاعدہ سیٹیاں بجا کر اپنے ساتھ کا یقین دلا کر اس کے فیصلے کو سراہا تھا۔ جبکہ فیصل متحیر سا اس کو دیکھ رہا تھا کہ اسے جانتا تھا کہ گانا گانے کا اسے شوق تھا مگر اس طرح پارٹیز میں گایا نہیں کرتا تھا اور کبھی ایسا کیا تھا تو اس حال میں لینے والے کے پیر پکڑ لینے کی کسر رہ گئی تھی اور کہاں وہ خود ہی شروع ہو گیا تھا، اس کی نظر سحرش کے ساتھ کنفیوز سی سرخ پڑتی حنین پر تھی اور سب مسکرائے تھے اور گنگنانے لگے تھے۔

چھو لے اگر تجھ کو ہوا

کہتا ہے دل دیکھے نہ اب تجھ کو کوئی میرے سوا

فیصل نے نروس سی حنین کو دیکھ کر اس کو سرزنش کرتی نگاہوں سے دیکھا تھا کہ وہ اس کی روہانسی شکل دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا کہ وہ اس کے معاملے میں اتنا بے اختیار ہو رہا تھا کہ وہ کر بھی کیا سکتا تھا؟ وہ اپنی خوبصورت آواز میں بے حد نپی تلی سوئنگ گا رہا تھا اور اس کے قدم آگے بڑھ رہے تھے اور وہ اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر خوف سے پیلی پڑتی پیچھے ہو رہی تھی، وہ آگے بڑھ رہا تھا وہ آگے دیکھتی پیچھے کھسک رہی تھی، یکدم درد سے چلا اٹھی تھی۔

"ممی...!" بناء دیکھے پیچھے ہونے کے نتیجے میں وہ ٹیبل سے بری طرح ٹکرائی تھی وہ مائیک ہاتھ سے چھوڑتا اب کے اس کی طرف بڑی تیزی میں بڑھا تھا کہ وہ پہلے تو فیصل کی جانب پیش رفت کر رہا تھا جو سحرش اور حنین سے فاصلے پر سمیرا کے ساتھ کھڑا تھا مگر اس کی غلط فہمی اور اندر کے ڈر نے اسے اتنا بوکھلا یا تھا کہ وہ ٹیبل سے ٹکرا گئی تھی۔

"آر یو اوکے؟" اس کے لہجے و انداز میں حنین کے لیے فکر تھی اور وہ اسے اپنے نزدیک پا کر مزید خوف کا شکار ہوئی تھی، پیچھے ہونا چاہتی تھی مگر پسلی سے اٹھتا درد وہ کراہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی مدد سے کمر کے گرد حصار باندھ گئی تھی، آنسو تیزی سے رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔

"تم ٹھیک ہو حنین؟" سمیرا نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"سمیرا! درد سے میری جان نکل جائے گی"۔ وہ بمشکل بولی تھی۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی سمیرا کو ڈر لگا تھا کہ وہ گر نہ جائے اس لیے اس نے اسے کاندھے سے پکڑ لیا تھا۔

"لاج! تم حنین کو اپنے کمرے میں لے کر جاؤ، کنعان! تم ڈاکٹر کو فون کرو"۔ وہ اس کی آنکھوں میں ناگواری و خوف دیکھ کر ہی تھم گیا تھا اور اسے بری طرح بلکتے دیکھ کر وہ تینوں ہی پریشان ہو رہی تھیں تو فیصل نے آگے بڑھ کر لاج سے کہا تھا اور ساتھ ہی ساکت کھڑے کنعان کو بھی ہدایت دی تھی۔

"مجھے کہیں نہیں جانا ہے، مجھے بہت درد ہو رہا ہے، فیصل بھیا! آپ پلیز مجھے میرے گھر لے جائیں، مجھے ممی کے پاس جانا ہے"۔ درد کی ٹیس برداشت کرنا اسے محال لگ رہا تھا وہ بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تم فی الحال اندر چلو، ڈاکٹر کو بلا لیتے ہیں، پتہ تو چلے کہ لگی کہاں اور کتنی ہے؟ اس کے بعد میں خود تمہیں کاشانہ عالم چھوڑ دوں گا"۔ وہ آگے بڑھ کر نہایت نرمی و شفقت سے بولا تھا اور اس وقت تکلیف کی شدت اتنی تھی کہ وہ مزاحمت کے قابل بھی نہ تھی اور جیسے ہی جانے کو قدم بڑھائے تھے پسلی سے اٹھتا درد وہ بلبلا اٹھی تھی قدم بھی لڑکھڑا گئے تھے، فیصل نے اگر بروقت اس کا بازو تھام نہ لیا ہوتا تو وہ گر بھی سکتی تھی اور اس کے اشارے پر ہی سمیرا اسے سہارا دے کر اندر کی طرف بڑھنے لگی تھی اس کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا آنے لگا تھا، کمر سے اٹھتیں درد کی لہریں وہ یکدم ہی لہرا گئی تھی اور نازک سی سمیرا اسے سہارا تو دیئے ہوئے تھی مگر اسے مزید سہارا نہیں دے سکی تھی اور وہ زمین پر گرتی چلی گئی تھی، ان سب کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے اس نے جھک کر اس کا سر اپنے زانوں پر رکھا تھا اور گال تھپتھپایا تھا۔

"فیصل! پلیز کچھ کریں یہ تو بے ہوش ہو گئی ہے"۔ سمیرا کی پریشانی اس کے لہجے سے عیاں تھی اور ڈاکٹر نرگس کو فون کر کے اسی طرف آتا، ماہ کنعان لمحہ ضائع کیے بنا اس تک پہنچا اور کسی کے بھی سمجھے بناء اسے بانہوں میں اٹھا کر سامنے ہی ایستادہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اسے بیڈ پر لٹا کر سیدھا ہوا تو آنسوؤں سے تر اس کا زرد چہرہ اس کے دل کو کچھ ہونے لگا وہ اس کو ہوش میں لانے کے ارادے سے اس کا گال تھپتھپانے کو تھا کہ کھلے دروازے سے وہ چاروں آگے پیچھے داخل ہونے لگے وہ پیچھے ہو گیا، فیصل نے ایک نظر اس کے پریشان خوبرو چہرے پر ڈالی اور سمیرا کو ہدایت کی کہ وہ اس کے چہرے پر پانی کی چھینٹیں مارے، وہ نیم غنودگی میں کراہتے ہوئے پکاری تھی۔

"ممی... ارحم بھیا!" سمیرا نے اس کا ہاتھ ہاتھ میں لے لیا۔

"حنین! پلیز آنکھیں کھولو!" مگر وہ چاہتے ہوئے بھی ایسا نہ کر سکی، لب بھینچے کھڑے ماہ کنعان نے ڈاکٹر نرگس کا نمبر دوبارہ ملایا رابطہ ہوتے ہی ناراضی و غصے سے بولا۔

"ویئر آر یو ڈاکٹر نرگس؟ ارجنٹ کا مطلب نہیں سمجھتیں آپ؟" بات فون پر کر رہا تھا مگر نگاہ اپنے بیڈ پر بے سدھ پڑی اس دشمنِ جاں پر ٹھہری تھی، کچھ دیر بعد ڈاکٹر نرگس کے آ جانے پر وہ اور فیصل باہر نکل گئے تھے، ڈاکٹر نرگس نے سب سے پہلے اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کی تھی اور اس کے بتانے پر اس کی کمر کا جائزہ لیا تھا جو بے حد سرخ ہونے کے ساتھ کہیں کہیں سے نیلوں نیل بھی ہو رہی تھی اور ان کے ذرا سا ہاتھ لگانے پر اس کی چیخیں بلند ہو گئی تھیں۔

"ڈاکٹر آنٹی! کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے؟" بے حد پریشان ماہ لاج آنکھوں میں آنسو لیے استفسار کر رہی تھی۔

"بظاہر تو ٹھیک ہے مگر ایکسرے کروانا پڑے گا کہ اندرونی چوٹ لگی ہے، اصل پرابلم ایکسرے کے بعد ہی سامنے آئے گی"۔ وہ پرسکرپشن لکھتے ہوئے بولی تھیں اور نہایت نرمی سے مساج کر رہی تھیں لیکن تکلیف کی شدت یوں تھی کہ وہ کراہوں کو روکنے کے لیے لب سختی سے جمائے آنسو بہا رہی تھی اور وہ اسے ہی نہیں ان تینوں کو بھی ریلیکس رہنے پریشان نہ ہونے کا کہتیں روم سے نکلی تھیں اور انہی کی طرح ان دونوں کو مطمئن کرتیں چلی گئی تھیں۔

"یہ سب صرف میری وجہ سے ہوا ہے، وہ مجھے دیکھ کر ہی خوف کا شکار ہو گئی تھی اور اسی لیے ٹیبل سے ٹکرا گئی"۔ ماہ کنعان اس کے لیے فکر مند تھا، فیصل کوئی جواب دیتا کہ ملازمہ چلی آئی تھی اور ماہ کنعان کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں بولی تھی۔

"صاحب! باہر کوئی ارحم الحسن صاحب آئے ہیں، اپنی سسٹر حنین عالم کو لینے کے لیے"۔ وہ تو پریشان ہو گیا تھا، فیصل

نے ہی ملازمہ سے کہا تھا کہ وہ انہیں ... بلا لائے۔

''ارحم ہر بات جانتا ہے وہ کوئی غلط رائے قائم نہ کرلے جبکہ تم یہ جانتے ہو ناں کہ جو کچھ ہوا وہ محض ایک حادثہ تھا''۔ ارحم الحسن کی آمد اس کے لیے ناگواری اور پریشانی کا باعث تھی۔

''آئی نو! اور میں ارحم بھائی کو جانتا ہوں وہ بے سوچے سمجھے رائے قائم نہیں کیا کرتے''۔ پولیس یونیفارم میں اپنی ڈیشنگ پرسنیلٹی کے ساتھ اسے آتے دیکھ کر اس نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

''نہیں فیصل! بیٹھنے کا بالکل ٹائم نہیں ہے، بہت تھکا ہوا ہوں، گھر جا کر آرام کروں گا، اسجد سو گیا تھا اس لیے میں مائدہ کے کہنے پر اسے لینے آ گیا''۔ سلام دعا کے بعد وہ شائستگی سے بولا تھا کہ وہ پولیس اسٹیشن سے گھر جا رہا تھا کہ مائدہ کی فون کال کے بعد ''ماہ ولاز'' آ گیا تھا کہ اپنے جانے کا حنین اسے پہلے ہی بتا چکی تھی اس لیے اسے بالکل حیرت نہیں ہوئی تھی۔ فیصل نے اسے ساری بات بتائی تھی جسے سن کر وہ بے حد متفکر ہو گیا تھا اور جس پل وہ تینوں آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے اس کو دیکھ کر تو اس کی جان میں جان آ گئی تھی اور وہ اس کا آنسوؤں سے بھیگا زرد چہرہ دیکھ کر پریشانی سے اس کی طرف بڑھا تھا جو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، اور وہ اسے دیکھ کر پھر سے رونا شروع ہو گئی تھی اسے روتے دیکھ کر وہ اس کے پیروں کے پاس ٹکتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام گیا۔

''نِنی! کیا ہو گیا ہے؟ تم ٹھیک ہو؟'' وہ نرمی سے متفکر لہجے میں دریافت کر رہا تھا اور وہ اس کے چوڑے سینے میں سمائی بچوں کی طرح بلکنے لگی تھی۔

''مجھے بہت درد ہو رہا ہے ارحم بھیا!'' مستقل رونے سے اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔

''ڈونٹ کرائے نِنی! میں آ گیا ہوں ناں! میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا، رو نہیں، تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی''۔ اسے نرمی سے خود سے الگ کرتے ہوئے اسے پچکارا تھا اور آنسوؤں کی وجہ سے رخساروں پر چپک جانے والے بال ہٹاتے ہوئے اس کے آنسو پونچھے تھے۔

''مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا ارحم بھیا!'' وہ سسکی تھی، ارحم نے پہلے اس کے شانے سے ڈھلک جانے والے فیروزی آنچل کو اس کے شانوں پر برابر کیا تھا اور پھر اسے سہارا دے کر بیڈ سے اتارا تھا اور اجازت طلب کرنے کو تھا کہ وہ اس کے سامنے رکتی ایکسکیوز کرنے لگی تھی کیونکہ وہ اس کی حالت کی ذمے دار بھلے نہ تھی مگر اسے تکلیف چونکہ اس کی برتھ ڈے پارٹی میں پہنچی تھی اسی لحاظ سے اسے حد درجہ شرمندگی کا سامنا تھا۔ ارحم الحسن نے اسے دیکھا پنک کلر کی ایرلائن فراک اور ٹراؤزر میں وہ بے حد خوبصورت سی لڑکی لائٹ سے نیچرل میک اپ میں بھیگی بھیگی پلکوں کے ساتھ بے حد شرمندہ نظر آتی اس کے سامنے تھی۔

''حادثات بھی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں، ہونے والی بات تھی ہو گئی، آپ کو شرمندہ ہونے اور ایکسکیوز کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ اسے احترام بھری نگاہوں سے دیکھتا شائستگی سے کہہ کر مروتاً مسکرایا تھا اور اس کا گلٹ نہ جانے کیوں اس کے چند نرم لفظوں سے ہی قدرے کم ہو گیا تھا۔

''مجھے حنین کی تکلیف کا اندازہ ہے، بٹ یہ بات مجھے بالکل اچھی نہیں لگ رہی کہ یہ کھانا کھائے بغیر زخمی ہو کر میری پارٹی سے چلی جائے''۔ اس نے کھانے کے لیے روکنا چاہا تھا اور اس کے شائستگی سے معذرت کرنے پر گلٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''میں نِنی کو جانتا ہوں، اب یہ بالکل کچھ نہیں کھا پائے گی، جہاں تک کھانا کھائے بغیر جانے کی بات ہے تو آج کا ڈنر آپ پر ادھار رہا، حنین کی صحت یابی کے بعد یہی نہیں میں بھی آپ کے ہاں ڈنر پر آؤں گا''۔ وہ اس پیاری سی لڑکی کی

بڑ بندگی زائل کرنے کو اس کا دل رکھنے کو اپنی عادت کے برخلاف وعدہ کر گیا تھا، اور ان سے اجازت لے کر وہ اسے سہارا دے کر گاڑی تک لے گیا تھا۔

''بہت درد ہو رہا ہے تو ہم ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں''۔ اس کے زرد چہرے کو دیکھ کر اسے تشویش ہوئی تھی، مگر اس نے انکار کر دیا تھا اور بتایا تھا کہ ڈاکٹر نے اسے پین کلر ہی نہیں انجکشن بھی لگایا تھا۔

''تمہارے لگی کیسے؟'' ڈرائیونگ کرتے ہوئے سوال کیا تھا اور اس نے دھیمے لہجے میں بتایا تھا۔

''وہ میں... فیصل بھیا کے دوست کو دیکھ کر ڈر گئی تھی، بغیر دیکھے پیچھے ہوئی تو بری طرح ٹیبل سے ٹکرا گئی''۔ وہ بہت مشکل سے بیٹھی تھی کہ کمر اور پسلی سے درد کی لہریں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''اس نے تم سے کچھ کہا تھا؟'' چونک کر اس نے سوال داغا تھا اور اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''ان سے میری کوئی بات نہیں ہوئی، سامنا بھی بس دور سے ہی ہوا تھا بس میں ہی ان کو دیکھتے ہی گھبرانے کے ساتھ کچھ ڈر بھی گئی تھی اور اسی لیے تو میں پارٹی میں نہیں آنا چاہتی تھی، مگر زرمین آپی... انہوں نے مجھے زبردستی بھیج دیا''۔ پلکوں پر چمکتے آنسو اس نے پوروں پر چنے تھے اور دھیمے سے سچائی سے پر لہجے میں بتا رہی تھی اور زرمین کے ذکر پر وہ اپنی آج کی تکلیف زرمین کے کھاتے میں ڈال گئی تھی، اور اپنا ارادہ بھی ظاہر کیا تھا۔

''میں زرمین آپی سے اب بات نہیں کروں گی نہ میں ان کے مجبور کرنے پر آتی نہ مجھے اتنی تکلیف اٹھانا پڑتی، آئی سوئیر ارحم بھیا! مجھے بہت درد ہو رہا ہے، درد سے جان نکل رہی ہے، بیٹھا بھی نہیں جا رہا''۔ وہ سسکیاں بھرنے لگی تھی۔

''نِنی! ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے، گھر جا کر آرام کرو گی تو تکلیف ختم ہو جائے گی، رہ گئی بات زرمین کی تو وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے تمہیں، بہت بہادر اور پرفیکٹ گرل کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہے، وہ تمہارے ذہن و دل کے ڈر و خدشات نکال کر تمہیں پرسکون کرنا چاہتی ہے، تم اس سے بدگمان ہونے کی بجائے اپنے لیے اس کے احساسات کو سمجھو، وہ اپنا برا چاہ سکتی ہے مگر تمہارا برا نہیں چاہ سکتی کہ وہ تمہیں تکلیف میں دیکھ ہی نہیں سکتی، اور آج جو ہوا اگر اس کا الزام تم زرمین کو دو گی تو وہ ہرٹ ہو گی اور کیا تم اپنی زرمین آپی کو ہرٹ کر سکتی ہو؟'' زرمین اور ارحم الحسن وہ دو لوگ تھے جو اس کی رگ رگ سے واقف تھے اسے قائل کر لینے، اسے راضی کر لینے کے فن سے واقف تھے۔

''کبھی بھی نہیں ارحم بھیا! میں جانتی ہوں آپی کو پتہ چلے گا تو وہ میری تکلیف خود محسوس کریں گی، میں بھی آپی سے بہت محبت کرتی ہوں، ان کو الزام نہیں دے رہی، لیکن میں آئی تو ان کے ہی کہنے پر تھی ناں، زرمین آپی بہت بدل گئی ہیں، پہلے میری ہر بات مان لیتی تھیں اور اب میری ماننے کی بجائے آرگیومنٹس دے کر اپنی منوا لیتی ہیں، اب وہ میری نہیں مانیں گی تو میرا ان سے ناراض ہونا تو بنے گا ناں؟'' وہ اس کی تکلیف کے احساس کو کم کرنے کے لیے اسے باتوں میں لگا گیا تھا، اور اس میں کامیاب بھی رہا تھا اس کے معصومیت سے پوچھنے پر وہ دھیمے سے مسکرا دیا۔

''اوہوں... ناراض ہونا بنتا ہے، تم اس سے ناراض ہو جانا، مگر وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے، تمہیں ناراض رہنے نہیں دے گی فوراً منا لے گی''۔ وہ بھی دھیمے سے مسکرا دی تھی، روتے روتے مسکرا دینے پر وہ اس قدر معصوم و حسین لگی تھی یہ کوئی اس وقت دیکھنے والی آنکھ ہوتی تو اس سے پوچھتا۔ اس نے اسے مسکراتے دیکھ کر اس کے ہمیشہ مسکرانے کی دعا کی تھی اور اس کی باتوں کا دھیمے لہجے میں جواب دینے لگا تھا کہ وہ اس کا ذہن بٹانے میں کامیاب رہا تھا۔

(جاری ہے......)

☆..........☆..........☆

سعدیہ عابد

قسط نمبر 15۔

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

"ڈیڈ! میں شادی کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں"۔ رات پارٹی دیر تک چلی تھی اسی لیے وہ دونوں میاں بیوی دیر سے اٹھے تھے کیونکہ آفس جانے کا موڈ نہ تھا جبکہ وہ بھی عادت کے برخلاف لنچ ٹائم میں سو کر اٹھا تھا اور ڈائننگ

ٹیبل پر ان دونوں کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے رات بھر جاگنے کے بعد جو فیصلہ لیا تھا اس سے انہیں آگاہ کر دیا تھا۔

"ویٹس گریٹ! لڑکی کون ہے؟" ماہ لقا نے خوش دلی سے پوچھا تھا۔

"مام! رات پارٹی میں آپ لاج کی فرینڈ حنین سے تو ملی ہی ہوں گی، میں اسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں"۔ وہ اپنے لیے جوس نکالتے ہوئے بولتا ان دونوں کے سر پر آسمان ہی تو گرا گیا تھا۔

"واٹ...؟ وہ اٹھارہویں صدی کا ماڈل، وہ میری بہو بنے گی۔ نو... وے"۔ وہ حقارت سے بولی تھیں۔

’’مام! میں آپ سے مشورہ نہیں کر رہا، آپ کو اپنی پسند، اپنے فیصلے سے آگاہ کر رہا ہوں‘‘۔ ماں کا انداز برا لگا تھا اس لیے چبا چبا کر بولا تھا۔

’’تمہاری پسند کو ہو کیا گیا ہے؟ ہمارے سرکل میں ایک سے ایک لڑکیاں موجود ہیں اور تم ایک غریب گھرانے کی لڑکی کو لائف پارٹنر بنانے کا سوچ رہے ہو، جبکہ ہم سہرینہ کو تمہارے لیے پرفیکٹ سمجھتے ہیں‘‘۔ بیٹے کے تاثرات سے خائف ہوتے ذوالفقار عابدی ٹھنڈے لہجے میں بولے تھے۔

’’ڈیڈ! مجھے سہرینہ تو کیا اپنے سرکل میں سے کوئی بھی لڑکی نہیں پسند، میں حنین سے شادی کا فیصلہ کر چکا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ اپنی پسند مجھ پر لاگو کرنے کے بجائے میری پسند کو فوقیت دیتے ہوئے میرا پرپوزل جہاں میں چاہتا ہوں لے جائیں گے‘‘۔ وہ باپ سے زیادہ سرد لہجے میں بولا اور سلائس کے بائٹ لینے لگا۔

’’ہم ایک غریب خاندان کی لڑکی کو اپنی بہو نہیں بنا سکتے‘‘۔ انہوں نے بیٹے کو گھورتے ہوئے صاف انکار کر دیا تھا۔

’’مام! وہ بزنس مین نوید عالم کی بھتیجی ہے، کسی غریب خاندان سے اس کا تعلق نہیں ہے‘‘۔ نہایت ناگواری سے کہا گیا تھا۔

’’نوید عالم کون سا بڑے بزنس مین ہیں؟‘‘ یہ ذوالفقار عابدی تھے۔

’’اونہہ... آفس کی عمارت کھڑی کر لینے سے کوئی بزنس مین نہیں بن جاتا مائی سن! یہ جو گلی گلی میں مختلف آئٹمز کی دکانیں کھلی ہوئی ہیں ان کے مالکان بھی خود کو بزنس مین ہی کہتے ہیں، ہمارا اپنا بزنس ہے، کریانے کی دکان ہے اور اپنا بزنس ہے، بزنس مین ہیں، بزنس مین مائی فٹ!‘‘ ماہ لقا نہایت درشتگی وحقارت سے بولی تھیں۔

’’مام! اگر وہ امیر ہے یا غریب ہے، اس سے مجھے فرق نہیں پڑتا کہ وہ جیسی ہے مجھے قبول ہے، میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور میرا یہ فیصلہ کسی قیمت پر نہیں بدلے گا، میں آپ لوگوں کے یا اس کے گھر والوں اور خود اس کے بھی کسی اعتراض وانکار کو اہمیت نہیں دوں گا‘‘۔ وہ ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا اور وہ دونوں ہی غصے سے پیچ وتاب کھاتے رہ گئے تھے۔

☆..........☆..........☆

’’فیصل! رات کنعان بھائی کچھ زیادہ ہی حنین کو لے کر پریشان نہیں ہو گئے تھے؟‘‘ چھٹی کا دن تھا وہ دیر سے سو کر اٹھا تھا ناشتہ تو سب کے ساتھ کیا تھا مگر اس کے کہنے پر وہ اس کے لیے دوبارہ چائے لے کر آئی تھی وہی دینے کے بعد بولتی اس کو چونکا گئی تھی اور اس نے گہری سانس خارج کی تھی کہ اسے یقین تھا کہ جو بات ان سب نے پریشانی میں محسوس نہ کی تھی پرسکون ہونے کے بعد سوچنے پر مجبور ہو جائیں گی اور اس کے یقین کے مطابق وہ سوال کیے اب جواب کی منتظر تھی۔

’’اونہوں... بس وہ مہمان تھی ان کی، ان کا پریشان ہونا فطری تھا کہ لاج کس قدر پریشان تھی، رونے تک لگی تھی اس کی شرمندگی ہی ختم نہیں ہو رہی تھی جبکہ اس سب میں اس کا کوئی قصور نہ تھا‘‘۔ اس کی توجہ بٹانے کو اس نے جان کر لاج کی پریشانی کو ہائی لائٹ کیا تھا۔

’’پریشان ہونے میں اور بہت زیادہ پریشان ہو جانے میں واضح فرق ہوتا ہے اور اگر وہ اس کے لیے پریشان ہو بھی رہے تھے تو انہیں اسے بازوؤں میں اٹھا کر اپنے کمرے تک نہیں لے جانا چاہیے تھا‘‘۔ وہ ناگواری وصاف گوئی سے بولی تھی اور اس کی یہ حرکت تو خود فیصل کو نہیں بھائی تھی مگر اس نے دکھائی اتنی عجلت تھی کہ وہ سمجھا

ہی نہیں تھا اور سمجھ بھی جاتا تو ایک کام ہو جانے کے بعد کر بھی کیا سکتا تھا؟ اور وہ اس کو کیا کہے کیا نہیں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کو اس الجھن سے بجتے فون نے بچا لیا تھا، وہ دونوں ہی رنگ ٹون سے ہی سمجھ گئے تھے کہ کس کی کال ہے اور وہ قدرے ناراضی سے اس کو دیکھتی وارڈ روب کھول کر کھڑی ہو گئی تھی۔

’’تجھ سے کچھ بات کرنی ہے، گھر آ جا‘‘۔ وہ چھوٹتے ہی بولا تھا۔

’’بات کیا ہے؟‘‘ وہ الجھ گیا تھا۔

’’فون پر نہیں کر سکتا، یہ بتا کتنی دیر میں آئے گا؟‘‘ وہاں سنجیدگی کا عالم ہنوز تھا۔

’’ایسی کیا بات ہے جو تو فون پر نہیں کر سکتا؟‘‘ وہ محض حیران ہی نہیں پریشان بھی ہو گیا تھا۔

’’تو عورتوں کی طرح پیچھے نہ پڑ جایا کر، سیدھے طریقے سے کہہ آ رہا ہے یا نہیں؟‘‘ وہ تپ چکا تھا۔

’’ایسا کر تو آ جا، میرے سر میں درد ہے، کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں‘‘۔ اس نے اس کی ناراضی محسوس کر کے ہتھیار ڈالے تھے۔

’’اوکے، آدھے گھنٹے میں پہنچ جاؤں گا‘‘۔ اس نے فوراً ہی حامی بھر کر رابطہ منقطع کر دیا تھا، سیل فون سائیڈ پر رکھتے ہوئے وہ چونک اٹھا کہ وہ بگڑے تیوروں کے ساتھ بیڈ پر واپس آ بیٹھی تھی۔

’’ایک ہی دن چھٹی کا ہوتا ہے وہ بھی آپ اپنے دوست کے ساتھ برباد کر دیتے ہیں‘‘۔ اس کا موڈ بری طرح آف ہو گیا تھا کیونکہ کچھ دیر پہلے اس نے میکے جانے کا کہا تھا تو اس نے سر درد کا بہانہ کر کے معذرت کر لی تھی۔

’’اب تم میرے واحد دوست سے بھی جیلس ہو گی، اس سے ملنے جلنے پر پابندی لگاؤ گی؟‘‘ اس کا خراب موڈ بحال کرنے کو اس نے شرارت سے اسے چھیڑا تھا۔

’’اگر آپ کے ماننے عمل کرنے کی امید ہو تو ایسا بھی کر لوں کہ آپ کا دوست مجھے اپنی سوکن لگنے لگا ہے، مجھ سے زیادہ وقت تو آپ اپنے دوست کے ساتھ گزارتے ہیں‘‘۔ اس کا غصہ ناراضی میں ڈھل گیا تھا اور اس کے گلے ختم ہونے کی بجائے بڑھ رہے تھے۔ اس کی بچکانہ سی سوچ اور بات پر فیصل نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

’’تمہاری سوتن آتا ہی ہو گا، اس لیے باقی گلے بعد میں کر لینا، کھانا کھانا ہے تو لے آؤ کہ بعد میں اکیلے کھاؤ گی تو ہزار شکوے کرو گی‘‘۔ اس کا ہاتھ تھام کر نہایت پیار بھرے لہجے میں بولا تھا۔

’’روز بھی اکیلے کھاتی ہوں ناں، آج بھی کھا لوں گی، آپ کریں اپنی محبوبہ کا انتظار، اور گزاریں چھٹی اس کے ساتھ، میں ڈیڈی کے گھر جا رہی ہوں‘‘۔ ہاتھ چھڑا کر ناراضی سے کہتی بیڈ سے اتری کہ وہ اس کا بازو تھام کر اسے اپنی جانب کھینچ گیا تھا۔

’’اوہو... تو لگتا ہے مسز کو مجھ سے محبت ہو گئی ہے جو یوں پوزیسو ہوا جا رہا ہے‘‘۔ اسے خود پر گرائے اس کی کمر پر حصار باندھے شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مخمور لہجے میں گویا ہوا تھا اور اس کی قربت اس کے حواس سلب کر گئی تھی، ساری ناراضی، تمام گلے کہیں جا سوئے تھے، دھڑکنیں اور جذبے جاگ اٹھے تھے اور اسے کنفیوژ وحیا سے مخمور پا کر وہ دلکشی سے مسکراتا جسارتوں پر آمادہ ہوا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی اس نے بدمزہ ہو کر گرفت ڈھیلی کی تھی وہ سرعت سے اس کے حصار سے نکلتی اتھل پتھل سانسوں کے ہمراہ دروازے کی جانب بڑھی تھی اور خود کو کمپوزڈ کر کے دروازہ کھول دیا تھا۔

’’فیصل بھیا سے کہو کہ کنعان بھائی آئے ہیں‘‘۔ سحرش پیغام دے کر پلٹ گئی تھی، فیصل نے اسے دیکھا تھا جو سرخ چہرے کے ساتھ کافی سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔

''میں ڈیڈی کے پاس جا رہی ہوں، فرصت ملے تو لینے آ جایئے گا''۔ اس نے جاتی ہوئی سمیرا کا ہاتھ پکڑا تھا۔

''یار! کل آفس سے آ کر لے جاؤں گا کہ کنعان کا کچھ بھروسہ نہیں ہے کہ وہ کتنی دیر ٹھہرے یا آؤٹنگ کا پروگرام رکھ لے''۔ اس کے خفا خفا چہرے کو دیکھا تھا کہ اس کا موڈ ٹھیک سے بحال بھی نہیں کر پایا تھا کہ موڈ پہلے سے زیادہ خراب ہو گیا تھا۔

''آئی ڈونٹ کیئر... مجھے آج ہی جانا ہے، آج نہیں تو آپ کل آفس سے آتے ہوئے پک کر لیجیے گا''۔ بازو آزاد کروا کے سنجیدگی سے بولی تھی۔

''تمہاری یونی سے چھٹی ہو جائے گی، وعدہ کل لے جاؤں گا، اور پکا پرامس نیکسٹ سنڈے صرف تمہارے ساتھ گزاروں گا''۔ اس کو منانا چاہا تھا مگر جیسے وہ بھی اپنی بات پر بری طرح اڑ گئی تھی۔

''آپ میری شرائط بھول گئے کہ آپ چاہتے ہیں کہ میں آگے پڑھوں تو آپ مجھے ڈیڈی کے ہاں جب میں چاہوں گی لے کر جائیں گے نہ کبھی روکیں گے، نہ انکار کریں گے''۔ اس نے جو 20 شرائط کہی تھیں ان میں سے وقتاً فوقتاً جتنی بتائی تھی ان میں یہ شرط سرفہرست تھی۔

''اوکے، تم چلی جاؤ، میں پک نہ کر سکا تو صبح ماموں جان کے گھر سے ہی ڈائریکٹ تمہیں یونی چھوڑ دوں گا، اپنا بیگ احتیاطاً لے جاؤ''۔ وہ کہہ کر اس کے بگڑے زاویے دیکھے بنا کمرے سے ہی نکل گیا تھا اور وہ غصے سے بری طرح کھول کر رہ گئی تھی کہ پڑھائی اور کنعان دو ایسے معاملات اور لوگ تھے جن میں اس کی ایک نہیں چلتی تھی اس کے علاوہ اسے اس سے کوئی شکایت نہ تھی کہ وہ اس کی سوچ سے بڑھ کر محبت کرنے خیال رکھنے والا شوہر ثابت ہو رہا تھا۔

☆..........☆..........☆

''میں حنین سے شادی کرنا چاہتا ہوں''۔ چند باتوں کے بعد اس نے اصل مدعا سامنے رکھا تھا۔

''واٹ...؟'' وہ حیرت سے چلایا تھا۔

''تیری حیرت سمجھ نہیں پا رہا کہ میری فیلنگز تیرے سامنے ہیں''۔ وہ بے تکلفی سے بیڈ پر دراز تھا کہ وہ کنعان کو اپنے روم میں لے آیا تھا مگر اسے اچھا نہیں لگا تھا کہ اب وہ کمرہ صرف اس کا نہیں اس کی بیوی کا بھی تھا، ڈریسنگ پر بجی کاسمیٹک کی اشیا اور سائیڈ ٹیبل کے ساتھ ساتھ دیواروں پر آویزاں ان کی شادی کی تصویریں، اسے وہاں ٹھہرنا آکورڈ فیل ہو رہا تھا اس لیے اس کے مزاج کو سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ باہر جانے کی بجائے وہ اسے گیسٹ روم میں لے آیا تھا۔

''تیری فیلنگز محسوس کر رہا تھا اندازہ تھا کہ تُو بہت جلد یہ فیصلہ لے گا مگر میں نے تجھے نوید انکل کے فیصلے سے آگاہ کیا تھا اس لیے ایکدم اچانک یہ بات مجھے حیرت میں ڈال گئی ہے''۔ وہ بھی صاف گوئی سے بولا تھا۔

''کل شام تُو نے کہا تھا کہ میری بے خودی میرا کچھ بگاڑے نہ بگاڑے اس کے لیے مسائل کھڑے کر سکتی ہے اور جس طرح وہ مجھے دیکھ کر خوف کا شکار ہوتی خود کو تکلیف پہنچا گئی رات بھر سوچ کر میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اپنا پرپوزل اسے بھیج دوں''۔ اس نے بات مکمل کر کے ٹی وی آن کیا تھا اور ایک چینل لگا کر پیپسی کا ٹن کھولنے لگا تھا۔

''زندگی بھر کے معاملے لمحوں میں نہیں ہوتے''۔ اس کے ہاتھ سے پیپسی کا ٹن لے لیا تھا جو اپنے لیے دوسرا

ٹن کھول رہا تھا۔

''دل کے معاملے لمحوں میں ہی ہوتے ہیں اور جب میرا دل فیصلہ کر چکا ہے کہ حنین عالم کو میرا بننا ہے تو لمحوں اور سالوں سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' گھونٹ بھر کر اس کو دیکھا تھا جو کافی سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے، چٹانوں سے بڑھ کر مضبوط محبت، جو خود بکھر کر اپنی کرنیں چار سُو پھیلاتی ہے، لمحے لمحے میں وہ میرے دل میں مضبوط سے مضبوط تر بنیادوں پر اپنی خاص جگہ بنائی جا رہی ہے۔ جب وہ سامنے ہوتی ہے اسے قریب کرنے کی خواہش دل میں مچلتی ہے، سامنے نہیں ہوتی تو اس کا احساس چار سُو میرے اردگرد پھیل جاتا ہے، اس کی ہر جھلک مجھے محبت سے عشق کا سفر کروا دیتی ہے، میں اسے پالینا چاہتا ہوں، لمحے دو لمحے کے لیے نہیں اپنی آخری سانس تک کے لیے اور اسی لیے چاہتا ہوں کہ تُو نوید عالم سے میری شادی کی بات کر''۔ وہ جذبوں سے چُور لہجے میں کہتا اسے اپنے ایک نئے ہی روپ سے آشنائی دے گیا تھا۔

''تُو نے انکل آنٹی سے بات کر لی کہ ان کی مرضی کے بغیر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھایا جا سکتا''۔ وہ اس کے لہجے، انداز، چہرے اور آنکھوں سے جذبے اور ان کی سچائی کو محسوس کر کے کسی نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔

''ہام، ڈیڈ کو اعتراض ہے بٹ میں ان کو منا لوں گا''۔ وہ پریقین لہجے میں بولا تھا۔

''تُو انکل آنٹی کو راضی کر لے جب تُو مجھے پازیٹو آفر دے گا اس کے اگلے ہی دن میں خود نوید انکل سے بات کروں گا''۔ وہ بھی جیسے تیار ہی بیٹھا تھا۔

''اوکے، بٹ تُو ایسا کرنا کہ فی الحال تُو بھابی کے ذہن میں یہ بات ڈال دے تاکہ کوئی بھی سبب انکار کا نہ بنے''۔ اس کے ہاتھ سے پیپسی کا ٹن چھین کر اس کے گھورنے کی پرواہ کیے بنا وہ منہ سے لگا گیا تھا۔

''آئیڈیا برا نہیں ہے، مگر بھابی تجھے پسند نہیں کرتیں، ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ مجھ پر تجھ سے ملنے پر پابندی لگا دیتیں''۔ مزے سے بتایا تھا وہ سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا اور اس نے اسے بتا دیا تھا کہ اس کا کارنامہ زرمین و فیصل نے اپنے کانوں سے بچ پر سنا تھا۔

''اب ازالہ ہی تو کرنا چاہتا ہوں، اسے چھونے کا پرمٹ حاصل کرنا چاہتا ہوں''۔ وہ کہاں زیادہ دیر شرمندہ رہ سکتا تھا، شرمندگی کے حصار سے نکل کر پٹڑی سے اترا تھا اور اس کی تنبیہہ کرتی نگاہوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے فضول ہانکنے لگا تھا اس کی بکواس بند کروانے کو اسے کشن مارنا پڑا تھا مگر وہ بھی ماہ کنعان تھا ہنستے ہوئے کیچ کر گیا تھا اور ہنوز شوخی پر آمادہ تھا۔

''سچ میرے اختیار میں ہو ناں، ابھی اسی وقت اس کی تمام تر ناگواریوں اور خوف کے باوجود اسے اپنی سانسوں سے زیادہ قریب کر لوں''۔ اس کے قیامت سے سراپے کو سوچ کر ہی اس پر بے خودی طاری ہونے لگی تھی۔

''کنعان! واٹ ربش...!'' فیصل نے اس کی بے باکی پر ناگواری ظاہر کی تھی اور وہ قہقہہ لگا گیا تھا، مزید کوئی بکواس کرتا کہ اس کا سیل فون بجنے لگا تھا، روشن ہوتی اسکرین پر ان کے مشترکہ دوست بابر کا نام جگمگا رہا تھا۔

''اوکے سویٹ ہارٹ، تم نعمان کو بھی بلا لو، میں اور فیصل بھی آ رہے ہیں''۔ بابر یو کے جا رہا تھا مگر کچھ ناگزیر وجوہات کے سبب نہیں جا سکا تھا اس لیے پرسوں اس کی فلائٹ دوبارہ کنفرم ہو گئی تھی وہی بتایا تھا تو اس نے ساتھ مل بیٹھنے کا پروگرام رکھ لیا تھا۔

''میرے سر میں درد ہے کنعان! میرا موڈ آج صرف آرام کا تھا پہلے تُو خود نازل ہو گیا اور اب باہر لے

جانے کا خود ہی پروگرام سیٹ کر بیٹھا، میری طرف سے تو معذرت"۔ فیصل کا موڈ آف ہو چکا تھا، وہ بے طرح چونک اٹھا۔

"کہیں بھابی سے تو جھگڑا نہیں کر بیٹھا؟" وہ پریشان ہوا تھا۔

"نہیں، بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے"۔ ہنوز سنجیدگی سے بولا تھا۔

"او یار! تو پھر کیا مسئلہ ہے دوستوں کے ساتھ وقت گزارے گا ناں، تو طبیعت سنبھل جائے گی، ویسے کہے تو سر دبا دوں تیرا؟" وہ سنجیدہ ہو گیا تھا کہ فیصل اسے اتنا ہی عزیز تھا۔

"ارے نہیں یار! پین کلر لیا تھا، مگر تیری گھٹیا گفتگو نے سارا اثر زائل کر دیا"۔ وہ مسکرایا تھا۔

"پین کلر لیا تھا یا میری بھابی کو زحمت دی تھی"۔ اس کی شرارت بھانپ کر وہ بھی شوخ ہوا تھا اور وہ بری طرح جھینپ گیا تھا۔

"شادی کے بعد بھی تیرا بیا پن نہیں گیا"۔ اس کے سرخ چہرے کو دیکھ کر ایک بے باک قہقہہ لگا کر جملہ کسا تھا، جواباً وہ اسے محض گھور کر رہ گیا تھا اور وہ جانے کو اٹھا تو اسے بھی ناچار تقلید کرنا پڑی تھی۔

☆..........☆..........☆

"بھابی! آپ سے کچھ بات کرنی ہے"۔ اس کا ہاتھ بٹانے کو کل وقتی ملازمہ رکھ لی گئی تھی اس کے باوجود وہ زیادہ تر کام خود ہی کیا کرتی تھی کہ اسے کام کرنے کی عادت بھی تھی اور اسے گھرداری کا شوق بھی تھا اس سب میں وہ سکون محسوس کیا کرتی تھی۔ اس نے رات کے کھانے کے بعد سب کو چائے دی تھی اور ملازمہ سے کچن صاف کروا کر وہ اپنے اور فیصل کے لیے ٹرے میں دودھ رکھے کچن سے نکلی ہی تھی کہ فیصل کی آواز پر چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"جی..... کہیے!" وہ سادگی سے بولی تھی۔

"بات کچھ ایسی ہے کہ یوں کھڑے کھڑے نہیں ہو پائے گی، آپ بزی ہیں تو میں بعد میں بات کر لوں گا"۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے دیکھ کر وہ بولا تھا۔ وہ حیران تو ہوئی مگر ظاہر کیے بنا اس نے ملازمہ کو آواز دی تھی۔

"بشیراں.....! یہ ٹرے میرے کمرے میں لے جاؤ"۔ ٹرے ملازمہ کو دیتی وہ ڈائننگ ٹیبل کے آگے سے چیئر گھسیٹ کر اس پر بیٹھ گئی تھی اور وہ بھی آ بیٹھا تھا۔

"بھابی! آپ کنعان کو تو جانتی ہیں ناں؟" اس نے تمہید باندھنا چاہی تھی اور اس کے چہرے پر در آنے والی ناگواری دیکھ کر اس نے سوچا تھا کہ بات نہ کرے مگر جس طرح وہ اتاؤلا ہو رہا تھا اس کے بعد وہ ناچار اس کی ناگواری کے باوجود کہہ گیا۔

"کنعان! حنین سے شادی کرنا چاہتا ہے"۔ اس کے چہرے پر حیرت اور اس کے بعد ناپسندیدگی کا تاثر بکھر گیا تھا۔

"آپ اپنے دوست سے صاف کہہ دیں کہ وہ ایسا خیال ہی اپنے ذہن سے نکال دیں"۔ وہ درشتگی سے بولی تھی۔

"بھابی! اس میں حرج ہی کیا ہے، کنعان ایک اچھا انسان ہے، اچھی فیملی سے تعلق رکھتا ہے"۔ وہ اس کی آنکھوں میں اپنے عزیز دوست کے لیے ناپسندیدگی و ناگواری دیکھتے ہوئے بھی دھیمے سے بولا تھا۔

"وہ کتنے اچھے ہیں، یہ آپ کو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے، اور جہاں تک فیملی کی بات ہے الو ایک

سیاستدان گھرانے میں کبھی حنین کی شادی نہیں کریں گے"۔ اس نے نفرت سے ہنکارا بھرا تھا اور صاف انکار کرنے کے ساتھ باپ کے کیے جانے والے متوقع فیصلے سے بھی آگاہ کیا تھا۔

"پرپوزل دینے میں تو کوئی حرج نہیں ہے"۔ وہ سادہ دھیمے مزاج کی زرمین کا آتشی روپ دیکھ کر حیران نہیں ہوا تھا کہ اس کی حنین کے لیے مخصوص جذباتیت سے واقف تھا۔

"پلیز..... فیصل! جو بات نہیں ہو سکتی اس کا ذکر بھی کیوں کیا جائے کہ وہ شخص جب مجھے اپنی بہن کے لیے پسند ہی نہیں ہے تو میں ابو تک پرپوزل کو کیوں پہنچاؤں گی کہ یہ بھی جانتی ہوں کہ ابو گریجویشن سے پہلے حنین کی شادی نہیں کریں گے اور اس کی شادی ہماری ہی طرح کی فیملی میں کریں گے کہ اپر ہائی کلاس خاص کر سیاست دان گھرانے میں حنین کی شادی کا وہ تصور بھی نہیں کریں گے"۔ اسے جیسے ہی اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہوا تھا وہ لہجے کی ٹون بدل گئی تھی، مگر موقف اس کا اب بھی وہی تھا۔

"آپ کی ناپسندیدگی بھی بجا ہے بھابی! لیکن وہ نہ صرف اپنے کیے پر شرمندہ ہے بلکہ حنین کو عزت سے اپنانے کے لیے بھی تیار ہے کہ وہ اس سے محبت کرنے لگا ہے"۔ وہ احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی اس سے بات کر رہا تھا۔

"آپ ایک دفعہ نوید انکل سے بات کر کے تو دیکھیں کہ وہ حنین کے لیے بہت فیئر اور سنسیئر ہے"۔ اس نے بھرپور انداز میں دوست کے جذبوں کی وکالت کی تھی۔

"میں مانتا ہوں کہ جو اس نے کیا وہ بالکل بھی مناسب نہ تھا، مگر وہ میرا بہت پرانا اور قریبی دوست ہے اس کو جانتا ہوں اس میں کوئی اخلاقی برائی نہیں ہے، اس کا کردار آئینے کی طرح شفاف ہے، سچے جذبوں کے ساتھ وہ حنین کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہے اس کا ارادہ اور نیت پاک صاف ہیں، اس لیے میں آپ سے یہی کہوں گا کہ آپ سوچیں، اسے پرکھیں اور پھر کوئی فیصلہ لیں کہ آپ لوگوں کو اس کی طرف سے جس طرح کی گارنٹی کی ضرورت ہوگی وہ میں دوں گا، وہ اور میں الگ نہیں ہیں، اگر آپ اسے بے اعتباری کے کٹہرے میں کھڑا کریں گی تو مجھے اپنی ذات کٹہرے میں محسوس ہوگی اس لیے آپ اسے اس کے مزاج و کردار کے نہیں میرے مزاج و کردار کے آئینے میں پرکھیں، رہ گئی بات اس کے کردار کی تو اس پر مجھے خود سے بڑھ کر بھروسہ ہے۔ باخدا حنین کی جگہ سحرش ہوتی تو میں آنکھ بند کر کے فیصلہ لیتا کہ وہ اتنا ہی اچھا ہے کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا ہے، اس سے رشتہ جوڑنے میں فخر محسوس ہو سکتا ہے، کنعان میرا دوست، میری جان، میرا فخر ہے بھابی! آگے آپ لوگوں کا فیصلہ"۔ وہ زرمین کے لیے سوچوں کے در وا کرتا نکلتا چلا گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

"نامی! نے تمہیں کتنی مشکل سے اجازت دی ہے حنین! اور ہمیں آئے ایک گھنٹہ ہونے والا ہے، تمہیں جو لینا ہے اب بس لے لو"۔ مائدہ کوفت سے بولی تھی کہ وہ اس کی خاطر اس کے ساتھ شاپنگ مال آ تو گئی تھی مگر اب پچھتا رہی تھی کہ وہ اسے ایک گھنٹے سے خوار کروا رہی تھی۔

"اب پسند نہیں آ رہا کچھ تو کیا کروں؟" وہ خود جھنجھلا کر بولی تھی کہ وہ گزشتہ ہفتے سے بیڈ ریسٹ پر تھی یونیورسٹی بھی نہیں جا رہی تھی، آج بھی صرف تکلیف کے باوجود وہ صرف ارحم الحسن کی وجہ سے خوار ہو رہی تھی کہ کل اس کی برتھ ڈے ہے اور اس کے لیے گفٹ لینے آئی تھی۔

"دیکھو حنین! تم ایک ہفتے سے بیڈ ریسٹ پر ہو اور جو ایک ہفتے میں ریکوری ہوئی ہے وہ یوں چلتے رہنے سے

برباد ہوکر رہ جائے گی، تم ارحم بھیا کے لیے گفٹ صحت یاب ہوجانے کے بعد لے لینا۔ ابھی واپس گھر چلتے ہیں"۔ وہ اس کے خوبصورت چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ کر بولی تھی۔

"میں ممی کی ڈانٹ کھا کر، تایا ابو سے اجازت لے کر صرف ارحم بھیا کے لیے گفٹ لینے آئی ہوں اور لیے بغیر نہیں جاؤں گی کہ اتنے دن سے بھی تو تکلیف برداشت کررہی ہوں، کچھ تکلیف ارحم بھیا کے لیے برداشت کرلوں گی تو کچھ نہیں بگڑے گا"۔ مستقل چلنے سے تکلیف کا احساس بڑھنے لگا تھا وہ رک کر سانس ہموار کرکے بولی تھی اور گلاس ڈور دھکیلتی اندر داخل ہوگئی تھی، فیصل نے اسے دیکھا تھا جس کا چہرہ نہ جانے کس احساس سے دہک رہا تھا اور وہ لب بھینچے کھڑا تھا، مائدہ اسے دیکھ کر آگے بڑھتی رک گئی تھی اور اس سے سلام دعا کرکے جس وقت شاپ میں داخل ہوتی تھی وہ ٹائی کارنر پر کھڑی بہت دلجمعی سے ٹائیاں دیکھ رہی تھی۔ اس کے بیروتاثرات دیکھ کر وہ چاہتا تھا کہ وہ اس شاپ میں داخل نہ ہوں مگر اس کے انٹر ہوجانے پر اسے بھی تقلید کرنی پڑی تھی۔

"وہ شخص اس کے لیے اتنا اہم ہے کہ اسے اپنی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہے، اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا"۔ وہ اس سے تھوڑے فاصلے پر اسی کاؤنٹر پر ٹھہرا گردن موڑے اسے دیکھتا سوچ رہا تھا جو ایک کے بعد ایک خوبصورت اور مہنگی ٹائی ریجیکٹ کرتی جارہی تھی کہ اس نے شیلف پر رکھا اپنا ہاتھ کمر پر رکھا تھا اور لب کا کونا دانتوں تلے دبایا تھا لمحے بھر کو اس کا چہرہ تاریک ہوا تھا اور وہ دوسرے ہاتھ کے اشارے سے ایک ٹائی دکھانے کو کہنے لگی تھی، کچھ دیر قبل اسی ٹائی پر ماہ کنعان کی نگاہ بھی ٹھہری تھی اور اب وہ چمکتی آنکھوں سے اسی ٹائی کو دیکھتی نکالنے کو کہہ رہی تھی۔

"پلیز! شوی آ دیٹ ٹائی!" وہ چند قدم بڑھا کر بالکل اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی تھی۔ شاپ کیپر نے ٹائی نکال کر اس کی طرف بڑھائی تھی اس نے ہاتھ بڑھایا تھا وہ تھامتی کہ ماہ کنعان نے اچک لی تھی اور گہری سنجیدگی سے شاپ کیپر سے بولا تھا۔

"پلیز! اسے پیک کردیں"۔ نیوی بلیو سلک کی ٹائی جس پر بلیک ڈاٹس تھے بلاشبہ وہ شاپ کی قیمتی ٹائیوں میں سے تھی، اس نے اپنا ہاتھ سرعت سے پیچھے کرکے گردن موڑ کر دیکھا تھا اور اسے دیکھ کر ہمیشہ کا ناگوار تاثر آنکھوں و چہرے پر بکھر گیا تھا اور وہ لاشعوری طور پر چند قدم پیچھے ہوگئی تھی۔

"کچھ آیا پسند؟" خاموش کھڑی مائدہ نے اس سے پوچھا تھا اور اس نے ماہ کنعان کے ہاتھ میں موجود ٹائی کی طرف اشارہ ہی نہیں کیا تھا بولی بھی تھی۔

"وہ ٹائی پسند آئی تھی، میں نے ہی نکلوائی تھی اپیا! جسے وہ پیک کرنے کو کہہ رہے ہیں"۔ اس کا منہ بن چکا تھا، فیصل حیرانگی و خاموشی سے دونوں کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"تو تم دوسری پسند کرلو"۔ اس نے سادہ سا حل پیش کیا تھا جو اسے پسند نہیں آیا تھا۔

"میں کیوں دوسری پسند کروں؟ جبکہ میں پسند کرچکی ہوں"۔ وہ کہہ کر شاپ کیپر سے ویسی ہی دوسری ٹائی نکالنے کو کہنے لگی تھی وہ مائدہ کے پیچھے سے نکلتی دوسری طرف کھڑی ہوگئی تھی۔

"سوری میم! اٹس اونلی ون پیس"۔ سیلز مین شائستگی سے کہہ گیا تھا۔

"دیکھیے میم! میں مانتا ہوں یہ آپ نے ہی نکلوائی تھی مگر جب سر نے پیمنٹ کی تو میں سمجھا آپ ان کے ساتھ ہیں"۔ وہ بحث کررہی تھی تب وہ بے چارگی سے بولا تھا۔

"میں اور ان کے ساتھ... واٹ ربش، آپ مجھے یہ ٹائی دیں، میں پیمنٹ کردیتی ہوں"۔ ناگواری د

قدرے غصے سے بولی تھی کہ مائدہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا اور تنبیہ کرتی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اس نے اب کے آواز دھیمی کرکے ہینڈ بیگ سے پیسے نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیے تھے۔

"سوری میم! بٹ یہ ٹائی سیل ہوچکی ہے، آپ کوئی دوسری دیکھ لیں"۔ اس نے ماہ کنعان کے ہاتھ سے ٹائی لی تھی اس کا ارادہ پیک کرنے کا تھا مگر اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ کھینچ لی۔

"یہ میں نے نکلوائی تھی، اس لیے یہ میری ہے، پیمنٹ کردی ہے میں نے، میں یہی ٹائی لوں گی"۔ وہ نخوت سے بول رہی تھی شاپ کیپر برا پھنسا تھا کہ کاؤنٹر پر دونوں ہی پیسے رکھ چکے تھے اور اس کے کہنے پر بھی دونوں میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کو وہ دینے کو تیار نہ تھا، مائدہ اسے سمجھا رہی تھی مگر وہ سمجھنے کو تیار نہ تھی اس کے برعکس اس کے سرد خطرناک تیور دیکھ کر وہ خاموش ہی کھڑا تھا اس کی ضد اور الجھا اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ وہ اس کی پسند سے واقف تھا کہ وہ ڈاٹس والی ٹائی یوز نہیں کرتا تھا سیلف لائننگ یا پلین ٹائیز کو ہی پریفر کرتا تھا تو وہ اس وقت آنکھوں میں غصہ لیے کیوں ضد کررہا تھا؟ اس نے ٹائی کو تہہ لگا کر بیگ میں ڈالنا چاہا تھا کہ اس نے چند قدموں کی دوری کو ختم کیا تھا اور اس کے عین سامنے ٹھہر گیا تھا جو دو قدم پیچھے ہوتے ہی شیلف سے جا لگی تھی۔

"مس حنین عالم! یہ ٹائی میں نے پسند کی اور اس کی پیمنٹ بھی کردی، اور میں اپنی پسند و حق چھوڑا نہیں کرتا"۔ اس کا لہجہ انتہائی سرد تھا، آنکھیں لہو سمیٹ لائی تھیں اور اس کی تو بولتی ہی بند ہوچکی تھی۔

"اپیا! یہ جھوٹ بول رہے ہیں، یہ ٹائی میں نے پسند کرکے شیلف سے نکلوائی تھی، زبردستی پیسے تھما کر اس پر اپنا حق جتانے لگے جبکہ یہ ٹائی میں نے کتنی دیر کی خواری کے بعد ارحم بھیا کے لیے پسند کی تھی، مجھے ارحم بھیا کے لیے بس یہی ٹائی چاہیے"۔ وہ سامنے سے ہٹا تھا اس کے آنسو گرے تھے اور مائدہ کے اس تک آتے ہی وہ روتے ہوئے بولنے لگی تھی اور وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا تھا جس کی ساحرانہ بھیگی پلکیں حسرت سے اس ٹائی پر جمی تھیں اس کا غصہ ایکدم ہی بڑھا تھا اور اس کی نگاہ اس کے حسین چہرے سے ہوتی سامنے ڈور کے ساتھ کھڑے شخص پر پڑی تھی جو لائٹر جیب میں رکھ رہا تھا، اس کے قدم لاشعوری طور پر اس شخص کی طرف بڑھے اور اس سے لائٹر طلب کیا واپس مڑ کر اس تک آیا جو ایک ٹائی نہ ملنے پر اپنے قیمتی آنسو بہا رہی تھی اور اس کا دل تو کررہا تھا کہ ایسی ایک تو کیا ہزار ٹائیاں اس کے قدموں میں ڈھیر کردے، مگر ذہن و دل میں اٹھتی کشمکش، شک و حسد کی آگ ساری دلی خواہشات کو خاکستر کرنے لگی تھی اور خود جلتے جلتے اس نے اس کے عین سامنے رک کر ٹائی اس کی بھیگی پلکوں کے سامنے لہرائی تھی اور اس کے ہی کیا کسی کے بھی سمجھنے سے پہلے ہی اسے شعلہ دکھا دیا تھا۔

"جو چیز میری نہ ہوسکے میں اسے کسی اور کے بھی قابل نہیں چھوڑتا، آپ ٹائی تو نہ لے سکیں اس کی راکھ اپنے ارحم بھیا کے لیے لے سکتی ہیں کہ میں کچرا جمع نہیں کیا کرتا، مجھے صرف خوبصورت چیزیں ہی پسند ہیں"۔ وہ اس کی آنکھوں میں بغور جھانکتا کہہ رہا تھا کہ حیرانگی نے دوسرا تاثر ہی اسے بھلا دیا تھا اور وہ اتنی ششدر اور صدمے کی سی کیفیت میں تھی کہ اس کے قہقہے پر اس کا سکتہ ٹوٹا تھا اور "تڑاخ" کی آواز خاموشی میں گونج اٹھی تھی۔ وہ جو جلتی ہوئی ٹائی کو جوتوں تلے مسل رہا تھا اس کی حرکت پر وہیں فیصل اور مائدہ بھی ساکت رہ گئے تھے، مائدہ نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھا تھا اور فیصل اس کی حرکت پر انگشت بدنداں تھا اور وہ خود بھی تو حیران سی کھڑی تھی کہ اتنے دنوں کی فرسٹریشن یوں ظاہر ہوگی کب سوچا تھا اور وہ جس پر وہ دسیوں لوگوں کے سامنے ہاتھ اٹھا چکی تھی، اتنی تذلیل پر انگارہ ہی تو بن گیا تھا، وہ اس کی تیز سرخ نگاہوں سے خائف ہوتی اور کچھ اپنی حرکت پر نادم و ہراساں ہوتی پیچھے ہوئی تھی کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس کی دودھیا کلائی تھام گیا تھا وہ بے ساختہ ہی چیخی تھی، تماشائی بنا فیصل

آگے بڑھا تھا۔

"فیصل! تُو بیچ میں نہیں آئے گا، تیرا منہ دیکھ کر بھی آج میں چپ نہیں رہوں گا"۔ سرد لہجے میں اس پر اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا اور اس کی کلائی پر گرفت کچھ اور سخت کی تھی کہ وہ چھڑانے کی کوشش کرنے کے ساتھ مدد کے لیے مائدہ کو پکار رہی تھی، وہ تو اس ساری افتاد پر ہی پریشان تھی اور اسے وہ کلائی سے تھامے شاپ سے باہر نکلا تھا وہ اس کے ساتھ نہ چاہتے ہوئے بھی گھسٹتی جا رہی تھی ساتھ ہی ہیلپ کے لیے اس کو پکار بیٹھی تھی، جس سے حسد محسوس کر کے وہ، وہ سب کر گیا تھا اور اس کے منہ سے "ارحم بھیا" نکلنا تھا اس کی گرفت مزید سخت سے سخت تر ہو گئی تھی بے ساختہ ہی وہ چیخی تھی اسے لگا تھا کہ ہڈی ٹوٹ گئی ہے وہ درد سے بلبلا اٹھی تھی کہ اس کے گھسیٹنے سے تو اس کی کمر کا درد بھی مزید جاگ اٹھا تھا۔

"فیصل بھائی! پلیز اپنے دوست کو روکیں"۔ اس کے تیور مائدہ کو بھی ڈرا گئے تھے وہ اس کے پیچھے لپکتی فیصل سے مدد طلب کر گئی تھی۔

"کنعان! چھوڑو اس کا ہاتھ، کیوں تماشہ بنا رہے ہو؟" وہ اس کا بازو تھام کر روکتا دبے دبے انداز میں غرایا تھا، مگر اپنی بات کا اثر نہ ہوتے دیکھ کر خود ہی اس کا ہاتھ آزاد کروانا چاہا تھا مگر اس کی گرفت بھی بلا کی مضبوط تھی۔

"پاگل مت ہو کنعان! حنین کا ہاتھ چھوڑو، میں اس کی طرف سے تم سے سوری کر لیتا ہوں"۔ کوشش ترک کر کے باقاعدہ فیصل نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

"ہاتھ چھوڑیں میرا، میری درد سے جان نکل جائے گی، میں آپ کی شکایت ارحم بھیا سے کروں گی، وہ آپ کو اریسٹ کر لیں گے"۔ وہ درد سے بلکتی کہہ رہی تھی اس کے اعصاب مزید کشیدگی سمیٹنے لگے تھے، لیکن فیصل کی حرکت پر وہ دھیما پڑا تھا اس کے ہاتھ پر اس کی گرفت کمزور ہوئی تھی کہ پھر اس نے یکدم ایک جھٹکے سے کلائی آزاد کر دی تھی وہ کراہتی ہوئی ماربل کے صاف چمکتے فرش پر گری تھی۔ وہ کسی کو بھی دیکھے بنا نہایت طیش کے ساتھ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا اور وہ چاہ کر بھی اس کے پیچھے نہیں گیا تھا کہ اس کی نگاہ فرش پر پھیلتے خون پر پڑ گئی تھی، خون اس کے ماتھے سے بہہ رہا تھا اور وہ بے ہوش ہو چکی تھی، فیصل ہی مائدہ کے ساتھ اسے ہاسپٹل لے گیا تھا، مائدہ نے گھر فون کر کے امجد اور نوید عالم کو بلا لیا تھا کہ اس کے ماتھے پر تین ٹانکے آئے تھے اور دائیں ہاتھ کی کلائی کی ہڈی فریکچر ہو گئی تھی، مائدہ تو مائدہ جو ہوا تھا فیصل بھی حیران و پریشان تھا اور اس کی حالت کے سبب اسے ماہ کنعان پر غصہ آنے لگا تھا اسی لیے اس نے چاہ کر بھی اس سے رابطہ نہیں کیا تھا کہ جو آج تماشہ اس نے لگایا تھا وہ فیصل جیسے سادہ، رکھ رکھاؤ والے شخص کے اعصاب پر دباؤ ڈال گیا تھا اسے اپنا سر درد سے پھٹتا محسوس ہو رہا تھا، گھر لوٹا تھا تو اس کی کال آنے لگی تھی اس نے غصے سے سیل فون ہی دیوار پر دے مارا تھا، جو اس بات کا ثبوت تھا کہ اسے حقیقتاً اس پر غصہ ہے۔

☆..........☆..........☆

"آپ مجھے صرف اتنا بتایئے کہ آپ میرا پرپوزل لے جا رہے ہیں، ابھی اسی وقت یا نہیں؟" وہ مال سے گھر جانے کی بجائے آفس آ گیا تھا وہ جو اس کے آ کر اہم میٹنگ کینسل کروا دینے پر ہی کچھ غصہ تھے اس کی فرمائش کے بعد حکمیہ لہجے پر کھول اٹھے تھے۔

"نہیں، ہم اس لڑکی کو اپنے خاندان کی بہو نہیں بنا سکتے، اس کا اور ہمارا کوئی میل نہیں ہے"۔ وہ درشتگی سے انکار کر گئے تھے۔

"شادی تو میری اسی سے ہو گی آپ نے انکار کر دیا، اپنا پرپوزل خود لے کر جاؤں گا، انہوں نے بھی انکار کیا تو مجھے کورٹ میرج سے کوئی نہیں روک سکے گا، نہ میرا باپ، نہ اس کا تایا اور نہ ہی وہ خود"۔ اٹل فیصلہ ان کے گوش گزار کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا سامنے آتی ہر چیز کو ٹھوکر پر اڑاتا وہ باپ کے آفس سے نکلا تھا اور نوید عالم کے آفس پہنچ گیا تھا وہ جو مائدہ کی فون کال کے بعد بڑی عجلت میں آفس سے نکلنے کو تھے کہ وہ آندھی طوفان کی طرح گارڈ اور پھر ریسپشنسٹ و پیون کے روکنے کے باوجود ڈور دھکیلتا ان کے آفس میں داخل ہوا تھا وہ حیرانگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"سر! ہم نے انہیں بہت روکنا چاہا، مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور زبردستی آفس میں گھس آئے"۔ گارڈ اپنی صفائی میں ڈرتے ڈرتے بولا تھا اور انہوں نے ان سب کو جانے کو کہا تھا اور اس کو مخاطب کیا تھا۔

"کنعان! ہیو آ سیٹ پلیز"۔ وہ حیرانگی کو پرے رکھ کر آداب میزبانی نبھا رہے تھے کہ اس سے انجان نہ تھے شادی میں ملے تھے اور جب وہ چوتھی کی شام گھر آیا تھا تب تو کافی اچھے سے اس سے بات ہوئی تھی، اس کی فیملی اور اس کا بیک گراؤنڈ ان کے علم میں آیا تھا کہ وہ اسے اس سے قبل فیصل کے دوست کی حیثیت سے سرسری سا جانتے ہی تھے۔

"میں آپ کی بھتیجی حنین عالم سے شادی کرنا چاہتا ہوں"۔ بنا تمہید باندھے اصل بات کہی تھی وہ متحیر سے اسے دیکھنے لگے تھے اس کا بدتمیزی سے اپنے آفس میں آنا انہیں پسند نہیں آیا تھا مگر ناپسندیدگی ظاہر نہ کی تھی اور وہ تو ایک الگ ہی داستان سنا تا آفس کی چھت ان کے سر پر گرا گیا تھا۔

"فیصل کے ذریعے تمہارا پرپوزل ہمیں ملا تھا، اور چونکہ ہمارا اور تمہارا کوئی جوڑ نہیں ہے اس لیے ہم نے منع کر دیا تھا، تو آج یوں اتنی بدتمیزی سے آفس میں آ کر اتنے نازک مسئلے پر اتنے برے انداز میں بات کرنے کا کیا مقصد نکلتا ہے؟" نوید عالم غصے میں آ چکے تھے کہ وہ مزاج اور پسند کے برخلاف بات کو برداشت نہیں کیا کرتے تھے، جتنے نرم مزاج تھے اس سے بڑھ کر سخت مزاج بھی تھے۔

"میں آپ کے کسی انکار کو نہیں مانتا"۔ وہ ان کے غصے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے برہم ہوا تھا۔

"مجھے ہر حال میں حنین سے شادی کرنی ہے، آپ صرف یہ بتایئے کہ میں کب برات لے کر آؤں؟" وہ بہت اہم اور بڑے موضوع کو بہت لائٹ لی ڈسکس کر رہا تھا۔

"مسٹر ماہ کنعان عابدی! بہتر ہو گا کہ تم میرے آفس سے چلے جاؤ کہ میں اپنی بیٹی کی شادی ہرگز بھی تم سے نہیں کروں گا کہ مجھے اب تک صرف تمہارے بیک گراؤنڈ پر اعتراض تھا مگر آج کے تمہارے تیور ہر الجھن سلجھا گئے ہیں، میں جو فیصلہ ہی نہیں کر پا رہا تھا اب نتیجے پر پہنچ گیا ہوں کہ مجھے تمہارا پرپوزل منظور نہیں ہے"۔ وہ اشتعال کو بمشکل کنٹرول کرتے دبے دبے غصے سے بولے تھے۔

"اور مجھے آپ کا انکار قبول نہیں ہے، یاد رکھیے گا نوید عالم! کہ میں یہاں اپنے باپ کی مخالفت کے باوجود کھڑا ہوں، جب میں اپنے والدین کے انکار کو قابل اہمیت نہیں گردان رہا تو آپ کے انکار کو میں کس قدر اہمیت دوں گا آپ خود سمجھدار ہیں"۔ وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سختی اور رعونت سے کہتا ان کو مٹھیاں بھینچنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"فی الوقت چلتا ہوں، کل آؤں گا جواب لینے، اور مجھے مثبت ہی جواب درکار ہو گا"۔ سختی سے کہتا پلٹا تھا کہ انہوں نے جارحانہ انداز میں اس کے کوٹ کی آستین کھینچ کر اسے اپنی طرف موڑنا چاہا تھا۔

''تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟'' وہ غصے سے کف اڑا رہے تھے۔

''ہاں! کیونکہ مجھے کسی بھی قیمت پر حنین عالم سے شادی کرنی ہے، آپ اور میرے پیرنٹس نہیں مانے تو مجھے کوئی دوسرا آپشن یوز کرنا پڑے گا اور ایسی صورت میں کہ جب آپ کی بھتیجی بھی اس سب کے لیے راضی نہیں ہے، نہ ہوگی تو میرا اٹھایا دوسرا قدم زبردستی و جبر پر ہی مبنی ہوگا اور میں تو بس یہی چاہوں گا کہ آپ مجھے جبر پر مجبور نہ کریں''۔ وہ سرخ آنکھوں سے اپنے عزائم بتا تا وہاں ٹھہرا نہ تھا جس طرح آندھی طوفان کی طرح آیا تھا ویسے ہی چلا گیا تھا مگر جاتے جاتے ان کا سکون درہم برہم کرتا ان کو پریشانی واضطراب کے حوالے کر گیا تھا۔

☆.............☆.............☆

''ماموں جان! آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ سب خیریت تو ہے؟'' وہ کل سے ہی بے حد ڈسٹرب تھے انہوں نے اس کے حل کے لیے ماہ کنعان کے فادر سے بھی رابطہ کیا تھا اور ان سے بات کر کے تو ان کی پریشانی دوگنی ہوگئی تھی اور اب اسی کے خاتمے کے لیے انہوں نے بہت سوچنے کے بعد ایک فیصلہ لیتے ہوئے ارحم الحسن کو بلا لیا تھا اور وہ تو ان کے پژمردہ سے چہرے کو ہی دیکھ کر متفکر ہو گیا تھا۔ انہوں نے خود کو کمپوزڈ کیا اور دھیمے دھیمے اس کا آنا اور بدتمیزی سے دھمکی تک سب کہہ سنایا تھا۔

''وہ شخص آپ کے آفس میں آ کر اتنی بدتمیزی کر کے چلا گیا اور آپ مجھے اب بتا رہے ہیں؟'' وہ تو غصے سے ہی کھول اٹھا تھا۔

''میں تو کل سے ہی بہت پریشان ہوں، اس کے فادر سے بھی ملا تھا آج، وہ بھی اس رشتے کے سخت مخالف ہیں، مگر وہ شخص بضد ہے، ایک گھنٹہ پہلے جواب کے لیے مجھے فون بھی کیا تھا میرے انکار کو وہ اہمیت دینے کو تیار ہی نہیں ہے، وہ دوسرے آپشن کی بات کر رہا تھا اور اسی لیے میں پریشان ہوں کہ اس کی دوسری راہ اتنی بھی سیدھی نہیں ہوگی''۔ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں مضطرب سے بول رہے تھے۔

''آپ اس کی دھمکی سے ڈر گئے ہیں؟'' غصہ کنٹرول کرتا بولا تھا۔

''ہاں! کہ میں اپنی عزت سے ڈرتا ہوں کہ اس نے کوئی غلط قدم اٹھایا تو اس کا کچھ نہیں جائے گا بدنامی ہمارے خاندان کی ہوگی کہ لڑکیوں کی عزت تو آبگینوں کی طرح ہوتی ہے''۔ ان کی درست بات سن کر وہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

''آپ پریشان نہ ہوں میں کرتا ہوں کچھ، ذوالفقار عابدی اور فیصل سے بات کرتا ہوں کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے؟'' وہ تو اس کے کارنامے بھی جانتا تھا اس لیے گہری سوچ میں ڈوبا پریشانی سے بولا تھا۔

''ذوالفقار عابدی سے بات کر چکا ہوں وہ بیٹے کی ضد پوری نہیں کرنا چاہتے، اور فیصل سے کیا بات کرو گے وہ تو خود یہی سب چاہتا ہے''۔ وہ ناسمجھی وسوالیہ نگاہوں سے نوید عالم کو دیکھنے لگا تھا۔

''زرمین کو اس کا پرپوزل فیصل نے ہی دیا تھا، میرے انکار پر اس نے خود مجھ سے بات کی تھی، دوست کی وہ مکمل گارنٹی لینے کو تیار تھا اسی لیے میں سوچ میں پڑ گیا تھا لیکن اس کا آفس آ کر بدتمیزی کرنا اور دھمکی دینا اور ذوالفقار عابدی کا صاف انکار اب اس سب کو دیکھتے ہوئے تم خود بتاؤ کہ میں کیسے اس شادی کے لیے ہاں کروں کہ شادی تو دو خاندانوں کے رابطے ورشتے کا نام ہے، اب نہ خاندان ہمارے جوڑ کا ہے کہ شادی برابر والوں میں کرنی چاہیے اور نہ لڑکا ہماری حنین کے جوڑ کا ہے کہ وہ کم عمر نا سمجھ ہے، وہ اس سے عمر میں بڑا ہے، غصے کا تیز، بدتمیز انسان ہے اور ایسے شخص کے ہاتھوں میں اپنی بیٹی کا ہاتھ کیسے دوں جسے بڑوں سے بات تک کرنے کی تمیز

نہیں ہے؟'' وہ کافی پریشان تھے ان کے ساتھ وہ بھی پریشان ہو اٹھا تھا۔

''اس کی بدتمیزی اور اس کے پیرنٹس کی مخالفت سے قطع نظر ہو کر دیکھا جائے تو اس شخص میں ایسی کوئی برائی نہیں ہے کہ شادی کے بارے میں سوچا نہ جا سکے''۔ وہ اس کو کچھ غصے سے دیکھنے لگے تھے۔

''تم سمجھ کیوں نہیں رہے کہ شادی کے لیے سوچا جائے تو کس بنیاد پر کہ اس کے پیرنٹس راضی نہیں، ایسے کیسے اس شخص کی ضد پوری کرنے کو میں اس کی بیوی، ایک ان چاہی بہو بنا دوں؟ حنین جس نے صرف محبتیں سمیٹیں اسے ان چاہا بہو کا درجہ ملا تو کیا وہ خوش رہ پائے گی؟ حنین مجھے بہت عزیز ہے، اس کی خوشی مجھے بہت عزیز ہے اس کو تکلیف میں دیکھ ہی نہیں سکتا، شادی اول تو میں ابھی اس کی کرنا نہیں چاہتا کہ جب بھی کروں گا ایسے لوگوں میں جو اسے چاہت وعزت دیں اور یہاں تو مجھے یہی دھڑکا لگا رہے گا کہ اس کا ضد، غصہ ختم ہوا تو وہ کیا کرے گا؟ کہ مجھے یہی لگتا ہے کہ وہ شخص ایسا صرف کل کی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے چاہ رہا ہے کہ اس کی سوچ مثبت ہوتی، وہ حنین کے لیے کوئی سوفٹ کارنر ذہن و دل میں محسوس کرتا تو عزت ونرمی سے ہمیں قائل کرنے کی کوشش کرتا اس کے رویے میں لچک نہیں ہٹ دھرمی ہے اور میں ایک ہٹ دھرم، اگریسیو مین سے اپنی حنین کی شادی تو کرنا دور سوچ بھی نہیں سکتا''۔ وہ اسے ناگواری سے دیکھتے درشتگی سے اپنے فیصلے سے آگاہ کر رہے تھے اور وہ الجھ گیا تھا کہ وہ جب ہر فیصلہ کر چکے تھے ساری حقیقت ان کے سامنے تھی، نقصان اور فائدے ان کے سامنے تھے تو وہ اس سے کیا چاہتے تھے؟ اس کو بلانے، سب بتانے کا کیا مقصد تھا اور کچھ ہی دیر وہ اس سے ہر بات شیئر کرنے کا مقصد بتا گئے تھے اسے لگا تھا کہ اس کے سر پر آسمان آ گرا ہے، پیروں تلے سے زمین سرک گئی ہے وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتا خود کو ہوا میں معلق محسوس کرنے لگا تھا، وہ اسے قائل کرنے کو کیا کچھ کہہ رہے تھے وہ کہاں سن رہا تھا کہ وہ تو ان کی گزشتہ بات کے زیر اثر صدمے کی سی کیفیت میں کھڑا تھا۔

''میں نے یہ فیصلہ بہت مشکل سے لیا ہے ارحم! صرف و صرف اپنی بیٹی کی خوشی اور عزت کے لیے کہ اس کے علاوہ میرے پاس کوئی اور حل ہی نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ میں اس شخص سے یا اس کے باپ کی امارت وطاقت سے ڈرا ہوں کہ ڈر مجھے اپنی عزت کے جانے کا لگا ہے، حنین کے ساتھ اللہ نہ کرے کسی قسم کی اونچ نیچ ہوگئی تو میں روز قیامت جاوید کو کیا جواب دوں گا؟'' وہ بھیگی آنکھوں سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ گئے تھے اس نے چونک کر انہیں دیکھا تھا اس کا سکتہ گویا ٹوٹا تھا اس نے لب بھینچ لیے تھے کہ وہ جو کہہ گئے تھے، جو چاہ رہے تھے اس کے بعد وہ کچھ کہنے، سوچنے کے قابل بھی نہیں بچا تھا۔

''میرے فیصلے کی لاج رکھ لو ارحم بیٹا! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں''۔ ان کے الفاظ ان کا عمل اس کے مردہ احساس کو گویا زندہ کر گئے اس نے بہت تڑپ کر ان کے ہاتھ تھامے تھے۔

''ماموں جان! خدارا ایسا نہ کریں کہ میں آپ کی فیلنگز سمجھ رہا ہوں لیکن میں آپ کے فیصلے کا مان نہیں رکھ پاؤں گا، میں آپ کے فیصلے میں آپ کا ساتھ نہیں دے پاؤں گا''۔ وہ ان کے ہاتھ تھامے دلگرفتگی و شکستگی سے کہہ رہا تھا۔

''مجھے اندازہ تھا کہ تم نہیں مانو گے، لیکن اس وقت بات تمہاری سوچ، تمہارے احساسات کی نہیں ہے کہ بات جب عزت وغیرت پر بن آتی ہے تو سوچنا، سوچ کر فیصلہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ میں اس وقت بہت لاچار و بے بس ہوں، میری لاچاری کے ایک لمحے کو سوچو کہ میں اس وقت کتنا بے بس ہوں کہ بیٹی کا باپ ہو کر خود تمہارے آگے جھکا ہوں، دست سوال بلند کر رہا ہوں، خدارا... ارحم! انکار نہ کرو کہ میرے خاندان کی عزت اب بس تمہارے ہی ہاتھوں میں ہے''۔ ان کے آنسو گرنے لگے تھے جو اس کے دل پر نمی چھوڑتے جا رہے تھے، اس

کی سرخ آنکھیں یکبارگی اپنی بے بسی پر نم ہوگئی تھیں۔

"ماموں جان! پلیز مجھے مجبور نہ کریں کہ میں ایسا کر ہی نہیں سکتا کہ خدا گواہ ہے کہ میں نے حنین کو مائدہ سے بڑھ کر سمجھا ہے، اسے بہن سے زیادہ بیٹی کی نگاہ سے دیکھا اس کی پرواہ کی، وہ مجھے خود سے بڑھ کر عزیز ہے اور میں اس کے لیے اپنی سوچ اور نگاہ کا زاویہ نہیں بدل سکتا کہ میں ایسا کرتے ہوئے اندر سے مرجاؤں گا، مجھے ایسے کسی فیصلے کو ماننے پر مجبور نہ کریں کہ میں جیتے جی مرجاؤں"۔ وہ ان کے ہاتھ چھوڑتا میکانکی انداز میں پیچھے ہورہا تھا، شدت ضبط سے اس کا چہرہ لہورنگ ہوگیا تھا، آنکھیں بے اختیاری بہہ رہی تھیں اور وہ ان سے نظر چراتا باہر نکلا تھا، بڑی تیزی میں باہر کی طرف بڑھ رہا تھا کہ لان میں ایک آواز نے اس کا تعاقب کیا۔

"ارحم بھیا!" اس کے قدم تھمے، اسے وقت کی گردش رکتی محسوس ہوئی تھی جس پل وہ اس کے سامنے آئی تھی، وہ اس سے کچھ کہہ رہی تھی مگر اس نے سنا کب؟ وہ اسے آواز دے رہی تھی اور وہ بہت تیزی میں وہاں سے نکلتا چلا گیا کہ کچھ دیر اور ٹھہرتا تو اس کے ضبط کا دامن چھوٹ جاتا جو گاڑی میں بیٹھتے ہی چھوٹ گیا تھا، اسٹیرنگ پر سر ٹکائے وہ آنسو بہائے گیا اور جیسے ہی تھوڑا خود کو پرسکون محسوس کیا تھا گاڑی اسٹارٹ کی تھی مگر اس کا ذہن اس قدر ڈسٹرب تھا کہ اسپیڈ کم کرلینے کے باوجود وہ ڈرائیونگ نہیں کرپارہا تھا اس کا سر درد سے پھٹا جارہا تھا، ذہنی کرب کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دھیمی رفتار کے باوجود موڑ کاٹتے ہوئے کنٹرول نہیں کرسکا تھا، بیلنس آؤٹ ہوا تھا اور گاڑی حادثے کا شکار ہوگئی تھی، ڈرائیور کے گاڑی روکتے ہی وہ عجلت میں اتری اور حادثے کا شکار آلٹو تک پہنچی اور ڈرائیونگ سیٹ پر ارحم الحسن کو دیکھ اس کے دل کو گہری ضرب لگی تھی وہ میکانکی انداز میں اس کی مدد کو بڑھی تھی اور ڈرائیور کی مدد سے بے سدھ ارحم الحسن کو ہاسپٹل لے گئی تھی اور راستے میں ہی اس نے فیصل کا نمبر ڈائل کیا تھا کہ وہ ارحم الحسن کے گھر میں کسی کا نمبر نہیں جانتی تھی۔

"فیصل لالہ! وہ ارحم الحسن کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے"۔ لاؤنج میں بیٹھا وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا جب اس کے پاس ہی پڑا سیل فون گنگنانے لگا تھا اس نے اٹھا کر دیکھا "لعل سسٹر لاج" موبائل کی اسکرین پر بلنک کررہا تھا، اس نے سیل فون واپس رکھ دیا کہ فیصل کچھ دیر قبل ہی سمیرا کو میکے سے لینے گیا تھا اور جاتے ہوئے سیل فون لے جانا بھول گیا تھا، مگر سیل فون متواتر بجنے لگا تو اس نے کچھ سوچ کر کال ریسیو کی تھی، اس کے کال ریسیو کرتے ہی وہ پریشانی سے سلام دعا کے بغیر کہہ گئی تھی کہ اس کا خون کہاں سے نکل رہا تھا یہ وہ اندازہ نہیں لگاپائی تھی مگر اس کا خوبصورت چہرہ اور گریبان لہورنگ ہوتے جارہے تھے اور اسی ٹینشن میں وہ آداب بھول گئی تھی اور وہ تو بیٹھے سے کھڑا ہوگیا تھا، اور اس سے ہاسپٹل کا ایڈریس پوچھ کر وہ عجلت میں باہر بڑھا تھا، سب ہی ہاسپٹل ایک کے بعد ایک پریشان سے پہنچ گئے تھے اور اس کی سلامتی کے لیے دعا گو تھے کہ اس کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا، پیشانی پر گہرا زخم آیا تھا، کانچ کے ٹکڑے اس کی گردن اور دائیں شانے میں کھب گئے تھے، ڈرائیونگ ڈور کھل جانے کے سبب اس کا بایاں ہاتھ سڑک پر رگڑتا چلا گیا تھا اس لیے وہ زیادہ زخمی تھا۔ سب ہی پریشان تھے، مگر وہ اسے بروقت ہاسپٹل لے آئی تھی اس لیے خون زیادہ نہیں بہا تھا اس کی جان محفوظ رہی تھی کچھ گھنٹوں بعد ہی اسے آئی سی یو سے پرائیویٹ روم میں منتقل کردیا گیا تھا سب اس کے اردگرد پریشانی سے کھڑے تھے اور فیصل نے اس کے پاس ہی بیڈ پر ٹکتے ہوئے اس کی خیریت دریافت کی تھی کہ وہ چیخ پڑا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا ہے مجھے، میرے سر پر آپ سب سوار مت رہیں، مجھے اکیلا چھوڑ دیں"۔ (جاری ہے.....)

سعدیہ عابد

قسط نمبر 16

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

اسے بستر پر لیٹے کئی ساعتیں گزر گئی تھیں، مگر نیند تھی کہ مہربان ہو کر نہیں دے رہی تھی، ایک اسی شخص کا خیال ذہن و دل پر دستک دیتا نیند کی راہیں مسدود کیے ہوئے تھا کہ اس کے ذہن کی اسکرین پر اس کا زخمی

چہرہ، لہولہو ہاتھ لہرانے لگے تھے، وہ بے قراری سے اٹھ بیٹھی تھی۔ اس کی برتھ ڈے کی شام اس کا بے دھیانی سے دیکھنا بھی جیسے کمال کر گیا تھا اس کی احترام دیتیں نگاہیں اس کے دل میں اتر گئی تھیں، اس کا نرم خوبصورت سنجیدہ لہجہ دل کی سرزمین پر محبت کاشت کر گیا تھا، اس کے بعد اس نے اسے بارہا سوچا تھا، اس کے عکس سے محو گفتگو رہی تھی اور آج کا اس کا ٹکرانا تو اس کا دل سینے میں پھڑ پھڑا کر رہ گیا تھا کہ اسے تکلیف میں دیکھ کر اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں، دل رونے لگا تھا، ذہن و دل سے صدا بلند ہوئی تھی کہ وہ اس شخص کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی، اس کو کھونے کا تصور ہی اس کے لیے سوہان روح ہوگا۔

''میرے پیارے اللہ جی! اس شخص کو صحت دے جو میری دھڑکنوں میں آن بسا ہے اور اس کے دل میں میری محبت ڈال کر اس شخص کو میرا نصیب بنا دے''۔ وہ مصلے پر بیٹھی زندگی میں پہلی دفعہ بہت دل سے کسی کی صحت یابی کی دعا کر رہی تھی اسے اپنے لیے آخری سانس تک کے لیے طلب کر رہی تھی، اس کی آنکھوں سے موتی گر رہے تھے، آغاز میں جذبوں کا یہ عالم تھا تو انتہا کہاں جا کر ہونی تھی؟ آنسو دوپٹے میں جذب کیے

اور بستر پر لیٹ گئی، بند آنکھوں کے پیچھے اس کا عکس لہرایا اس کے لب مسکائے اور اسے سوچتے سوچتے سو گئی تو خوابوں میں اسے ہمسفر بنالیا۔ کیا دعا مانگ لینے سے؟ خوابوں میں ساتھ چلنے سے؟ محبت مل جایا کرتی ہے؟ دل کا لکھا، دل کی چاہت، قدمت بن جایا کرتی ہے؟ وہ اس احساس سے ماورا ہوکر اپنے نئے جذبوں اور خوشنما احساسات میں مگن تھی کہ آغاز سفر میں حقیقت نہیں کھلتی، کھلنے بھی لگے تو ملن اور وصل کی خواہش آنکھیں چرا لینے پر مجبور کر دیتی ہے اور وہ بھی ہر دوسرے احساس سے ماورا ہوکر محبت کی وادیوں کا سفر کر رہی تھی۔ ان وادیوں کا سفر جو دیکھنے میں حسین مگر اتنی ہی سخت اور خار دار نکلتیں کہ وجود ہی نہیں روح و دل بھی پاش پاش ہو جائیں اور نہ جانے اس کے نصیب میں پاش پاش ہونا لکھا تھا یا محبت کی قبا میں سمٹ کر دو جہان پالیتا؟

☆............☆............☆

''فضیل! ارحم کو کیا ہوا ہے، وہ ٹھیک تو ہیں ناں؟'' وہ روم میں داخل ہوا تو وہ جائے نماز تہہ کر رہی تھی، آہٹ پر متوجہ ہوئی اور بے قراری سے اس کی طرف بڑھی اور وہ اس کا سرخ متورم چہرہ دیکھ کر اپنی ازلی سادگی سے بولا تھا۔

''وہ ٹھیک ہے، خدا کا شکر ہے اس نے ارحم کو کسی شدید قسم کے نقصان سے محفوظ رکھا ہے''۔ اس کا نرم لہجہ پھوار کی طرح تھا، اس کا جلتا وجود، شعلوں میں گھرا دل کچھ پرسکون ہوا تھا۔

''تھینک گاڈ! کہ وہ ٹھیک ہیں، ورنہ میں تو بہت بری طرح ڈر گئی تھی، انہیں کچھ ہو نہ جائے''۔ یہ خیال بھی سوہان روح تھا۔ وہ اس کے چوڑے سینے پر سر ٹکائے بلکتے ہوئے کہہ رہی تھی اور وہ ہوا میں معلق رہ گیا تھا۔ اس کے لہجے کی تڑپ، اس کا بلکنا اس کے ذہن میں کئی خدشات و سوال ابھار گیا تھا۔

''ڈونٹ وری زرمین! کہا ناں وہ ٹھیک ہے، تمہیں میری بات پر یقین نہیں آ رہا تو ہم ابھی الحسن ہاؤس چلتے ہیں، تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا اور اس کی خیریت بھی پوچھ لینا''۔ وہ ذہنی کشمکش کے برعکس نرمی سے تسلی دیتے لہجے میں بولا تھا اور اسے خود سے الگ کیا تھا اور اس کے تمام احساسات جاگ اٹھے تھے وہ بڑی تیزی سے چار قدم پیچھے لے گئی تھی وہ اسے دیکھ رہا تھا جس کی سرخ نم آنکھوں میں عجب سا تاثر تھا، اپنی بے اختیاری پر شرمندگی، ڈر... وہ یکدم ہی نظر چرا گئی تھی اور اسے شادی کی شب کا اس کا گھبرایا، خوفزدہ سا روپ یاد آنے لگا تھا اور اس کی باتیں۔

''شادی اتنی ارجنٹلی ہوئی کہ میں خود کو نئے رشتے کے لیے راضی نہ کر سکی''۔ کانوں میں اگر اس کی کہی باتوں کی گونج تھی تو آنکھیں اس کے سرخ چہرے پر جمی تھیں، وہ لرزتے ہاتھوں سے اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

''زرمین اب تک خود کو ہمارے رشتے کے لیے راضی نہ کر سکی تو صرف اس لیے کہ اسے مجھ سے محبت ہو ہی نہیں سکتی کہ یہ تو محبت کر چکی''۔ یہ احساس کتنا اذیت ناک تھا اس کو اپنی رگیں کٹتی محسوس ہو رہی تھیں، سانسیں لینا دشوار ہو رہا تھا اس کی آنکھوں میں لہو اترنے لگا تھا، وہ وہاں سے اس کے سامنے سے فی الوقت ہٹ جانا چاہتا تھا، اسی لیے پلٹا تھا کہ دھڑام کی آواز پر واپس رخ موڑا اور لمحہ ضائع کیے بنا اس تک پہنچا جو اپنے اعصاب پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈال چکی تھی اور اب بے سدھ کارپٹ پر گری تھی وہ اس تک پہنچا اسے پریشانی سے بستر پر منتقل کیا اور ہوش میں لانے کی تدبیر کی۔

''فضیل! آئی ایم سوری، میں آپ کو دھوکا نہیں دینا چاہتی تھی، مگر میں قسمت کے آگے مجبور، بے بس ہوگئی تھی''۔ وہ نیم بے ہوشی میں بڑبڑائی تھی، اس نے لب بھینچتے ہوئے اس کی سرد پیشانی سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''میں اس کے لیے شاید تمہیں کبھی معاف نہ کر پاؤں''۔ اس کے آزردہ متورم چہرے کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا اور ڈاکٹر کو کال ملانے لگا۔

☆............☆............☆

''مما کی جان! کچھ کہو تو بات کیا ہے؟ کیوں اتنے مضطرب ہو؟'' وہ ماں کی آواز پر چونکا اور اس کی سرخ آنکھیں انہیں تڑپا گئی تھیں۔

''زندگی میں کچھ موڑ ایسے آتے ہیں کہ انسان ایسے فیصلے لینے پر مجبور ہو جاتا ہے جن کا تصور بھی نہیں کیا ہوتا''۔ اسے لگا تھا کہ اس کی ماں اس کی کسی تکلیف سے انجان نہیں۔

''حنین کے لیے تمہارے جذبات سے آگاہ ہوں اسی لیے نہیں چاہتی تھی کہ بھائی صاحب حنین اور تمہاری شادی کی بات کریں، مگر انہوں نے ایسا بہت مجبور ہو کر کیا ہے اپنے ماموں جان کی بات رکھ لو''۔ فریدہ کا لہجہ شیریں و سنجیدہ تھا۔

''پلیز مما! خدارا چپ کر جائیں، اس کے لیے اپنے احترام و جذبات کے مطالب نہیں بدل سکتا، آپ سب کیوں مجھے برزخ میں اتار دینا چاہتے ہیں؟'' وہ چیخ پڑا تھا۔

''تمہارے جذبات کچھ بھی رہے ہوں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ حنین سے شرعاً تمہارا نکاح جائز ہے''۔ بھتیجی کی محبت میں وہ بیٹے کو نظر انداز کر گئی تھیں اور وہ مٹھیاں بھینچے اپنا ضبط آزما رہا تھا، بیٹے کی سرخ رنگت، بھڑکتی رگیں دیکھ کر انہیں شرمندگی کا احساس ہوا تھا کہ وہ سب اس کے لیے اسے مجبور کر رہے تھے جس کے لیے وہ خود راضی نہ تھے اور اسی وقت ارحم کا سیل بجنے لگا نہ چار انہوں نے ہی اٹھایا تھا، نوید عالم نے جو کچھ کہا تھا اسے سن کر ان کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی تھی اور یہی کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا، اس نے پریشانی سے گھڑی کی جانب دیکھا تھا جو 4 بجا رہی تھی۔

''آپ فکر مند نہ ہوں، حنین کو کچھ نہیں ہوگا''۔ وہ اپنی حالت بھلائے باہر کی طرف دوڑا تھا کہ یہ بات پریشان کن تھی کہ حنین اب تک گھر نہیں پہنچی تھی، اس وقت وہ یہ بھی فراموش کر گیا تھا کہ رات کو ہی نہیں کچھ دیر پہلے بھی اس نے برتھ ڈے وش کرنے کو فون کیا تو اس نے کال تک ریسیو نہیں کی تھی اور نہ ہی اس کی خراب طبیعت کا سن کر حال احوال دریافت کیا تھا کہ نوید عالم کے فیصلے نے اسے حنین سے خائف کر ڈالا تھا جبکہ اس کا کوئی قصور بھی نہ تھا۔

☆............☆............☆

''آ... آپ...!'' گاڑی رکی تھی اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی ڈرائیور گاڑی سے اترا تھا اور بیک ڈور کھول کر جو شخص اس کے برابر آن بیٹھا تھا اسے دیکھ کر تو اسے خوف سے اپنے دل بند ہوتا محسوس ہونے لگا تھا جبکہ وہ اس کے حسین چہرے کو تکتا دوٹوک انداز میں بلا توقف کے بول اٹھا تھا۔

''حنین عالم! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور شادی کرنا چاہتا ہوں''۔ اس کی آنکھیں حیرت و استعجاب سے پھیل گئی تھیں۔

”ایسے مت دیکھو! ورنہ میں خود پر اختیار کھو دوں گا“۔ وہ اس کے بہت نزدیک موجود اسی کو تک رہی تھی اس کے جذبات بھڑکا گئی تھی اس کا بہکا بہکا انداز اس کے وجود میں سنسنی سی دوڑا گیا تھا اس نے گردن موڑی اور ڈر دادپن کرنا چاہا مگر اس نے اس کے بینڈ تیج ہوئے ہاتھ پر اپنا مردانہ ہاتھ رکھ دیا۔

”پ... پلیز! مجھے جانے دیں“۔ کتنے ہی خدشات ذہن و دل میں ابھرے تو وہ بے بسی سے سسک اٹھی۔

”میں تمہیں نہ خوفزدہ کرنا چاہتا ہوں نہ خود سے بدگمان، اس لیے میری ہر بات غور سے سن لو کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں“۔ اس کی آنکھوں میں خوف و بے اعتباری دیکھ کر دھیمے سے بولا تھا جبکہ وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی اور وہ بھی یکدم ہی اشتعال میں آ گیا تھا۔

”یوں گاڑی روک کر آج صرف یہ باور کروانے کو ملا ہوں کہ تمہارے تایا نے اگر تمہاری شادی مجھ سے نہیں کی تو میں زبردستی تمہیں کورٹ تک لے جاؤں گا اور یہ بات اب تم نے سمجھ کر اپنے گھر والوں کو سمجھانی ہے کہ یہ یاد رکھنا حنین عالم! کہ میں کچھ بھی کر سکتا ہوں، مطلب کچھ بھی...!“ وہ اس کا بازو گرفت میں لیے نہایت سختی سے بولا تھا۔

”آپ کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ مجھے آپ سے شادی کرنی ہی نہیں ہے“۔ وہ اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹاتی چیخی تھی اور پھر دروازہ کھولنا چاہا تھا۔

”مجھے چیلنج مت کرنا حنین عالم! تم مجھے جانتی نہیں ہو کہ اب تک تمہاری بدتمیزیاں تمہاری محبت میں برداشت کرتا رہا، یہاں تک کہ تھپڑ بھی بھول گیا ورنہ کسی میں اتنی طاقت نہیں کہ میرے سامنے ٹھہر سکے“۔ بازو واپسے کھینچا تھا وہ ایک جھٹکے سے اس کے سینے سے آ لگی تھی، اس کی آنکھوں میں سراسیمگی سی اتری تھی، مگر وہ اس کی دگرگوں حالت کو بھی نظر انداز کر گیا۔

”تمہارے سامنے کم بخت دل کیا جھکا میں پوری ذات سے تمہارا غلام بن گیا، تمہارے عشق میں پاگل ہو رہا ہوں اور میرے پاگل پن کو تمہارا گریز کس قدر بڑھا دیتا ہے یہ تمہیں اندازہ نہیں، اپنے اور میرے لیے خسارے نہ چنو حنین عالم! اور اس عشق کے غلام کی غلامی اختیار کر لو کہ میں نہیں چاہتا کہ میں عشق کے ہاتھوں کچھ غلط کر بیٹھوں“۔ وہ اس کے حصار میں مچلی تھی اور اس نے جذبات کی رو میں بہکتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

”بچی نہیں ہو کہ اب اس سے زیادہ کچھ سمجھاؤں امید ہے کہ تم اپنے گھر والوں کو منا لو گی کہ تم نہ کر سکیں ایسا تو میرے لیے کچھ مشکل نہیں“۔ اس نے ایک نظر اس کے لرزتے وجود اور کانپتے لبوں پر ڈالی اور گاڑی سے اتر کر لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا اور اسی وقت وہاں ارحم کی گاڑی رکی تھی اور وہ ارحم کے سینے سے لگی یوں روئی تھی کہ ارحم کو اپنا لہو پانی ہوتا محسوس ہونے لگا تھا، مگر وہ اسے چپ کروانے کی ہمت خود میں نہیں پا رہا تھا کہ اس نے ماہ کنعان کی گاڑی دیکھی تھی اس کی دگرگوں حالت اس کے سامنے تھی اور وہ ایک ایسا فیصلہ لے گیا تھا جس نے اس کی روح جسم سے کھینچ ڈالی تھی۔

☆..........☆..........☆

نوید عالم کے کہنے پر قاضی صاحب نے ایجاب و قبول کے لیے تمہید باندھی ہی تھی کہ کوئی آندھی طوفان کی طرح وہاں داخل ہوا تھا اسے دیکھ کر نا گواری و خوف کے ملے جلے تاثرات وہاں موجود لوگوں کے چہرے

پر ظاہر ہونے لگے تھے۔

”یہ کیا حرکت ہے ماہ کنعان عابدی! ریوالور نیچے کر لو“۔ اس نے غصے سے ریوالور نوید عالم کی کنپٹی پر رکھی تھی تو وہ غصے سے چیخ اٹھا تھا اور اس نے بھی لمحہ ضائع کیے بناء اپنا گھونگھٹ الٹ دیا تھا اور پستول دیکھ کر اس کی جان ہوا ہونے لگی تھی جبکہ اس پر بے اختیاری سی اتری تھی کہ سرخ جوڑے میں لائٹ میک اپ سونے کا بھاری زیور اور سرخ انگارہ لب اسٹک لگائے وہ اسے بے خود کر گئی تھی اور اسی کا فائدہ اٹھا کر اس نے ریوالور اس کے ہاتھوں سے جھپٹ لی تھی۔

”اس میں چھ گولیاں ہیں چھ کی چھ میرے سینے میں اتار دو ارحم الحسن! کہ آج میں یہاں سے زندہ گیا تو حنین عالم کو اپنے نام کروا کر ہی جاؤں گا کہ اسے میرا بننے سے صرف میری موت روک سکتی ہے“۔ ارحم الحسن نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کیا کیا وہ تو سینہ تان کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ ارحم نے اس کی جذبے لٹاتیں سیاہ آنکھوں میں دیکھا تھا اور اس کا ہاتھ بے ساختہ نیچے ہو گیا تھا کہ اس شخص کی آنکھوں میں اسے سچائی نظر آئی تھی اسی لیے اس نے اس کی حمایت کی تھی، مگر نوید عالم نے اس کی نہیں سنی تھی اور اسے اس نہج پر لے گئے تھے جہاں اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا، اس کی شکستگی سی محسوس کرتے ہوئے ماہ کنعان نے اس کے ہاتھ سے ریوالور جھپٹی اور اس پر نگاہ جمائے خاموش تماشائی بنے فیصل نے فاصلہ طے کیا مگر اتنی دیر ہوئی تھی کہ گولی اس کے سینے پر نہیں اس کے کاندھے کے پار ہو گئی تھی، فیصل تو اس کی رگ رگ سے واقف تھا اس کے چہرے سے ہی اس کا اگلا قدم سمجھ گیا تھا اور اس کی مداخلت ہی تھی کہ گولی اس کے سینے کے پار نہ ہوئی تھی۔

”پاگل ہو گیا ہے؟“ کتنی ہی چیخیں گولی کی آواز کے ساتھ بلند ہوئی تھیں اور وہ تڑپ کر اس کے نزدیک پہنچا تھا مگر وہ فاصلے پر ہو گیا تھا۔

”ہاں تیری محبت اور اس لڑکی کے عشق میں پاگل ہو گیا ہوں“۔ وہ چیخا تھا، وہ سب بے بسی و حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے۔

”تُو مجھے کیسے اتنا بڑا دھوکا دے سکتا ہے فیصل! کیسے تُو میری محبت کو مجھ سے دور کرنے کے لیے سجائی محفل میں شریک ہو گیا؟ کیسے تُو نے مجھے لاعلم رکھا؟ اب تک میں دھیرج و صبر دکھاتا رہا، اپنی طاقت کا زور نہیں دکھایا تو صرف اس لیے کہ اسے تُو نے اپنی بہن کہا تھا، تیری محبت میں اپنی محبت سے دست بردار تک ہونے کو تیار تھا اور تُو نے کیا کیا، مجھے کچھ بتانا ضروری نہیں سمجھا، اگر میں اس وقت تیرے گھر نہ جاتا تو اس سب سے انجان رہتا، تُو نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ تیرے یار کی محبت تیری آنکھوں کے سامنے کسی اور کی بننے جا رہی تھی، یہی تھی تیری دوستی؟“ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اس کے کاندھے سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔

”مجھے تیرا خیال تھا لیکن مما کی قسم نے مجھے باندھ دیا کہ تُو میرے لیے مجھ سے زیادہ اہم ہے ماہ! لیکن مما سے زیادہ نہیں“۔ فیصل کو اس نے اب بھی اپنے قریب آنے نہیں دیا تھا تو وہ ضبط سے اس کی طرح تکلیف سے گزرتے ہوئے بھیگے لہجے میں بولا تھا۔

”فیصل ٹھیک کہہ رہا ہے کنعان! اسے کچھ بھی تمہیں بتانے سے میں نے منع کیا تھا اور اس نے میری بات مان تو لی مگر مجھ سے جب سے ہی ناراض ہے، اپنے دوست کی محبت پر شک نہ کرو اور یہ وقت گلے شکوے

کرنے کا نہیں ہے تمہارا بہت خون نکل رہا ہے، ہاسپٹل.....!'' مہوش خود کو سنبھالتیں اس تک آئی تھیں۔

''یہ بہت معمولی ہے میرے لیے کیونکہ جو میرے ساتھ ہونے جا رہا تھا یہ سب تو میری جان لے چلا تھا''۔ اس کی آنکھوں کا کرب فیصل کے دل میں اتر گیا تھا۔

''میں اس وقت یہاں سے جا رہا ہوں مگر یاد رکھیے گا حنین کو صرف میرا بننا ہے کہ اس کے عشق میں جان لے بھی سکتا ہوں اور دے بھی سکتا ہوں''۔ وہ فریدہ سے لگ کر کھڑی روتی ہوئی حنین پر ایک نظر ڈالتا نوید عالم کو بہت کچھ باور کراتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

''جتنا دکھ اس کے نکاح کی خبر سن کر نہیں ہوا تھا اتنا یہ سوچ کر ہوا تھا کہ تُو نے مجھے کچھ نہ بتایا، یار ہے تُو میرا، اور تُو ہی میرے خلاف جا کر پرایوں میں جا ملا''۔ اس کا خون بہت بہہ گیا تھا کچھ دیر قبل ہی وہ اسے گھر لے کر آیا تھا اور اس کے ایکسکیوز کرنے پر کہتا چلا گیا تھا۔

''وہ پرائے نہیں میرے اپنے تھے کنعان! اور ان کے روٹھ جانے کا ڈر تھا تو دل کو یہ تسلی تھی کہ جب تجھے میری مجبوری پتہ چلے گی تو تُو اپنے یار کو معاف کر دے گا''۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''مگر آج جو تُو نے اپنے ساتھ کیا اس کے لیے میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گا، خود پر گولی چلا دی، کچھ ہو جاتا تجھے تو....؟'' وہ یکدم آزردگی سے ہنس دیا۔

''وہ سب تیرے اپنے تھے اس لیے وہاں موجود کسی بھی شخص کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا''۔

''پھر خود کو کیسے پہنچا گیا، جانتا ہے ناں تجھے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا''۔ وہ اسے ڈانٹ رہا تھا۔

''دل میں بسنے والے دونوں ہی اجنبی بنے تھے تو اپنے دل کو کیوں دھڑکنے کے لیے چھوڑتا وہ تو تُو نے بروقت مداخلت کر دی ورنہ ابھی بیٹھا میرا قل پڑھ رہا ہوتا''۔ شکستگی سے ہنسا تھا۔

''بکواس نہ کر، آدھی جان تیری حرکتوں نے نکال دی، اب باقی جان کیا لفظوں کی مار سے نکال دے گا؟'' وہ اشتعال سے بولا تھا۔

''آئی ایم سوری فیصل! مگر اس کا کسی اور کا بن جانے کا خیال ہی میرے لیے سوہانِ روح ہے جبکہ تُو جانتا ہے ناں کہ اس دن وہ ٹائی صرف اس لیے لینا چاہی تھی کہ مجھے گوارہ نہ تھا کہ اس کی نگاہ کا لمس جس میں بسا تھا وہ کسی اور کے گلے میں سج جاتی، اسی لیے میں اتنا اوور ری ایکٹ کر گیا، اس کو کھونے کے ڈر سے ہی اس کے ڈرائیور کو دھمکا کر اس سے زبردستی ملاقات کی، کیوں کسی کو میرے جذبے نظر نہیں آ رہے؟ کیوں حنین کے دل تک میری محبت نہیں پہنچ رہی؟ کیوں میرا کوئی بھی عمل حنین کے دل کے دروازے میرے لیے نہیں کھول رہا؟ میں اس کے لیے جان دینے چلا تھا اور اس کی نگاہ میں میرے لیے ترحم تک نہ تھا، وہ کیوں میرے لیے اتنی بے حس ہو گئی ہے؟'' وہ جذبوں کے زیر اثر آنکھوں میں حزن و ملال لیے بول رہا تھا اور آج وہ آگے سے کچھ نہیں بولا تھا کہ محبت تو احساس ہے جو خود یہ خود دل کی سرزمین پر جنم لیتا ہے اس کے دل کی دھرتی محبت سے نم ہو گئی تھی اس کے دل کی کھیتی اب تک سوکھی تھی تو کوئی کیا کرتا کہ محبت جبراً تو نہیں کروائی جا سکتی؟

☆..........☆..........☆

فیصل آج کل نہایت اذیت میں تھا کہ اس سے یہ بات برداشت نہیں ہو رہی تھی کہ اس کی محبت اس کی بیوی کے ذہن و دل پر کسی اور کا بسیرا تھا اور وہ کسی اور کوئی نہیں اس کا جگری یار اس کی محبتوں کا امین ارحم احسن تھا

وہ ایسے نقصان سے دوچار تھا کہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا اور اسی تڑپ سے گزرتے ہوئے وہ ایک سخت فیصلہ لے گیا تھا اور زرمین کو جیسے ہی اس کے فیصلے سے آگاہی ملی تھی وہ تڑپ اٹھی تھی، اس پیارے سے شخص سے دور جانے کا خیال ہی اس کے لیے سوہانِ روح تھا کہ وہ اپنی سادگی، نیک فطرت اور محبت کے ساتھ اس کے دل میں اتر گیا تھا اور وہ اس سے اپنے جذبات بانٹنے کا سوچ رہی تھی کہ وہ خود ساختہ فاصلوں میں جدائیاں لا رہا تھا۔

''فیصل...! آپ پلیز کہیں نہ جائیں''۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی وہ موقع نہیں دے رہا تھا کچھ گھنٹوں بعد اس کی فلائٹ تھی اور وہ ناراض ماں کو منا کر کمرے سے نکلا تھا کہ وہ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی جس سے بچنے کو وہ گھر میں ہی مشکل سے کچھ گھنٹے رہ رہا تھا۔

''میں باہر جا کر ڈائیورس پیپر بھیج دوں گا''۔ وہ اس کو جانے سے روک رہی تھی اور وہ اسے اپنی زندگی سے ہی نکال دینا چاہتا تھا۔

''کیوں کر رہے ہیں ایسا فیصل؟'' وہ تڑپ اٹھی تھی اور وہ اس کی تڑپ پر تڑپ اٹھا تھا۔

''تم مجھے اگر پہلے سب بتا دیتیں تو یوں جبراً میرے ساتھ رہنا نہ پڑتا، خیر دیر تو اب بھی نہیں ہوئی ہے''۔ اس کے ذہن میں نہ جانے کیا چل رہا تھا کہ ضبط سے کہہ اٹھا تھا۔

''لیکن مجھے افسوس رہے گا کہ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا، مجھے دھوکا دیا، میرے جذبات کی توہین کی''۔ اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

''فیصل! میں نے تو آپ سے سچ، جھوٹ کچھ کہا ہی نہیں''۔ مہربان سے شخص کی سنگدلی پر وہ سسک اٹھی تھی۔

''یہی میرے لیے زیادہ اذیت ناک ہے، تمہارا خاموشی میں لپٹا دھوکا و جھوٹ میری رگیں کاٹ گیا ہے زرمین! کہ باخدا تم مجھے اپنے دل کی ہر بات بتاتیں تو میں ظرف کا مظاہرہ کرتا''۔ وہ جان کر اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا کہ اس چہرے پر وہ اداسی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں، میں تمہاری چوائس نہیں ہوں اور تمہیں اپنی چوائس کے شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا پورا حق حاصل ہے اسی لیے میں اپنے حق سے دستبردار ہو جاؤں گا کیونکہ زبردستی تمہیں اپنے ساتھ باندھنا ہوتا تو آج ہمارے درمیان اتنے فاصلے نہ ہوتے، ہم آج بھی اجنبی نہ ہوتے''۔ اس نے نظر اٹھائی تھی آنسوؤں سے بھیگے دھواں دھواں ہوتے متورم چہرے پر ڈالی تھی اس کی چمکتی مانگ پر اس کی نگاہ ٹھہری تھی دل تھم گیا تھا، مگر وہ دل کی آواز و خواہش دل ہی میں دباتا اس کو روتا چھوڑ کر گھر سے ہی نہیں ملک سے ہی باہر چلا گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

ذوالفقار عابدی کو جیسے ہی بیٹے کے کارنامے کا پتہ چلا تھا وہ ناچار اس کی شادی حنین سے کرنے کو راضی ہو گئے تھے مگر ماہ لقا کو انہوں نے بڑی مشکل سے راضی کیا تھا کیونکہ کنعان ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس نے جس طرح خود کو گولی مارنے سے گریز نہ کیا تھا وہ حقیقتاً پریشان ہو گئے تھے کہ اس کی ضدی و حاکمیت پسندی سے واقف تھے، ان کے دونوں بچوں کی تربیت و پرورش ان کی اسٹیپ مدر زرینہ عابدی نے کی تھی جو صوم و صلوٰۃ کی پابند و حافظ قرآن تھیں وہ دونوں بچپن سے اپنی سگی دادی سے زیادہ زرینہ عابدی کے قریب رہے تھے اور ان کی تربیت و پرورش ہی تھی کہ ماہ لاج اور ماہ کنعان برائیوں کے درمیان رہ کر بھی اچھے رہے تھے ان میں

ڈھل نہ سکے تھے کہ اچھی تربیت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

☆..........☆..........☆

''ارحم بھیا! میری کوئی بھی نہیں سن رہا''۔ وہ کاؤچ پر اداس سی بیٹھی تھی۔

''تمہاری کوئی نہیں سن رہا تو تم سب کی سن لو''۔ وہ اس کا نفس آشنا تھا چند لفظوں سے ہی اس کا سارا موقف سمجھ گیا تھا اس لیے نرمی سے بولا تھا کہ جو فیصلہ لیا گیا تھا اس پر اسی نے اسے راضی کرنا تھا۔

''دس از ناٹ فیئر ارحم بھیا! آپ سب لوگ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں، مجھے یہ تک نہیں بتایا کہ میرا نکاح کس سے ہو رہا ہے اور زبردستی دلہن بنا دیا اور اب میری شادی فیصل بھیا کے دوست کے ساتھ کی جا رہی ہے''۔ اس کے آنسو گرنے لگے تھے اس نے نگاہ چرالی تھی کہ اگر وہ انجان رہی تھی تو اسے ساری زندگی انجان رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا تاکہ وہ اس کی طرح تکلیف سے نہ گزرے۔ ارحم سے نکاح کا اس سے چھپایا گیا تھا کنعان سے شادی کی بات چلی تو وہ اس سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتے تھے کہ ماہ کنعان کے پیرنٹس اس کا پرپوزل لے کر آئے تھے اور اس لیے وہ اس کا دماغ کھانے پہنچ گئی تھی کہ کنعان سے شادی کا خیال ہی اس کے لیے سوہانِ روح تھا۔

''ابھی صرف نکاح ہو رہا ہے اور حنین! زیادہ سوچنے یا الجھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم تمہارے لیے کوئی غلط فیصلہ نہیں لیں گے''۔ وہ نرمی سے بولا تھا۔

''اور غلط فیصلہ کیسا ہوتا ہے ارحم بھیا!'' وہ خفگی سے کہتی اسے چونکا گئی۔

''وہ بالکل بھی اچھے انسان نہیں ہیں اور آپ لوگوں نے ایک خراب انسان کو میرے لیے چوز کر لیا ہے پھر بھی کہتے ہیں کہ غلط فیصلہ نہیں لیں گے، جبکہ آپ سب جانتے ہیں، جانتے ہیں آپ وہ کتنے برے انسان ہیں، مجھے برے لگتے ہیں، ان سے خوف آتا ہے مجھے''۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔

''کنعان کا اب تک تمہارے سامنے صرف منفی کردار و عمل سامنے آیا ہے اس لیے تم اسے غلط ماننے میں حق بجانب ہو''۔ اس کو پلکیں جھپکاتے دیکھ کر وہ نہایت نرمی سے کہنے لگا تھا۔

''لیکن سچائی سے مجموعی جائزہ لیا جائے تو وہ برا انسان نہیں ہے، اسی لیے ہم نے ان کے پرپوزل کو تمہارے لیے قبول کر لیا ہے کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے، تم خوش رہو گی اس کے ساتھ''۔ وہ قائل کر لینے کے لیے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بہت طریقے سے ایک ایک لفظ بہت سوچ سمجھ کر بول رہا تھا۔

''آپ سمجھ کیوں نہیں رہے کہ مجھے ان سے شادی نہیں کرنی، وہ مجھے نہیں پسند''۔ وہ جھنجلا کر بولی تھی وہ اس کو دیکھنے لگا اس کا حسین چہرہ غصے سے دہکنے لگا تھا اور اس کے چہرے پر ماہ کنعان کے لیے واضح ناپسندیدگی پھیلی تھی، مگر ان سب کی مجبوری یہ تھی کہ وہ اس کی پسند کا خیال نہیں کر سکتے تھے کہ ماہ کنعان نے ان سب کو بے بس کر دیا تھا یہ اور بات تھی کہ نوید عالم ہی نہیں اس نے بھی ہر طرح سے تسلی کے بعد ہی پرپوزل ایکسپٹ کیا تھا مگر اس کا صاف انکار وہ ہارنے لگا تھا مگر بے بس تھا اس لیے اس نے کچھ سوچ کر پینترا بدلا تھا۔

''وہ شخص نہیں پسند تو صرف اس لیے شادی کر لو کہ میں ایسا چاہتا ہوں''۔ اسے اس کے مان جانے کی امید تھی کہ اس کی بات نے اسے رونا ہی بھلا دیا تھا وہ بے یقینی و ناسمجھی سے اس کے چہرے کو تکنے لگی تھی۔

''جب میں خوش نہیں ہوں گی تب آپ کو پتہ لگے گا کہ آپ نے اپنی خاطر مجھ سے کتنا غلط فیصلہ کروایا ہے''۔ وہ اٹھی اور اس کے کمرے سے نکل گئی جبکہ وہ ساکت بیٹھا رہ گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

ساڑھی میں مائدہ بے حد حسین لگ رہی تھی، اسجد کی نگاہ ٹھٹک گئی تھی، مگر دوسرے ہی پل وہ نگاہ کا زاویہ بدلتا گاڑی میں بیٹھ گیا تو اسے بھی اس کی تقلید کرنی پڑی تھی۔

''یہ شخص کبھی میرا نہیں ہو سکتا، میں اس کی صرف لمحاتی توجہ حاصل کر سکتی ہوں، کبھی دل میں جگہ نہیں بنا سکتی''۔ مائدہ کم مائیگی کے احساس میں ڈوبی سوچ رہی تھی کہ وہ پچھلے کچھ دنوں سے اس کی نگاہ کا ٹھٹکنا، ٹھٹک کر ٹھہرنا اور پھر پلٹ جانا محسوس کر رہی تھی مگر جب وہ کوئی پیش رفت کرنے کو تیار نہ تھا تو وہ تو مر کر بھی پہل نہیں کر سکتی تھی، اس کا دل آندھیوں کی زد پر تھا مگر وہ بھرم رکھنے کو سر محفل مسکراتی پھر رہی تھی۔

☆..........☆..........☆

ماہ کنعان کی نگاہ اٹھی تھی اور ٹھہر گئی تھی، وہ دشمن جاں سیاہ انارکلی فراک اور چوڑی دار پاجامے میں سلور ستاروں سے بھرا سیاہ آنچل سر پر ڈالے، نہایت نفیس سینڈل اور ماہر ہاتھوں سے ہوئے میک اپ اور جیولری پہنے اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ ہر نگاہ اس پر ٹھہر ٹھہر جا رہی تھی اور وہ تو وہ تھا جو پہلی ہی نظر میں گھائل ہو گیا تھا، اس کی خواہش کے مطابق آج ان کا نکاح بڑی سادگی سے چند رشتے داروں کی موجودگی میں ہو گیا تھا اور وہ روایتی دلہنوں کی طرح صرف اس کی خواہش کے سبب تیار نہ ہوئی تھی کہ سیاہ رنگ کے لباس پر سب معترض تھے مگر اس نے کسی کے بھی اعتراض کو اہمیت نہ دی تھی اس کے تن پر سجی ایک ایک چیز اس کی پسند کی تھی اور اسے اپنی پسند پر رشک آنے لگا تھا، زرمین نے اسے اس کے پہلو میں بٹھایا تھا، اس نے ایک دفعہ بھی اس کی طرف دیکھنے کی کوشش نہ کی تھی اور اس کے برابر بیٹھی باقاعدہ لرز رہی تھی اور اس کے عنابی لبوں پر مسکان سج گئی تھی، اور جیسے ہی اس کی نگاہ اس کے موی حنائی پیروں پر پڑی تھی اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی اور وہ کھڑا ہو گیا تھا اس کے یکدم کھڑے ہو جانے پر سب ہی سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے تھے کہ وہ اسٹیج پر اس کے قدموں کے پاس ہی ایک پیر اور دوسرے گھٹنے کے بل بیٹھا تھا اس کی اس حرکت پر کتنی ہی نگاہیں ساکت ہوئی تھیں، حیرت و استعجاب سے پھیل گئی تھیں اور وہ بھی بالآخر اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی اور اس نے ایک دلفریب مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی اور وائٹ گولڈ کی نہایت بیش قیمت پازیب اس کے پیروں میں سجا دی اس کے احساسات بہت عجیب سے ہو گئے تو وہ لب کچلتی نگاہ چرا گئی تھی۔

خود اسے نہیں پتہ تھا کہ وہ کبھی یوں کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر اسے کوئی تحفہ اتنے خوبصورت رومینٹک انداز میں دے گا، مگر اس کا سچا، محبت لٹاتا انداز ساجدہ کے بے چین دل کو کچھ سکون دے گیا تھا کہ جو ہوا تھا اس سب میں ان کی مجبوری کا ہاتھ تھا اس لیے بے کلی و بے اطمینانی کنڈلی مارے بیٹھی تھی، وہ اس کو مسکرا کر دیکھتا کھڑا ہوا تھا اور اس کے پہلو میں ٹک گیا تھا۔

''میری طرف سے تمہارے لیے یہ پہلا تحفہ ہے اور جب تم ہجر زدہ سالوں کے بعد رخصت ہو کر میری سونی زندگی کو اپنے وجود سے مہکانے آؤ گی تب میں تمہیں اپنا آپ گفٹ کر دوں گا''۔ وہ سرگوشی کے سے انداز میں گمبھیر لہجے میں بولا تھا اس کی پلکیں لرزنے لگی تھیں، اور وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوتا کچھ اور ہی سوچنے لگا تھا۔

(جاری ہے......)

☆..........☆..........☆

سعدیہ عابد

قسط نمبر 17

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

"کیوں آئے ہیں اب یہاں، جائیے یہاں سے، نہیں کرنی مجھے آپ سے کوئی بات"۔ تیسری دستک پر بھی کوئی آواز تک نہ آئی تو وہ دروازہ دھکیلتا بناء اجازت کے ہی کمرے میں داخل ہو گیا، وہ دشمن جاں بستر پر تکیے میں منہ دیئے لیٹی تھی، وہ کچھ کہتا، اپنی آمد ظاہر کرتا کہ وہ اسی پوزیشن میں لیٹے لیٹے ہی بولی تو وہ حد درجے چونک گیا تھا۔

"آج جو کچھ ہوا اس کے لیے میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی، آپ نے مجھے خود سے محبت کرنے کی بہت کڑی سزا دی ہے ارحم!" اس نے دستک کو ان سنا کر دیا تھا، مگر کمرے میں پھیلتی مخصوص کلون کی مہک وہ تکیے سے منہ نکالے بغیر کہنے لگی تھی، کہتے کہتے جیسے ہی تکیہ منہ سے ہٹایا باقی لفظ منہ میں ہی رہ گئے تھے اور وہ جو ارحم الحسن کو سمجھ کر بولنا شروع ہوئی تھی، ماہ کنعان کو دیکھا تو اس کی بولتی ہی بند ہو گئی، اور وہ بڑی سرعت سے اٹھ بیٹھی۔

"آپ میرے کمرے میں کیا کر رہے ہیں؟" ناگواری سے بولی تھی اور دوپٹہ اٹھانے کو صوفے کی طرف بڑھی تھی کہ وہ اس کا بازو دبوچ گیا۔

"کچھ دیر قبل جو کچھ کہا اس میں کتنی سچائی ہے؟" وہ کڑے تیوروں سے استفسار کر رہا تھا اس کے تو خاک

بھی ہلے نہ پڑا البتہ اس کے تیوراسے سہا ضرور گئے۔

''جواب دو حنین عابدی! کہ کچھ دیر قبل تم کیا بکواس کررہی تھیں؟'' اس نے اس کی حالت کو نظر انداز کرتے ہوئے نئے حوالے پرزور ڈال کر مزید سختی سے پوچھا تھا کہ ان کے الفاظ ہی برے نہیں لگے تھے کمرے میں بکھریں ان کی محبت سے لیس چیزیں اپنی ناقدری پر روتیں اسے غصہ دلا گئی تھیں۔

''ہاتھ چھوڑیں میرا، میں نے بار بار آپ سے اپنا ہاتھ نہیں تڑوانا ہے''۔ وہ سہم کر سسکی تھی اور وہ اس کے بہتے آنسوؤں کے سبب دھیما پڑ گیا تھا، اور اسے دیکھنے لگا، حسین جگمگاتی سیاہ فراک میں اس کا چاندنی سا سراپا اس کی آنکھوں سے دل میں اترتا قربت کی جوت جگا گیا تھا، وہ اپنے اشتعال کو خیرباد کہے اس پر مہربان ہورہا تھا، مگر اس کی مہربانیاں اسے کہاں ہضم ہوسکتی تھیں، اس کا لمس اسے بے چین کرنے لگا اور کوئی راہ فرار نہ پاکر ہر مزاحمت کو اکارت جاتے دیکھ کر وہ دھواں دھار رونا شروع ہوئی تو جیسے وہ بھی عالم مدہوشی سے نکل آیا۔

''صرف ایک بات کا جواب دے دو کہ نکاح میں تمہاری مرضی شامل ہے یا نہیں؟'' اپنے وجود پر اس کی گرفت ڈھیلی پاکر اس نے اس سے بچنے کو واش روم کی طرف دوڑ لگانا چاہی تھی کہ وہ اس کی مرمریں کلائی تھام کر سنجیدگی کے لبادے میں لپٹا پوچھ گیا۔

''نہیں، کیوں کہ آپ کو میں سخت ناپسند کرتی ہوں، نکاح صرف ارحم بھیا کی بات کا مان رکھنے کے لیے کیا ہے''۔ وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے بولی جبکہ وہ ساکت رہ گیا تھا، وہ دوڑ کر واش روم میں بند ہوگئی تو اس کے وہاں ٹھہرنے کا ہر جواز ہی ختم ہوگیا تھا۔

☆............☆............☆

''فیصل! میں یہ بات برداشت نہیں کرپارہا کہ میری کوئی اہمیت نہیں ہے اس کی نگاہ میں، اور وہ ارحم... اس کے لیے اتنا اہم ہے کہ اس کی خاطر اس نے مجھ سے نکاح کرلیا ہے''۔ وہ کل رات سے ان دیکھی آگ میں جل رہا تھا، اور اپنی جلن اس سے نہ کہتا تو پھر کس سے کہتا؟

''جب تو میری خاطر اپنی محبت سے دستبرداری قبول کرنے کو تیار ہوسکتا ہے، کسی کے سامنے جھک کر معافی مانگنے کے لیے رضامند ہوسکتا ہے تو حنین کیوں اپنے دوست کا اپنی دوستی کا مان نہیں رکھے گی؟'' وہ اس کی آنکھوں میں ارحم کے لیے ناپسندیدگی محسوس کرچکا تھا اور اس وقت جو اس کی آنکھوں میں تھا اسے ختم کرنے کو ضروری تھا کہ وہ اس کے لیے کوئی راہ نہ چھوڑتا۔

''مطلب کیا ہے تیری بات کا؟'' الجھ کر ہر غصہ بھلا کر اسے دیکھا تھا۔

''مطلب صاف ہے مگر تو سچائی نہیں دیکھ سکتا کیونکہ تیری نگاہ پر تو شک کی پٹی بندھنے لگی ہے''۔ نہایت خفگی سے بولا تھا۔

''میں جانتا ہوں اسی شک کے کیڑے کے سبب تو نے اس دن شاپنگ مال میں سین کری ایٹ کیا تھا، مگر تم یہ مت بھولو کنعان! کہ ارحم بھائی اور حنین کے درمیان رشتہ داری ہے لیکن ان کی دوستی ہر رشتے سے بڑھ کر ہے تم فضول میں رشتوں کو داغدار نہ کرو کہ اپنے شک کے چلتے تم ان کی محبت کو محض غلط معنی ہی پہنا سکتے ہو اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتے''۔ ماہ کنعان کی باتیں، اس کا عمل فیصل کو لمحے لمحے میں ہائپر کردیتا تھا۔

''شک نہیں کررہا مگر میں اس کے لیے بہت پوزیسیو ہوں، اس کو ہوا بھی چھولے تو مجھے برا لگتا ہے تو ارحم تو پھر جیتا جاگتا وجود ہے''۔ وہ بے بسی سے کہہ اٹھا تھا۔

''اتنی شدت پسندی اچھی نہیں ہے کنعان! اپنے اندر کچھ توازن لاؤ، اور میری ایک بات یاد رکھنا کہ جو تم سوچنے لگے ہو وہ غلط ہے، رشتوں میں، جذبات میں دراڑ آ جائے، اس سے قبل ہی تم کچھ عقل سے کام لو کیونکہ عقل سے کام لوگے تب ہی سمجھ آئے گا کہ ویسا کچھ نہیں ہے جیسا تم سوچ رہے ہو کہ جیسے ماہ کنعان اور فیصل ایک دوستی کا نام ہیں اسی طرح حنین اور ارحم بھی دوستی کی سیپ میں بند سچے دوست ہیں اور دوستوں پر شک کیا، بعد میں شک غلط ثابت ہوگیا تو تم بہت پچھتاؤ گے، اس لیے ابھی ہی آنکھیں کھول لو''۔ وہ لفظ لفظ پر زور دیتا، نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتا اس کے لیے سوچوں کے کئی در کھولتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☆............☆............☆

''فیصل! آپ سو جائیں، میں نے ابھی اسائنمنٹ بنانا ہے''۔ وہ مصروف سے انداز میں کہتی اسے غصہ ہی تو دلا گئی تھی۔

''دن بھر کیا کرتی رہتی ہو، پڑھنے کا، اسائنمنٹ بنانے کا خیال تمہیں رات گئے ہی کیوں آتا ہے؟'' وہ کڑے تیوروں سے پوچھتا اسے گڑبڑانے پر مجبور کر گیا تھا۔

''زرمین بھابی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لیے میں کچن میں مما کے ساتھ مصروف تھی''۔ صفائی دی تھی۔

''یہ تو آج کی بات ہے ناں، لیکن تمہارا تو روز کا ہی یہ مسئلہ ہے، یہ مت بھولو کہ تمہاری شرطیں مان رہا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میری نرمی سے فائدہ اٹھانا شروع کردو''۔ وہ تیکھے انداز میں بولا تھا کہ وہ زیادہ تر تو میکے میں رہتی تھی اور گھر پر ہوتی تو صرف وہ ہوتی تھی اور اس کی کتابیں کہ اس سے بدلہ لینے اسے تنگ کرنے کے لیے وہ جان کر اس کے آفس سے آنے اور خاص کر رات گئے پڑھائی کرتی تھی۔ مگر وہ یہ سب کافی عرصے برداشت کرنے کے بعد آج پھٹ پڑا تھا تو اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ اتنا بے وقوف نہیں تھا جتنا اس نے سمجھ لیا تھا۔

''آئندہ یونیورسٹی کا کام آپ کی غیر موجودگی میں کرلیا کروں گی، فی الحال اسائنمنٹ بنانا ضروری ہے، اس لیے آپ...!'' وہ اس کے غصے سے خائف ہوتی منمنا کر بولنے لگی تھی کہ وہ ٹوک گیا۔

''اس مہربانی کی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ ناراضی سے کہتا سونے کیا لیٹا اس کو مضطرب کر گیا تھا۔

''آئی ایم سوری، میں اپنی تمام شرطیں واپس لیتی ہوں اور پکا پرامس، پڑھوں گی بھی دل سے، محنت کرکے''۔ اسائنمنٹ بنانا لازمی تھا کہ اس نے اب تک اپنی ازلی سستی کے سبب نہیں بنایا تھا آج کل، آج کل کرتے لاسٹ ڈیٹ سر پر آ گئی تھی مگر اس کے ناراض ہونے کے بعد اس سے کہاں ایک لفظ بھی لکھا گیا وہ کچھ ہی دیر میں اس کے برابر دراز ہوگئی تھی اور جیسے ہی اس نے ناراضی کے اظہار کے لیے اس کی طرف سے منہ پھیر کر کروٹ لی اس کے آنسوؤں کو بہنے کا راستہ مل گیا اور وہ اس کے بہت قریب جاتی، شانے پر سر ٹکاتی نم لہجے میں بول گئی تھی، مگر اسے منانا بھی کون سا آسان تھا کہ وہ روٹھتا ہی نہ تھا، اور روٹھ جاتا تو اسے مناتے اسے دانتوں پسینہ آجاتا تھا۔

''میری جان چھوڑ کر اپنا اسائنمنٹ بناؤ کہ جانتا ہوں کل سمیشن کی لاسٹ ڈیٹ ہے''۔ اسے دور کرتا سنجیدگی سے کہہ گیا تھا۔

''مجھے نہیں بنانا، کتابوں کے ساتھ مجھے سر کھپاتے برداشت نہیں کرسکتے ہو تو اس مصیبت میں پھنسایا ہی کیوں؟'' وہ سوں سوں کرنے لگی تھی۔

''اب آئی نا بلی تھیلے سے باہر، بچہ نہیں ہوں جو تمہارے رویے اور فضول شرطوں کو نہ سمجھتا مگر ڈھیل دیتا رہا، آج تو ڈرامہ اس لیے کیا تاکہ تم یہ اعتراف خود اپنے منہ سے کرو''۔ وہ یکدم ہی شرمندہ ہو گئی تھی۔

''تم دن میں پڑھو یا رات میں، اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، مگر مجھے ستانے کو تم فضول میں اپنی نیند برباد کرتی رہتی ہو اور یہی نہیں چاہتا میں کہ تم کتابیں سامنے کھول کر اونگتی رہو، اس لیے کل سے میں خود تمہیں پڑھایا کروں گا''۔ آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا وہ ایسی حالت میں پھنسی رونا تک بھول گئی تھی۔

''آپ انتہائی برے ہیں فیصل! میں آپ کی شکایت ڈیڈی سے کروں گی''۔ روہانسی ہو کر دھمکیوں پر اتری تھی۔

''میں کتنا برا ہوں، اچھے سے جانتا ہوں، اس وقت تو مجھے نیند آ رہی ہے، خود بھی سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو اور رہ گیا تمہارا اسائنمنٹ، تو وہ میں نے بنا دیا ہے، کل سمٹ کروا دینا''۔ وہ سنجیدگی سے کہتا اسے خوشگوار حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔

''تھینک یو سو مچ فیصل! آپ بہت اچھے ہیں''۔ وہ خوش ہو کر سرشاری سے بولی تھی۔

''کبھی اپنی زبان پر قائم نہ رہنا''۔ اسے قریب کرتے ہوئے چھیڑا تھا وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''پکا والا وعدہ اب پورے دل اور لگن سے پڑھائی کروں گی''۔ وہ اتنے عرصے میں حقیقتاً آج دل سے کہہ رہی تھی۔

''سوچ لو اب کہ وعدہ توڑا یا کوئی بچکانہ حرکت کی تو میرے ہاتھوں ضائع ہو جاؤ گی''۔ وہ مصنوعی رعب سے بولا تھا، مگر اب کے اس نے دل سے پوری ایمانداری سے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔

☆.........☆.........☆

''اپنے سسرال میں آ کر تمہیں کیسا لگ رہا ہے؟'' وہ نکاح کے بعد پہلی دفعہ ''ماہ ولاز'' آئی تھی کہ ان لوگوں کے ایگزامز ہونے والے تھے، ان چاروں نے کمبائن اسٹڈی کا پلان بنایا اور اس پر عمل درآمد ہوتا رہا اور آج ماہ لاج کے گھر اسٹڈی کرنا تھی، اس نے کنی کترانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ماہ لاج نے بھی منوا کر ہی دم لیا تھا۔ اس کے انکار پر اس نے ساجدہ سے بات کی تھی، ان لوگوں کو یہ بات مناسب نہیں لگ رہی تھی، مگر اجازت دے دی تھی کہ اس میں کوئی حرج بھی نہیں تھا اور وہ تو پہلے ہی نروس تھی، اندر ہی اندر ان کے سامنے کا سوچ کر ہی خوفزدہ تھی، ماہ لاج کی شرارت پر سرخ پڑ گئی تو وہ تینوں ان کی نروسنس سے محظوظ ہوتیں اوہ... اوہ... کر کے اسے مزید کنفیوز کرنے لگیں اور رہی سہی کسر کچھ دیر میں ملازمہ جب ماہ لاج کے کہنے پر نکاح کی تصاویر لے کر آئی تب پوری ہو گئی، کہ وہ لوگ ایک ایک تصویر پر تبصرہ کرتیں اسے چھیڑ رہی تھیں کہ وہ گلابی کاٹن کے سوٹ میں حیا سے سرخ پڑتی اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ انھیں اسے ستانے میں مزہ آ رہا تھا، وہ خاموشی سے بس انگلیاں مروڑ رہی تھی یا لب کچل رہی تھی اور نان اسٹاپ بولنے والی حنین کی خاموشی سے وہ تینوں حظ اٹھا رہی تھیں۔

''قسم سے سب سے حسین یہ تصویر ہے''۔ اس نے البم سے تصویر نکال کر اس کے سامنے کی تھی، بلاشبہ وہ ایک حسین تصویر تھی جس میں وہ بے یقینی سے ماہ کنعان کی طرف دیکھ رہی تھی اور وہ اس کے سامنے دوزانوں بیٹھا اسے پازیب پہنا رہا تھا۔

''تم بڑی چالاک ہو، میری آنکھوں کے سامنے میرے ہینڈسم لالہ جان کو اپنا بنا لیا اور مجھے پتہ تک نہیں

چلا''۔ ماہ لاج کی آواز پر اس کی محویت ٹوٹی اور وہ نظر جھکا گئی۔

''لیکن مجھے تو اسی دن شک ہو گیا تھا، کنعان بھائی اس کے لیے کس قدر متفکر ہو گئے تھے اور کیسے کسی کا بھی خیال کیے بغیر اسے بانہوں میں اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئے تھے''۔ سمیرا بڑے مزے سے معنی خیز لہجے میں بولی تھی اور اس نے بہت چونک کر حیرانگی سے سمیرا کو دیکھا تھا ان کے لبوں پر گہری ہوتی معنی خیز مسکراہٹ وہ بے چینی سی محسوس کرتی نظر چرا گئی تھی۔

''بے چاری بے ہوش تھی ناں، اس لیے ان حسین لمحوں کو محسوس نہیں کر سکی تھی''۔ ماہ لاج ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''شٹ اپ..... اب تم لوگوں نے کوئی بکواس کی تو میں اپنے گھر واپس چلی جاؤں گی''۔ وہ نئے انکشاف پر نہ صرف حیران تھی بلکہ شرم سے کٹ کر رہ گئی تھی، ان تینوں کی نظریں اور باتیں وہ روہانسی ہو گئی اور بے چینی سی محسوس کر کے ماہ لاج کو ٹوکا ہی تھا کہ اسی وقت نک سک سے تیار بلیک پینٹ کوٹ، وائٹ شرٹ اور بلیک ٹائی لگائے خوشبو بکھیرتا وہ چلا آیا۔ اس نے ناک تک پہنچنے والی خوشبو کے سبب چونک کر سر اٹھایا وہ اسے دیکھ کر خوشگوار حیرت میں گھر اجی جان سے اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ وہ دو چار قسم کے امپورٹڈ پرفیوم استعمال کرتا تھا ان میں سے ایک وہی تھا جو ارحم مستقل مزاجی سے یوز کرتا تھا اور اسی لیے وہ نکاح کی شام بھی غلط فہمی کا شکار ہوئی تھی اور آج بھی چونک اٹھی تھی، ان سب کی باتوں کے بعد اس کے سامنے نے اسے بے حد و بے حساب پر حیا سا حجاب عطا کر دیا تھا، وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور اس کا ایک دم کھڑا ہونا وہ تینوں ہی دبی دبی ہنسی ہنس دی تھیں۔

''مجازی خدا کی اتنی عزت''۔ ماہ لاج اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھی شرارت سے بولی تھی اس کا چہرہ مزید سرخ ہوتا جھک گیا جبکہ بہن کی شرارت پر اس کے عنابی لبوں کو تبسم چھو گیا مگر سمیرا پر نظر پڑتے ہی وہ سنبھلا اور احترام بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا سنجیدگی سے اس سے حال احوال پوچھنے لگا۔

''ہمارے سامنے بات نہیں کرنا چاہ رہیں تو ہم چلے جاتے ہیں''۔ اس کے سلام تک نہ کرنے پر لاج نے چوٹ کرتے ہوئے شرارتاً کہا تھا اور اس کی ہمت جواب دے گئی، آنسو پلکوں سے ٹوٹتے شرتی رخساروں پر لڑھکتے چلے گئے اور وہ اس کی طرف ایک بار پھر متوجہ ہونے پر مجبور ہو گیا۔ گلابی کاٹن کے سوٹ میں وہ متناسب سراپے کے ساتھ لانبے بالوں کی پونی ٹیل بنائے حیا سے سرخ پڑتی بے تحاشہ حسین لگ رہی تھی کئی بار دل کی سرزمین پر جاگنے والی خواہش نے پھر انگڑائی لی تھی مگر وہ اس کے آنسو چننے کی خواہش کو تھپکی دیتا ایکسکیوز کر کے چلا گیا کہ وہ بہنوں اور بھابی کی موجودگی میں نظر و دل کو کھلی چھوٹ نہیں دے سکتا تھا جبکہ نکاح کی شام بدمزگی سے ہونے والے سامنے کے بعد آج کافی دن بعد وہ نظر آئی تھی، اس کا دل تو کر رہا تھا کہ وہ یوں ہی کھڑا اس کو دیکھتا رہے، لیکن وہ آفس کے لیے نکل گیا اور ان لوگوں نے اس کا موڈ آف ہوتے دیکھ کر موضوع بدلا اور توجہ سے پڑھائی کرنے لگیں۔ ماہ لاج کے پیرنٹس آؤٹ آف کنٹری تھے، ان چاروں نے صبح 10 بجے سے دوپہر 2 بجے تک دل جمعی سے پڑھائی کی اور کھانا کھا کر آرام کرنے لگیں، وہ تینوں تو دوپہر میں سونے کی عادی تھیں اس لیے سو گئی تھیں، مگر وہ عادت ہونے کے باوجود نئی جگہ پر ان کمفرٹ فیل کرنے کی وجہ سے نہیں سو سکی تھی، وہ بور ہو رہی تھی کہ اس کا سیل وائبریٹ کرنے لگا اور وہ ارحم کا نمبر دیکھ کر مسرور ہوئی، ان تینوں کی نیند خراب نہ ہو اس لیے روم سے باہر آ گئی، مگر کال ریسیو کرنے سے قبل اسے کچھ یاد آیا تو اس نے لائن ہی کاٹ دی، ارحم کا

دوسرے شہر میں تبادلہ ہو گیا تھا مگر وہ اس سے ناراض تھی اس لیے جب وہ جا رہا تھا ملنے آیا تب بھی بات نہیں کی تھی کہ اس کی اور ارحم کی لاسٹ ٹائم اسی دن بات ہوئی تھی جب اس نے نکاح کے لیے رضامندی ظاہر کی تھی اور اس بات کو اب ڈھائی ماہ ہونے والے تھے سیل فون مستقل وائبریٹ کر رہا تھا اور اسکرین پر بلنک ہوتا "ارحم بھیا" اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے، مگر اس نے بہت چاہنے کے باوجود کال ریسیو نہیں کی، اس نے لاؤنج میں بے چینی سے ٹہلتی اور بار بار جھلملاتی آنکھوں سے سیل فون کی اسکرین کو دیکھتی حنین کو حیرت سے دیکھا تھا اور اس کی بے چینی اسے بھی بے چین کر گئی، نظروں کا ارتکاز سا محسوس کر کے اس نے ٹھہر کر نگاہ اٹھائی اور اسے دیکھ کر تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، ہاتھ سے سیل فون چھوٹا اور یکدم مارے بے یقینی و دکھ کے اس کی آنکھیں پھیل گئیں، اس نے بڑی بے قراری سے جھک کر سیل فون اٹھا لیا، اسکرین پر پڑ جانے والا اسکریچ، ٹوٹ جانے والا کور، وہ بے اختیار رونے لگی تھی۔

"حنین! اتنے سے موبائل کے ٹوٹنے پر اس طرح تو مت روؤ"۔ اس سے چند قدموں کی دوری پر رکتا نہایت نرمی سے بولا تھا۔

"یہ آپ کے نزدیک اتنا سا موبائل ہوگا، مگر میرے لیے کتنا اہم تھا، آپ کو کیا معلوم"۔ وہ روتے ہوئے اس کو ناپسندیدگی سے دیکھتے ہوئے بولی تھی اور وہ حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

"یہ میری لائف کا فرسٹ موبائل تھا جو ارحم بھیا نے مجھے دیا تھا اور جو صرف آج آپ کی وجہ سے ٹوٹ گیا ہے"۔ وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے بول رہی تھی، اس نے لب بھینچ لیے۔

"آپ جب جب میرے سامنے آتے ہیں، میرا کوئی بڑا نقصان کر دیتے ہیں، کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا، جو آپ یوں مجھے تکلیف دینے میں راحت محسوس کرتے ہیں؟" وہ اس کو ناگواری و بدگمانی سے دیکھ رہی تھی۔

"میں کس بات، کس چیز میں راحت محسوس کرتا ہوں، کاش کہ تم یہ سمجھ پاتیں"۔ وہ سرخ آنکھوں سے اس کو بلکتے دیکھ کر دل میں اٹھتے درد سے گھبرا کر بولا تھا۔

"میں سمجھنا بھی نہیں چاہتی، آپ کے لیے بہتر ہوگا کہ آپ مجھ سے دور رہیں، مجھے ڈسٹرب نہ کریں"۔ اس کے لہجے میں واضح اس کے لیے ناپسندیدگی تھی۔

"یہ تمہاری خام خیالی ہے کہ میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا"۔ وہ اس کے چہرے پر نظریں گاڑے قدرے برہمی سے بولا تھا، حنین نے اس کے خوبصورت چہرے کی طرف دیکھا جو ضبط سے سرخ ہونے لگا تھا اور پھر نگاہ چرا لی۔

"اور تم مجھ سے کتنا ہی فرار حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہ کر لو، تمہارے سارے راستے پھر بھی آ کر مجھ پر ہی رکیں گے"۔ وہ اس کے بہت نزدیک آن کھڑا ہوا تھا، وہ بے اختیار پیچھے ہونے لگی تھی کہ اس نے اسے شانوں سے تھام لیا تھا اس نے بے حد ہراساں ہو کر اس کی جانب دیکھا تھا کہ وہ پہلی ملاقات تو کیا نکاح کی شام کی اس کی بے باکیاں اور جسارتیں بھی بھولی نہ تھی اور اسی لحاظ سے بے چین ہوئی تھی۔

"میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں حنین! اور پلیز تم اپنی ہر ناراضی بھلا دو، ہر بدگمانی دور کر لو کیونکہ تمہاری آنکھوں میں، میں اپنا عکس محبت سے لہراتے دیکھنا چاہتا ہوں، تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے ناپسندیدگی، ناگواری اور اپنی طرف سے خوف نہیں دیکھ سکتا، کہ ہمارے درمیان اب تک جو ہوا وہ غلط تھا، میں اپنی ہر غلطی

ایکسیپٹ کرتا ہوں، تمہیں ہرٹ کرنے کی معذرت چاہتا ہوں، سوری فار ایوری تھنگ!" وہ نہایت نرمی اور جذبوں سے چور لہجے میں اسے شانوں سے تھامے کہہ رہا تھا اس نے اس کے الفاظ سنے ضرور مگر خوف کے سبب محسوس نہ کیے تھے اور اسے پیچھے دھکیلتی فاصلے پر ہو گئی تھی۔

"آپ کے معذرت کرنے سے میری تکلیفیں دور نہیں ہو سکتیں، آپ نے مجھے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے، آپ کی بے باکیوں نے مجھے عجیب سے ہراس میں مبتلا کر دیا ہے، آپ کی وجہ سے میں اپنی آپی کی شادی انجوائے نہیں کر سکی، صرف آپ کی وجہ سے میری بندیا گھومی تھی، آپ کی وجہ سے میرا ایئر زخمی ہوا تھا اور آپ ہی تھے جس نے میرا ہاتھ توڑ دیا تھا، آپ ہی تھے جس سے ڈر کر میں خود کو زخمی کر گئی تھی، اور آج تک درد برداشت کر رہی ہوں، اور آپ ہی ہیں وہ جس نے مجھے میرے ارحم بھیا سے دور کر دیا ہے"۔ وہ اس کو منہ کھولے بے یقینی سے سسکتے ہوئے کہتے سن رہا تھا۔

"ڈھائی ماہ سے میں نے اپنے ارحم بھیا سے بات نہیں کی، مگر آپ کو میری تکلیف کا احساس نہیں ہوگا کہ آپ کبھی اپنے فادر سے دور نہیں ہوئے، کبھی آپ کی بہن آپ سے ناراض نہیں ہوئی کبھی آپ کے دوست فیصل بھیا نے آپ سے بات کرنا نہیں چھوڑی، مگر میں صرف آپ کی حمایت کرنے کے سبب، آپ کو سپورٹ کرنے کی وجہ سے اپنے ارحم بھیا، اپنے بیسٹ فرینڈ سے ناراض ہو گئی ہوں، اور جب آپ کے سوری کرنے سے نہ گزرا وقت لوٹ کر آ سکتا ہے نہ میری تکلیفیں دور ہو سکتی ہیں نہ ارحم بھیا اور میرے درمیان فاصلے دور ہو سکتے ہیں تو میں کیوں آپ کی سوری ایکسیپٹ کروں؟ نہیں کرنا مجھے آپ کو معاف کیونکہ آپ مجھے بہت برے لگتے ہیں"۔ اس کے رونے میں بدستور اضافہ ہوا تھا جبکہ وہ مسکرا دیا تھا کہ اس کی غلط فہمی جو اس نے دور کر دی تھی اور وہ اپنے اندر سکون اترتا محسوس کرنے لگا تھا، اس کا رونا برداشت نہیں ہو رہا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ وہ اگر ابھی اس کو معاف کرنے کو تیار نہیں، اس کی سننے کو نہیں تیار مگر وہ وقت آنا ضرور تھا جب وہ بہنا ہونا تھا، جیسا وہ چاہتا تھا، جبکہ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر وہ اس سے مزید بدگمان ہو گئی تھی، وہ کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ وہ تینوں آگے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں اور وہ وضاحت نہیں کر سکا تھا ان کی آمد پر لب بھینچ گیا تھا، اور جبکہ ان تینوں کو ہی اس کو روتے دیکھ کر تشویش ہونے لگی تھی وہ کچھ کہتی کہ اس نے اس کے رونے کے جواز کے طور پر موبائل ٹوٹنے کی کہانی سنا ڈالی تھی، ماہ لاج متحیر ہوئی تھی لیکن ان دونوں کو حیرت نہ ہوئی تھی بلکہ سحرش اسے آگے بڑھ کر تسلی دینے لگی تھی کہ وہ جانتی تھی کہ ارحم اور اس سے وابستہ ہر چیز اس کے لیے کس قدر اہم تھی جبکہ وہ آج پھر اس کی بدگمانی دور کرنے کے بجائے اس میں اضافہ کرتا بوجھل دل میں ملال لیے وہاں سے نکل گیا تھا مگر ارحم کو لے کر جس شک کا شکار تھا آج وہ اس نے خود ہی زائل کر کے اسے مطمئن کر دیا تھا۔

☆............☆............☆

"میں اور آپا بیگم مارکیٹ تک جا رہے ہیں، تمہیں کچھ منگوانا ہے تو بتا دو"۔ وہ اکیلے ہی لان میں گھاس پر بیٹھی کسی قدر اداس اپنی ہی سوچوں میں مگن تھی کہ ماں کی آواز پر چونکی تھی، اس کا متورم چہرہ اور اداسی دیکھ کر ان کا دل کٹ کر رہ گیا کیونکہ کافی عرصے سے وہ اس کی خاموشی تو محسوس کر رہی تھیں، انھیں وہ ڈسٹرب لگتی تھی مگر ان کے لاکھ پوچھنے پر بھی کچھ بتاتی نہیں تھی، مگر اب نکاح کے بعد تو اس کی خاموشی اور اداسی بڑھ گئی تھی، اور اپنی چہکتی مینا کی خاموشی و آزردگی ان کو کیسے بے چین کر رہی تھی یہ تو بس وہی جانتی تھیں۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" وہ اندر جانے لگی تھی کہ وہ بیٹی سے بے حد پریشانی سے پوچھنے لگی تھیں اور

کھانا تھا تب انھیں احساس ہوا تھا کہ اسے بخار ہے۔

"تمھیں تو بخار ہے، بتایا کیوں نہیں مجھے؟" وہ بے چینی سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں ممی!" وہ ہاتھ چھڑا کر اندر چلی گئی تھی۔

"مامی! آپ یہاں ایسے کیوں کھڑی ہیں؟" مائدہ ان تک آئی تھی اور انھوں نے نم لہجے میں اس کے عجیب و غریب رویے کا بتایا تھا۔

"نکاح کے بعد سے تو بالکل ہی بجھ کر رہ گئی ہے، کھانے پینے کی طرف بھی توجہ نہیں دیتی، ابھی بھی اسے بخار ہے، ہم سے کوئی بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے، ہم نے حنین کی زندگی کا غلط فیصلہ کر دیا ہے؟" وہ مائدہ سے دل کی بات کہنے لگی تھیں۔

"ایسا نہیں ہے مامی! بے شک ہم نے کنعان بھائی کے دباؤ میں آ کر یہ فیصلہ لیا ہے، مگر کنعان بھائی اچھے انسان ہیں، حنین سے محبت کرتے ہیں، ارحم بھیا اور فیصل بھائی نے ان کی گارنٹی لی ہے، وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا کیونکہ حنین کو تو جانتی ہیں مزاج اور پسند کے خلاف تو کبھی ایک تنکا نہیں لیا اور ایسا شخص جو اسے ناپسند ہے اس کا شریک سفر بن جانا، وہ ایکسپٹ نہیں کر پا رہی، مگر وقت کے ساتھ کر لے گی کیونکہ کنعان بھائی اپنی محبت سے اس کا دل جیت لیں گے۔" وہ نرمی سے بول رہی تھی کہ اس نے اس شخص کی آنکھوں میں حنین کے لیے بہت سچے جذبات محسوس کیے تھے، راشدہ کے آ جانے پر وہ بوجھل دل کے ساتھ بیٹی کی خوشیوں کے لیے دعا کرتیں بہن کے ساتھ چل پڑی تھیں اور وہ اندر بڑھی کہ چوکیدار نے اسے ایک گفٹ پیک لا کر دیا جو کوریئر کے ذریعے حنین کے لیے بھیجا گیا تھا اور بھیجنے والا کوئی اور نہیں خود سے بھی خفا اور اس شخص سے بھی خفا لڑکی کا شریک سفر ماہ کنعان عابدی تھا۔ اس کے لبوں نے مسکراہٹ کو چھو لیا اور وہ اپنے مزاج اور عادت کے برخلاف پورے جوش سے حنین کو پکارنے لگی تو وہ اپنے کمرے سے نکل کر وہاں چلی آئی۔

"یہ کیا ہے مائدہ اپیا؟" وہ گفٹ لیے بغیر سوال کر رہی تھی۔

"کھول کر دیکھو گی تو پتہ چلے گا کہ تمہارے کنعان صاحب نے گفٹ دینے کی ابتدا ہی خوبصورت انداز میں کی تھی، اب تو محض اس کو آگے بڑھانے کا سب سے آسان طریقہ اپنا کر گفٹ کوریئر کر دیا ہے۔" وہ شرارت سے بولی تھی اور وہ سنجیدہ سی مائدہ کو حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

"یار! مجھے ہی دیکھتی رہو گی، پکڑو اپنا گفٹ اور کھولو، میں بھی تو دیکھوں انھوں نے اتنے پیار سے تمہیں کیا بھیجا ہے؟" اس نے مسکرا کر زبردستی وہ گفٹ پیک اسے تھمایا تھا۔

"مجھے نہیں کھولنا، مجھے ان سے کوئی گفٹ نہیں لینا ہے، آپ اسے اٹھا کر پھینک دیں۔" وہ ضبط کے کڑے مرحلوں سے گزرتی بولی تھی۔ مائدہ نے ایک نظر اس کے سرخ چہرے پر ڈالی اور اس کے ہاتھ سے نہ صرف گفٹ پیک لیا بلکہ ایک ہاتھ میں اسے سنبھالتی دوسرے سے اس کی کلائی تھامتی صوفے تک اسے لے گئی تو وہ بھی خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"کسی بھی انسان سے محبت اور نفرت کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی یہ دونوں احساس ذہن و دل میں کیوں سما جاتے ہیں یہ آج تک کوئی نہیں سمجھ سکا۔" وہ نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تو وہ اسے حیرانگی سے دیکھنے لگی۔

"کنعان بھائی کو ناپسند کرنے کا ہو سکتا ہے تمہارے پاس کوئی سبب ہو یا پھر وہی بے سبب احساس کہ

انسان سے محبت ہو جائے تو اس میں کوئی برائی نہیں، نفرت ہو جائے تو اس میں کوئی اچھائی نہیں۔" اس نے یکدم نظر چرائی کہ اس کی تمہید اسے اب سمجھ آئی تھی۔

"لیکن حنین کوئی بھی احساس حرف آخر کی طرح نہیں ہوتا، محبت میں اتار چڑھاؤ آتے ہیں، محبت میں شدت نہ آئے تو وہ محبت اور شدت آ جائے تو وہ عشق اور نفرت ٹھہری رہی تو ایک احساس، بڑھے تو انتقام اور میں جانتی ہوں تم کسی سے نفرت نہیں کر سکتیں، ماہ کنعان عابدی صرف تمہیں ناپسند ہے اور وقت کے ساتھ ناپسندیدگی، پسند میں بھی بدل سکتی ہے کیونکہ پسند ایک نارمل سا احساس ہوتا ہے جس میں شدت اتنی نہیں ہوتی کہ تبدیلی کی گنجائش نہ ہو۔" وہ کچھ دیر کے لیے رکی تھی۔

اور کچھ رشتوں میں بہت گنجائش ہوتی ہے، تمہارے دل میں زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر دیر سویر سے ناپسندیدگی کے جذبات نکل جائیں گے مگر یاد رکھنا حنین! کہ وقت گزر جائے تو سب بے کار ہوتا ہے کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے، دونوں میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا مگر ایک دفعہ گرہ لگ جائے تو وہ کھلتی نہیں، کنعان بھائی تم سے محبت کرتے ہیں اور محبت کے مقابلے میں نفرت ایک خراب منفی احساس ہے اور جب تمہیں اب زندگی کنعان بھائی کے ساتھ ان کے حوالے کے ساتھ گزارنی ہے تو تم اپنے احساسات کو فراموش کر دو کہ تمہارے احساسات ان کے احساسات کے مقابلے میں منفی ہیں، اور منفی چیز کے اثرات بھی منفی ہوتے ہیں، کچھ وقت گزرے گا تم پر ان کی اچھائیاں کھلیں گی تم قبول کر لو گی مگر اتنے عرصے میں اگر ان کا دل خراب ہو گیا، مثبت جذبے، منفی روپ دھار گئے تب کیا کرو گی؟ اس لیے زندگی سے سمجھوتہ کرنا سیکھو، کیونکہ میرا ماننا ہے کہ عورت کو قربانی دینی پڑتی ہے، اپنی، میں اور انا کی قربانی۔ اپنے احساس، اپنے جذبات کی قربانی، ہاں بس میرا اپنا ماننا ہے کہ اپنے پندار اپنی عزت نفس کی قربانی نہیں دینی چاہیے جبکہ عورت کو یہ سب بھی قربان کرنا پڑتا ہے، زندگی میں، میں نے بہت سی جگہوں پر سیکری فائز کیا، آگے بھی کروں گی کہ عورت میں سے سیکری فائز نکالا ہی نہیں جا سکتا، میں بھی اپنے اندر سے نہیں نکال سکتی، لیکن میں اپنی عزت نفس کو کسی موڑ پر قربان نہیں ہونے دوں گی یہ میں نے اپنی زندگی کے لیے سوچا ہے اسی طرح تم بھی اپنی زندگی کے لیے سوچ لو، سمجھ کر فیصلہ کر لو کیونکہ اس طرح زندگی نہیں گزرتی۔" اس نے بہت دھیمے ناصحانہ انداز میں اسے بہت کچھ سمجھایا تھا۔

"اپیا! میں ان کے بارے میں اچھا نہیں سوچ پاتی، میں بہت ڈسٹرب ہوں، وہ مجھے اچھے نہیں لگتے اور سب جس طرح ان کے حوالے سے میرے پیچھے پڑ رہے ہیں، بار بار میرے سامنے ذکر کر رہے ہیں تو میرے اندر چڑچڑاہٹ سی جنم لے رہی ہے، پلیز آپ سب مجھے کچھ وقت دیں کہ میں نے نکاح صرف ارحم بھیا کے کہنے پر کیا ہے، اب مجھے ان رشتوں کو خود سے سمجھنے دیں، کچھ موقع دیں کہ میں ابھی اپنے احساسات نہیں سمجھ پا رہی تو ان کے احساسات کیسے سمجھوں؟" وہ اپنی بے بسی پر رو پڑی تھی۔

"تم اپنی جگہ درست کہہ رہی ہو، مگر سمجھنے کی ابتداء تو کرنی ہی ہو گی، جو آج ہی کر لو۔" وہ دھیمے سے مسکرائی اور اس نے اسے گفٹ کھولنے کو دے دیا۔

"یہ محض گفٹ نہیں ان کے کچھ جذبات ہیں، انھیں محسوس کرنے کی کوشش کرو۔" وہ گویا اسے اکسا رہی تھی اور وہ راہ فرار نہ پا کر جھنجھلا اٹھی تھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی گفٹ کھولنے لگی تھی۔ اس درمیانے سائز کے ڈبے میں سے تین مختلف سائز کے گفٹ پیک نکلے تھے، اس نے پہلا گفٹ کھولا تھا نہایت حسین نازک سی ڈائمنڈ کی بندیا تھی، اس نے دوسرے پیک کا ریپر ہٹایا کانچ کی گلابی چوڑیاں دیکھ کر اب اس نے تیسرا پیک کھولا اس کی

ہی نہیں مائدہ کی بھی آنکھیں حیرت سے کھل گئی تھیں، اور جیسے ہی اس کی حیرت ختم ہوئی وہ غصے سے جھنجھلانے لگی تھی اور مائدہ حیرت سے نکلتی بے ساختہ ہنستی چلی گئی تھی، اسجد جہاں تھا وہیں تھم گیا تھا کہ اس نے پوری زندگی میں پہلی دفعہ اسے ہنستے ہوئے بلکہ بے تحاشہ ہنستے ہوئے دیکھا تھا اور اس کی ہنسی اتنی مترنم تھی کہ اسجد کو وقت کی دھڑکن رکتی محسوس ہوئی تھی۔

"اوہ مائی گاڈ! یہ پین کلر، بینڈیج اور خون کی بوتل، کنعان بھائی نے تمہیں گفٹ کی ہے، مگر کیوں؟" وہ بے تحاشہ ہنستے ہوئے کہتی آخر میں سوال بھی کر گئی تھی اور اسے ایک لمحہ لگا تھا سب سمجھنے میں کہ اس نے اپنے جتنے نقصانات گنوائے تھے اس میں سے اس نے ان ہی نقصانات کو پورا کرنے کی حامی بھری تھی، جبکہ بندیا اور چوڑیوں تک تو ٹھیک تھا، پین کلر، بینڈیج اور خون کی بوتل تک اس نے بھیج دی تھی اس نے تیے تیے انداز میں اپنے مخصوص انداز میں اسے کل کی بات بتا دی تھی۔ اسجد کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی تھی جبکہ وہ بے تحاشہ ہنسنے کے سبب اب اپنے آنسو دوپٹے میں جذب کر رہی تھی۔ اس نے غصے سے تمام چیزیں سائیڈ میں کیں اور جانے کو کھڑی ہوگئی تب ہی لینڈ لائن نمبر پر کسی کی کال آنے لگی، مائدہ نے لب بھینچ کر اسجد کی طرف دیکھا جو فون پر بات کر رہا تھا۔

"حنین! تمہارا فون ہے"۔ اسجد سے ڈانٹ ہی نہ پڑ جائے اس خیال سے وہ بڑی فرمانبرداری سے فون سیٹ کی طرف بڑھی تھی، اسجد نے ایک نظر اس پر ڈالی جس کا گلابی چہرہ اناری ہو رہا تھا، آنکھوں کی سطح گیلی تھی، وہ دھانی رنگ کے شلوار سوٹ میں ہر آرائش سے پاک اپنے اندر کی سچائی اور پاکیزگی کے سبب انتہائی حسین اور پرنور لگی تھی اس کی نگاہ وہ خود پر محسوس کرتی عجیب سے احساس میں گھرتی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی کہ وہ اس کی زندگی کا کوئی چور لمحہ نہیں بننا چاہتی تھی اپنا ہر حق، عزت و مان کے ساتھ پانا چاہتی تھی، اسجد نے اپنے اندر غصے کی لہر سی دوڑتی محسوس کی تھی اور وہ الٹے قدم گھر سے واپس نکل گیا تھا۔

"ہیلو!" اس نے ریسیور اٹھاتے ہی کہا تھا۔

"حنین! تمہیں گفٹ پسند آئے؟" وہ اس کے آتشی مزاج سے واقف تھا اور اسے ڈر تھا کہ وہ اس کی آواز سن کر ہی فون بند نہ کر دے اس لیے ڈائریکٹ وہی پوچھا جس کے لیے فون کیا تھا۔

"فضول گفٹس کس کو پسند آسکتے ہیں؟" وہ غصے و ناگواری سے کہہ اٹھی تھی، جبکہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"اوہو..... کچھ بھی پسند نہیں آیا جبکہ میں نے ایک ایک چیز بہت دل سے لی تھی اور سوچا تھا کہ تمہارے کچھ نقصانات اور تکلیفیں تو دور کر دوں گا"۔ وہ نہایت معصومیت سے بولا جبکہ وہ اپنی شرارت پر متبسم تھا۔

"شٹ اپ! آپ ان فضول باتوں اور حرکتوں سے آخر ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں؟" وہ غصے سے باقاعدہ کانپ رہی تھی۔

"صرف یہ کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، تمہیں تکلیف انجانے میں دی، تمہاری ہر تکلیف دور کر کے تمہارے ہر نقصان کی تلافی کرنا چاہتا ہوں"۔ وہ اب کے سنجیدگی سے بولا تھا۔

"آپ اپنی فضول حرکتوں سے باز آجائیں، آپ نے میرا مذاق بنا کر رکھ دیا ہے"۔ اس نے غصے سے فون پٹخ دیا تھا اس نے لب بھینچ لیے تھے۔ اس کے ستارے ہی گردش میں تھے کہ وہ کچھ اچھا بھی کرتا تو وہ خفا ہی ہوتی تھی۔

☆..........☆..........☆

"ایک بات پوچھوں تم سے؟" سمیرا اور سحرش دونوں نے آج چھٹی کی تھی، وہ دونوں لائبریری میں بیٹھی تھیں تب وہ ماہ لاج کی بات پر چونک کر کتاب سے نظر ہٹا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"کیا تم اپنے ارحم بھائی سے ناراض ہو؟" وہ اس کی اجازت ملتے ہی پوچھ بیٹھی تھی۔

"اوہوں... تھی مگر اب نہیں ہوں کیونکہ کل رات صرف میری وجہ سے ارحم بھیا پنڈی سے آئے تھے"۔ وہ مسکرا کر بولی تھی کہ ارحم نے اسے منا ہی لیا تھا۔

"لیکن تم ناراض تھیں کیوں؟" وہ گڑبڑا گئی تھی۔

"یہ میں نہیں بتا سکتی، مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو؟" اب گڑبڑانے کی باری لاج کی تھی۔

"ویسے ہی پوچھ لیا تھا"۔ نگاہ چرا کر بولی تھی۔

"تم ارحم بھیا کو لائک کرتی ہو؟" اس کا سوال ماہ لاج کی جان نکال لے گیا تھا۔

"تم مجھ سے ان کے بارے میں ضرور پوچھتی ہو ناں اس لیے اندازہ لگایا ہو سکتا ہے غلط ہو؟" وہ اس کی خاموشی سے گھبرا کر وضاحت دینے لگی تھی۔

"تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے"۔ وہ کہہ کر رکی نہیں تھی اور اسے نہ جانے کیوں یہ سن کر بہت اچھا لگا تھا۔

☆..........☆..........☆

"اسجد! میں اس گھر میں بالکل ہی قید ہو کر رہ گئی ہوں"۔ وہ نکھری نکھری سی اداس اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"کچھ ماہ کی اور پریشانی ہے یار! ڈاکٹرز پر امید ہیں تم انشاء اللہ بہت جلد اپنے پیروں پر چلنے لگو گی"۔ وہ نرمی سے بولا تھا، وہ پچھلے دنوں کافی مصروف رہا تھا اس لیے پورے ایک ہفتے بعد آیا تھا۔

"اوہوں... لیکن یہاں میرا دم گھٹتا ہے اسجد! میں بالکل تنہا رہ گئی ہوں، کوئی ہمدرد نہیں ہے میرا"۔ وہ رقیق القلب ہوتی رو پڑی تھی کہ بچپن سے جو محرومیاں دیکھی تھیں، جو اکیلا پن جھیلا تھا وہ ہنوز تھا۔

"میں ہوں ناں تمہارا ہمدرد، تمہارا ساتھی، تمہارا سب سے قریبی رشتہ، تمہارا ہمسفر"۔ وہ اس کی خوبصورت آنکھوں سے گرتے موتیوں پر پریشان ہوا تھا۔

"آپ بھی مجھے کب میسر ہوئے ہیں، آپ کو لگتا ہے پا کر بھی نہیں پا سکی، آپ ہفتوں میں چوری چھپے آتے ہیں، اپنا آپ تنکے سے زیادہ ہلکا لگنے لگا ہے، میری کوئی پہچان نہیں رہ گئی ہے، آپ کی بیوی ہوں مگر کس کو پتہ ہے یہ؟ اپنے محرم کے ساتھ بھی چھپ کر ایک گناہ کی طرح رہ رہی ہوں، نہ پا کر جتنی تکلیف سہنی پڑتی اس سے زیادہ تو پا کر سہہ رہی ہوں"۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

"یسریٰ! پلیز نہ کرو ایسی باتیں، تمہاری تکلیف کا احساس ہے مجھے، میں خود اذیت میں ہوں لیکن میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، ابو نے میری 75 فیصد جائیداد مائدہ کے نام کر دی ہے، انھیں شادی کا پتہ چلا تو وہ مجھے عاق کر دیں گے اور ایسا ہوا تو میں کیسے خود سروائیو کر پاؤں گا؟ کیسے تمہیں سپورٹ کر پاؤں گا، میں بہت مجبور ہوں"۔ وہ اس کے آنسو پونچھتا آزردگی سے کہہ رہا تھا، وہ دونوں ہی منجدھار میں پھنسے تھے کہ اپنوں کے خلاف جا کر شادی کرنا نہایت آسان تھا لیکن اپنوں کے سہارے کے بغیر اسے نبھانا بہت مشکل کہ انسان کی آدھی سے زائد پریشانی تو کسی اپنے کے دلاسے سے ہی ختم ہو جاتی ہے اور وہ دونوں اپنوں کے ہوتے ہوئے اکیلے ہو گئے تھے کہ انھوں نے اپنوں کے خلاف جا کر ایک دوسرے کو شریک سفر منتخب کیا تھا، اور وہ خوش تھے مگر

اپنوں سے دوری کا احساس اس خوشی کو بدمزہ کرتا رہتا تھا۔ وہ بہت کچھ پا کر بھی نہ پانے کی کسک جھیل رہے تھے۔

☆..........☆..........☆

ماہ کنعان نے اسے ڈنر پر لے جانے کی بات کی تھی تاکہ مل بیٹھے تو کچھ اسے جانتے اور اس کے گلے بھی دور کردے کہ جس قدر وہ بدگمان تھی وہ یہ سب ضروری سمجھتا تھا۔ اس کا حنین کے ساتھ ایک شرعی رشتہ قائم ہوچکا تھا اس لیے اسے اتنی تو چھوٹ مل ہی سکتی تھی، مگر اس نے تو سنتے ہی انکار کردیا تھا لیکن اس کی ایک بھی نہیں چل سکتی تھی اور وہ ہزار خدشوں اور تمام تر خوف کے ساتھ اس کے ہمراہ شہر کے مہنگے ترین ہوٹل میں آگئی تھی، جہاں اس نے ٹیبل بک کروائی ہوئی تھی اور وہ بہت خوش تھا اور اسے امید تھی کہ جو خوشگوار ہی نہیں ان کی زندگی کے لیے ٹرننگ پوائنٹ بھی ثابت ہوگی۔

وہ مسرور تھا اور وہ تو مارے باندھے ہی آئی تھی پورے راستے کچھ نہیں بولی تھی، اس کا خوف محسوس کرکے وہ ہلکی پھلکی سی گفتگو کا آغاز کرچکا تھا یا اور بات تھی کہ وہ ہوں، ہاں کے علاوہ کچھ نہیں کہہ رہی تھی نہ ہی اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور سنبھل کر ڈور کی طرف ہوئی بیٹھی تھی، اس کی حرکت پر وہ محض مسکرا دیا تھا کہ اس نے سوچ لیا تھا کہ آج وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا کہ وہ مزید ڈر کا، غیر تحفظات کا شکار ہو۔ سفر تمام ہوا تھا اور وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے وہ بلیک تھری پیس میں شاندار ہی لگ رہا تھا تو اس کے سامنے پر حجاب سی گھبراہٹ لیے سیاہ ٹراوزر سوٹ جس پر ریڈ ریشم کے دھاگے اور اسٹون کی کڑھائی کا کام نہایت خیرہ کن تھا اور لائٹ سے میک اپ اور جیولری میں اس کی شہابی رنگت کھلی جارہی تھی، وہ نوعمری و دوشیزگی کا بانکپن و جوبن لیے اس کو بے خود کررہی تھی، وہ یک ٹک اسے تکتا اس کے چہرے کے نقوش از بر کررہا تھا، ہوا سے اٹھکیلیاں کرتے اس کے سیاہ ریشمی بال چہرے پر سایہ سا کرنے لگتے تھے اس کی انگلیوں کی جنبش سے کان کا آویزہ ہلا تھا اور قیمتی اسٹون کی سنہری چمک اس کے چہرے پر بکھر گئی تھی اور اس کی گہری نظروں سے وہ موم کی گڑیا سی لڑکی پگھلنے لگی تھی، اسے اپنی بے اختیاری کا احساس جب ہوا تھا جب ٹیبل کی شفاف سطح پر پانی کی بوندیں گری تھیں وہ کنفیوژ سی نیر بہا رہی تھی کہ وہ اتنی باہمت تھی ہی نہیں کہ مزے سے اس کے عین سامنے بیٹھی رہتی، اس نے خود کو سرزنش کی تھی اور اس کی لرزتی پلکوں سے گرتے موتی ہتھیلی آگے کرتے ہوئے اس میں جمع کرلیے تھے۔

''حنین! تمہارے آنسو تمہاری ہی مانند قیمتی ہیں انہیں یوں نہ بہاؤ''۔ اس کا لہجہ آنچ دیتا ہوا تھا۔

''پلیز! مجھے میرے گھر ڈراپ کردیں''۔ 45 منٹ کے ساتھ میں یہ پہلا جملہ تھا جو اس کے پنکھڑی سے لبوں سے آزاد ہوتا اسے سخت بدمزہ کر گیا تھا۔

''اوکے، بٹ کچھ کھا تو لیں ناں، سچ بڑی بھوک لگی ہے کہ تمہارے ساتھ کھانا کھانے کے خیال سے میں نے لنچ نہیں کیا تھا''۔ وہ اپنے جذبوں کو اندر دباتا دوستانہ انداز میں بولا تھا، اس نے نگاہ اٹھائی تھی سیاہ آنکھیں سمندر کا سا منظر پیش کررہی تھیں اور نہ جانے کب کب کے پڑھے شعر اسے یاد آنے لگے تھے۔

''تمہیں پوئٹری پسند ہے؟'' سنبھل کر پوچھا تھا اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ اس نے گہرا سانس کھینچتے ہوئے ویٹر کو اشارہ کیا تھا اور وہ تو کچھ کھانے کو تو کیا بتانے کو بھی راضی نہ ہوئی تو اس نے اپنی پسند و مرضی کا کھانا آرڈر کردیا تھا۔

''میرا پسندیدہ رنگ سیاہ ہے، تمہیں کون سا رنگ پسند ہے؟'' وہ خود کو اپنی نگاہ کو قابو میں رکھے دوستانہ انداز

میں پوچھ رہا تھا کہ اس کی گھبراہٹ اور ڈر کم کرنے کے لیے کچھ تو کرنا ہی تھا ناں۔

''مجھے تو سارے ہی رنگ پسند ہیں لیکن میرا موسٹ فیوریٹ کلر نیوی بلیو ہے''۔ وہ دھیمے دھیمے بولی تھی کہ اس میں اعتماد کی کمی نہ تھی بس ماہ کنعان کے سامنے اس کا سارا اعتماد ہی ہوا ہوجاتا تھا کہ محترم کارنامے ہی ایسے انجام دے چکے تھے اور اب ان کی ایک نگاہ بھی کافی تھی۔

''سوئیٹس میں تو میری جان ہے''۔ اس نے اپنی پسندیدہ ڈش بتائی تھی، اب وہ اس کے جواب کا منتظر تھا وہ یکدم ہی آنکھوں میں مسکان لیے بولنے لگی تھی، اور اس طرح اپنائیت سے بنا جھجکے ڈرے بولتی اسے بہت پیاری اور اپنی اپنی لگی تھی اور اسے دوستانہ ماحول میں اس کے ساتھ بات کرنا، کھانا کھانا بہت اچھا لگ رہا تھا کچھ وہ اسے اپنے بارے میں بتا رہا تھا کچھ اس کی پسند ناپسند سے آگاہ ہورہا تھا یہ تو جانتا ہی تھا کہ وہ بہت باتونی ہے آج صحیح معنوں میں یہ اس پر منکشف بھی ہوگیا تھا کہ وہ اپنی ہر بات کا کافی لمبا جواب دے رہی تھی اس کے سادہ دوستانہ انداز پر وہ یہ بھی فراموش کرگئی تھی کہ وہ اسے ناپسند کرتی تھی یا غیر تحفظات کا شکار تھی ویسے بھی اس کی ساری توجہ کھانے پر تھی اور وہ اس کو ایک ساتھ کھاتے اور بولتے متحیر سا دیکھ رہا تھا مگر بن اس کو محویت سے ہی رہا تھا۔

''تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟'' وہ کہاں اتنی دیر غیر سنجیدہ و غیر اہم فضول لایعنی باتیں سن سکتا تھا، وہ بھی اس انسان سے جو اس کی محبت ہو، جس کے ساتھ اس کی پہلی ڈیٹ ہو، جو عین سامنے موجود اس کے جذبات بھڑکانے کا سبب ہو، اس کی رومانوی فطرت کو جاگر کرنے کا موجد ہو اس کے ساتھ غیر رومانوی گفتگو کرنا اس جیسے شخص کا حوصلہ نہ تھا مگر اس نے یہ حوصلہ بھی کافی دیر بہر حال دکھا ہی دیا تھا اور وہ چاہ کر یکدم ہی پٹڑی سے اترتا اپنے مزاج کے مطابق بات نہیں کرسکتا تھا سامنے موجود اس لڑکی کو بڑی مشکل سے خود سے بات کرنے پر آمادہ کیا تھا اسی لیے بہت لحاظ کرتے ہوئے محض ایک سادہ سا سوال ہی کر ڈالا تھا۔

''کی ہے ناں، ممی سے، تایا ابو سے، ارحم بھیا اور رزمین آپی سے''۔ وہ زور و شور سے ''کی ہے ناں'' بولنے کے بعد پوری لسٹ ہی لے بیٹھی تھی جس میں اس نے تمام رشتے داروں سے لے کر ڈرائیور و ملازمین تک کے نام گنوا دیے تھے اور وہ اس کو چاہ کر بھی ٹوک نہیں پایا تھا کہ اس کے چہرے اور آنکھوں سے سچی خوشی چھلکی پڑ رہی تھی، اس کی آنکھیں مسکراتے ہوئے اتنی حسین لگ رہی تھیں کہ وہ ان آنکھوں میں ڈوب ڈوب کر ابھرنے اور ابھر ابھر کر ڈوبنے لگا تھا۔

''تمہاری اتنی بڑی لسٹ میں تمہیں نہیں لگتا کہ کچھ کمی ہے؟'' متبسم سا پوچھ رہا تھا کہ اس نے اس کا نام نہیں لیا تھا۔

''ہاں! وہ میری باربی ڈول اس سے بھی بہت محبت ہے مجھے اور ارحم بھیا کہتے ہیں کہ میں بالکل باربی ڈول کی طرح ہوں، بس وہ بولتی نہیں ہے اور میں چپ نہیں ہوتی''۔ وہ ترنت نقرئی ہنسی کے درمیان بولی تھی اور اس کا دھڑکتا دل آرزو کرنے لگا تھا کہ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی معصوم محبتوں میں اسے بھی شامل کرلے۔

''تم اپنی لسٹ میں میرا نام شامل نہیں کرسکتیں؟'' وہ شخص جو ہزاروں دلوں کی دھڑکن تھا جس کی ایک نگاہ التفات کی لڑکیاں منتظر رہتی تھیں، وہ بڑی آس سے اس چھوٹی سی لڑکی سے پوچھ رہا تھا، جس کی مسکراہٹ نہ جانے کیوں سمٹ گئی تھی اور وہ نگاہ چرائے لب چبانے لگی تھی اور اس کا جواب جانتے ہوئے بھی اسے شدید دکھ نے آگھیرا تھا کہ وہ چند ماہ میں ہی اس کے لیے بہت اہم ہوگئی تھی اور جس کو اپنی نگاہ میں دل میں رکھا جاتا اس

کی نگاہ میں بسنے، دل میں بسنے کی خواہش دل کب کر بیٹھا ہے یہ جان پانا ناممکنات میں سے تھا۔ اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے اس نے ایک ہنکارا بھرا اور ایک نگاہ اس کے شرمندہ سے چہرے پر ڈالتے ہوئے جیب سے ایک مخملی ڈبیا نکالی۔

''میری بڑی آرزو تھی کہ میں تمہیں اپنے روبرو بٹھا کر تمہارے ہاتھوں کی تعریف کروں اور تشنگی نہ ہوتی تھی اس لیے نکاح کے بعد انگوٹھی ہی گفٹ کر دوں'' ۔ وہ نرمی سے گمبھیر لہجے میں کہہ رہا تھا اور وہ نروس ہو چکی تھی اور جب اس نے ہاتھ بڑھانے کو کہا تھا تب وہ کنفیوژ سی منمنائی تھی۔

''مم... میں خود پہن لوں گی'' ۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی ہاتھ گود میں رکھے اضطراری حالت میں آپس میں مسل رہی تھی۔

''تم ہاتھ آگے کرو، کھا نہیں جاؤں گا'' ۔ وہ خراب موڈ کے ساتھ بولا تھا اس نے اسے دیکھا جو غصے میں لگا اور اس نے ڈر کر ہاتھ جلدی سے آگے کر دیا اس کی معصومیت پر اس کے اعصاب ڈھیلے پڑتے چلے گئے اور اس نے اس کا دودھیا نرم و نازک ہاتھ نرمی سے تھاما اور بڑے پیار سے اس کی نازک مخروطی انگلی میں دیدہ زیب انگوٹھی سجا دی۔ وائٹ ڈائمنڈ کی ہارٹ شیپ رنگ اس کے ہاتھ کی دلکشی دوراپنی قیمت بڑھا گئی تھی یا اس نے اب تک اس کا ہاتھ تھاما ہوا تھا وہ اس کے ذرا سے لمس پر بیرخ پڑ گئی تھی، پیشانی عرق آلود ہوئی تھی اور اس نے ہاتھ کھینچنا چاہا تھا مگر اس کی گرفت اتنی بھی کمزور نہ تھی اس نے مسکرا کے اسے دیکھا تھا اور چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی بے باکی کا ثبوت دے ہی دیا تھا۔ اس کے ہاتھ کی پشت پر لب رکھے تھے وہ جی جان سے کانپی گھبرا کر کھڑی ہوئی تھی تو اس نے مسکرا کر دلچسپی نگاہوں سے اس کے حیا آلود چہرے کو دیکھا اور کھڑا ہو گیا۔

''تم میرے ذرا سے لمس سے کانپ جاتی ہو کبھی جو تم پر چاہتوں کی بارش کرنے پر آیا تو کیا کرو گی مسز؟'' وہ اس کے سامنے رکتا مخمور لہجے میں بولا تھا اور اس پر تو لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

''ابھی تو سڈنی جا رہا ہوں، واپس آ کر رخصتی کی بات کروں گا کیوں کہ چار سال انتظار نہیں کر سکتا ہوں'' ۔ نرمی سے اس کے رخسار کو چھوتے ہوئے ذومعنی لہجے میں بولا تھا اور وہ جسے سمجھنا بڑی جلدی میں اس سے پہلے ہی آگے بڑھ گئی تھی۔

''تم کتنا ہی بھاگ لو تمہارے سارے راستے آ کر رکتے مجھ پر ہی ہیں'' ۔ وہ اس کے ہم قدم ہوتا بولا تھا وہ اپنے بہت قریب اس کی آواز پا کر اچھلی تھی اور لڑکھڑا کر گرتی کہ وہ تھام گیا تھا۔

''تم بہت اہم ہو میرے لیے حنین! تمہیں جب تک زندہ ہوں گرنے نہ دوں گا، جہاں تمہارے قدم لڑکھڑائے تم مجھے مضبوط سہارے کی طرح اپنے آس پاس، اپنے ہم قدم پاؤ گی'' ۔ وہ دلکشی سے اس کی ساحر آنکھوں میں دیکھتا کہہ رہا تھا اور اس کا لہجہ اس کی آنکھوں کی طرح سچا اور شفاف تھا اس کے کورے من میں، کورے دل میں اترتا چلا گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

میں نے تمہیں ایسا کوئی حق نہیں دیا ہے کہ تم مجھ سے کسی بھی سلسلے میں جواب طلبی کرو'' ۔ امجد نے اس کے ہاتھ سے بیگ کا جھپٹا اور نہایت تلخی سے بولا تھا نرم خو مائدہ کو غصہ دلا گیا تھا۔

(جاری ہے......)

سعدیہ عابد

قسط نمبر 18۔

سلسلے وار ناول

بندِ قبا کھلنے لگی جاناں

''آپ کے نہ ماننے سے میرے حقوق کم نہیں ہو جائیں گے اسجد عالم! اور یہ جاننے کا مجھے پورا حق ہے کہ یہ جھمکا کس کا ہے؟ کیونکہ میں آپ کی بیوی ہوں''۔ وہ قدرے ناگواری سے بولی تھی کہ آج جب اس کی جیب سے جھمکا ملا تھا تو وہ اندر تک ٹوٹ سی گئی کہ چاہے وہ اسے اگنور کر رہا تھا مگر اسے یہ امید نہ تھی کہ وہ اس کا حق نہیں اور لٹا رہا تھا اور یہ سوچ ہی تکلیف دہ تھی اس لیے وہ جواب طلبی کرنے کھڑی ہو گئی تھی مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ کوشش اس کے سارے بھرم توڑ ڈالے گی۔

''اول شب ہی تمہیں باور کروا دیا تھا میں نے کہ تم مائدہ یوسف الحسن اس گھر کی صرف بہو ہے میرا تم سے کوئی تعلق نہیں، میں تمہیں بیوی نہیں مانتا کہ جسے دل سے اپنانا چاہا تھا اسے بیوی بنا چکا اور ایک بیوی کے ہوتے ہوئے مجھے دوسری بیوی کی نہ چاہ ہے نہ ضرورت''۔ اس کے انکشاف پر صحیح معنوں میں زمین اس کے پیروں سے کھسکتی چلی گئی تھی وہ دھواں دھواں چہرے کے ساتھ بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی جو بے رحمی سے مزید کہہ اٹھا تھا۔

''ایسے بے یقینی سے کیا دیکھ رہی ہو، میں نے تمہیں شادی سے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا، تم پر تو مشرقی بیٹی بننے کا بھوت سوار تھا تو بھگتو، مجھ سے کیا شکوہ کر رہی ہو، کیوں سوال کر رہی ہو؟ یاد

رکھو تم میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتیں، جب چاہو اس زبردستی کے نام نہاد رشتے سے آزادی حاصل کرلو"۔ وہ انتہائی سنگدل و بے رحم شخص تھا اس پھول سی لڑکی کے نرم و نازک احساسات کی ذرا پرواہ نہ کی تھی اسے بکھیر کر رکھ دیا تھا۔

"ٹھیک ہے، آپ مجھے طلاق دے دیں"۔ اس کا لہجہ سرد تھا وہ اس کے سرخ چہرے اور بھیگی پلکوں کو دیکھنے لگا تھا اس کے لہجے میں انداز میں کوئی نرمی نہ تھی اسے امید نہ تھی کہ وہ ایسی بات کرے گی اور اس کے بعد کا اگلا قدم اس کے دماغ ٹھکانے لگا گیا تھا۔ اس نے بازو سے پکڑ کر اسے باہر جانے سے روکا تھا۔

"مسٹر اسجد عالم! آپ کو ایسا کوئی حق نہیں ہے کہ آپ مجھے روکیں"۔ وہ جھٹکے سے بازو آزاد کروا گئی تھی، اس نے لب بھینچ لیے تھے۔

"آپ کو جب مجھ سے شادی نہیں کرنی تھی تو نہ کرتے، مجبوری میں کرلی مگر نبھا نہیں سکتے اس لیے آپ جو فیصلہ چند سالوں بعد لیں گے آج ہی لے لیں اور مجھے طلاق دے دیں"۔ اس کا انداز بے لچک تھا۔

"میں نے صرف ابو کی وجہ سے شادی کی اور ابو کی ہی وجہ سے تمہیں طلاق نہیں دے سکتا"۔ وہ اسے گھورتے ہوئے بولا تھا وہ بے ساختہ ہنس دی تھی مگر اس کی ہنسی میں ٹوٹے کانچ کی کرچیوں سی کھنک تھی۔

"آپ نہ مجھے اپنا سکتے ہیں نہ چھوڑ سکتے ہیں، نہ میں آپ کو مجبور کرسکتی ہوں مگر اتنا یاد رکھیں آپ کہ مجبور صرف میں نہیں آپ بھی ہیں، اگر میں اپنے والدین کی وجہ سے مجبور ہوں تو یہی مجبوری آپ کو بھی لاحق ہے اور جب میں اپنی مجبوریوں کو نبھا رہی ہوں تو آپ بھی نبھانا سیکھیے کیونکہ میں روز روز اپنی بے عزتی نہیں کرواؤں گی۔

وہ آنسو رگڑتی سخت لہجے میں بہت کچھ باور کرواتی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی اور اس نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے لب بھینچ لیے تھے کہ اس کا انداز اسے سخت برا لگا تھا مگر کہہ نہیں سکا تھا وہ اسے طلاق کی محض دھمکی دے سکتا تھا مگر طلاق دے نہیں سکتا تھا کہ اسے باؤنڈ کرنے کے لیے نوید عالم نے اپنی جائیداد میں سے اسجد کے حصے میں سے 75 فیصد مائدہ کے نام کر دیا تھا وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگا تھا۔

☆..........☆..........☆

"ماموں جان! آفس جاتے ہوئے مجھے الحسن ہاؤس چھوڑ دیجیے گا"۔ سب سے زیادہ چونک کر اسے اسجد نے دیکھا تھا۔

"چھوڑنے میں کوئی قباحت نہیں ہے لیکن تمہیں جانا ہے تو اسجد سے کہو چھوڑ آئے گا"۔ انھوں نے نرمی سے شائستگی سے پرشرارتی لہجہ اپنایا تھا۔

"جی میں نے کہا تھا مگر انھیں فرصت نہیں ہے آپ چھوڑ دیجیے گا مجھے پاپا، مما یاد آرہے ہیں"۔ وہ فطری طور پر باپ کو زیادہ چاہتی تھی اور یہاں وہ انھیں ہی سب سے زیادہ مس کر رہی تھی، جب جب وہ اسے ہرٹ کرتا تھا، اسے اپنی ماں کی آغوش، باپ کے دست شفقت، بھائی کے مہربان سائے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، مگر وہ شخص تو جیسے اسے ہر ایک رشتے اس کی لطافت سے دور کر دینا چاہتا تھا، جب ہی تو وہ شادی کے بعد محض تین سے چار دفعہ ہی میکے گئی تھی، اس کے صاف کہہ دینے پر وہ سب پریشان و حیران ہوئے تھے اور اسجد بھی متحیر رہ گیا تھا اور اسے دیکھنے لگا تھا جو پیلے رنگ کے سوٹ میں کافی اداس اور غیر معمولی سنجیدہ نظر آرہی تھی۔

"کیوں بھئی! ایسی بھی کیا مصروفیت کہ تم بیوی کو بالکل ہی نظر انداز کر دیتے ہو؟" راشدہ نے اسے ڈپٹا تھا

اور وہ اس پر ٹھہر جانے والی نگاہ چراتا ماں کو دیکھنے لگا تھا۔

"ساری مصروفیات کو ترک کر کے بیوی کا خیال رکھا کرو، چاہے آفس سے چھٹی کرنی پڑے تم مائدہ کو میکے لے جاؤ"۔ وہ بیٹے کو ہلکی سی خفگی کے ساتھ ہدایت دے رہی تھیں۔

"جی امی! لے جاؤں گا کہ انکار تو میں نے پہلے بھی نہیں کیا تھا، بس اتنا ہی کہا تھا کہ شام میں لے جاؤں گا"۔ فوراً ہی حامی بھر کر اپنا بھرم قائم رکھنے کو جھوٹ کا سہارا لیا تھا اور وہ تلخی سے مسکرا اٹھی تھی۔

"آپ کو زحمت کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے، ماموں جان نہیں چھوڑیں گے تو میں راحم بھائی کو بلا لوں گی کہ واپس بھی تو ان کے ساتھ ہی آنا ہوگا، تو ان کے ساتھ ہی چلی بھی جاؤں گی"۔ وہ کہہ کر اٹھی تھی اور نکلتی چلی گئی تھی، اس نے یہ دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ اس کی نرم سی تلخی کا کیا اثر ہوا، اسجد عالم کو کتنی صفائی دینی پڑی، کتنے جھوٹ بولنے پڑے اور جب وہ ماں اور باپ کو مطمئن کر کے روم میں آیا تو وہ اپنا بیگ تیار کر رہی تھی۔

"امی اور ابو کے سامنے اس بکواس کا مطلب؟" جارحانہ انداز میں اس کا بازو جکڑا تھا۔

"مطلب صاف ہے اسجد عالم! ہاں آپ سمجھنا نہ چاہیں تو الگ بات ہے"۔ اپنا بازو آزاد کرواتی دور ہوتی نہایت تلخ لہجے میں بولی تھی کہ وہ نرم مزاج، نرم خو لڑکی غصے میں بھی نرمی کا ساتھ نہیں چھوڑ پاتی تھی کہ وہ اپنی فطرت نہیں بدل سکتی تھی، ویسے ہی وہ بھی اپنی فطرت کب بدل سکتا تھا، ماں باپ کے سامنے جو سبکی ہوئی تھی، جو وضاحتیں تحمل سے دینی پڑی تھیں، سارا تحمل غصے کی نظر ہو گیا تھا۔

"بکواس بند کرواپنی، اور آئندہ ایسا کوئی تماشا لگانے کی ضرورت نہیں ہے"۔ وہ چیخا تھا۔

"چیخیے مت کہ میں اس لہجے و رویے کی عادت نہیں رکھتی"۔ وہ بے بسی سے رو پڑی تھی۔

"وہ صرف آپ کو یہ باور کروانے کے لیے تھا کہ بھرم رکھنا، عزت بنائے رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے، اور میں اگر اپنا بھرم رکھتی پھرتی ہوں، اپنی عزت خاندان کی عزت کے لیے تو کچھ فرض تو آپ کا بھی بنتا ہے، کہ میں اگر خاموش ہوں تو اپنوں کو دکھ سے بچانے کے لیے، اپنی عزت نفس کے لیے اور آپ کس طرح مجھے ڈی گریڈ کر رہے ہیں، میری عزت نفس پامال کر رہے ہیں، یہ آپ جانتے ہیں اور یوں ہی رہا تو میری خاموشی ٹوٹ بھی سکتی ہے"۔ اس کے آنسو روانی سے رخساروں کو تر کرتے جا رہے تھے اس کا لہجہ مگر ہموار و شفاف اور غیر معمولی سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔

"تم مجھے دھمکی دے رہی ہو؟" اسے تیکھے چتونوں سے گھورا تھا۔

"نہیں صرف اتنا بتانا چاہ رہی ہوں کہ آپ کے نہ ماننے کے باوجود رشتہ بہر حال قائم ہے اور اس کے کچھ تقاضے ہیں، مجھے سب کے سامنے جواب دہ ہونا پڑتا ہے اور جب میں اپنا اور آپ کا بھرم رکھنے کو جھوٹ بول کر سب اچھا ہے کی عملی تفسیر پیش کرسکتی ہوں تو آپ کو تو صرف میرا ساتھ دینا ہے کہ اس میں آپ کا ہی فائدہ ہے میں اب آپ کے بھرم نہیں رکھوں گی کہ جو شخص میری عزت کرنے کو تیار نہیں میں اس کی عزت کیوں رکھتی پھروں؟ ہاں آپ عزت دیں گے تو میں بھی آپ کی عزت رکھ لوں گی کہ آپ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے گا ہر لذت، ہر خوشی، ہر چاہت، ہر ضرورت میں عزت سے کم تر سمجھتی ہوں، آپ سے کچھ طلب نہیں کر رہی کہ مجھے میری عزت نفس عزیز ہے، مجھے اپنا بھرم بہت پیارا ہے اور میری عزتِ نفس، میرا بھرم دوسروں کے سامنے قائم ہونے سے قبل میرے سامنے قائم رہنا ضروری ہے نفرت سہہ سکتی ہوں، ذلت نہیں، محبت کے بغیر رہ سکتی ہوں، عزت

کے بغیر نہیں، اور آپ مجھے کتنی عزت دے رہے ہیں یہ مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اب آگے مزید آپ سے ذلت نہیں وصولنی میں نے۔" وہ اس کو بہت کچھ باور کراتی اس کے سامنے سے ہٹ گئی تھی اور وہ غصے سے کھولتا گھر سے ہی نکل گیا تھا، مگر جب غصہ اترا تھا، ٹھنڈے دماغ سے سوچا تھا تو اس کی ہر بات سچی لگی تھی، آج والدین کو صفائی دیتے اسے دانتوں پسینہ آ گیا تھا اور آج سے قبل ایسی نوبت نہ آئی تھی، تو سبب مائدہ کی خاموشی اس کی اچھائی ہی تھی، اگر وہ سب کو بتا دیتی کہ وہ اس کے ساتھ کس طرح کا سلوک رکھے ہوئے ہے تو اس کی ذات سوالوں کی زد میں آ جاتی، مگر اس نے صرف اپنا ہی نہیں اس کا بھی بھرم رکھا تھا، نہ رکھتی تو جو آج ہوا وہ شادی کے اول دنوں میں ہی ہوتا، اسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا تھا، وہ جانے انجانے میں مائدہ کے ساتھ ظلم کر رہا تھا، احساس تھا اسے مگر دوسری کوئی چوائس نہ تھی کہ وہ جھکنے کو تیار نہ تھی تو وہ کیسے جھک جاتا؟ اگر اس نے اسے دھتکارا تھا تو وہ بھی اب یہی کر رہی تھی، وہ اگر دو قدم پیچھے ہوتا تھا تو وہ چار قدم دور چلی جاتی تھی، وہ دونوں ہی انا کے خول میں قید ہوتے جا رہے تھے اور زندگی صرف بھرم رکھنے کا نام تو نہیں ہے، اس طرح کب تک چلنا تھا؟ کب تک انھوں نے دریا کے دو کنارے بنے رہنا تھا؟ پہل کسی نے تو کرنی تھی؟ انا کسی نے تو مارنی تھی، انا کی جنگ میں تو صرف ہار ہوتی ہے، جذبات کی اور رشتوں کی، اور جذبات کی نفی کر کے کیا جیا جا سکتا ہے؟ کیا مائدہ جی رہی ہے یا زندگی کو محض گزار رہی ہے اور اسجد دنیا کا پہلا مرد تو نہیں تھا ناں، جس نے دو شادیاں کی تھیں، تو کیا وہ یسریٰ کے ساتھ ساتھ مائدہ کو بھی عزت، چاہت اور بیوی کا درجہ نہیں دے سکتا؟ کتنے ہی سوال جو سر اٹھا رہے تھے اور ان کے جواب وقت چلتے ہی مل سکتے تھے، کچھ جواب خود ہی مل جانے تھے اور کچھ خود ڈھونڈنے تھے اور وہ دونوں ہی جس کے لیے نہ راضی تھے، تو زندگی جو جواب خود سے دیتی وہ ہی انھیں قبول کرنے تھے، تو کیا ان دونوں کو جواب ان کی مرضی کے ملیں گے یا مرضی اور امید کے برخلاف؟

☆..........☆..........☆

"تمہیں اپنے پیروں پر چلتے دیکھ کر جو خوشی ہو رہی ہے، وہ میں لفظوں میں بتا نہیں سکتا۔" اسجد اسے اپنے مقابل کھڑا کیے شدت جذبات سے مغمور لہجے میں بولا تھا، وہ نم پلکوں سے مسکرا دی تھی کہ اسجد نے اس کا پراپر علاج کروایا تھا اور انتہائی توجہ اور نگہداشت کے ساتھ ساتھ ایکسرسائز کا ہی نتیجہ تھا کہ وہ اپنے پیروں پر ایک بار پھر چلنے لگی تھی، اس نے نرمی سے اس کے آنسو پونچھ کر اسے خود سے بھینچ سا لیا تھا۔

"تم میرے لیے بہت اہم ہو، میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تمہاری زندگی میں کمی صرف میری محبت میں آئی تھی اور آج تمہیں مکمل صحت یاب دیکھ کر سکون محسوس کر رہا ہوں۔" وہ اسے خود سے لگائے جذبات سے چور مدھم لہجے میں بول رہا تھا، وہ یکدم اس کی اتنی محبت پا کر بلک اٹھی تھی، اس کی محبت اسے معتبر کر دیا کرتی تھی، اس کی ذرا سی توجہ اسے اپنی زندگی کی ہر محرومی بھلا دیتی تھی۔

"پاگل لڑکی! خوشی کے موقع پر اتنا رونے کی کیا ضرورت ہے؟" وہ ہلکی سی خفگی سے اسے ڈپٹ کر اس کی دلجوئی کر رہا تھا۔

"آپ سے آج کچھ مانگوں گی تو کیا آپ دے دیں گے؟" وہ سوں سوں کرتی اسے آس سے دیکھ رہی تھی۔

"جان بھی حاضر ہے، جانِ اسجد!" نہایت دلفریب لہجے میں کہہ کر اس کی پیشانی چوم لی تھی، اور جو فرمائش اس نے کی تھی اس کا فریش موڈ یکدم ہی خراب ہو گیا تھا۔

"اسجد! میں جانتی ہوں وہ لوگ آپ کو نہیں پسند، مگر وہ جیسے بھی ہیں میرے اپنے ہیں اور میں اس گھر میں تنہا زندگی گزارتے ہوئے اپنوں کی اہمیت سے واقف ہو گئی ہوں، اپنا مارتا بھی ہے تو ڈالتا چھاؤں میں ہی ہے اور خالہ میرے لیے اگر کڑی دھوپ ثابت ہوئیں بھی تو سایہ دار شجر بھی وہی رہیں، اس لیے بار بار نہ سہی ایک بار مجھے ان کے پاس لے جائیں کہ آپ نے مجھ سے وعدہ بھی کیا تھا، پلیز اسجد! آپ کو میری قسم!" وہ رو رہی تھی، التجا کر رہی تھی اور اس نے اسے تنبیہہ کرتی نگاہوں سے دیکھا، رونے سے باز رہنے کو کہتے ہوئے لے جانے کے لیے حامی بھر لی، وہ دلکشی سے مسکرائی تو وہ اس کے کھل جانے والے چہرے کو دیکھ کر اسے نرمی سے اپنے قریب کر گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

"ارحم بھیا! آپ شادی کے بعد بدل تو نہیں جائیں گے ناں؟" وہ شدتوں سے روتی یقین مانگ رہی تھی۔

"تم سے کس نے کہا؟ ایسا کچھ نہیں ہوگا سمجھیں؟" جھنجھلا کر کہہ کر نرمی سے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

"نہیں آپ بدل جاؤ گے، آپ جب سے پنڈی گئے ہیں تو میں بہت اکیلی ہو گئی ہوں، آپ بدل گئے تو میں تو مر ہی جاؤں گی، بس آپ لاج سے شادی نہ کریں۔" وہ اس کی شرٹ بازو سے جکڑے مستقل رو رہی تھی، ماحول ایکدم ہی مکدر ہو گیا تھا، وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہی تھی؟

"نہیں بیٹا! رو نہیں، کہ شازمین تو مذاق کر رہی تھی۔" فریدہ نے اس تک آ کر اسے خود سے لپٹا لیا تھا جس کے رونے میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"آپ سچ کہہ رہی ہیں ناں پھپھو! ارحم بھیا ہمیشہ مجھ سے محبت کرتے رہیں گے ناں؟" وہ یقین چاہ رہی تھی۔

"ہاں کیوں کہ میری نینی کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا، محبت و رشتے کبھی نہیں بدلتے اور بیوی کے آ جانے سے بھی تمہاری اہمیت کم نہیں ہو گی، میری چھوٹی سی دوست، پیاری سی بہن ہمیشہ اہم رہے گی۔" وہ اس کو بازو سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف موڑ گیا تھا اور وہ اس سے لپٹ کر مزید رو پڑی تھی۔

"آئی لو یو ارحم بھیا! آپ نہیں جانتے آپ میرے لیے کتنے اہم ہو، مجھے آپ بالکل اپنے پاپا کی طرح لگتے ہو، جب جب میں ان کی تصویر دیکھتی ہوں تو اس میں آپ کی شبیہہ اترنے لگتی ہے اور جب آپ پنڈی گئے تو مجھے لگا کہ میں اب آپ کو پاپا کی طرح کھو دوں گی، آپ سے بات نہیں ہو رہی تھی تو مجھے اپنی سانسیں رکتی محسوس ہو رہی تھیں، آپ کبھی مجھے خود سے دور نہ کرنا، پاپا کی طرح مجھے کبھی چھوڑ کر نہ جانا کہ آپ صرف میرے دوست، میرے ارحم بھیا نہیں ہو، آپ میرے پاپا کی طرح ہو۔" وہ اس کے سینے سے لگی بلکتے ہوئے کہہ رہی تھی اس نے اسے بہت مشکل سے چپ کروایا اور شرمندہ سی کھڑی شازمین کو گھورنے لگا، جو اس کی تپتی نگاہیں خود پر محسوس کرتی منمنائی تھی۔

"آئی ایم سوری، میں تو صرف مذاق کر رہی تھی، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ حنین سیریس ہو جائے گی۔" اس کی آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

"کیا اس کی جذباتیت سے واقف نہیں ہو، جو اس سے مذاق کرنے چلی تھیں؟ اور ایسے بے ہودہ مذاق کی ضرورت ہی کیا تھی، اس کے کچے ذہن میں رشتوں کا منفی تاثر ڈالنے کی تم نے حماقت کیسے کر لی؟ جبکہ جانتی ہو کہ جو بات اس کے ذہن میں بیٹھ جائے نکلتی نہیں ہے اسے رشتوں کی پوزیٹو ٹی سکھانی، سمجھانی ہے نا کہ تم اس سے

فضول بکواس کرتیں"۔ ترم خوارحم الحسن اس پر الٹ پڑا تھا، فریدہ ہی نہیں اندر آتے راحم نے بھی اس کے غصے کو اچھنبے سے دیکھا تھا۔

"ارحم بیٹا! غصہ کیوں کر رہے ہو؟ شازمین تو بس مذاق کر رہی تھی"۔ شازمین کو روتے دیکھ کر انھوں نے بیٹے کو سرزنش کی تھی۔

"آئندہ اتنا سنگین مذاق کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے، میں ہر رشتے کو اس کی مناسب اہمیت دینا جانتا ہوں، میں نے ہر رشتے میں توازن رکھا ہے، ہاں حنین بچپن سے مجھ سے اٹیچ زیادہ رہی، لیکن اس کے باوجود حنین اور مائدہ میں، میں نے کبھی فرق روا نہیں رکھا، حنین کی فرمائش پر اگر اس کے لیے کچھ لایا تو بھی مائدہ کو یاد رکھا، میرے لیے دونوں بہنیں برابر ہیں، کبھی پلڑا بھاری ہوا تو صرف اس لیے کہ میں نے حنین کو ہمیشہ اپنی دوست کہا اور سمجھا، اور میں اب اتنا کم ظرف نہیں ہوں کہ بیوی کے آتے ہی ماں بہنوں اور دوست کو یکسر فراموش کر ڈالوں گا، اس لیے بہتر ہوگا کہ فضول کی پیشن گوئیوں سے پرہیز کیا جائے"۔ وہ ہرگز بھی دھیما نہیں پڑا تھا، اور تن فن کرتا نکلتا چلا گیا تھا۔ شازمین شدتوں سے رونے لگی تھی، فریدہ کو ڈر لگا تھا کہیں راحم کو بڑے بھائی کا غصہ کرنا برا ہی نہ لگا ہو؟ اس لیے انھوں نے ڈرتے ڈرتے بیٹے کو دیکھا تھا، مگر وہ نارمل ہی لگا تھا اس نے آگے سے کچھ پوچھنے کی کوشش بھی نہ کی تھی، لیکن انھوں نے خود ہی اسے بات بتائی تھی، اور شازمین کو چپ کروانے لگی تھیں۔

"ارحم بھیا کا غصہ جائز تھا مما! سب ہی حنین کی جذباتیت سے واقف ہیں، اس لیے شازمین کو مذاق میں بھی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی"۔ اس نے دھیمے سے کہا تھا۔

"پھپھو! سچی میں تو صرف مذاق کر رہی تھی"۔ وہ سوں سوں کرتی بولی تھی اور انھوں نے اسے پچکار کر ارحم کی طرف سے بھی معذرت کی تھی۔

"نہیں پھپھو! مجھے ارحم بھیا کا ڈانٹنا بالکل برا نہیں لگا، ابو اور اسجد بھائی کی طرح وہ بھی مجھے ڈانٹنے کا حق رکھتے ہیں"۔ وہ یکدم ہی مطمئن ہو گئی تھیں۔

"تم جا کر فریش ہو کر آؤ، میں جب تک چائے گرم کر لیتی ہوں"۔ نرمی سے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

☆..........☆..........☆

"آئی ایم سوری مما! بٹ میں خود پر کنٹرول نہیں کر سکا تھا"۔ ماں کے سرزنش کرنے پر وہ شرمندگی سے بولا تھا۔

"لیکن آئندہ خیال رکھنا شازمین تمہاری بھابی ہے اور اس کی کوئی اتنی خاص غلطی بھی نہیں تھی کہ بہنیں آپس میں ہنسی مذاق کر ہی لیتی ہیں، حنین تو ہے ہی جذباتی، تمہیں جذباتیت دکھانے کی ضرورت نہیں تھی"۔ انھوں نے جو غلط محسوس کیا تھا اس کا احساس دلانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

"دراصل مما! اس کو روتا دیکھ پانا میرے اختیار میں ہی نہیں ہے، اور آپ نے سنی تھیں ناں اس کی باتیں، وہ میرے لیے کس انداز سے سوچتی ہے، اس کے لیے میرے جذبات بھی بہت سچے اور انمول ہیں، مگر جو پچھلے دنوں ہوا اس کا خیال اور وہ حنین کو پتہ نہ لگ جائے کبھی اس کا خوف کتنی ہی باتیں ایک ساتھ ملیں اور میں ہائپر ہو گیا کہ بھابی نہ بھی سمجھوں تو بہن سے بھی مجھے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی، بہرحال شازمین ہر لحاظ سے، ہر رشتے سے میرے لیے اہم اور قابل احترام ہے اور آپ فکر نہ کریں جو زیادتی اس کے ساتھ کی ہے اس

سے معافی مانگ کر ازالہ کر لوں گا"۔ وہ سچائی سے کہہ رہا تھا، انھیں یکدم اطمینان ہو گیا تھا، وہ اختلافات نہیں چاہتی تھیں اور گھر کا سکون آپسی پیار اور مطابقت پر انحصار کرتا ہے، اس لیے انھوں نے پہلے ہی موڑ پر غلطی کی نشاندہی کر دی تھی، کچھ رشتے بہت نازک ہوتے ہیں، وہ چاہے پہلے شازمین کو بہن کا درجہ دیتا اور بعد میں بھابی کا، اسے احترام بہرحال کرنا تھا۔

"مگر تم حنین کے معاملے میں اکثر توازن نہیں رکھ پاتے اور جواب تک ہوا ٹھیک تھا، مگر آگے کے لیے سوچنا پڑے گا کہ اس کا نکاح ہو گیا ہے، کچھ سالوں میں رخصتی بھی ہو جائے گی، کنعان اس سب کو کس نہج پر لے جا کر سوچے گا، ہم نہیں جانتے، بیٹا! انسان دیکھتا پہلے پرکھتا بعد میں ہے، تمہارے دل و نگاہ میں کتنی محبت و احترام ہے یہ کوئی نہیں دیکھے گا، اس لیے ضروری ہے کہ تم اس سے اپنی اٹیچمنٹ کم کرو، جتنی جذباتیت اس نے دکھائی، سچ کہوں ناں تو میں ڈر گئی ہوں، کچھ رشتے بہت نازک ہوتے ہیں، تم سمجھ دار ہو، ہر بات، ہر چیز سمجھ سکتے ہو، مگر اسے سمجھانے کی ضرورت ہے اور یہ بھی مجھے اچھے سے اندازہ ہے، اسے یہ سب تم ہی سمجھا سکتے ہو"۔ وہ نہایت نرمی و شفقت سے بیٹے کو سمجھا رہی تھیں۔

"جی مما! مجھے بھی ان باتوں کا احساس تھا، اس لیے نامحسوس طریقے سے میں اس کا انحصار خود پر سے ختم کر رہا ہوں، مگر مکمل اسے میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتا"۔ اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اپنی مجبوری ظاہر کی تھی اور وہ مسکرا دی تھیں۔

"مان لو بیٹا جان! اسے بگاڑنے میں تمہارا اور زرمین کا ہی ہاتھ ہے وہ محترمہ آج بھی آدھی رات کو بھی پتہ چلے کہ حنین پریشان ہے تو سسرال سے میکے پہنچ جاتی ہے، تم لوگوں نے اس پر پیار و توجہ لٹا کر اسے خود پر انحصار کرنا سکھایا ہے وہ خود سے کوئی فیصلہ لے ہی نہیں سکتی، تم دونوں کی طرف لپکتی ہے، مجھے ڈر ہے کہ آگے زندگی وہ کیسے گزارے گی؟" وہ بھتیجی کی آنے والی زندگی کو لے کر متفکر تھیں۔

"مما! آپ پریشان نہ ہوں، اللہ بہتر ہی کرے گا، اور کنعان کو لے کر آپ سب شکوک و شبہات کا شکار ہیں، مگر وہ شخص نو ڈاؤٹ ایک اچھا انسان ہے، مجھے جب اس کے پرپوزل کا پتہ چلا تھا، میں نے تب ہی حمایت کی تھی کہ اس کی نگاہ میں، میں نے حنین کے لیے بہت سچے جذبات دیکھے ہیں اور جن سے محبت کی جائے ان سے وابستہ لوگوں سے محبت خود بہ خود ہو جاتی ہے، آپ سب دیکھنا کہ کنعان ہماری حنین سے بہت محبت کرے گا، اس کا اتنا خیال رکھے گا کہ ان شاء اللہ ہمیں حنین کی زندگی پر رشک محسوس ہوگا"۔ وہ پریقین لہجے میں بول رہا تھا۔

"اوہوں.... اور تم اپنی کہو لاج سے شادی پر اعتراض تو نہیں ہے ناں؟" انھوں نے یکدم ہی موضوع بدلا تھا۔

"مما! جو آپ کی پسند ہے، وہ ہی میری پسند ہے"۔ ان کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں کچھ تو کہنا تھا۔

"پھر بھی تمہاری اپنی بھی تو کوئی رائے ہوگی کہ ماہ لاج ہر لحاظ سے اچھی لڑکی ہے، تمہارے ساتھ سوٹ کرے گی مگر تم اپنی کہو کہ تمہیں کیسی لگتی ہے؟" نرمی سے استفسار کر رہی تھیں، جب حنین نے ارحم کے لیے ماہ لاج کا نام لیا تھا تو وہ خوش ہو گئی تھیں، لاج انھیں بھی بہت پسند تھی، شوہر سے بات کر کے ارحم سے بات کی تھی اور ارحم کے اقرار پر پرپوزل لے گئے تھے جو ماہ لاج کی خوشی و مرضی پر قبول کر لیا گیا تھا کہ یہاں تک ماہ کنعان بھی صرف اس کی وجہ سے ہی راضی ہوا تھا، وہ تو ارحم کو دیکھتا ہی دوسری نگاہ سے تھا۔

"مما! میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتا، اس لیے میں نے اس بارے میں سوچا بھی نہیں، ماہ لاج آپ کی

پسند ہے اور بس، ان کے بارے میں کبھی نہیں سوچا، نہ میرے دل میں ماہ لاج کے لیے کوئی سوفٹ کارنر ہے، رشتہ بنے گا اس کے بعد خود بہ خود تبدیلی آ جائے گی، فی الوقت میری کوئی رائے نہیں ہے''۔ وہ صاف گوئی سے بولا تھا۔

''کہیں تم نے وہ کنعان کی بہن ہے اس لیے تو شادی کی حامی نہیں بھری کہ اس طرح کنعان کی شیورٹی مل جائے گی''۔ پرتفتیش لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''مما! آپ مجھے جانتی ہیں، اس کے باوجود اس طرح کہہ رہی ہیں''۔ اس نے ماں کو ناراضی بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''مما! کسی بھی شخص کو عزت دینے اور محبت کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا، حنین کے لیے وہ شخص خود اپنی وجہ سے مناسب لگا ہے اور وہ خود اپنی شیورٹی ہے، جو میں جانتا ہوں وہ آپ نہیں جانتیں، اس شخص پر کہیں نہ کہیں بھروسا ہے مجھے، تب ہی میں نے حنین کو اس رشتے کے لیے اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی راضی کیا ہے۔ میں اس سے ڈرا نہیں ہوں اس کے جذبوں کے سامنے جھک گیا ہوں اور جب اس کو نینی کے لیے پرفیکٹ مان رہا ہوں، میری حسیات مثبت اشارے دے رہی تھیں، تو مجھے ضرورت نہیں ہے کہ میں فضول شیورٹیز تلاشتا رہوں، آپ بس اتنا یاد رکھیے گا کہ ماہ لاج سے شادی کے لیے میں آپ کی وجہ سے راضی ہوا ہوں، نہ کہ کوئی اور سبب ہے، ماہ لاج کی جگہ آپ کسی اور کو میرے لیے چوز کرتیں، میں تب بھی راضی ہو جاتا اور آپ کے ذہن میں کسی قسم کا ڈر یا شک ہے، تو بے شک آپ اس رشتے کو جڑنے سے پہلے ہی تمام سلسلے ختم کر دیں، میرے اقرار کی وجہ لاج کا کنعان کی بہن ہونا نہیں ہے، میں دوسرے کے کیے عمل کی جزا یا سزا دوسرے کو دینے کا قائل نہیں ہوں، اور حنین کو وہ ہی ملے گا جو اس کا نصیب ہے اور اس کے لیے کسی ضمانت کی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ نہایت ناراضی سے بول رہا تھا، انھوں نے اس کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

''آئی نو مائی سن! بس دل میں شک سا آیا تو کہہ دیا، ورنہ میں جانتی ہوں میرا بیٹا بہت فیئر ہے، ہر رشتے کو فیئر لی نبھاتا ہے، اور بیٹا جان! شادی نہ کرنے کے خیالات کو بہت ذہن میں جگہ دے لی، تمہاری ضد سے تنگ آ کر ابھی محض منگنی کر تو رہی ہوں، مگر یاد رکھنا کہ رخصتی کے لیے سال سے زیادہ نہیں ٹھہروں گی''۔ انھوں نے حق دمان سے اسے باور کروایا تھا، وہ محض مسکرا دیا تھا۔

☆..........☆..........☆

''تمہیں اپنا ڈریس کیسا لگا؟'' ہلکی پھلکی سی تیار ہوئی اسٹائلش سوٹ میں ماہ لاج بہت حسین لگ رہی تھی، اس کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ آن ٹھہری تھی، اندر آتیں ماہ لقا نے بیٹی کا گلنار چہرہ دیکھا تھا اور نجانے کیوں تمام وہم اڑن چھو ہو گئے تھے۔

''السلام علیکم آنٹی!'' اس نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے سلام کیا تھا، نکاح کے بعد ان کا پہلا سامنا تھا کہ نکاح سے پہلے بھی وہ ان سے محض تین بار ہی مشکل سے ملی ہو گی، انھوں نے ایک نظر گلابی چہرے والی نازک سی لڑکی کو دیکھا اور نخوت سے جواب دے کر صوفے پر بیٹھ گئیں، اس کا بڑھا ہوا ہاتھ بڑھا ہی رہ گیا تھا، جسے اس نے سبکی کے احساس کے ساتھ نامحسوس طریقے سے نیچے کر لیا تھا، فریدہ کی نگاہ ان ہی پر تھی، اس لیے انھیں ان کی حرکت عجیب ہی لگی تھی اور اب وہ بھینچی کو لب چبائے، پلکیں جھپکتے دیکھ رہی تھیں، ماہ لقا کے مخاطب کرنے پر ان کی جانب متوجہ ہو گئی تھیں۔

ارحم! آپ لوگوں کے ساتھ نہیں آیا؟'' وہ ماں کو دیکھنے لگی تھی، جو اپنے مخصوص انداز میں ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھی تھیں۔

''کچھ مصروف تھا لیکن انشاء اللہ اب تو آنا جانا لگا ہی رہے گا''۔ انھوں نے بات بنائی تھی، جبکہ ان کی روایات کے مطابق اس وقت لڑکے کے آنے کی ضرورت ہی نہ تھی، مگر یہ انھوں نے کہا نہیں تھا۔

''لاج! ذرا نوراں سے کہہ کر ناشتے کا انتظام کروا لینا، میری ایک میٹنگ ہے، اس لیے مجھے جانا ہو گا''۔ ماں کی بات پر وہ لب کچلنے لگی تھی، جبکہ اندر آتا ماہ کنعان بھی چونک اٹھا تھا۔

''واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز...!'' بیٹے کو دیکھ کر انھوں نے جوش دکھایا تھا، وہ مگر مسکرا بھی نہ سکا تھا، ماں کا یہ مصنوعی پن اسے ہمیشہ ہی کھلتا تھا، اس نے شائستگی سے فریدہ کو دیکھتے ہوئے مشترکہ سلام کیا تھا، جبکہ نگاہ لمحے بھر کو ان کے ساتھ گردن جھکائے بیٹھی دشمنِ جاں پر بھی ٹھہری تھی، جو غیر معمولی سنجیدہ لگ رہی تھی اسے تقریباً ایک ماہ بعد دیکھ کر اس کے ذہن و دل تر و تازہ ہو گئے تھے، مگر وہ ماں کے وہاں سے جانے کے سبب اس پر توجہ برقرار نہ رکھتے ہوئے ماں کے پیچھے ہی بڑھا تھا اور وہ آنکھوں میں آئی نمی پیچھے دھکیلتی فریدہ سے ماں کے رویے کی معذرت کرنے لگی تھی، انھیں وہ چھوٹی سی پیاری سی لڑکی یکدم ہی بہت اپنی اپنی سی لگی تھی۔

''کوئی بات نہیں بیٹا! ہر انسان کی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں اور ویسے بھی ہم یہاں تمہاری وجہ سے آئے ہیں، اور جب ہماری بیٹی ہمارے ساتھ ہے، تو کسی کے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے، ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم تو تم ہو''۔ وہ فریدہ کے پرشفقت و محبت سے لبریز لہجے پر انھیں حیرت سے دیکھنے لگی تھی، اور ان کے مسکرانے پر وہ بھی بھیگی پلکوں سے مسکرا دی تھی، جب وہ ماں سے الجھتا ان کو ان کے برے رویے کا احساس دلانے میں ناکام ہو کر لوٹا تھا، تو ڈرائنگ روم کی فضا کافی تسلی بخش تھی اور وہ سفر کی تھکان کے باوجود ماں کے رویے کے ازالے کے احساس سے سنگل صوفے پر بیٹھ گیا تھا، فریدہ اس سے بزنس ٹرپ کا احوال پوچھنے لگی تھیں اور ان سے بات کرتے ہوئے وہ اس کو بھی نوٹ کرتا رہا تھا، جو بہت سنجیدہ بیٹھی تھی کیوں؟ یہ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا، اس کے دل کا سوال مائدہ پوچھ بیٹھی تھی۔

''حنین! کیا ہوا چندا... اتنی خاموش کیوں بیٹھی ہو؟'' اس نے آواز پر سر اٹھایا تھا اس کی آنکھیں نم اور سرخ ہو رہی تھیں۔

''ہم گھر کب جائیں گے میرے سر میں درد ہو رہا ہے''۔ کب کے رکے آنسو اس کے ایک عام سے سوال پر گرنے لگے تھے، فریدہ نے اسے دیکھا تھا جو یکدم ہی مضطرب نظر آنے لگا تھا۔

''تھوڑی دیر بعد چلیں گے''۔ ٹرالی گھسیٹ کر لاتی ماہ لاج کو دیکھ نرمی سے اسے تسلی دی تھی، ماہ لاج نے اسے پلیٹ میں ریفریشمنٹ آئٹمز ڈال کر دیے تھے، مگر اس نے کچھ بھی لینے سے منع کر دیا تھا اور فریدہ کے کہنے پر محض چائے کے گھونٹ بھرنے لگی تھی، جو اسے اپنے حلق میں اٹکتے محسوس ہو رہے تھے، وہ تو اب تک ماہ لقا کے رویے میں الجھی تھی، ماہ لاج نے اسے مخاطب کیا تھا، وہ اپنے ہی خیالوں میں الجھی بیٹھی بری طرح چونکی تو ہاتھ میں پکڑا چائے کا مگ چھلک گیا، وہ ''سی'' کرتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''ڈونٹ وری... آؤ میرے ساتھ''۔ وہ اسے لیے باہر نکلی تھی، اسے شرارت سوجھی تھی اور وہ اسے ماہ کنعان کے کمرے کے دروازے پر چھوڑ کر باہر سے ہی پلٹ گئی تھی، اس نے ماہ کنعان کو بھی تو بھیجنا تھا، وہ اپنی شرارت پر متبسم سی ان سب کے درمیان آئی تھی۔

''لالہ جان! آپ سفر سے آئے ہیں، فریش ہو جاتے تو اچھا تھا''۔ شازمین سے بات کرتے کرتے یکدم انجان بن کر چونکنے والے انداز میں بولی تھی اور فریدہ نے بھی فوراً ہی اس کے مشورے کو سراہا تھا، اور وہ بھی اٹھنا تو چاہتا تھا، مرد بنا بیٹھا تھا ایکسکیوز کرتا اپنے کمرے میں آ گیا تھا، مگر بیڈ پر بیٹھی روتی ہوئی حنین کو دیکھ کر اسے نہ صرف حیرت ہوئی تھی، بلکہ پریشانی نے بھی آ گھیرا تھا۔

''حنین...!'' اس کے سامنے رک کر پکارا تھا، اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی، ان دونوں کے درمیان محض چند قدموں کا فاصلہ تھا، اس نے اپنے آنسو رگڑے اور جانے کے لیے آگے بڑھی تھی کہ وہ اس کی کلائی تھام گیا۔

''کیوں رو رہی تھیں؟'' نرمی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا تھا۔

''آپ سے مطلب؟'' ہاتھ چھڑاتے ہوئے وہ بھڑکی تھی، مگر اس نے ہاتھ چھوڑنے کے بجائے یوں جھٹکا دیا تھا کہ وہ اس کے سینے سے آ لگی تھی، اس کی تو جان ہی ہوا ہونے لگی تھی، اس کی نگاہ نے بہت نرمی سے اس کے چہرے کے بھیگے بھیگے نقوش چھوئے تھے، وہ بدک کر دور ہوئی تھی، نگاہ جھکائے، لب کچلتی، بھاگنے کو پر تولتی وہ پیاری سی لڑکی اسے بہت خاص لگی تھی۔

''یار! اتنا ڈرتی کیوں ہو؟ اچھا خاصا ہینڈسم ہوں، ایک جہان کی لڑکیاں مرتی ہیں مجھ پر اور تم ہو کہ مجھے دیکھ کر یوں بھاگنے لگتی ہو، جیسے میں کوئی دیوہیکل جن ہوں''۔ وہ اس کی کلائی ہنوز تھامے ہوئے تھا، جسے وہ چھڑانے کی کوشش میں تھی، مگر اس کی مضبوط گرفت سے ہاتھ نکالنا اتنا بھی آسان نہ تھا۔

''آپ پلیز مجھے جانے دیں''۔ وہ منمنائی تھی۔

''ارے... جانے دوں، آج تو جانے نہیں دے سکتا، اب تک تو میں تمہارے پیچھے تھا اور آج تو تم خود چل کر میرے کمرے تک آئی ہو''۔ وہ شریر ہوا تھا، ہاتھ چھوڑ کر ماتھے پر جھولتی سیاہ لٹ کو ہاتھ بڑھا کر ماتھے سے پرے کیا تھا، وہ بدک کر دور ہوئی تھی اور پیچھے دو قدم کے فاصلے پر موجود بیڈ پر گری تھی، وہ اس کی گھبراہٹ انجوائے کرتا بیڈ کے پاس ہی نیچے کارپٹ پر اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''بلیوی... میں خود نہیں آئی، وہ لاج مجھے چھوڑ گئی تھی اور سچی مجھے نہیں پتہ تھا کہ یہ آپ کا روم ہے، ورنہ میں نہیں آتی، پلیز مجھے جانے دیں''۔ وہ نیر بہاتے ہوئے منمنائی تھی کہ ایک دفعہ پہلے بھی اس کمرے میں آئی تھی مگر رونے کی وجہ سے اس نے کمرے پر توجہ ہی کب دی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ ہٹاتی اٹھنے لگی تھی، وہ اس کے دونوں ہاتھ تھام گیا تھا اور پیار سے اس کا چہرہ تکنے لگا تھا۔

''ہاں تم سے یہی امید تھی ظالم لڑکی، وہاں باہر ایک دفعہ جو مجھے دیکھا ہو، جانتی ہو میں نے تمہیں کتنا مس کیا، مگر کہاں اندازہ تھا کہ تم آج ہی دل کا سکون بن کر ٹکرا جاؤ گی، اپنی تمام تر سادگیوں کے باوجود بہت پیاری لگ رہی ہو، مگر یار! رو کیوں رہی تھیں؟ اداس کیوں ہو، کیا تم بھی مجھے مس کر رہی تھیں؟'' وہ جانتا تھا کہ وہ کچھ نہ بولے گی، اس لیے ایک ہی سانس میں کتنے ہی سوال کر ڈالے تھے۔

''میں نے آپ کو بالکل مس نہیں کیا تھا، اب مجھے جانے دیں''۔ وہ بے بسی سے گویا ہوئی تھی، وہ اس کے سامنے یوں بیٹھا تھا کہ وہ جاتا تو دور کھڑی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

''قسم سے تمہاری یہ صاف گوئی اور بے اعتنائی میری جان لے لے گی، جھوٹے منہ ہی کہہ دیتیں کہ مس کیا تھا''۔ وہ خائف و ناراض ہوئے بنا ہنوز شوخی سے بولا تھا۔

''میں جھوٹ نہیں بولتی، اب جانے دیں ناں پلیز...!'' وہ خفگی سے کہہ کر ملتجی ہوئی تھی۔

''اداسی کا سبب بتا کر چلی جاؤ کہ کچھ دیر تم اور میرے سامنے رہیں تو قسم سے میرا خود پر اختیار نہیں رہے گا، تم تو میرے سارے ایمان ڈانواں ڈول کر دیتی ہو''۔ نرمی سے اس کا رخسار چھو کر پیشانی پر لب رکھتا اس کی جان نکالتا کھڑا ہو گیا تھا، جبکہ وہ تو بیٹھی ہی رہ گئی تھی، اس نے اسے دیکھا تھا جس کا مہتابی رنگت والا کتابی چہرہ دہک رہا تھا، اور وہ بھی لب کچلتی داہنے ہاتھ کی پشت سے پیشانی مل رہی تھی۔

''تمہارا ابھی جانے کا دل نہیں کر رہا ناں؟'' اس کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے شوخی سے کہا تھا، اس نے بھیگی پلکیں اٹھائیں، خفگی و ناراضی سے اسے دیکھتی اس کی بولتی شوخ آنکھوں کی تاب نہ لاتے ہوئے نگاہ جھکا گئی تھی۔

''بتا دو یار! اداس کیوں ہو؟ ورنہ میں پریشان ہوتا رہوں گا''۔ اٹھتے قدم اس کی بھاری گمبھیر آواز پر تھمے تھے۔

''آپ کی مما مجھے پسند نہیں کرتیں، ان کا رویہ میرے ساتھ ٹھیک نہیں ہے''۔ وہ مجھے ناپسند کرتی تھیں تو آپ کو مجھ سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی''۔ وہ دروازے کے پاس ٹھہری بنا پلٹے نم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''پسند تو مجھے تم بھی نہیں کرتیں تو تم نے اپنی ناپسندیدگی کے باوجود مجھ سے نکاح کیوں کیا؟'' وہ اس کے سامنے سوال بن کر آن ٹھہرا تھا۔

''ارحم بھیا! کی وجہ سے کہ میں انکار کر کے ان کا مان نہیں توڑ سکتی تھی، سب کو یقین تھا کہ مجھے ارحم بھیا منا لیں گے، اس لیے میں سب کا یقین نہیں توڑ سکتی تھی''۔ وہ گہری سنجیدگی سے بولی تھی، جو اس کی شخصیت کا خاصہ نہ تھی۔

''تم میری محبت ہو، اور میں کسی کی بھی ناپسندیدگی کے خیال سے اپنی محبت سے دست بردار نہیں ہو سکتا تھا، چاہے وہ کسی میرے پیرنٹس ہی کیوں نہ تھے، تم یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ تمہیں کوئی بھی ناپسند کرتا ہو، کتنے ہی لوگ اس رشتے کے خلاف ہوں، مگر میں دل سے اس رشتے کے حق میں تھا، بہت محبت سے اپنایا ہے تمہیں اور میری محبت میں اتنی طاقت ہے کہ اپنا آپ منوا لے ہم بے فکر رہنا، تمہیں مجھ سے اگر 100 پرسنٹ چاہت ملے گی، تو میں خود سے وابستہ رشتوں کو بھی تم سے محبت کرنے پر مجبور کر دوں گا''۔ وہ بہت پیار و یقین سے کہہ رہا تھا۔

''محبت وہ واحد شے ہے دنیا میں جسے زبردستی حاصل نہیں کیا جا سکتا نہ ہی کسی کو محبت کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے''۔ وہ اس کو ساکت چھوڑ کر نکل گئی تھی، وہ بے چین ہو اٹھا تھا، اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اسے جوتا مار گئی ہے، وہ اسے اپنے نام تو کر چکا تھا، مگر اس کی محبت اپنے نام نہیں کروا سکتا تھا، محبت زور زبردستی سے حاصل نہیں کی جا سکتی، اس لیے وہ کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں نہ رہے، وہ جتنا سوچ رہا تھا اتنا الجھ رہا تھا اور جتنا الجھ رہا تھا اتنا ہی مضطرب ہو رہا تھا اور اضطراب کی لہریں دباتے دباتے وہ غصے کو ہوا دے بیٹھا تھا، اور اس نے سوچ لیا تھا زبردستی تو زبردستی ہی سہی کہ اسے بس کیسے بھی اس کو پانا تھا، اس کے دل تک رسائی حاصل کرنا تھی، یہ مشکل ضرور تھا ناممکن نہیں اور اس نے کسی بھی کام کو کبھی مشکل نہیں سمجھا تھا اور ناممکن جیسے لفظ کا تو اس کے آس پاس گزر بھی نہ تھا۔

☆..........☆..........☆

''فار گاڈ سیک حنین! ہر وقت تم بحث لے کر کیوں بیٹھ جاتی ہو؟'' ساجدہ حد درجہ جھنجھلا کر بولی تھیں۔

''ممی! آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں، میں ان کے ساتھ کیسے جا سکتی ہوں؟'' وہ ماں سے زیادہ جھنجھلائی ہوئی

تھی۔

”کیسے جاسکتی ہو کیا مطلب؟ وہ شوہر ہے تمہارا، اسی لیے اجازت دے رہے ہیں“۔ وہ اب کے ناراضی ظاہر کرگئی تھیں۔

”آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں مجھے ان کی بیوی بننے کا کوئی شوق نہیں ہے، میں منگنی میں ارحم بھیا کی طرف سے شرکت کرنا چاہتی ہوں“۔ وہ الٹا ناراضی ظاہر کرنے لگی تھی، انھوں نے بیٹی کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھا تھا۔

”شٹ اپ حنین! رشتے تمہارے نزدیک شوق کا نام ہیں“۔ وہ اسے ڈپٹ رہی تھیں۔

”آئی ایم سوری، بٹ آپ انھیں منع کردیں، میں منگنی میں ارحم بھیا کی طرف سے شریک ہونا چاہتی ہوں، پلیز ممی! ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ مائی فیلنگز“۔ وہ ماں کے ہاتھ تھامے ملتجی ہوئی تھی۔

”حنین! تمہیں ہر بات سے انکار کرکے مسئلہ بنانے کی کچھ عادت ہی ہوگئی ہے، وہ اس گھر کا داماد ہے، اب اسے کیسے منہ اٹھا کر منع کردیں؟ شریک تو پارٹی میں ہونا ہے اس سے کیا فرق پڑے گا کہ کس کی طرف سے شرکت کروگی“۔ وہ گزشتہ شب سے اسے سمجھا رہی تھیں، آخر غصے میں آ ہی گئی تھیں، ہاتھ جھٹک کر اس پر برسی تھیں۔

”آپ کو اپنے سڑے ہوئے داماد کی بہت فکر ہے جو مجھے ہرٹ کرنے، زچ کرنے کا کوئی موقع نہیں جانے دیتے، میں ارحم بھیا کی منگنی کو لے کر کتنی پرجوش تھی، کتنی تیاریاں کی تھیں، پھپھو نے کتنی خوبصورت فراک دلائی تھی مجھے اور انھوں نے گھٹیا سی ساڑھی بھیج کر حکم نامہ جاری کردیا کہ وہ مجھے لینے آجائیں گے، میں ان کی طرف سے انگیجمنٹ میں شریک ہوں گی، مجھے نہ وہ ساڑھی پہننی ہے اور نہ ہی ان کے ساتھ کہیں جانا ہے اور آپ نے مجھے اب فورس کیا ناں ممی! تو میں پارٹی میں ہی نہیں جاؤں گی“۔ وہ بھی غصے سے پھٹ پڑی تھی اور اس کو روتے دیکھ کر انھوں نے لب بھینچ لیے تھے، انھیں وہ خود سے بڑھ کر عزیز تھی، کچھ عرصے سے انھیں لگنے لگا تھا کہ دھیرے دھیرے ان کی بیٹی ان سے دور ہوتی جارہی تھی، آنسو ان کی آنکھوں سے گرنے لگے تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی لامحالہ ماہ کنعان کے ساتھ جانے کو راضی ہوگئی تھی۔

☆..........☆..........☆

”یہ آپ مجھے ماہ ولاز کیوں لے آئے ہیں؟“ وہ اسے کاشانہ عالم لینے پہنچا تھا جب تو اس کا موڈ خوشگوار تھا، مگر جس دم وہ گاڑی میں بیٹھی تھی، اس کی سنجیدگی و غصے کو محسوس کرگئی تھی اور جب وہ ریش ڈرائیونگ کرتا ماہ ولاز پہنچا تو اس کے اوسان خطا ہوگئے تھے کہ جانتی تھی کہ پارٹی شیرٹن میں ہے۔ ماہ کنعان نے ایک سخت نگاہ اس کے دوآتشہ روپ پر ڈالی تھی کہ انار کلی فیروزی رنگ کی فراک میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی، مگر وہ اس وقت شدید اشتعال میں تھا کہ آج کے لیے اس نے اس کے لیے نیوی بلیو ساڑھی لی تھی اور کیا کچھ نہیں سوچ لیا تھا اس لیے اسے فراک میں دیکھ کر وہ پارٹی میں جانے کے بجائے گھر آگیا تھا۔ اسے اترنے کو کہا اس نے ان سنا کردیا، اس نے غصے سے فرنٹ ڈور اوپن کیا اور بازو سے تھام کر اسے باہر کھینچ لیا، اس کے بعد وہ ہزار واویلوں کے بعد اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی، ماہ کنعان نے اسے اپنے کمرے میں لا کر اس کا بازو آزاد کیا اور بائیں ہاتھ میں موجود شاپر بیڈ پر اچھال دیا۔

”جلدی سے چینج کرکے آجاؤ“۔ وہ اتنے عام سے لہجے میں بولا تھا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو جبکہ وہ بری طرح رو رہی تھی۔

”وقت ضائع نہ کرو حنین عابدی! کہ ہم نے پارٹی میں بھی پہنچنا ہے“۔ اس کا فیروزی آنچل نہ جانے کہاں گر گیا تھا، اس نے دل کو تھپکی دے کر نظر چرائی تھی کہ اس وقت بجی سنوری اس کے دل ہی نہیں خواہشات پر بھی گہرا وار کرگئی تھی۔

”چینج تو میں ہرگز نہیں کروں گی، چاہے پارٹی ختم ہوجائے“۔ وہ رونے کے درمیان ہٹ دھرمی سے چیخی تھی، یکدم ہی اس کے لب مسکرا اٹھے تھے، اس نے چند قدموں کا فاصلہ طے کیا اور عین اس کے سامنے آن ٹھہرا۔

”اس سے اچھی کیا بات ہوگی کہ تم اتنا وقت میرے ساتھ گزاروگی“۔ اس کو دیکھتے ہوئے اس کی ساحرانہ آنکھوں میں خمار اترنے لگا تھا اور وہ رونا بھول کر اسے دیکھنے لگی تھی، اس کی آنکھوں سے چھلکتے جذبوں پر وہ نہ محسوس طریقے سے دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔

”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا آپ سے، آپ پلیز مجھے پارٹی میں چھوڑ دیں“۔ نگاہ جھکاتی لمحہ بہ لمحہ پیچھے ہوتے ہوئے منمنائی تھی اور اس کی نگاہ اس کے احمریں لبوں پر ٹھہر ٹھہر گئی تھی۔

”تم چینج کرلو تو میں لے جاؤں گا“۔ وہ اس کی حالت سے حظ اٹھاتا اس کی طرف بڑھ رہا تھا، جو پیچھے ہوتے ہوئے دیوار سے جا لگی تھی اور اس نے دیوار پر دائیں بائیں ہاتھ رکھ کر سارے راستے اس کے لیے مسدود کردیے تھے۔

”ورنہ مجھے اکیلے ہی وہاں جانا پڑے گا کہ میں اپنی بہن کی منگنی اپنی نافرمان منکوحہ کے لیے مس تو نہیں کرسکتا“۔ وہ اس کے لرزتے وجود پر نگاہ جمائے شوخ ہو رہا تھا۔

”آپ مجھے یہاں اکیلے کیسے چھوڑ کر جاسکتے ہیں، اکیلے میں مارے ڈر کے میرا دم نکل گیا تو؟“ اس کے کچھ دیر پہلے کے احساسات کچھ اور تھے جواب بدل گئے تھے، اس کی خوبصورت آنکھوں میں خوف کی وجہ بدل گئی تھی اور اسے اب ہنسی آنے لگی تھی کہ بنتی افلاطون تھی، مگر دم خم غبارے جیسا تھا، ہوا اب نکلی کہ تب۔

”تمہیں ڈر ہے کہ اکیلے تمہارا دم نکل جائے گا، تو میں بھی کہیں نہیں جاتا“۔ اس کے لب ہی نہیں آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں اور دیوار پر ٹھہرا دایاں ہاتھ اس کے چہرے پر آ ٹھہرا، تو اس نے یکدم ہی آنکھیں میچ لی تھیں۔

”لیکن میں اگر تمہارے ساتھ رہا تو تمہارا دم یوں بھی نکل جائے گا“۔ وہ اس کی لرزتی پلکوں اور کانپتے ہونٹوں کو نگاہ سے چھوتا لہجے میں جذبوں کی اگن لگائے بولا تھا کہ وہ اس کے لیے امتحان بن گئی تھی کہ نہ فاصلے مٹا سکتا تھا، نہ ہی فاصلے پر رہ سکتا تھا کہ وہ اس سے پہلے ہی بدگمان تھی اور آج کا اس کا عمل اسے مزید بدگمان کرسکتا تھا، اس لیے دیوانگی کی حد تک جا کر وہ ضبط سے گزرتا اس کے رخسار سے اپنا ہاتھ کھینچتا پلٹ گیا تھا، اس کے بعد اسے کچھ کہنا نہیں پڑا تھا، اس نے کانپتے ہاتھوں سے شاپر میں سے ساڑھی نکالی تھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔ اس نے ہچکیوں سے روتے ہوئے بہت مشکل سے اس کام کو انجام دیا تھا کہ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، بس ایک دفعہ اس نے شوق شوق میں شیاز مین سے ساڑھی باندھنا سیکھی تھی، وہی اس کے کام آ گیا تھا، اور اسے دیکھ کر تو اس پر بے اختیاری سی اتر آئی تھی کہ اس کا چاندنی میں نہایا تراشیدہ بدن نیوی بلیو ساڑھی میں حشر برپا کر رہا تھا، مگر اس کی خائف، بدگمان، ناراض نظر اس کے جذبوں پر بند باندھ گئی تھی۔

”آئی ایم سوری، بٹ اگر تم پہلے ہی میرا گفٹ ایکسیپٹ کرلیتیں تو مجھے اتنا تردد نہ کرنا پڑتا“۔ وہ اپنے کیے پر نادم نہ تھا۔

''آپ اس طرح ہر گزرتے دن کے ساتھ مجھے مزید ناپسندیدہ ہوتے جا رہے ہیں''۔ اس کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی سی کھنک تھی کہ اس کی ''میں'' بری طرح متاثر ہوئی تھی۔

''تمہاری محبت میں مجھے یہ بھی گوارا ہے''۔ وہ اس کے سامنے رکتا مسکرایا تھا اور اس کے کلائی کھینچنے کے باوجود سختی سے پکڑ لی تھی۔

''تم یہ زبردستی کرنے پر مجبور کرتی ہو''۔ ناگواری سے اس کے چہرے کے بگڑتے زاویے دیکھے تھے۔

''آپ کے کہنے پر پہن لی ہے ناں یہ ساڑھی تو اب کیا مسئلہ ہے، چلیں یہاں سے''۔ وہ اس پر بگڑی تھی، اسے یہاں سے جانے کی جلدی تھی کہ اسے اس سے اس کی آنکھوں سے خوف آ رہا تھا، تب ہی تو اتنی آسانی سے مان گئی تھی۔

''میرے کہنے پر پہنتیں تو مجھے تمہیں یہاں نہ لانا پڑتا''۔ وہ معنی خیزی سے بولا تھا، اس نے نگاہ چرائی تھی۔

''آج کا تم سے یوں ملنا میرے جذبات کو میٹھی میٹھی چبھن دے گیا ہے، اور اب مجھے رخصتی کی بات کرنا ہوگی کہ جاناں! اب تم سے دور نہ رہ پاؤں گا''۔ وہ اس کی مزاحمت کے باوجود فیروزی چوڑیاں اتار کر نیوی بلیو کانچ کی چوڑیاں اس کی گلابی بانہوں میں سجا گیا تھا اور اس کی آنکھیں تو مستقل بہہ رہی تھیں، مگر دل کی حالت بھی عجب تھی وہ کترائی کترائی سی اس کے سامنے تھی۔

''بس کر دو جاناں! اور کتنا روؤ گی، سب مجھے پارٹی میں مشکوک نظروں سے دیکھیں گے''۔ وہ اسے چھیڑتا اس کے آنسو پونچھ گیا تھا۔

''وہ وقت کتنا حسین ہوگا، جب صرف میں اور تم ہوگی، میرے لبوں پر تمہارے قصیدے ہوں گے، تمہاری آنکھوں میں میرا عکس بکھرا ہوگا، اور میں تمہیں سمیٹتا، تمہاری بانہوں میں بکھر جاؤں گا''۔ وہ اس کی نظروں و جذبوں کی تاب نہ لاتے ہوئے باہر کی طرف بڑھی تھی کہ وہ راہ میں آتا اسے شانوں سے تھامتا کہتا چلا گیا تھا، اس کی نگاہ اس کے چہرے کے نقوش چھو رہی تھی اور اس نے گھبرا کر مارے خوف کے ہمیشہ کی طرح آنکھیں بند کر لی تھیں۔

''ناراضی و غصے کی قبا بھا نبڑ کرتی جل جائے گی اور پھر میں تمہیں اپنی چاہت کی قبا اوڑھا کر تمہیں اپنے نام کرلوں گا، اور تم جو میرے قریب آنے سے گریزاں رہتی ہو، میرے دور جانے سے خائف رہا کرو گی''۔ اس کا چہرہ حجاب کی سرخی سے دہک رہا تھا اور اس کے من میں آگ لگا کر اس کے جذبات کی آنچ کو کچھ بھڑکا کر لبوں سے آنسو چنتے ہوئے فاصلہ قائم کرتے ہوئے اسے پارٹی میں لے گیا تھا، جہاں وہ اس کے سائے سے بھی گریزاں بھاگتی رہی تھی۔

☆............☆............☆

ٹی پنک شرارے میں ماہ لاج بہت حسین لگ رہی تھی، سچی خوشی کا احساس اس کی آنکھوں میں الوہی سی چمک بھر گیا تھا اور اس کے پہلو میں بیٹھا ہینڈسم اور نہایت سنجیدہ سا ارحم الحسن بلیک ڈنر سوٹ میں ڈیشنگ لگ رہا تھا، اس نے لاج کی مخروطی انگلی میں نہایت قیمتی و حسین انگوٹھی پہنائی تھی اور اس کو انگوٹھی پہناتے ہوئے لاج کا ہاتھ باقاعدہ کانپ رہا تھا، مگر وہ یہ معرکہ سب کی تالیوں میں سر کر ہی گئی تھی، فوٹوز بن رہی تھیں اور وہ نامحسوس طریقے سے اسٹیج سے اتر گئی تھی کہ رہ رہ کر اپنی بے بسی کا احساس اسے اداس کر رہا تھا۔ جبکہ وہ بہت خوش تھا اپنے کارنامے پر اور سرشاری سے اپنا کارنامہ فیصل کو بتا رہا تھا۔

''تجھے شرم آنی چاہیے کنعان!'' اس نے ناپسندیدگی ظاہر کی تھی۔

''تو سب کو چھوڑ اور رخصتی کی بات چلا کہ قسم سے یار! اب مجھ سے انتظار نہیں ہوتا''۔ اس کی آنکھیں اپنی حرکت پر مسرور تھیں اور وہ دلکشی سے کہہ رہا تھا۔

''میں کب چاہتا ہوں کہ تو انتظار جھیلتا رہے کہ دیر تو نوید انکل کی طرف سے ہے کہ حنین ہی راضی نہیں ہے''۔ وہ گہرے تاسف میں مبتلا ہو کر بولا تھا۔

''اوئے یار! اسے منانا کونسا مشکل ہے''۔ وہ کچھ دیر پہلے کی اس کی جھنجھلاہٹ کو سوچتا متبسم سا بولا تھا۔

''تو سوچ کر فیصلہ کر لے کہ اسے منانا واقعی مشکل نہ ہوگا، مگر اس طرح اس کی خوشی سے زیادہ اس سب میں اس کی مجبوری کا ہاتھ ہوگا کہ وہ ابھی نکاح کو ہی قبول نہیں کر سکی، کیا شادی کو کرے گی؟ اور تو نے فورس کیا تو نوید انکل لوگ اسے فورس کریں گے اور اس طرح تو وہ ساری زندگی ایک خلش سی محسوس کرتی رہے گی اور خلش کے ساتھ ملنے والی خوشی ادھوری ہی رہا کرتی ہے''۔ وہ گہری سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''اس طرح سوچتا رہا تو ساری زندگی انتظار کرتا رہ جاؤں گا کہ جیسے چند ماہ گزر رہے ہیں ڈھائی سال اور گزر جائیں گے، مگر اس کی پلاننگ میں ماسٹرز لیفٹ نہیں ہے، ایم بی اے، بی بی اے، بزنس جوائن کرنا اس نے جانے کیا کچھ سوچا ہوا ہے، بات تعلیم تک رہے گی تو رخصتی سے پہلے اور بعد میں بھی نہیں روکوں گا، مگر اس کی وہ خواہش، وہ خوشی جو آفس جوائن کرنے سے جڑی ہے، میں وہ کبھی نہیں دے سکوں گا اور جب دو سال بعد رخصتی ہونا ہی ہے تو چند دنوں میں کیوں نہیں؟'' وہ اپنا موقف بتا کر سوال کر رہا تھا۔

''اب انتظار مجھے فضول ہی لگ رہا ہے کہ اب اپنی ہی مثال لے لے تو نے بھی تو بھابی کو پڑھنے کی اجازت دی ہے، میں بھی دے دوں گا تو بھی جانتا ہے کہ میں نیرو مائنڈڈ نہیں ہوں''۔ وہ اسے قائل کرنا چاہتا تھا کہ بات آگے اسی نے چلائی تھی۔

''یہ سب کہنے کی حد تک ہی رہ جاتا ہے کہ شادی کے بعد اپنے ہی جھمیلے کم نہیں ہوتے''۔ اس نے نہایت بچے تلے سے لہجے میں کہا تھا اور وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تھا اور اس نے نہایت سنجیدگی سے جو خبر دی تھی وہ تو خوشی سے ہی جھوم اٹھا تھا۔

''پاگل انسان، اتنی بڑی خوشی کی خبر تو یوں روتے روتے سنجیدگی سے سنا رہا ہے''۔ اپنی بات کے اور جوش کے جواب میں بھی سنجیدگی پا کر وہ متفکر سا پوچھ بیٹھا تھا۔

''میری فیوچر پلاننگ میں یہ سب نہیں تھا''۔ وہ ہنوز اسی کیفیت میں بولا تھا۔

''عجیب گھامڑ شخص ہے تو بھی، پلاننگ تو فضول لوگ کرتے ہیں میرے یار! کہ جو جس وقت ہے بس وہی اچھا ہے، اس خوبصورت وقت کا ایک ایک پل خوشی کے احساس تلے بھرپور انداز سے جی لے کہ باپ بننے کی خوشی معمولی نہیں ہے، لوگ تو اولاد کے لیے ترستے پھرتے ہیں تجھے بن مانگے اتنی بڑی خوشی مل رہی ہے، تو تو ناشکری کر رہا ہے، فضول پلاننگز میں گھر کر اتنی بڑی خوشی کو اگنور کر رہا ہے، جبکہ تجھے تو چاہیے کہ تو اس وقت کو بھابی کے ساتھ بھرپور طریقے سے گزار، لمحہ لمحہ ان کے ساتھ مل کر اپنے آنے والے بچے کے لیے خواب سجا، اس کے آنے کی تیاری کر، اس کے لیے کچھ اتنا خاص کر جتنا کسی والدین نے نہ کیا ہو''۔ وہ جذباتیت سے کہتا اس کے کچھ سوئے کچھ جاگے سے احساس اور جذبے مکمل بیدار کر گیا تھا۔

''میں اتنی بڑی خوشی کی خبر پا کر بہت مسرور ہوں، اتنا خوش کہ اپنی پوری زندگی میں اتنا مکمل خوشی کا احساس نہیں ہوا''۔ وہ دھیمے سے بولا تھا، سنجیدگی کا خول چٹخا تھا، آنکھیں مسکرا اٹھی تھیں۔

(جاری ہے.....)

سعدیہ عابد

قسط نمبر 19

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

"میرا ان کے ساتھ یہاں آنا اتنا بھی ضروری نہ تھا، میری مرضی کے خیال سے ہی ممی منع کر دیتیں لیکن نہیں، اوپر سے وہ مجھے ماہ ولاز لے گئے، صرف اپنی ضد پوری کرنے کے لیے، آپ خود بتائیے اس فراک میں کیا برائی تھی، جو انھوں نے مجھے یوں پارٹی میں نہ لانے کی دھمکی دے کر یہ ساڑھی پہننے پر مجبور کرلیا"۔ وہ سوں سوں کر رہی تھی کہ اس سے کبھی کسی نے کچھ بائے فورس نہیں کروایا تھا، اس کا ذہن و دل اس وقت بری طرح ہرٹ ہوئے تھے کہ اول تو وہ نکاح کے لیے ہی بمشکل راضی ہوئی تھی اور نکاح کے بعد جس طرح اس کو باؤنڈ کیا جا رہا تھا، ہر جگہ جس طرح اس کی چل رہی تھی، اس کی پسندیدگی بڑھ رہی تھی کہ اپنوں کی چاہت اور توجہ نے اسے خود پسند بنا دیا تھا، اور آج اس کی انا بری طرح متاثر ہوئی تھی کہ وہ تو ان لوگوں میں سے تھی کہ نرمی و پیار سے جان بھی مانگ لو تو دے دیں اور غصہ و زبردستی سے ایک تنکا بھی دیتے ہوئے اپنے اندر خالی پن محسوس کرنے لگے اور وہ بھی اپنے اندر خالی پن اترتا بہت کچھ ٹوٹتا محسوس کر رہی تھی کہ اس کی زندگی میں وہ واحد تھا، جس کے سامنے اس کو جھکنا پڑ رہا تھا، جس کے سامنے اس کے اپنے اسے جھکا رہے تھے، اس کی مان کر اسے ڈی گریڈ کر رہے تھے اور یہ ساری سوچیں اس کی حد درجے خود پسندی و حساسیت کا سبب تھیں۔

"میں ارحم بھیا کو اس سب کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گی، مجھے لگتا ہے آپی! جیسے ارحم بھیا نے اپنا قسم دے کر مجھے قربان کر دیا ہے، باقی لڑکیوں کی شادی ان کی پسند و رضا سے ہوئی ہے اور میری شادی میں میری کوئی مرضی شامل ہی نہیں ہے، اور وہ شخص جب ابھی اپنی بات کو مقدم رکھتا ہے تو کیا آگے میری بات کی اہمیت ہوگی؟ میری ذات کی نفی ہو رہی ہے، میری شخصیت آپ سب نے ایک زبردستی کا رشتہ جوڑ کر مسخ کر دی ہے"۔ وہ بے تحاشہ رو رہی تھی، اس شخص سے ہی نہیں اس کی وجہ سے باقی اپنوں سے بھی بہت ناراض تھی، بدگمان ہو رہی تھی، اور سب سے زیادہ ناراض وہ ارحم الحسن سے تھی، جیسے ہی اس پر نگاہ پڑی وہاں سے نکلنے کو تھی کہ وہ اس کا ہاتھ تھام گیا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ اسے دیکھ کر ٹھہرے گی نہیں اسی لیے زرمین کو چپ رہنے کا اشارہ کر دیا تھا اس نے اس سے آج بات تک نہیں کی تھی، مگر جب اس نے اسے Wish کیا تھا، اپنی تمام تر ناراضی کے باوجود تو وہ اس کے صاف دل اور اچھی فطرت کا قائل ہوتا نرمی سے مسکرا دیا تھا وہ اتنی ہی سچی، دوسروں کی خوشیوں کا خیال رکھنے والی تھی کہ اس نے جان کر کبھی کسی کو زک نہیں پہنچائی تھی۔

"جہاں تک میں دیکھ رہا ہوں جو میں محسوس کر رہا ہوں، وہ تم اپنی ناراضی کے چلتے نہ دیکھ سکتی ہو نہ ہی محسوس کر سکتی ہو"۔ نہایت نرمی سے کہہ کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"کنعان! کو تمہارے لیے پرفیکٹ پا کر ہی تمہارا اس سے رشتہ جوڑا ہے اور میں اپنے لیے فیصلے سے تمہاری ناراضی کے باوجود مطمئن ہوں کہ میں تمہیں خوش و مطمئن دیکھنا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم کنعان کے ساتھ خوش رہو گی، وہ شخص تمہیں بہت چاہت سے رکھے گا"۔ وہ نہایت نرمی و سنجیدگی سے پرشفقت لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"میری ذات، میری مرضی، میری انا کو متاثر کر کے خوش رکھیں گے تو کیا فائدہ؟ جب سے ان سے رشتہ قائم ہوا ہے، میری ذات پس پشت جا رہی ہے، مجھے بہت بڑی خوشی نہیں چاہیے ارحم بھیا! میرے لیے میری مرضی سے میری خواہش کے مطابق حاصل ہونے والی معمولی خوشی انمول خزانے سے بڑھ کر ہے کہ میں نے تو ہمیشہ صرف گزرتے پل کو اہم جانا ہے، آپ نے میری بڑی خوشی کے خیال سے چھوٹی چھوٹی سی خوشیاں مجھ سے چھین لی ہیں، سب سے بڑی بات آپ سب نے مجھ سے میری پسند، میری مرضی کا حق چھین لیا ہے، جس لڑکی کو کبھی آئسکریم ناپسندیدہ فلیور کی کھانے کے لیے مجبور نہیں کیا گیا، اس کا جیون ساتھی ایک ناپسندیدہ شخص کو بنا دیا گیا ہے، جس لڑکی کی مرضی کے خلاف کبھی اسے کچھ نہیں دلایا گیا، کہیں نہیں لے جایا گیا، اسے زبردستی کبھی ڈنر کے لیے بھیجا جاتا ہے تو کبھی پارٹی میں، اس لباس میں، میں چاہے کتنی ہی اچھی لگ رہی ہوں، مگر مجھے اپنا آپ پرایا لگ رہا ہے کہ یہ میری چوائس نہیں ہے، یہ ریشمی قبا مجھے زبردستی پہنائی گئی ہے، میں کہیں نہیں ارحم بھیا! اور ایسے میں مر جاؤں گی، اپنی ذات کی نفی کر کے جینے والے جی لیتے ہوں گے، میں نہیں جی سکتی، میرا چند ماہ میں دم گھٹنے لگا ہے اور یوں ہی چلتا رہا تو میرا دم نکل جائے گا"۔ وہ بری طرح رو رہی تھی، وہ دونوں ہی کیا ماہ کنعان عابدی بھی ساکت رہ گیا تھا کہ اسے وہ خود پسند و شدت پسند لگی ضرور تھی، مگر اس حد تک تو اس کے تصور میں بھی نہ تھا، اس کا لفظ لفظ اس کے دل میں پیوست ہو گیا، اس کے آنسوؤں نے اس کے دل کی سرزمین جل تھل کر ڈالی تھی، جس میں اسے اپنی ذات بہتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

☆..........☆..........☆

"اسجد! آخر تم نے سوچا ہوا کیا ہے؟ یہ روز روز تم آفس سے جاتے کہاں ہو؟" نوید عالم کی بات پر وہ گڑبڑا گیا تھا۔

"روز کہاں ابو! بس کبھی کبھار دوستوں کی طرف چلا جاتا ہوں"۔ ان کی خشمگیں نگاہیں خود پر جمی محسوس کرتے ہوئے دھیمے سے کہا تھا کہ خاموش بھی نہیں رہ سکتا تھا۔

"توقیر کے علاوہ تمہارا کوئی دوست نہیں ہے اور توقیر بھی کچھ ماہ قبل لاہور شفٹ ہو گیا ہے، تو اب یہ نیا دوست کون ہے، منہ سے بتاؤ گے یا میں کچھ کہوں؟" اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ اس کی طرف سے اتنے بھی غافل نہ تھے۔

"ابو! انسان کی کئی مصروفیات، کئی دوست ہوتے ہیں، اب ہر بات، ہر دوست کی تفصیل تو آپ لوگوں کو نہیں دے سکتا"۔ خفت اور دل کا چور چھپانے کو اس نے خفگی و دبے دبے غصے کا سہارا لیا تھا۔

"تفصیل ہمیں جاننی بھی نہیں ہے، مگر تم یہ مت بھولو کہ تم کوئی چھڑے چھانٹ نہیں ہو، شادی شدہ مرد ہو، اپنی ذمے داریوں کو سمجھو، شادی کو ڈیڑھ سال ہونے کو ہے، اور مجال ہے جو ہم نے تمہیں مائدہ بیٹی کو کہیں لے جاتے دیکھا ہو، یا اس سے گھر میں ہی سیدھے منہ بات کرتے دیکھ لیا ہو"۔ وہ درشتگی سے کہتے اسے بے طرح چونکا گئے تھے اور اسے رات کی گفتگو یاد آنے لگی تھی کہ مائدہ کو میکے لے کر جانا تھا، مگر وہ بھول گیا تھا اور رات گئے جب وہ اپنی من چاہی بیوی کے ساتھ وقت گزار کر لوٹا تھا، اسے بیٹھے بیٹھے صوفے پر سوتے دیکھ کر شرمندہ ہو گیا تھا کہ اس کی تیاری سے ہی لگ رہا تھا کہ وہ جانے کو تیار تھی اور انتظار کرتے کرتے ہی سو گئی تھی، وہ تھی بھی گھر میں اکیلی نوید عالم کے کسی جاننے والے کے ہاں شادی تھی، جانا بہت ضروری تھا اس لیے وہ سب وہاں چلے گئے تھے اور اس نے فیور ہونے کی وجہ سے معذرت کی تھی اور راشدہ کی تسلی کے لیے کہ وہ اسے اکیلے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھیں، اس لیے اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ الحسن ہاؤس چلی جائے گی، اسجد مگر بھول گیا تھا اور فون پر یاد دلانے کے باوجود وہ دیر سے لوٹا تھا کہ اسے اطمینان تھا گھر میں کوئی نہیں، اس لیے وہ جواب طلبی سے بچ جائے گا، مگر اپنی اس قدر ناقدری پر وہ ضبط کھو بیٹھی تھی، وہ ہمیشہ کی طرح غصے میں بھی شائستگی کا دامن تھامے رہی تھی اور وہ جو ماں باپ کے ڈر سے آواز نیچی ہی رکھتا تھا، غصے میں آپے سے باہر ہی ہو گیا تھا، نہ صرف اس کو اس کی اوقات بتائی تھی بلکہ غصے میں اس کے اپنا قصور پوچھنے کے جرم میں ہاتھ تک اٹھا لیا تھا، اور اسے یہی لگا تھا کہ مائدہ نے ہی ان سے کچھ کہہ دیا ہے، جو وہ جواب طلبی کر رہے ہیں، یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، اس کی ساری بکواس ان دونوں میاں بیوی نے اپنے کانوں سے سنی تھی، جہاں اس کی کم ظرفی و بدنصیبی پر غصہ و افسوس ہوا تھا، وہیں مائدہ کا مقام ان کے ذہن و دل میں اور بلند ہو گیا تھا، وہ تو اسی وقت جواب طلبی کرتے کہ راشدہ انہیں زبردستی کمرے میں لے گئی تھیں، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ جس عزت نفس کی حفاظت اور مقام کے لیے وہ ڈیڑھ سال سے اذیت میں تھی، وہ بڑھ جائے اس کا بھرم چکنا چور ہو جائے۔

"آپ سے مائدہ نے کچھ کہا ہے؟" لہجے سے زیادہ اس کی نگاہوں میں اشتعال تھا۔

"اس نے کچھ کہنا ہی ہوتا تو ڈیڑھ سال سے مشق ستم نہ بن رہی ہوتی، ہم سب نے محسوس کیا، دیکھا مگر آنکھوں کے ہوتے ہوئے اس امید پر اندھے بن گئے کہ تم اس لڑکی کو فراموش کر کے ایک دن بیوی کو چاہت سے اپنا لو گے، مگر ہمیں اندازہ بھی نہ تھا کہ تم اس حد تک بھی مائدہ بیٹی کے ساتھ برا کر سکتے ہو"۔

راشدہ نے بھی غصے و ناراضی کا اظہار کیا تھا۔

”کیا برا کر رہا ہوں میں آپ کی لاڈلی بہو کے ساتھ؟ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا ہوں، اسے کس چیز کی کمی ہے؟“ وہ ادب ملحوظ رکھتے ہوئے ماں سے بولا تھا، ورنہ غصہ تو اتنا آ رہا تھا کہ اگر سامنے اصل فساد کی جڑ ہوتی تو وہ آج تو کچھ کر ہی ڈالتا۔

”عزت اور محبت کی کمی ہے اسجد! مائدہ دنیاوی آسائشات پر مرنے والی لڑکی نہیں ہے، بیوی ہے تمہاری، اسے چاہت و خلوص تو کیا دیتے اس کے بنیادی ازدواجی حقوق سے ہی تم نے محروم کر رکھا ہے۔“ اس کے غصے کو محسوس کرتیں وہ بھی اشتعال میں آ گئی تھیں کہ رات سے ہی وہ پریشان تھیں، مائدہ کی تکلیف کا احساس انھیں بے چین کیے ہوئے تھا اسی لیے وہ نرمی کا دامن چھوڑ گئی تھیں اور وہ... اس کا تو غصے سے برا حال ہونے لگا تھا، اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں، اسے مائدہ سے ایسی امید نہیں تھی کہ وہ ان کے آپسی تعلقات کی کمیاں، محرومیاں سب سے کہہ دے گی، اس نے ماں سے بے ساختہ ہی نظریں چرائی تھیں ان کی ملامتی نگاہیں اسی پر جمی تھیں۔

”اور آفرین ہے اس بچی پر جس نے اف تک نہ کیا، نہ رویے سے نہ انداز اور نہ ہی زبان سے کبھی کچھ کہا نہ اظہار کیا۔“ ان کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔

”اس نے کچھ نہیں کہا تو آپ لوگوں پر نعوذ باللہ وحی نازل ہو گئی ہے؟ ہمارے آپسی تعلقات کیسے ہیں یہ آپ لوگوں کو کیسے پتہ چلا؟“ وہ اپنی خجالت و شرمندگی مٹانے کو غصے کا اظہار کر رہا تھا۔

”رویے بہت کچھ سمجھا دیتے ہیں اسجد! مگر ہم نے آنکھوں دیکھی مکھی نگلی، تم پر بھروسہ کیا، تم سے آس لگائی جو ان کے مفہوم و مطالب بھی نہیں جانتا، مگر ہم تمہیں بہت کچھ سمجھا چکے، بہت ڈھیل دے چکے فیصلہ کر لو آج ابھی اسی وقت کہ تم نے مائدہ کے ساتھ زندگی گزارنی ہے یا نہیں؟“ وہ غصے سے پھنکارے تھے۔

”یہ سوال بہت جلدی نہیں پوچھ لیا آپ نے؟“ اس نے طنز سے ہنکارا بھرا تھا۔

”میں اب تک مجبوری میں آدھے ادھورے نام نہاد رشتے نبھاتا رہا ہوں، جبکہ مائدہ سے مجھے نہ کل دلچسپی تھی، نہ آج ہے اور نہ ہی میرا ارادہ ہے، فیصلہ لیکن میں نے نہیں آپ نے کرنا ہے کہ شادی زبردستی کروائی تھی اب اس کو خود ہی انجام دے دیں گے تو اچھا ہوگا۔“ وہ ہر لحاظ بالائے طاق رکھتا صاف گوئی کی انتہاؤں کو پہنچا ہوا تھا۔

”ہاں کرنا تو مجھے ہی کچھ پڑے گا، مگر تم اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ تم مائدہ بیٹی کی زندگی برباد کر کے اس لڑکی کو جسے چاہتے ہو آباد کر لو گے، مائدہ سے نہیں اس گھر سے، ہم سب سے تمہارا رشتہ ختم ہوگا، تمہیں میں عاق کر دوں گا، کہ اس گھر کی بہو صرف مائدہ ہے، اور میری آخری سانس تک وہی رہے گی۔“ وہ کف اڑا رہے تھے اور وہ مارے تذلیل و اہانت کے سلگ اٹھا تھا، جبکہ وہ ایک قہر آلود نگاہ اس پر ڈالتے وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے۔

”امی! آپ ابو سے کہہ دیجیے گا انھوں نے جو کرنا ہے کر لیں کہ میں مائدہ کو نہیں اپنانے والا اور مجھے ضرورت بھی نہیں ہے میں جسے چاہتا تھا شادی کر چکا ہوں اور مجھ میں اتنا دم ہے کہ یہاں سے نکل کر نوید عالم کے عاق کر دینے پر نہ خود بھوکا مروں گا نہ بیوی اور بیٹی کو ماروں گا۔“ جبکہ وہ تو اس کی باتوں میں آنے والے انکشاف پر ہی اٹک گئی تھیں۔

''مائدہ سے شادی سے 2 ماہ قبل میں نے یسریٰ سے شادی کرلی تھی، اب تو میری ایک 2 ماہ کی بیٹی بھی ہے، بتا دیجیے گا ابو کو، اور وہ اپنے فیصلے پر قائم رہے تو میں یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں گا، مگر ان کی لاڈلی بھتیجی و بہو کو اب آزاد تو کسی صورت میں نہیں کروں گا اور جتنی تذلیل اس کے سبب میری ہوئی ہے سود سمیت بدلہ نہ لیا تو میرا نام بھی اسجد عالم نہیں'' ۔ وہ انکشاف کے صدمے سے نہ نکلی تھیں کہ اس کی دھمکی، آنکھوں سے نکلتے شعلے وہ یکدم ہی دہل گئی تھیں۔

''تم یہ ہمیشہ یاد رکھنا اسجد! مائدہ تم باپ بیٹے کی ضد و غصے میں بے قصور ہی پس رہی ہے، وہ معصوم سیدھی بچی اس نے ہم سے ایک لفظ نہیں کہا، ہم نے ساری حقیقت اپنے کانوں....!'' وہ کہہ رہی تھیں مگر وہ رکا کب، گھر سے ہی نکل گیا تھا اور ماں کو ساری حقیقت بتا چکا تھا، اس لیے اب اسے کسی بات کا ڈر بھی نہ تھا، کہ وہ فیصلہ بھی کر چکا تھا، یسریٰ کے ساتھ مستقل رہنے اور مائدہ کو اذیت بھری ناآسودہ زندگی دینے کا فیصلہ، اس لیے وہ رات گھر نہیں آیا تھا، دوسرے دن ماں کے فون کرنے پر وہ منہ بنائے جس وقت گھر میں داخل ہوا تھا، گھر میں صرف حنین اور مائدہ ہی تھیں وہ دونوں بہنیں اور نوید عالم کچھ گھنٹے قبل ہی اپنی خالہ کی میت میں نوابشاہ چلے گئے تھے۔ مجبوراً اسے ہی کال کر کے گھر پہنچنے کو کہا تھا کہ انھیں واپسی میں دیر بھی ہو سکتی تھی۔ ایسے میں مائدہ اور حنین گھر میں اکیلے نہیں رہ سکتی تھیں، راشدہ نے تقریباً دن کے ڈھائی بجے اسے فون کیا تھا، مگر وہ رات کے 9 بجے گھر میں داخل ہوا تھا۔ مائدہ آنے والے بے رحم وقت سے انجان اپنی سادگی اور معصومیت کے ساتھ اس کے سامنے تھی۔

''کھانا لے آؤں آپ کے لیے؟'' اس کے پاس گھر کی چابی تھی، وہ لاک کھول کر کب آیا تھا وہ اس لیے انجان تھی کہ وہ حنین کے کمرے میں تھی، دونوں نے مل کر انڈین مووی ''من'' دیکھی تھی جو مائدہ کی پسندیدہ فلم تھی جو وہ کئی بار دیکھ چکی تھی، مگر جیسے اس کا دل ہی نہیں بھرتا تھا، بچی، بے لوث محبت اس کے دل کی محرومیوں کو بڑھا دیتی تھی، مگر وہ اپنی زندگی سے مایوس نہ تھی کہ اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ رکھا تھا، اور اللہ نے ہی اس کی زندگی میں مزید مشکلات رکھی تھیں کہ کچھ لوگ بہت بانصیب بھی ہوں تو آزمائش کی بھٹی سے گزرتے ہیں۔

اپنے خیالوں میں گم اسجد آواز پر چونکا اور اسے دیکھ کر اسے اپنی کل کی بے عزتی، ماں باپ کی نگاہوں میں ناچتی نفرت و حقارت یاد آئی تھی۔ اس کی آنکھیں یکدم ہی سرخ ہوئی تھیں۔

''تم نے ای ابو سے کیا بکواس کی ہے؟'' کڑے تیوروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، وہ پریشان ہوئی تھی کہ کسی بھی بات کا اس کے فرشتوں کو بھی پتہ نہ تھا کہ کل لنچ ٹائم میں راحم اسے گھر لے گیا تھا اور آج چھوڑ گیا تھا وہ زیادہ تر میکے بھائیوں کے آسرے پر ہی جایا کرتی تھی، وہی لانے لے جانے کی ذمے داری اٹھائے ہوئے تھے، انھیں برا لگتا بھی تھا تو وہ بہن کا منہ دیکھ کر خاموش رہتے تھے، اور ان کی خاموشی میں فریدہ کا سارا ہاتھ تھا کہ وہ کچھ نہ جانتے ہوئے اپنی ممتا کے محسوسات کے ساتھ اس کے بھرم رکھنے کے مشن میں نہ صرف خود شامل ہوئی تھیں، شوہر اور بیٹوں کو بھی کر لیا تھا۔

''نہیں، میں نے تو بڑی ماں اور ماموں جان سے کچھ نہیں کہا، مگر میں سمجھی نہیں کہ آپ بات کس بارے میں کر رہے ہیں؟'' وہ اس کے لہجے و گھورتی آنکھوں سے خائف ہوتی دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

''شٹ اپ مائدہ! بہت بن چکیں تم معصوم مگر مزید نادان و انجان بننے کی کوشش کی تو میں تمہیں جان

فضائل قرآن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

★ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے۔

★ حق سبحانہ و تقدس کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی، میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ شانہ کے کلام کو سب کاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالیٰ شانہ کو تمام مخلوق پر۔

★ حسد دو شخص کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن شریف کی تلاوت عطا فرمائی اور دن رات اس میں مشغول رہتا ہے دوسرے وہ جس کو حق سبحانہ نے مال کی کثرت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس کو خرچ کرتا ہے۔

★ حق تعالیٰ شانہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند مرتبہ عطا کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست و ذلیل کرتا ہے۔

★ قیامت کے دن صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا۔ بس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔

★ جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے اس کے لئے اس حرف کے عوض ایک نیکی اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارا (الم) ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف، میم ایک حرف ہے۔

★ جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اسکے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا جسکی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی اگر وہ آفتاب تمہارے گھر میں ہو۔ پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود عامل ہے۔

★ جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو حفظ یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرما دیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرما دیں گے جس کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہو۔

★ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ بمنزل ویران گھر کے ہے۔

★ دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگتا ہے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ ان کی صفائی کی کیا صورت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔

★ تم لوگ اللہ جل شانہ کی طرف رجوع اور اس کے یہاں تقرب اس چیز سے بڑھ کر کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتے جو خود حق سبحانہ سے نکلی ہے یعنی کلام پاک۔

★ جو شخص ایک آیت کلام اللہ کی سنے اس کیلئے دو چند نیکی لکھی جاتی ہے اور جو تلاوت کرے اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔

★ کلام اللہ کو آواز سے پڑھنے والا علانیہ صدقہ کرنے والے کے مشابہ ہے اور آہستہ پڑھنے والا خفیہ صدقہ کرنے والے کی مانند ہے۔

★ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کلام پاک سے بڑھ کر کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا نہ کوئی نبی نہ فرشتہ وغیرہ۔

★ اگر تو صبح کو جا کر ایک آیت کلام اللہ شریف کی سیکھ لے تو نوافل کی سو 100 رکعات سے افضل ہے اور اگر ایک باب علم کا سیکھ لے خواہ اس وقت وہ معمول بہ ہو یا نہ ہو تو ہزار رکعات نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔

★ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو اطلاع دی کہ بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ان سے خلاصی کی کیا صورت ہے انہوں نے کہا کہ قرآن شریف۔

سے ماردوں گا"۔ وہ اس کے قریب آتے ہوئے دھاڑا تھا، وہ بے ساختہ لرز کر کچھ قدم دور ہوئی تھی، اس کی آنکھوں سے نکلتے شعلے، لبوں سے اگلتے انگارے اس کا چہرہ زرد کر گئے تھے کہ وہ پرسوں رات کی بے عزتی بھولی نہیں تھی، زندگی کا پہلا تھپڑ اس بے صبر سنگدل شخص کے ہاتھوں کھا چکی تھی اور گھر میں کسی بڑے کا نہ ہونا اس کے اوسان خطا کردینے کو کافی تھا، وہ اس بے حس، غصیلے شخص سے کچھ کچھ واقف ہو ہی گئی تھی، وہ غصے میں تو کچھ سوچتا ہی نہ تھا کہ اپنے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں اشتعال کی نذر کردیتا تھا۔

"جواب دو مجھے تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی ہمارے آپسی تعلقات کی نوعیت ابو اور امی کو بتانے کی؟" اس نے لرزتی ہوئی مائدہ کا بازو جکڑا تھا اس کی چیخ کیا نکلی تھی، اس کا اشتعال دگنا ہوگیا تھا۔

"میں نے سچ میں کسی سے کچھ نہیں کہا، آپ میرا ہاتھ چھوڑیں، مجھے تکلیف ہورہی ہے"۔ رخساروں پر موتی گرنے لگے تھے اور وہ منمنائی تھی کیونکہ اس کی انگلیاں اسے اپنے بازو میں گڑھتی محسوس ہورہی تھیں، اس کی گرفت اشتعال آمیز وجارحانہ تھی۔

"جھوٹ بولو گی تو یہیں کھڑے کھڑے زمین میں گاڑھ دوں گا"۔ وہ نفرت سے کہہ اٹھا تھا۔

"بنتی تو کتنی بھولی ہو، اور ایثار پسند، مشرقی عورت ہو، اور جب تمہاری مشرقیت اور بھرم رکھنے کی ادائیں کہاں مرگئی تھیں جو تم ہمارے ازدواجی تعلقات کی نوعیت ابو کو بتارہی تھیں؟" حقارت سے کہتے ہوئے اشتعال آمیز تاثرات کے ساتھ اس کے بازو کو جھٹکا دیا تھا۔

"پہلے ہی کہا تھا ناں میں نے تو، کہ میری قربت کی خواہش ہے تو مجھ سے کہو، یہ چور دروازے تلاش کرکے سرعام اشتہار لگا کر تم ثابت کیا کرنا چاہتی ہو؟" الزامات کی بھی کوئی انتہا تھی، وہ کھڑے کھڑے اسے ذلت کے پاتال میں اتار گیا تھا۔

"زبان سنبھال کر بات کریں اسجد! میں کچھ ثابت نہیں کرنا چاہتی اور نہ ہی میں نے چور دروازے ڈھونڈے ہیں، اللہ گواہ ہے آپ کے پیرنٹس تو کیا میں نے کبھی اپنے پیرنٹس کو بھی کچھ نہیں بتایا کہ میں اتنی بے حیا نہیں ہوں کہ اتنی گھٹیا باتیں اپنے بزرگوں سے کرتی پھروں، آپ اپنے دماغ کا علاج کروائیں الزامات کی خوش فہمی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے"۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنا بازو آزاد کرواتی شدتوں سے روتی کہہ رہی تھی، آج تو اس نے ڈیڑھ سالوں میں کی توہین کو تین سے ضرب دے کر اسے اتنا ذلیل کرڈالا تھا کہ اس کے وجود میں کانٹے اگ آئے تھے، اور وہ چیخ پڑی تھی، غصے سے اسے دیکھ رہی تھی جو اس قابل تھا ہی نہیں کہ وہ اپنے سچے جذبات اس کے نام کرتی اس کے دل میں موجود اس کی محبت پھڑپھڑانے لگی تھی، آزادی کی التجا کرنے لگی تھی کہ محبت بھی اتنی ذلت کہاں سہہ پاتی ہے۔

"مجھے آپ کی قربت کی خواہش کبھی نہیں رہی اور آپ کو یہ خوش فہمی لاحق ہوئی بھی تو کیسے، بتایئے مجھے کب میں آپ کے آگے بن ٹھن کے پھری؟ کب آپ کو اپنی اداؤں سے لبھایا؟ آپ نے اگر مجھے دھتکار دیا تو میں نے بھی آپ کو پانے، حاصل کرنے کی کوشش نہ کی، کہ مجھے اپنی عزت نفس اور انا دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہے اور میں اپنے مقام سے نہیں گر سکتی، آپ مجھے اپنی طرح گرا ہوا نہ سمجھیں کہ جب میں نے اپنے جائز مطالبات کے لیے آپ کے آگے آواز بلند نہ کی تو چور دروازے ڈھونڈنے کی بھی مجھے کوئی ضرورت نہیں، اگر میں آپ کے لیے غیر اہم ہوں تو آپ بھی میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے، آپ اگر مجھے بیوی نہیں سمجھتے تو مجھے بھی آپ کو زبردستی اپنا شوہر بنانے کی کوئی ضرورت نہیں، میں یہاں صرف اپنے

پیرنٹس کے لیے ہوں ان کو دکھ سے بچانے کے لیے مجبوری کے آدھے ادھورے رشتے نبھا رہی ہوں، لیکن اب مزید نہیں کہ اب پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے، میں اب یہاں آپ کے ساتھ آدھے ادھورے رشتے جوڑ کر نہیں رہوں گی، چلی جاؤں گی میں یہاں سے"۔ وہ رو رہی تھی، سسک رہی تھی، بے تاثر نگاہوں سے اس کے لبور نگ چہرے کو دیکھ رہی تھی، یکدم وہاں سے جانے کو پلٹی تھی وہ وہاں سے اس شخص کے سامنے سے اس کی نفرت وحقارت بھری تذلیل چھلکاتی نگاہوں سے دور چلی جانا چاہتی تھی۔

"تم یہاں سے جانا تو دور سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں تمہیں یہاں سے جانے نہیں دوں گا"۔ اس نے اس کی گلابی چوڑیوں سے سجی دودھیا نرم کلائی تھام کر اسے اپنی اور کھینچا تھا اور اس کی سرخ نمناک آنکھوں میں جھانکتا کہہ رہا تھا۔

"تم نے نہیں کہا کچھ، میں نے نہیں بتایا کچھ، ان لوگوں کو کیسے معلوم ہوا، اور یہ سلسلہ آگے بڑھے مجھ پر میری مردانگی پر سوال اٹھیں، اس سے پہلے ہی مجھے اس سارے قصے کو ختم کرنا ہوگا"۔ اس کا سرد لہجہ اس کے وجود میں سنسنی سی دوڑا گیا تھا اس نے چند قدم پیچھے لے کر اس سے فاصلہ قائم کیا تھا، کلائی آزاد کروانا چاہی تھی مگر اس کی گرفت بھی بلا کی مضبوط تھی، اور اس کی نازک گلابی کانچ کی چوڑیاں اس کی گرفت کی نظر ہونے لگی تھیں۔

"نہ خواہش تمہیں ہے، نہ ہی کوئی آرزو میرے دل میں پنپ رہی ہے، مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے، وقت حسین ہے، رات بھی خوبصورت ہے، تم بھی جواں ہو حسین ہو، کچھ میں بھی تو اس معصوم حسن کے جلوے دیکھ لوں، کچھ اپنے کمالات دکھ لوں کہ قربتیں ضروری تو نہیں ناں کہ ہمیشہ من چاہی ہوں"۔ وہ اس کے لفظوں پر غور کرتی اس کی جسارتوں پر بند باندھتی، لرزتی، سسکتی اپنی پوری جان لگا کر اپنی کلائی آزاد کرواتی دروازے کی طرف بڑھی تھی کہ اس نے اسے بازو سے تھام کر بیڈ کی طرف دھکیل دیا تھا، وہ اوندھے منہ بیڈ پر گری تھی، مگر اس کی حسیات بڑی تیزی سے کام کررہی تھیں، وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں سیدھی ہوئی تھی اور اس کو دیکھنے لگی تھی، جس نے شرٹ کے بٹن کھولے بنا دونوں ہاتھوں سے شرٹ کی بٹن پٹیوں کو یوں کھینچا تھا کہ سارے بٹن ٹوٹ کر بکھر گئے تھے اور اس نے شرٹ اتار کر صوفے پر اچھال دی تھی، وہ اس کے تیوروں سے خوفزدہ ہوتی بیڈ سے اتری تھی۔

"دل میں تمہارے لیے جگہ نہیں تو کیا ہوا مائدہ! تمہیں اپنے پہلو میں تو جگہ دے ہی سکتا ہوں کہ بات اب مردانگی تک جا پہنچی ہے اور کیا پتہ تم ادائیں دکھاؤ تو میں تم پر تمہارے اس سادہ حسن پر دل بھی وار دوں"۔ وہ ہوش وحواس سے بیگانہ لگ رہا تھا، اس پر خود کو برتر ثابت کرنے کی دھن سوار ہوگئی تھی، وہ اپنے معیار اور اخلاقیات سے نیچے گر گیا تھا، اور وہ خود کو پاتال میں دھنستا محسوس کرنے لگی تھی، اس کی مضبوط گرفت میں بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپتی رہائی کے لیے فریاد کناں ہوگئی تھی۔

"پلیز اسجد! آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، چھوڑ دیں مجھے، جانے دیں خدا کے لیے، میں مر جاؤں گی، یوں میری تذلیل نہ کریں، میری نسوانیت تار تار نہ کریں"۔ وہ رو رہی تھی، سسک رہی تھی، مگر وہ جیسے آنکھوں کے ہوتے اندھا ہوگیا تھا، اس کی بے بسی اس کی تڑپ نہیں دیکھ سکتا تھا، کانوں کے ہوتے بہرہ ہوگیا تھا کہ اس کی فریاد اس کا بلکنا، التجائیں کرنا کچھ بھی اس کے کانوں تک نہیں جارہا تھا کہ اس کے تمام احساسات ہی فی الوقت مردہ ہوچکے تھے، اس کو صرف اپنی مردانگی ثابت کرنی تھی اور اس سب میں وہ اس

کانچ سی حساس لڑکی کو پتھر بنا گیا تھا اس کی سسکیاں دم توڑنے لگی تھیں، اور پھڑ پھڑاتی محبت دم آخر کو پہنچ کر جان کنی کے سخت مرحلے سے گزرنے لگی تھی، محبت پر چڑھی حسین قبا بدنما ہوگئی تھی، تار تار ہوگئی تھی، روح بے قبا ہوگئی تھی اور اس تار تار قبا سے اس کے آنسو پھسلتے جا رہے تھے، کہ جسم کی بے قبائی تو سب دیکھ لیتے ہیں مگر روح سے قبا چھین بھی لی جائے تو سب انجان ہی رہتے ہیں کہ روح کی بے قبائی دیکھنے کو حساس دل، شفاف آنکھیں چاہیے ہوتی ہیں اور بھرے شہر میں اجنبیوں اور اپنوں کے جمگھٹے میں اس کو کوئی ایسا نظر نہیں آتا تھا، جو اس کی روح کو قبا عطا کر کے پھر سے زندہ کر دیتا۔

ہم نے تو تصور بھی نہ کیا تھا جاناں!
کہ جب احساسات کی بند قبا کھلنے لگے گی
ہم اندر سے فنا ہو جائیں گے
جسم پر تو سجی ہوگی اطلس و کمخواب کی قبا
مگر روح بے قبا ہو جائے گی
ہمارے احساسات ہمارے جذبات جاناں
ہماری زیست ہماری خواہشات جاناں
روح کی بے قبائی پر خون روتی ہیں
اس طرح کھلتی ہے محبت کی بند قبا جاناں
تو کبھی نہ کھلتی بند قبا جاناں!
ہم حبس و نفرت کی سیاہ قبا ہی پہنے رہتے
روح تو نہ ہوتی بے قبا جاناں!
کبھی نہ ملتی احساس کو قبا جاناں
کبھی نہ کھلتی احساس کی بند قبا جاناں!

☆..........☆..........☆

"پاپا! میں مائدہ... مجھے آپ کی ضرورت ہے پلیز آپ مجھے آ کر لے جائیں"۔ اس کی بھیگی درد میں ڈوبی آواز ڈرائیونگ کرتے یوسف الحسن کو پریشان کر گئی تھی اور انھوں نے جیسے ہی گاڑی بیک کی تھی، فریدہ انھیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی تھیں۔

"مائدہ کا فون تھا، کچھ پریشان لگ رہی تھی اور رو بھی بہت رہی تھی"۔ انھوں نے دھیمے سے کہا تھا اور وہ مضطرب ہوگئی تھیں۔

"مائدہ نے آپ سے کچھ تو کہا ہوگا؟" ان کا دل تو کل سے ہی گھبرا رہا تھا اور بار بار نجانے کیوں بیٹی کا ہی خیال آ رہا تھا اور مجبوری سی مجبوری تھی کہ وہ خالہ کی فوتگی میں نواب شاہ گئی ہوئی تھیں، اس لیے بیٹی سے رابطہ بھی نہ کر سکی تھیں اور راستے میں ہی تھیں کہ ان کی گھبراہٹ کا سبب مل گیا تھا۔

"نہیں اس نے کچھ نہیں کہا اس کی آواز بہت بھاری ہو رہی تھی، جیسے وہ روتی رہی ہو۔ میرا دل بیٹھ رہا ہے کہ نجانے کیا ہوگیا ہے بھائی صاحب اور بھابی بھی گھر میں نہ تھے، آج کل حالات بھی ٹھیک نہیں آپ بس دعا کریں کہ ہماری بیٹی خیریت سے ہو"۔ وہ دونوں ہی پریشان اور دل میں ہزار خدشے لیے جس پل

کاشانہ عالم پہنچے وہ لوگ انھیں دیکھ کر پریشان ہوگئے تھے کہ ان کی گاڑیاں آگے پیچھے ہی تو نوابشاہ سے کراچی پہنچی تھیں۔

"مائدہ کہاں ہے بھابی؟" انھوں نے چھوٹتے ہی راشدہ سے پوچھا تھا۔

"کچھ دیر پہلے ہی ہم پہنچے ہیں، مائدہ سے تو ملے بھی نہیں ہیں، اپنے کمرے میں ہوگی، تم آرام سے بیٹھو! میں حنین سے کہہ کر بلوا لیتی ہوں اسے یہیں پر"۔ راشدہ سادگی سے بتاتے ہوئے حنین کو دیکھ کر بولی تھیں، مگر انھوں نے حنین کو روکا تھا اور کھڑی ہوگئی تھیں۔

"میں خود دیکھ لیتی ہوں"۔ اب تو وہ تینوں بھی پریشان ہوگئے تھے۔

"بات کیا ہے فریدہ! سب خیریت تو ہے؟" نوید عالم پریشانی سے پوچھ رہے تھے تو انھوں نے مائدہ کے فون کا بتایا اور مائدہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اور راشدہ بھی ان کے پیچھے ہی حیران پریشان سی بڑھی تھیں اور باقی رہ جانے والے یوسف الحسن اور نوید عالم کی نگاہیں حنین پر جم گئی تھیں کہ گھر میں وہی تو تھی، مگر اس نے نگاہیں چرائیں اور وہاں سے نکل گئی۔ فریدہ نے دروازے پر دستک دی تھی اور کوئی جواب نہ پا کر آواز لگائی تھی، ماں کی آواز سن کر اس نے دروازہ کھولا تھا، ماں کے سینے سے لگی جو رونا شروع ہوئی تھی ان دونوں کی ہی جان نکال لے گئی تھی۔

"مائدہ! میری جان! کیا ہوا ہے، کیوں اس طرح رو رہی ہو، بتاؤ مما کو؟" وہ بہت مشکل سے پوچھ رہی تھیں کمرے کی حالت بھی ابتر تھی اور وہ یوں ٹوٹی بکھری لگ رہی تھی کہ فریدہ کا کلیجہ منہ کو آنے لگا تھا۔

"مما! پلیز مجھے یہاں سے لے جائیں"۔ وہ سسکیوں کے درمیان بولی تھی وہ بھابی کو دیکھنے لگی تھیں کہ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھیں اور راشدہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی بہت کچھ سمجھ رہی تھیں، اس لیے ان کی پریشانی فریدہ سے سوا تھی کہ ان کے اندازے فی الحال معمولی تھے اور جس نہج پر جا کر وہ سوچ رہی تھیں، قدموں تلے سے زمین سرکتی محسوس ہو رہی تھی۔

"مائدہ بیٹا! رو نہیں اور تسلی سے بتاؤ کہ بات کیا ہے؟ کیا اسجد سے جھگڑا ہوا ہے؟ اس نے کہا تم سے کچھ؟" وہ اس کے چہرے پر آئے نم بالوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے بولی تھیں۔

"مما! اس شخص نے کچھ نہیں بہت کچھ کہا، میری ذات کا غرور چھین لیا، میں مر رہی ہوں مما! اس کمرے میں مجھے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا ہے، مگر میں یہاں مرنا نہیں چاہتی، مجھے یہاں سے لے جائیں، مجھے یہاں مرنے سے بچا لیں مما!" وہ بولی نہیں تھی اپنی اذیت کا کچھ حصہ بیان کرتی ان دونوں کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لے گئی تھی، اور وہ یوں بکھر کر تڑپ تڑپ کر روئی تھی کہ سنگدل سے سنگدل بے مہر سے بے مہر پتھر کا سینہ شق ہو جاتا اور وہ تو پھر ماں تھیں، اس کو خود سے لگائے رونے لگی تھیں، راشدہ نے اگر دیوار کا سہارا نہ لیا ہوتا تو وہ پورے قد سے نیچے آ گرتیں یہ اور بات تھی کہ وہ اپنی نظروں سے ہی گر گئی تھیں اور وہ ماں کے سینے سے لگی روتے بلکتے اپنے حواس کھونے لگی تھی، ان دونوں کے ہی اس کے بے ہوش وجود کو دیکھ کر ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے، اور وہ سب ہی ہاسپٹل کے کاریڈور میں پریشانی سے کھڑے تھے اور اس کی زندگی کے لیے دعا گو تھے، جو زندہ رہنے کی ہر آس، ہر چاہت کو ہی ذات کی سیاہی میں دفنا چکی تھی، اس کے اعصاب بکھر گئے تھے اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا، گیارہ گھنٹوں سے وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی، سب اس کی حالت سے پریشان اس کا سبب جاننا چاہتے تھے اور راشدہ نے روتے ہوئے خون ہوتے دل، مٹی میں

مل جانے والی تربیت کی تکلیف کو بھلائے اس باوقار وانا پسند، بھرم رکھتے رکھتے بکھر جانے والی لڑکی کا بھرم سب کے سامنے رکھ لیا تھا، اس کی ذات کو تشہیر سے بچالیا تھا، اسجد اپنے عمل پر نادم نہ تھا، وہ خود کو غلط نہیں سمجھ رہا تھا، مگر جب اسے مائدہ کے ہاسپٹل میں ہونے کا پتہ چلا تھا، ندامت کا احساس اس کے ہر احساس پر حاوی ہوگیا تھا اور اسی کے زیر اثر اس نے اپنا بھرم بھی توڑ رکھنا تھا، ہاسپٹل پہنچا تھا، نوید عالم نے کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر اس پر ہاتھ اٹھایا تھا اور وہاں سے دفع ہوجانے کو کہا تھا، اس کی ندامت پر ہونے والی بے عزتی حاوی ہوگئی تھی اور وہ وہاں ٹھہرا نہ تھا اس کو دیکھ کر فریدہ اور یوسف الحسن نے کسی قسم کا ری ایکشن ظاہر نہیں کیا تھا کہ ان کی حسیات تو بیٹی کی جانب مرکوز تھیں، ان کا تو رواں رواں اس کی صحت یابی کے لیے دعا گو تھا، گیارہ گھنٹے چوبیس گھنٹوں میں منتقل ہوگئے تھے، ارحم الحسن بھی پنڈی سے آگیا تھا اور ان سب کی دعائیں ہی تھیں کہ روح کے مردہ ہوجانے کے باوجود اس کے وجود میں زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی موت کو شکست دے گئی تھی کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

☆............☆............☆

"مما! اس سب کی ذمے دار صرف آپ ہیں، آپ سے کتنی بار کہا تھا ناں میں نے کہ مائدہ کچھ پریشان لگتی ہے، وہ شادی کے بعد خوش نہیں ہے، اس نے ہنسنا مسکرانا چھوڑ دیا ہے، وہ اداس رہنے لگی ہے، مگر آپ نے میرا وہم کہہ کر ٹال دیا، نہ آپ نے خود بات کی نہ مجھے کرنے دی، اسجد نے میری بہن کی زندگی تباہ کردی اور میں اب کسی کا بھی منہ دیکھ کر خاموش نہیں رہوں گا، اسجد کو جواب دینا ہوگا کہ اس نے جب شادی کی ہوئی تھی تو مائدہ سے شادی کیوں کی؟ کیوں میری بہن کو موت کے دہانے تک لے گیا اور یا خدا میری بہن کو کچھ ہوا تو میں اسجد کو جان سے ماردوں گا"۔ وہ بہن کی حالت دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا کہ وہ شخص رشتوں سے محبت کرنے ان کا احترام کرنے والا تھا، خود سے وابستہ کسی بھی انسان کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا اور مائدہ کے لیے تو وہ پریشان رہا تھا، ماں سے اپنی پریشانی بانٹی بھی تھی، خود مائدہ سے پوچھا تھا مگر کہیں سے بھی اس کی تسلی نہ ہوئی تھی، اب انکشاف ہوا تھا کہ مائدہ سے شادی سے پہلے ہی اس نے شادی کی ہوئی تھی، اس کی ایک بیٹی بھی ہے اور یہی انکشاف مائدہ کو موت کے دہانے تک لے گیا۔ راشدہ کے علم میں یہ بات تھی مگر انھیں کیا پتہ تھا کہ جو بات وہ کسی کے سامنے کہہ نہیں پا رہیں، وہ سب کو نہ صرف بتائیں گی بلکہ اس کے ذریعے ہی کتنے لوگوں کا بھرم رہ جائے گا۔

"پلیز ارحم! کچھ الٹا سیدھا مت کر بیٹھنا کیوں کہ میں پہلے ہی پریشان ہوں"۔ ماں کو روتے دیکھ کر وہ نرم پڑ گیا تھا۔

"آئی ایم سوری مما! بٹ مائدہ کی حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی، اس کے ہم سب مجرم ہیں، وہ دکھی تھی، پریشان تھی اور ہم سب اپنی زندگی میں مگن رہے"۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"میں اپنی زندگی میں مگن نہیں تھی، مائدہ نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا، میرے پوچھنے پر بھی نہیں، اس نے مجھ سے صرف اتنا کہا تھا (مما! آپ کے محسوسات غلط نہیں ہیں، میں خوش نہیں ہوں، لیکن میں خدا کی ذات سے مایوس نہیں ہوں، مجھے یقین ہے کہ میری زندگی سہل ہوجائے گی اور جب مجھے یقین ہے تو کیوں میں اشتہار لگا کر سب کی ہمدردیاں سمیٹوں کہ مجھے اپنی انا بہت عزیز ہے، کوئی مجھ سے سوال کرے، یہ مجھے نہیں پسند، اور بتانے سے تکلیف راحت تو نہیں بنے گی ناں، اس لیے میرا بھرم قائم رہنے دیں، نہ آپ سوال

کریں نہ کوئی اور... ارحم بھیا سے بھی کہہ دیں کہ میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں، اور میرے نصیب میں خوشیاں ہوں گی تو وہ بھی مل جائیں گی کہ مکمل جہان تو کسی کو بھی نہیں ملتا) یہ سب کہا تھا مائدہ نے اسی لیے میں خاموش رہی، تمہیں بھی رہنے کو کہا کہ مائدہ بہت حساس لڑکی ہے، اپنی عزت نفس اور وقار اسے ہمیشہ عزیز رہا، اسجد کا رویہ ٹھیک نہیں تھا، توجہ، محبت کچھ نہیں دیا اس نے، مگر وہ سہہ گئی مگر یہ نہ سہہ سکی کہ اس کا شوہر ہی اس کا نہیں ہے"۔ وہ بیٹے کے کاندھے سے لگیں بری طرح رو رہی تھیں، وہ احساس جو وہ بھی بیٹے سے تو کیا شوہر سے بھی نہیں کہہ سکتی تھیں، وہی احساس ان کو خون کے آنسو رلا رہا تھا، بیٹی کی ناقدری پر وہ تڑپ رہی تھیں، مگر کہہ نہیں سکتی تھیں۔

☆............☆............☆

"تڑاخ...!" اسجد تو اس کو اپنے فلیٹ پر دیکھ کر ہی حیران تھا کہ اس کے عمل پر ساکت رہ گیا تھا۔

"یہ تھپڑ میں نے تمہیں مائدہ کا بھائی بن کر نہیں مارا ہے کہ اس کا بھائی بن کر تم سے جواب طلبی کرنے پر آؤں، تو تمہیں جان سے ہی ماردوں"۔ وہ بہت اذیت زدہ لہجے میں کہتا اس کو ہی نہیں یسریٰ کو بھی ششدر کر گیا تھا۔

"تم پر کتنا بھروسہ کیا تھا اسجد! اور تم نے ہم سب کا بھروسہ توڑ دیا"۔ کہتے ہوئے نگاہ یسریٰ پر پڑی تھی۔

"یہی لڑکی تھی ناں جس کا ایکسیڈنٹ تمہاری گاڑی سے ہوا تھا، تم اس کے لیے کتنا پریشان تھے، میرے ذہن میں کتنے ہی سوال اٹھے تھے، مگر تم پر شک نہیں کیا"۔ وہ اس پر سے نگاہ ہٹا گیا تھا، جو دو ماہ کی بچی گود میں لیے ساکت و شرمندہ سی کھڑی تھی۔

"اتنا تو بااختیار تھا ناں کہ اپنی اپروچ کے ذریعے تمہاری انکوائری کروالیتا، مگر میں نے کچھ نہیں کیا، تمہاری زبان پر بھروسہ کیا جبکہ اگر تم مجھ سے کہتے ناں اسجد! کہ یہ لڑکی تمہاری محبت ہے، تمہاری محبت میں جان دینے چلی تھی، تو میں خود تمہاری اس سے شادی کرواتا، لیکن تم نے ہم سب سے جھوٹ بولا، ہمیں دھوکا دیا، ہماری بچی کی زندگی برباد کردی، اس سے محبت تھی، شادی بھی کرلی تھی تو کیوں کی مائدہ سے شادی؟ اور شادی کرلی تھی تو کیا کمی تھی اس میں جو اسے خوش نہ رکھ سکے؟ تم پہلے انسان تو نہ تھے ناں جس نے دو شادیاں کی تھیں تو پھر کیوں میری بہن کو اس نہج تک لے گئے ہم آج کتنے بے بس ہیں کہ کچھ نہیں کرسکتے، تمہیں بددعا نہیں دے سکتے، ماموں جان سے جواب طلبی نہیں کرسکتے، تم نے اپنی کمزوری سے رشتوں کو سوال بنادیا ہے، تم اتنا سب کچھ کرکے بھی یہاں مطمئن سی خوشگوار زندگی گزار رہے ہو، موت سے لڑ کر تو میری بہن آئی ہے، نظریں تمہارے والدین چراتے پھر رہے ہیں، ماموں جان کتنے دکھی ہیں، تمہارے کیے کی معافی وہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر مانگ رہے ہیں اور تم اپنی زندگی میں مگن ہو"۔ ارحم الحسن کا لہجہ بھیگا ہوا تھا اور وہ صحیح معنوں میں آج خود کو زمین میں گڑھتا محسوس کر رہا تھا، ان سب کی اعلیٰ ظرفی نے اسے کتنا حقیر بنادیا تھا، وہ ارحم کو دیکھ رہا تھا جو اس وقت بھی اس تک اس لیے نہیں پہنچا تھا کہ اس نے اس کی بہن کو تکلیف پہنچائی تھی، اس لیے آیا تھا کہ وہ خود اپنے کیے کی معافی مانگے تاکہ اس کے پیرنٹس کو کسی سے معافی نہ مانگنی پڑے۔

"تمہارے کیے کسی بھی عمل میں ماموں جان اور بڑی مامی کا قصور نہیں ہے، اس لیے یہاں چھپ کر بیٹھنے سے بہتر ہے کہ سب کا سامنا کرو، زندگی کا فیصلہ کرلو، میں نہیں چاہتا کہ تمہاری وجہ سے ماموں جان معافی مانگیں کہ تم بے حس ہوگئے ہو، ہم میں ابھی انسانیت بھی باقی ہے اور رشتوں کا احترام بھی"۔ وہ ایک

غصہ ونفرت بھری نگاہ اس پر ڈالتا جیسے آیا تھا، ویسے ہی چلا گیا تھا اور اسے لگا تھا کہ وہ خود سے اب کبھی نظر نہیں ملا پائے گا، اسے احساس جرم ہو گیا تھا جو اسے ساری عمر ہی بے چین رکھتا، کہی ہوئی بات اور کیا ہوا عمل لوٹایا نہیں جا سکتا تھا۔

☆............☆............☆

''آپ لوگ کیوں ہر دوسرے دن میری ذات کی پنچایت لگا کر بیٹھ جاتے ہیں؟'' دھیمے لہجے میں نپا تلا بولنے والی مائدہ شعلہ جوالہ بنی ان دونوں کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، محض پندرہ دنوں میں وہ بالکل ہی نچڑ کر رہ گئی تھی۔ زرد چہرہ، آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے اس کو دیکھ کر راشدہ کے دل کو کچھ ہوا تھا وہ تین دن بعد جب ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر الحسن ہاؤس آئی تھی، اس کے بعد اس نے کاشانہ عالم کے کسی مکین سے سامنا نہیں کیا تھا، یہاں تک کہ حنین کو بھی اپنے سامنے سے دفع ہو جانے کو کہہ دیا تھا اور ذرا ذرا سی بات پر منہ پھلا لینے والی حنین نے ایک لفظ نہیں کہا تھا وہ اپنے دل میں اسجد کے لیے نفرت محسوس کرنے لگی تھی۔

''میں تم سے بہت شرمندہ ہوں مائدہ! ہو سکے تو ہمیں معاف کر دینا''۔ وہ رو رہی تھیں۔

''آپ لوگوں کی شرمندگی میرے دکھوں کا مداوا نہیں بن سکتی، میرا کھویا مان، میری ذات کا غرور نہیں لوٹا سکتی، تو مجھے کیا ضرورت ایسی شرمندگی کی؟ مجھے نہیں چاہیے آپ کی شرمندگی اور نہیں کرنا مجھے کسی کو بھی معاف، آپ اور ماموں جان ہی میری بربادی کے ذمے دار ہیں، آپ لوگوں نے ہی جانتے بوجھتے میری شادی اس شخص سے کروائی جو مجھ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا، اور میں آپ کو اور ماموں جان کو کبھی معاف نہیں کروں گی''۔ شائستگی کی اعلیٰ مثال مائدہ اس وقت بدتمیزی کا نمونہ لگ رہی تھی، الحسن ہاؤس کے در و دیوار بھی اس کے تیز لہجے پر حیران تھے کہ وہ بھی تو اس کے نرم میٹھے لہجے کے عادی تھے۔

''تمیز سے بات کرو مائدہ! حالات کچھ بھی کیوں نہ ہوں ہم تمہیں اپنے سے بڑوں کی توہین کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے''۔ وہ بیٹی کی حالت سمجھتی تھیں، اس کے باوجود سختی سے سرزنش کر گئی تھیں، راشدہ کا دھواں دھواں چہرہ انھیں شرمندہ کر گیا تھا اور وہ لوگ ان کے اور نوید عالم کے سبب ہی تو خاموش تھے کہ وہ کیسے بھی حالات میں بڑے بھائی اور بھابی کو شرمندہ یا بے عزت ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھیں، اسی لیے وہ لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی اعلیٰ ظرفی دکھا گئے تھے۔ نم آنکھوں سے جب ہاتھ جوڑ کر نوید عالم نے ان دونوں میاں بیوی سے معافی مانگی تھی، تو یوسف الحسن بہت تڑپ کر ان کے ہاتھ تھام گئے تھے، وہ نوید عالم کی بہت عزت کرتے تھے۔

''اس کو کچھ نہ کہو فریدہ! یہ حق بجانب ہے، مگر خدا گواہ ہے مائدہ بیٹا! میرے علم میں جب بات آئی تو بہت دیر ہو چکی تھی، عین شادی کے دنوں میں شادی کینسل ہو جانے کے ڈر سے خاموش رہی، سوچا تھا کہ شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا، لیکن کیا پتہ تھا کہ اسجد اتنا کم ظرف ثابت ہوگا، اس پر بھروسہ کیا اور اس نے ہماری پرورش کو ہی گالی بنا دیا، ہم نے مگر تمہارا برا کبھی نہیں چاہا تھا، نوید بھی تم سے شرمندہ ہیں انھوں نے تمہیں کبھی زرمین سے کم نہیں سمجھا، تمہارے بارے میں اچھا سوچتے سوچتے تمہارے ساتھ ہم سب ہی برا کر گئے، ہم سب تمہارے مجرم ہیں، ہو سکے تو معاف کر دینا اور اتنا یاد رکھنا کہ اب تم جو فیصلہ لو گی، میں تمہارے ساتھ ہوں گی، تمہارا ہر فیصلہ ہمیں قبول ہوگا اور یہ شک کبھی دل میں نہ لانا کہ اسجد کی شادی کا ہم میں سے کسی کو علم تھا، ہم سب کو ہی اسجد نے بے وقوف بنایا، دھوکا دیا''۔ وہ بیٹے کی وجہ سے شرمندہ تھیں، اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے، جنھیں وہ تڑپ کر تھام گئی تھی۔

''مامی! آپ کو میں نے کبھی مما سے کم نہیں سمجھا، تھوڑی دیر پہلے جو بکواس کی اس کے لیے مجھے معاف کر دیں، سارے قصے میں آپ سب کا کوئی قصور نہیں ہے''۔ وہ روتے ہوئے ان کے ہاتھ تھامے کہتی اپنی اچھی تربیت اور نیک فطرت کا ثبوت دے گئی تھی۔

''بیٹا تو وہ میرا ہی ہے ناں، اور اولاد والدین کا سر یوں ہی جھکا دیتی ہے، تربیت کو گالی بنا دیتی ہے''۔ ان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

''بات صرف تربیت کی نہیں ہوتی، فطرت کی بھی ہوتی ہے بھابی! والدین تو اولاد کو ہمیشہ سیدھے راستے پر چلاتے ہیں، مگر اولاد ماں باپ کی انگلی تھامے سیدھے راستے پر چلتے ہوئے بھی بھٹک جائے تو والدین کا کیا قصور؟'' فریدہ نے نم لہجے میں ان کی ڈھارس بندھائی تھی، انھیں شرمندگی کے حصار سے نکالنا چاہا تھا۔

''قصور جس کا ہے میں اس کو سزا دینے پر قادر نہیں ہوں، لیکن میں اسے معاف بھی نہیں کر سکتی ہوں، آپ کہہ دیجیے گا اسجد عالم سے جا کر کہ مجھے ڈائیورس چاہیے''۔ پتھرائے ہوئے انداز میں کہتی وہ ان دونوں پر ہی کوئی قیامت ڈھا گئی تھی۔

''مائدہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹا!'' وہ مائدہ کے زرد چہرے اور بے تاثر آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

''جو آپ نے سنا مما! میں اس شخص کا حوالہ اپنی ذات سے مٹا دینا چاہتی ہوں، جس نے میری ذات کو تنکے سے بھی ہلکا کر دیا''۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر رو رہی تھی۔

''تم ابھی غصے میں ہو، بعد میں اس موضوع پر بات کریں گے کہ رشتے مذاق نہیں ہوتے، ہم اسجد کو برا کہہ رہے ہیں کہ اس نے برائی ثابت کی ہے، مگر اس سب کے باوجود ایسا فیصلہ نہ لو وہ جیسا بھی ہے تمہارا شوہر ہے''۔ وہ ان ماؤں میں سے نہ تھیں جو ذرا ذرا سی بات پر شہ دے کر اولاد کو سر چڑھاتی ہیں، معاملہ کچھ بھی تھا انھیں اس کا فیصلہ غلط لگا تھا، اس لیے پہلے ہی موڑ پر باور بھی کرا دیا تھا۔

''انھوں نے مجھے کبھی بیوی نہیں سمجھا، انھوں نے شادی کے ڈیڑھ سال تک میری توہین کی، مجھے یہ باور کروایا کہ میں ان کی بیوی نہیں ہوں صرف اس گھر کی بہو ہوں، اور میں نے آپ سب کے لیے، آپ سب کو دکھ سے بچانے کے لیے، اپنا بھرم بچانے کو ہر تذلیل سہی، سب کچھ برداشت کر لیا، ہر الزام، ہر کڑوی بات سہہ گئی، مگر اب ایک لمحہ ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی، جنھوں نے میرے سچے جذبات کو پامال کر دیا، مجھے اب کسی کے لیے بھی کمپرومائز نہیں کرنا، مجھے ڈائیورس چاہیے''۔ وہ بہت مشکل سے کہہ رہی تھی کہ عزت نفس کی خاطر اس نے کیا کچھ سہا تھا، حرف شکایت لب سے ادا نہ کرنے والی آگے عذاب سے بچنے کو تفصیلات بیان کر رہی تھی اور ایسا کرتے ہوئے بھی تکلیف میں تھی، خود کو کسی سے نظر ملانے کے قابل نہ سمجھ رہی تھی، اس لیے ان دونوں سے نگاہ چرائے رو رہی تھی۔

''مائدہ...!'' انھوں نے آگے بڑھ کر بیٹی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا، چہرہ تھامنا چاہا تھا، مگر وہ فاصلے پر ہو گئی تھی۔

''مما! میں بہت تکلیف میں ہوں، لفظوں سے کھیلنا مجھے نہیں آتا، نہ ہی میں اظہار کے ہنر سے واقف ہوں، مگر آپ میری مثال اس پرندے کی سی سمجھ لیں، جس کے پر کاٹ دیئے جاتے ہیں اور وہ قفس کے

پنجرے میں پڑا اڑنے کی آس میں پھڑ پھڑا کر رہ جاتا ہے اور ایک دن آتا ہے کہ وہ اسی پنجرے میں اپنی جان دے دیتا ہے، مگر میں اس پنجرے میں پھر سے نہیں جانا چاہتی، وہاں جا کر میں پھڑ پھڑا بھی نہ سکوں گی اور آپ لوگ مجھ سے پھڑ پھڑانے، تڑپنے کا حق نہ چھینیں۔" وہ شدت ضبط سے کانپ رہی تھی اپنی ذات کو سوالیہ نشان بنے دیکھ کر اذیت میں تھی۔

"اسجد عالم بے شک میرے شوہر ہیں، لیکن انھوں نے مجھے بیوی نہیں سمجھا، انھوں نے صرف اپنی مردانگی کو ثابت کیا حق ہی حاصل کرنا ہوتا تو ڈیڑھ سالوں میں حاصل کر چکے ہوتے، انھوں نے اپنی توہین کا بدلہ لیا ہے مجھ سے اور بس.... اس وقت میری جگہ کوئی اور ہوتا تب بھی انھوں نے یہی کرنا تھا کیونکہ انھوں نے تو اپنی مردانگی کو سوالیہ نشان بننے سے بچانا تھا، اور خود کو بچاتے وہ مجھے ایک سوال بنا گئے اور میں پھڑ پھڑا تو سکتی ہوں مگر کچھ کر نہیں سکتی کہ وہ دنیا کی نظر میں میرے شوہر ہیں، مگر میرے احساسات، میرے جذبات کے وہ قاتل ہیں، انھوں نے مجھے بری طرح توڑ ڈالا ہے، انھوں نے اپنا حق، حق کی طرح حاصل نہیں کیا، زور زبردستی اپنی مردانگی کی دھاک بٹھائی ہے اور ایک ایسے شخص نے جس نے مجھے عزت نہ دی، قدم قدم پر مجھے ذلیل کیا، مجھے میری ہی نظروں سے گرا دیا، اس کے ساتھ میں نہیں رہ سکتی، آپ لوگ مجھ پر ایک احسان کر دیں مجھے اس شخص سے طلاق دلوا دیں، میری روح مردہ ہو گئی ہے، یہ حوالہ مجھے جیتے جی مار رہا ہے، مجھے قفس سے رہائی دلوا دیں، مجھے تل تل مرنے سے بچا لیں۔" وہ دوڑتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی، اور ان دونوں کی تو وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، وہ ایک دوسرے سے نظر چرائے کھڑی تھیں کہ کچھ حقیقتیں بہت تلخ ہوتی ہیں، اندر تک مار دیتی ہیں، جیسے وہ مر گئی تھی اور وہ مرنے کے مرحلے سے گزر رہے تھے۔

☆............☆............☆

"راحم! میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی، یہ میرا گھر ہے، آپ اسجد بھائی کے کیے کی سزا دینے کو مجھے میرے ہی گھر سے نہیں نکال سکتے۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی، راحم آفس ٹیم کے ساتھ نیویارک گیا ہوا تھا، آج ہی اس کی واپسی ہوئی تھی، بات جیسے ہی اس کے علم میں آئی تھی اس کا سارا غصہ شازمین پر اترا تھا، اور اس نے اسے گھر سے جانے کو کہہ دیا تھا اور وہ حیرانگی سے نکلی تھی تو غصے اور ناراضی سے انکاری ہو گئی تھی۔

"بکواس بند کرو، اور میرے سامنے سے چلی جاؤ شازمین! ورنہ میں غصے میں کچھ کر بیٹھوں گا۔" وہ چیخ کر بولا تھا۔

"پلیز راحم! اس سارے قصے میں میرا کیا قصور ہے، جو آپ میرے ساتھ ایسے پیش آ رہے ہیں؟" شازمین جان لٹانے والے شوہر کا ظالمانہ روپ دیکھ کر تڑپ اٹھی تھی۔

"قصور تو تمہارا بھی ہے، دھوکا تو تم نے بھی دیا ہے کہ تم بھی جانتی ہو گی ناں کہ اسجد بھائی، مائدہ میں انٹرسٹڈ نہیں ہیں لیکن تم نے سچائی ہم سے چھپائی۔" وہ اس کو غصے سے گھور رہا تھا۔

"مجھے یہ سب صرف ایک دن پہلے پتہ چلا تھا، مگر میں یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ شادی کر چکے ہیں۔" اس نے روتے ہوئے صفائی دینا چاہی تھی۔

"ایک دن ہو یا ایک سال، جب سچائی پتہ چلی تھی، ہمیں جب ہی سب بتا دینا چاہیے تھا، مگر تم نے اپنے بھائی کا خیال کیا اور میری بہن کی تم سب نے مل کر زندگی تباہ کر دی، اور اب میں تمہیں ایک لمحے کے لیے

اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گا، ابھی اسی وقت اپنے گھر چلی جاؤ، تمہارا بھائی اس لڑکی کو چھوڑ دے گا، اور میری بہن کو عزت سے اپنے ساتھ لے جائے گا، اس کے بعد ہی تم اس گھر میں واپس آ سکو گی، ورنہ میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔" وہ تڑپ کر اس کو دیکھنے لگی تھی، اس سے پہلے کہ کچھ کہتی کہ اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے گھر سے نکال باہر کیا تھا۔

"راحم! میری بات سنیں، مجھے گھر سے نہ نکالیں، میں مر جاؤں گی، اسجد بھائی کی غلطی کی سزا مجھے مت دیں پلیز، دروازہ کھولیں۔" وہ روتے ہوئے کہتی دروازہ پیٹ رہی تھی، اس کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا، مگر مائدہ کا زرد چہرہ، اداس آنکھیں یاد آتے ہی وہ خود کو حق بجانب سمجھنے لگا تھا۔

"شازمین! کیا ہوا ہے؟" ارحم کہیں جانے کے ارادے سے اپنے کمرے سے نکلا تھا اس کو دیکھ کر اس تک چلا آیا تھا۔

"ارحم بھیا! راحم مجھے گھر سے نکال رہے ہیں۔" اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"وہ پاگل ہو گیا ہے اور کچھ نہیں، مگر تم پریشان نہ ہو، ہم سب کے ہوتے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو گی۔" اس نے روتی ہوئی شازمین کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی و شفقت سے اسے دلاسا دیا تھا۔

"وہ بہت غصے میں ہیں ارحم بھیا! مجھے طلاق دینے کی بات کر رہے ہیں۔" وہ سہارا پا کر بکھری تھی اور وہ تو دھک سے ہی رہ گیا تھا، غصے سے کھولتے ہوئے اس نے دروازہ پیٹ ڈالا تھا۔

"راحم! دروازہ کھولو۔" وہ جو سمجھ رہا تھا شازمین ہے ارحم کی آواز سن کر لمحہ ضائع کیے بنا دروازہ کھول گیا تھا۔

"کیا تماشا لگایا ہوا ہے تم نے، کہا تھا ناں میں نے تم سے کہ اس سارے قصے سے تم شازمین کو دور رکھنا، تو پھر کیوں اسے گھسیٹ رہے ہو؟" وہ اس پر بری طرح برس رہا تھا حقیقت جان کر بھی اس نے یہی بکواس کی تھی اور اس نے راحم کو بہت نرمی و پیار سے غصہ نہ کرنے اور رشتوں کی اہمیت سمجھائی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس کو بات سمجھ آ گئی، مگر وہ غلطی پر تھا کہ جو وہ اس سے کہہ کر آیا تھا، کمرے میں آ کر اسی پر عمل کرتے ہوئے اسے گھر سے جانے کو کہہ دیا تھا۔

"لینا دینا ہو یا نہیں مگر میں فیصلہ کر چکا ہوں، اپنی بہن کو دیکھیں گے تب انھیں پتہ چلے گا کہ ایک بہن کی بربادی ایک بھائی کو کتنا بے سکون کر دیتی ہے، اور جب وہ میری بہن کو کوئی خوشی نہ دے سکے تو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جوان کی بہن کو خوش رکھوں؟" وہ ارحم کے احترام میں آواز نیچی کر کے بول رہا تھا، ورنہ غصہ تو اتنا تھا کہ بس چلتا تو دنیا کو آگ لگا دیتا۔

"تم اسجد کی بہن کو نہیں اپنی بیوی کا خیال کرتے ہوئے اس کو خوش رکھتے رہے ہو اور آگے بھی رکھو گے۔" اس کو غصے سے گھورا تھا۔

"میں فیصلہ لے چکا ہوں بھائی! جس سے ایک انچ نہیں ہٹوں گا۔" وہ اس کے غصے سے خائف ہو کر بولا تھا۔

"پاگلوں جیسی باتیں نہ کرو کہ کسی کی برائی کو اپنا لینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ غصے میں اس کی حالت تو فراموش نہ کرو کہ اللہ نہ کرے کسی قسم کی اونچ نیچ ہو گئی تو کون ذمے دار ہو گا؟" وہ اب اسے نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

''میں کچھ بھی سوچنا سمجھنا نہیں چاہتا میں اسے اس کے گھر بھیجنے کا فیصلہ کر چکا ہوں، اور یہی اس کے بھائی کے لیے بہت ہے کہ میں اسے زندہ سلامت اس تک بھیج رہا ہوں، جبکہ میری بہن وہاں اس کے گھر سے زندگی اور موت کی کشمکش میں لوٹی ہے، اور میں جانتا ہوں میں غلط کر رہا ہوں مگر پھر بھی کروں گا کہ اسجد بھائی کے جرم میں یہ بھی برابر کی شریک ہے، اس نے بھی ہمیں دھوکا دیا، کم از کم یہی ہمیں بتا دیتی کہ اسجد بھائی کیا چاہتے ہیں''۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی، مائدہ ان کی اکلوتی بہن تھی، بہت عزیز تھی وہ انھیں، ان کی تکلیف پر وہ تڑپ اٹھے تھے، شور اور تیز آوازوں پر وہ دونوں میاں بیوی ہی نہیں مائدہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئی تھی۔

''پھپھو! راحم مجھے گھر سے نکال رہے ہیں، مجھے ڈائیورس دینے کی بات کر رہے ہیں، آپ سمجھائیں انھیں، یہ ایسا نہ کریں، میں مر جاؤں گی پھپھو!'' وہ فریدہ کو دیکھ کر لپک کر ان سے لپٹ کر جو بولی تھی اسے سن کر ان کے پیروں تلے سے زمین ہی سرک گئی تھی۔

''تم یہاں سے چلی جاؤ شاز مین! ورنہ میں تمہیں خود جان سے مار دوں گا''۔ وہ دھاڑا تھا۔

''کیا بکواس ہے یہ راحم؟'' یوسف الحسن اس کے عین سامنے ٹھہر گئے تھے۔

''آئندہ تم نے شاز مین سے اس لہجے میں بات بھی کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا، شاز مین اس گھر کی بہو ہے اور ہم اپنی بہو کی توہین اس کے شوہر کے ہاتھوں بھی برداشت نہیں کر سکتے، شاز مین اور مائدہ ہماری بیٹیاں ہیں، ایک برباد ہو رہی ہے، تم چاہتے ہو دوسری کو بھی برباد کر دیں، جبکہ یہ ہماری بیٹی کی بربادی کی ذمے دار بھی نہیں ہے، تو پھر اسے تم سزا کیوں دینا چاہتے ہو؟'' وہ دکھ اور غصے سے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بول رہے تھے۔

''اس کا قصور ہے یا نہیں، میں نہیں جانتا مگر اب میں اسے صرف اسی صورت بساؤں گا جب اسجد بھائی میری بہن کو ساتھ لے جائیں گے، اس لڑکی کو طلاق دے دیں گے کہ اگر انھوں نے مائدہ کو طلاق دی تو میں شاز مین کو طلاق دے دوں گا''۔ وہ کسی کے بھی غصے کو خاطر میں لائے بنا اپنی بات و فیصلے پر ڈٹا تھا۔

''تڑاخ....! بکواس کرتے ہو، ایسا کچھ کیا تم نے تو جان سے مار دوں گا میں تمہیں''۔ یوسف الحسن اس پر ہاتھ اٹھا چکے تھے اور بہت غصے میں آتے دھاڑے تھے۔

''پاپا! کوئی بھی چیز مجھے میرے فیصلے سے نہیں ہٹا سکتی، اور تم کیا کھڑی ہو، دفع ہو جاؤ یہاں سے، جس دن تمہارا بھائی مائدہ کو طلاق دے گا، اس کے اگلے دن تمہیں بھی طلاق کے پیپرز مل جائیں گے''۔ اس نے باپ کی سائیڈ سے نکل کر اسے گھورتے ہوئے اس کی حالت کی پرواہ کیے بغیر باہر کی طرف دھکیلا تھا، وہ ڈس بیلنس ہوتی لڑکھڑائی تھی، اس سے پہلے وہ گرتی کہ مائدہ اسے تھام گئی تھی۔

''شاز مین کو ساتھ رکھیں یا اسے چھوڑ دیں، مگر ایک بات میری اپنے ذہن میں بٹھا لیں کہ اسجد عالم مجھے نہیں چھوڑ رہے، وہ مجھے طلاق نہیں دے رہے، میں ان سے طلاق لے رہی ہوں، اور یہ میرا اپنا فیصلہ ہے، اس فیصلے کا اثر کسی کی زندگی پر نہیں پڑے گا اور پڑا تو میں اس گھر سے ہی چلی جاؤں گی، خود کو ختم کر لوں گی''۔ وہ ان سب کو ساکت چھوڑ کر راحم کو غصے و ناراضی سے دیکھتی نکلتی چلی گئی تھی اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

''ارحم! جا کر روکو اسے، غصے میں کچھ کر نہ بیٹھے''۔ وہ ہول کر بولی تھیں۔

''اس کے پیچھے نہ جاؤ کتنا ہی غصہ کر لے کچھ غلط نہیں کرے گا، اور تم شاز مین بیٹی کو کمرے میں لے جاؤ، اس کا خیال رکھو۔ راحم کو میں خود سمجھا لوں گا وہ کوئی غلط فیصلہ نہیں لے گا''۔ وہ ارحم کو روکتے بیوی سے بولے تھے اور روتی ہوئی شاز مین کے سر پر ہاتھ رکھتے اسے تسلی دیتے وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے۔

☆..........☆..........☆

''نوید...!'' وہ بے خبر سوتیں نہ جانے کس احساس کے تحت جاگی تھیں اور نوید عالم کو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے مردہ سا گہری سوچ میں ڈوبے دیکھ کر اٹھ بیٹھی تھیں، لائٹس آن کرنے کے بعد جب ان کے چہرے پر نظر کی تھی تو انھیں اپنا دل خون ہوتا محسوس ہوا تھا کہ ان کے چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں سی بنی تھیں اور وہ اپنی عمر سے زیادہ بوڑھے لگے تھے۔

''سب کچھ ختم ہو گیا راشدہ!'' وہ ان کے ہاتھوں پر چہرہ ٹکائے شدتوں سے رو پڑے تھے۔

''مجھے میری اولاد نے کسی سے نظر ملانے کے لائق نہیں رکھا، اپنی ہی نظروں سے گر گیا ہوں، اسجد پر کتنا بھروسہ تھا، کتنا مان تھا اس نے میرے سارے بھرم توڑ دیئے، مجھے میری ہی اولاد نے رسوا کر دیا، میری اپنی اولاد نے بھرے مجمع میں میرے تن پر بچی ریشمی قبا کھینچ لی، مجھے برہنہ کر دیا، مجھے کوئی چیز، کوئی راستہ ایسا نظر نہیں آتا کہ جس سے میں اپنا وجود ڈھانپ لوں''۔ وقت کی کیا ستم ظریفی تھی کہ آج وہ اس شخص کو روتے دیکھ رہی تھیں، جو ان کے آنسو پونچھتا آیا تھا اور آنسو پونچھنے والوں کے آنسو پونچھنا کس قدر تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتا ہے، یہ کوئی راشدہ عالم سے پوچھتا، وہ ان کے گرتے آنسوؤں کے ساتھ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر رہی تھیں، ان کو تسلی دینے کو ایک حرف نہ تھا وہ ہی نہیں ان کے ساتھ وہ خود شکست و ریخت کے مرحلے سے گزرنے لگی تھیں۔

''اسجد نے جب کہا کہ وہ مائدہ سے شادی نہیں کرے گا، میں نے سوچا کہہ رہا ہے لیکن جب شادی ہو گی تو میرا مان رکھے گا، میرا سر کسی کے سامنے جھکنے نہ دے گا، بھروسہ کیا اس پر، اور اس نے دھوکا دیا، میرے منہ پر طمانچہ دے مارا کہ کروا دو میری شادی، مجھے نہیں بسانا تو نہیں بساؤں گا۔ میں مائدہ سے کس طرح معافی مانگوں؟ یوسف اور فریدہ سے کس طرح نظر ملاؤں؟ میں ٹوٹ گیا ہوں راشدہ! میری اولاد نے مجھے جیتے جی مار ڈالا ہے''۔ ان کی ہچکیوں میں راشدہ کی سسکیاں بھی شامل ہو گئی تھیں۔

''وہ بچی کتنا کچھ سہتی رہی، اس کی بربادی کا ذمے دار صرف میں ہوں راشدہ! اس سے کہو جا کر وہ مجھے معاف کر دے اس نے معاف نہ کیا تو میں سکون سے جی تو کیا مر بھی نہیں پاؤں گا''۔ وہ اذیت میں تھے شادی اگر انھوں نے جبراً بھی کروائی تھی تو ایسی بھی کوئی قباحت نہ ٹوٹی تھی کہ کتنے ہی لوگوں کی شادی ان کی مرضی کے خلاف ہو جاتی ہے، مگر یوں تو کوئی نہیں کرتا، جس طرح وہ کر گیا تھا۔ آگے زندگی نہ جانے کتنے امتحان لینے والی تھی، وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی اور وہ اپنے فیصلے میں تن تنہا کھڑی تھی، اس کا موقف، اس کے احساسات سب اگر سمجھ بھی رہے تھے تو اس کی طرح سوچ کر کوئی فیصلہ نہیں لے سکتے تھے، وہ آگے کا سوچ نہیں رہی تھی، جبکہ ان سب کی نظریں مستقبل پر بھی جمی تھیں۔

(جاری ہے......)

☆..........☆..........☆

سعدیہ عابد — قسط نمبر 20

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

''ممی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، میں آپ کے بغیر نہیں رہ پاؤں گی، مجھے خود سے دور نہ کریں''۔ آج شام اس کی شادی تھی، تاریخ طے تھی، جسے نوید عالم نے منسوخ نہ کیا تھا، انھیں اب زندگی کا کوئی بھروسہ نہ تھا اور اپنی زندگی میں ہی وہ حنین کے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتے تھے، جبکہ وہ آنے والے وقت سے خوفزدہ تھی۔ ساجدہ مایوں کے زرد جوڑے میں سرسوں کا پھول لگتی بیٹی کو خود سے لپٹا گئی تھیں۔

''حنین میری جان! روؤ نہیں، تمہارے دور جانے کے احساس سے ہی میری سانس رک رہی ہے، مگر یہی زمانے کی ریت ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹیوں کو رخصت کرنا پڑتا ہے''۔ وہ اس کو خود سے لگائے بلک رہی تھیں۔

''کیوں ہے ایسی ریت ممی! مجھے آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانا ہے''۔ وہ سسکی تھی۔

''ایسے نہیں کہتے بیٹا! اللہ سب بہتر کرے گا، تم آج ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہی ہو، تمہاری ماں کی دعائیں ہمیشہ تم پر سایہ کیے رہیں گی، ایک خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کرنے کے لیے تمہیں بھی کچھ قربانیاں دینی ہوں گی''۔ وہ اپنے آنسو پونچھ گئی تھیں، وہ جذباتیت دکھاتیں تو ممتا کا فرض کب پورا کرتیں؟

''ماں باپ کے گھر گزاری جانے والی زندگی اور شوہر کے ساتھ شادی شدہ زندگی میں زمین آسمان کا سا فرق ہوتا ہے، والدین اولاد کی پہاڑ برابر غلطی بھی معاف کر کے بھول جاتے ہیں اور شوہر اور اس سے وابستہ رشتے رائی کو

بھی پہاڑ بنا دیتے ہیں، عورت کو اپنا گھر بسانے، سسرال میں جگہ بنانے، شوہر کا دل جیتنے کے لیے اپنا پتہ پانی کرنا پڑتا ہے کہ ایک اچھی بیٹی ضروری نہیں ہوتا کہ اچھی بہو بھی بن جائے کہ کچھ رشتوں پر زندگی بھی وار دو تو وہ پرائے رہتے ہیں، ان ہی پرائے رشتوں کو ایثار اور نیک عادات و فطرت سے تم نے اپنانا ہے، اپنا ظرف بڑا رکھنا ہے، لینے سے زیادہ دینا ہے"۔ وہ نرمی سے اسے رشتوں کی نزاکتیں ان کی اونچ نیچ سمجھا رہی تھیں۔

"یہ یاد رکھنا کہ اب شوہر کا گھر ہی تمہارے لیے سب کچھ ہوگا، یہاں تم ایک مہمان کی حیثیت سے آیا کرو گی"۔

وہ ماں کو غور سے سنتی یکدم بے یقینی سے تکنے لگی تھی۔

"ممی! مجھے اتنا بھی پرایا نہ کریں کہ اپنے ہی گھر میں، میں مہمان بن جاؤں، کیا شادی کے بعد اس گھر سے، آپ سب سے میرا تعلق ختم ہو جائے گا؟" وہ شکوہ کناں لہجے میں کہتی بلک اٹھی تھی۔

"رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے حنین! بس انھیں ان کے اصل مقام پر رکھنے کا ہنر آنا چاہیے، اور بیٹی شادی کے بعد پرائی ہو جاتی ہے، والدین اس کی ذمے داری اپنی خوشی اور رب کی رضا سے ایک ایسے شخص کو سونپ دیتے ہیں، جو نکاح کے تین بولوں کے ذریعے سب کچھ بن جاتا ہے، اور اب تم نے اس رشتے کو ہر رشتے سے اہم جاننا ہے، سمجھنا ہے اس گھر کے دروازے تم پر ہمیشہ کھلے رہیں گے، تم ہنسی خوشی آؤ گی تو ہم مطمئن ہو کر تمہیں دل سے لگائیں گے، مگر یہ یاد رکھنا بیٹا! کہ جس دن اللہ نہ کرے کہ تم اپنے شوہر سے لڑ کر آئیں، اس گھر کے دروازے خود پر بند پاؤ گی"۔ وہ اس کو ہر طرح کے حالات کے لیے تیار کر رہی تھیں اور وہ رونا بھول کر ماں کو پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں ان ماؤں میں سے نہیں ہوں جو بیٹیوں کی ہر اچھی، بری بات میں حمایت کر کے انھیں سر چڑھاتی ہیں اور خدانخواستہ ان کی بربادی کا خود ہی موجب بن جاتی ہیں، شادی شدہ لائف کے ہر مسئلے، ہر قسم کے حالات سے تمہیں خود ہی نبرد آزمائی کرنا ہوگی، کیسے بھی حالات ہوں، شوہر کو نہیں چھوڑنا کہ مشرقی عورتیں گھر بنانے کے لیے خود کو وار دیتی ہیں، اور تم نے بھی گھر بنانا، بسانا ہے یاد رکھنا کہ شادی سے پہلے ایک مرد کی محبت اور اسی کے شوہر بن جانے کے بعد کی محبت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے اور تم بہت بچپنا دکھا چکیں، کنعان کے ساتھ مس بی ہیو کر چکیں، آگے تم نے ایسا کچھ نہیں کرنا ہے کہ تم اس کے دل سے اتر جاؤ بیوی ایک دفعہ دل سے اتر جائے، تو کبھی دوبارہ وہی مقام حاصل نہیں کر پاتی، اس لیے تم نے شوہر کی عزت کرنی ہے، اس سے محبت کرنی ہے، اس کے دل میں مضبوط مقام بنانا ہے اور اس کے لیے تمہیں سمجھداری کا ثبوت دینا ہوگا، اپنی ذات کو پس پشت ڈالنا ہوگا، ضدیں چھوڑ کر اپنی منوانے کا خیال چھوڑ کر سر جھکانا سیکھنا ہوگا، تمام میدان سر اٹھا کر نہیں جیتے جاتے کچھ جیتیں ایسی ہوتی ہیں، جو نرمی سے، جھک کر حاصل کرنی پڑتی ہیں"۔ وہ بیٹی کی خود پسندی اور "میں" سے واقف تھیں، اس لیے نرمی سے کچھ سختی سے اسے بہت کچھ سمجھا رہی تھیں، اور اس نے آگے سے کچھ نہیں کہا تھا کہ مائدہ کی بے رنگ زندگی ہی اس کے لیے بہت بڑا سبق تھی، مگر وہ اپنی ذات کو کہیں پاتال میں گرتا محسوس کر رہی تھی، اسے لگ رہا تھا، جیسے وہ کسی مقتل گاہ میں جا رہی ہو، جہاں اس کی خودی، اس کی انا اور اس کی "میں" ذبح کر دی جائے گی، لفظ شادی اور لفظ شوہر نہیں اس سے وابستہ تمام لفظوں، تمام رشتوں اور احساسات سے اسے چڑ اور بے زاری سی محسوس ہو رہی تھی، اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا، مگر کوئی اسے ایسی جائے پناہ نظر نہیں آ رہی تھی جہاں وہ اپنی ذات کی قبا اوڑھ کر پوشیدہ ہو جاتی، راہ فرار نہ تھی اور دل میں ہزار وہم، ہزار خدشے، ہزار ہا وہم لیے اس کے تن پر خوبصورت آنکھوں کو خیرہ کرتی عروسی قبا سجا دی گئی تھی، اس کا پور پور ایک ایسے شخص کے لیے سجایا جا رہا تھا، جس کے لیے وہ اب تک کچھ

اچھا نہیں سوچ سکی تھی کہ جب سوچنا چاہا تھا، بدگمانیاں ہی بڑھتی تھیں، نرم گرم جذبات نہ امڈ سکے تھے، وہ بہت رقیق القلب ہو رہی تھی، اس کی آنکھیں رہ رہ کر برس رہی تھیں اور وہ ڈیپ ریڈ کلر کے شرارے سوٹ میں روایتی دلہنوں کی طرح سجی ہر دیکھنے والی آنکھ کو ٹھٹکا دے رہی تھی، اس کے تیکھے نین نقش میک اپ نے دو آتشہ کر دیے تھے، اس پر اس کی سوگواری اس کے حسن کو چار چاند لگا رہی تھی، ماہ کنعان کی نگاہ اس پر اٹھی تھی اور وہیں ٹھہری رہ گئی تھی کہ نگاہ نے تو پلٹنا ہی تھا مگر نگاہ کا ہر احساس، ہر جذبہ اس کے چہرے پر ہی رہ گیا تھا، اور وہ بلیک شیروانی میں روایتی دولہوں کی طرح کلاہ سر پر سجائے اپنی چارمنگ پرسنیلیٹی کے ساتھ خود اعتمادی و سرمستی کے عالم میں اس کے پہلو میں کھڑا کتنے ہی دل دھڑکا گیا تھا کہ وہ دونوں ساتھ کھڑے بہت مکمل اور نظر لگ جانے کی حد تک پیارے لگ رہے تھے، جہاں وہ خوش و بااعتماد تھا وہیں وہ اداس اور نروس تھی، روش پر گلاب کی پتیاں بکھری تھیں، اوپر سے بھی پتیاں الگ ان پر قربان ہو رہی تھیں اور اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے وہ زیر لب مسکراتا اس کی حنائی سرخ کانچ کی چوڑیوں سے مزین کلائی تھام گیا تھا، اس کی حرکت پر اس نے نگاہ اٹھائی تھی اور وہ دلفریبی سے مسکرایا تو اٹھی پلکوں اور عنابی لبوں کی ذومعنی مسکراہٹ کا حسین منظر کیمرے کی آنکھ میں مقید ہو گیا، وہ دونوں ساتھ چلتے اسٹیج تک پہنچے تھے، اور رسموں کا آغاز ہو گیا تھا، ہر فرد اداس تھا کہ وہ تھی ہی سب کی لاڈلی، رخصتی کے وقت وہ دھواں دھار روئی تھی اور سب کو رلا گئی تھی، کیا ساجدہ، کیا ارحم اور نوید عالم سب اس کو رخصت کرتے اس کے ساتھ رو رہے تھے، نوید عالم اپنی سگی دو بیٹیوں کو رخصت کرتے اتنے اداس نہ تھے، مگر بھائی کی نشانی جسے انھوں نے اولاد سے بڑھ کر چاہا تھا اس کی رخصتی کے منظر نے ان کی آنکھیں نم کر دی تھیں، ساجدہ شوہر کی کمی شدتوں سے محسوس کرنے لگی تھیں اور وہ اپنوں کی دعاؤں اور آنسوؤں تلے چھم چھم روتی ماہ کنعان عابدی کے ساتھ رخصت ہو گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

"مائدہ! رکو بات سنو میری"۔ وہ رخصتی کے بعد واپسی کی تیاریوں میں تھے کہ اس کی نگاہ پارکنگ میں ارحم کی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی مائدہ پر پڑی تھی، جو سبز رنگ کے دیدہ زیب سوٹ میں نیچرل میک اپ کیے سوگواری بہت حسین لگ رہی تھی اور اس کے قدم خود بخود اس کی طرف اٹھنے لگے تھے، وہ اپنے نام کی پکار پر اپنے خیالات سے چونکی اور اسے دیکھ کر ناگواری کی واضح لہر اس کی آنکھوں میں امڈ آئی۔

"مائدہ! مجھے بات کرنی ہے تم سے، پلیز"۔ وہ اس کے سامنے پہنچا ہوا تھا کہ اس کومل سی لڑکی کو وہ کس قدر تکلیف سے دوچار کر چکا تھا، کیسی اذیت سے نواز چکا تھا، اندازہ تھا، شرمندگی تھی اور جو اس کی آنکھوں میں اترتے سہم اور آنسو کے سبب بڑھ گئی تھی، وہ بے اعتباری کا شکار تھی، اور اس سے زیادہ باعث ندامت اس کے لیے کیا بات ہو سکتی تھی، وہ لڑکی جس پر وہ تمام جائز اختیارات رکھتا تھا، اپنے غلط انداز کے سبب اس پر اپنا اعتماد کھو چکا تھا وہ خود کو زمین میں گڑھتا محسوس کرنے لگا تھا۔

"لیکن مجھے آپ سے بات نہیں کرنی ہے، آپ یوں میرے سامنے آ کر مجھے مزید اذیتیں دے کر کانٹوں پر نہ گھسیٹیں"۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی اس شخص کے سامنے جو اس کے سکون کا قاتل تھا، مگر وہ بہت کمزور تھی، اس کی فطرت کی نرمی و کوملتا ذرا سی توجہ پر ہی بکھری تھی اور وہ رہزن کے سامنے کھڑی بے بسی سے رو رہی تھی۔

"مائدہ! میں بہت شرمندہ ہوں، خدا کے لیے مجھے معاف.....!" وہ اس کے بے بسی سے کانپتے وجود سے نگاہ چراتا نہایت دکھ اور شرمندگی سے کہنے لگا تھا۔

"میں آپ کو مر کر بھی معاف نہیں کروں گی اسجد عالم! آپ نے عرش سے مجھے فرش بنا دیا ہے"۔ وہ رو رہی تھی

اور وہ شرمندگی سے اسے دیکھتا دو قدم پیچھے ہو گیا تھا۔

"اپنا وجود فرش کی قبا محسوس ہوتا ہے اور گرد آلود اندھیرے میں ڈوبی قبا آپ اپنی مردانگی کے ثبوت کے لیے استعمال کر چکے، اب اس قبا کو اتار پھینکیے، مجھے آپ سے ملنے والی ہر ذلت نہ چاہتے ہوئے بھی قبول ہے، اور میں اپنی داغ داغ زندگی و ذات کے ساتھ چھپی رہوں گی، اب میں اٹھ نہیں سکتی کیونکہ فرش، کبھی عرش نہیں بنتا اور آپ نے مجھے فرش بنا دیا، اب گزر جائیے، نہ خود کو پریشان کریں، نہ میری اذیتوں کو بڑھائیں، فرش سے گزر کر عرش پر پہنچ جائیے اور جب اس عرش پر ملوں گی آپ سے تب آپ کا گریبان تھام کر سوال کروں گی، پوچھوں گی آپ سے اپنا قصور؟ ابھی جائیے کہ ہر بات، ہر کوشش اب بے کار جائے گی کہ اس مائدہ کو آپ نے روند ڈالا ہے، جو رشتوں کے لیے، ان کے احساسات کی خاطر جیا کرتی تھی، گری ہوئی عمارت کی جو باقیات ہیں ناں... اسجد عالم! ان سے میں نے اپنا ایک نیا خاکہ تراشا ہے، جس میں رشتوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی کہ رشتوں کے نام پر مائدہ نے بہت ذلت سہہ لی، بہت عزت کمائی، اس لیے اب مجھے صرف نام نہاد رشتوں سے چھٹکارا چاہیے، مجھے آپ سے طلاق چاہیے اسجد عالم!" اس نے آنسو رگڑے تھے پھر ساکت کھڑے اسجد عالم پر نگاہ کی تھی، جسے وہ احساس دلائے بغیر ذلیل کیے بنا ندامت کے زیر اثر لے گئی تھی، ایسی ندامت کہ وہ ختم بھی ہو جاتی تو اس کا احساس چمٹا رہ جاتا تھا۔

"میں تمہیں طلاق نہیں دینا چاہتا۔" وہ وہاں سے نکلنے لگی تھی کہ اس نے اپنی تمام ہمتیں مجتمع کر کے کہا تھا۔

"میں یہ نہیں جانتی کہ آپ کیا چاہتے ہیں، بات صرف اتنی ہے کہ میں مزید نام نہاد رشتے کو نہیں نبھا سکتی، آپ طلاق دے دیں گے تو ٹھیک، ورنہ یاد رکھیے گا کہ میرے پاس خلع کا آپشن ہے اور جسے میں سب کی مخالفت کے بغیر بھی استعمال کروں گی۔" وہ اس کی آواز پر تھمی، اور پلٹے بنا سرد لہجے میں کہتی پلٹی اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی، وہ شکستہ قدموں سے اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا، اپنی ذات کی شکست پر وہ جتنی آزردہ تھی اتنی ہی آزردگی اس نے اس کی شکست پر بھی محسوس کی تھی، اپنی شکستگی سے تو جان چھڑا نہیں پا رہی تھی، اس کی شکستگی کی اذیت سے بچنے کو رخ پھیر کر آنکھیں بند کر لی تھیں، آنسو اس کے رخساروں پر گرتے چلے گئے تھے۔

☆.........☆.........☆

اس نے ماہ کنعان عابدی کی ہمراہی میں "ماہ ولاز" میں قدم رکھے تھے، مسٹر اینڈ مسز عابدی رسماً اسے منہ دکھائی میں قیمتی تحفے دیتے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے، اس کا استقبال ماہ لاج اور سمیرا نے ہی کیا تھا، ماں باپ کا یوں چلے جانا وہ خود پر ضبط کے کڑے پہرے نہ بٹھاتا تو کچھ الٹا سیدھا کر بیٹھتا اور اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے ہی فیصل نے بیوی کو اشارہ کیا تھا، سمیرا جو خود پریشان تھی اسے لاج کے ہمراہ ماہ کنعان عابدی کے کمرے میں لے گئی تھی، اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹا تھا کہ اس کے گھر میں بھی شادیاں ہوئی تھیں، اس نے نئی دلہن کا اب تک شاندار استقبال اور نہ جانے کون کون سی رسمیں ہوتی دیکھی تھیں اور اس کا روکھا پھیکا سا استقبال ہوا تھا، بناء کسی رسم کے اسے کمرے میں چھوڑ کر وہ دونوں ہی چلی گئی تھیں، اس کی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ گرنے لگے تھے۔

"ممی! جو لوگ میرا اچھا استقبال نہ کر سکے، میری آمد پر خوشی کا جھوٹا تک اظہار نہ کر سکے، کیا میں ان کے لیے کبھی اپنے دل میں جگہ بنا پاؤں گی، جنھوں نے میری پہلے ہی قدم پر تذلیل کی، انھیں عزت دے پاؤں گی؟" وہ روتے ہوئے ماں سے مخاطب ہوئی تھی۔

"میں محبتوں کی نہیں عزتوں کی بھی عادی رہی ہوں، بقول آپ کے ارحم بھیا! یہ شخص مجھے محبت دے گا، مگر کیا میں عزت اور مان کے بغیر رہ پاؤں گی؟ جو شخص میرا اچھا استقبال نہ کروا سکا وہ مجھے محبتوں میں رنگ بھی دے تو کیا؟

کہ رنگ تو موسم کی پہلی بارش میں ہی نکل جاتے ہیں۔" اس نے سسکی لی تھی مگر وہ نہیں جانتی تھی اس کی سوچ کنعان کے لیے بہت غلط ہے، وہ جب اسے نہ سمجھ سکی تھی، اس کی محبت اس کی گہرائی تک کیسے پہنچ سکتی تھی کہ اس کی محبت پر تو عشق کا رنگ غالب تھا اور محبت کے رنگ اتنے کچے نہیں ہوتے کہ سال کی پہلی بارش کی نظر ہو جائیں، تو پھر وہ تو اس کے عشق میں رنگا تھا اور اس کی کوری ذات کو اپنے عشق میں رنگ دینے والا تھا، ایسا پکا، مضبوط رنگ جو مرتے دم تک نہیں نکلتا، انسان فنا ہو جاتا ہے، مگر عشق کا رنگ نہیں ڈھلتا کہ عشق روح کی قبا ہوتا ہے، اور عشق کی بند قبا چاہے بہت مشکل سے اپنی معراج تک جا کر کھلے، مگر کھلتی ضرور ہے کہ عشق ایک جاوداں سفر ہے، روح سے روح تک پہنچ ہی جاتا ہے، بس اب دیکھنا یہ تھا کہ یہ عشق و روح کا سفر، یہ عشق میں رنگ دینے کے مرحلے کب طے ہونے تھے؟ محبوب نے محبت کے دل تک کب سفر کرنا تھا کہ ابتداء تو ہونے کو تھی، عشق نے اپنی کمر کس لی تھی اور عاشق تو تھا ہی والہ وشیدا، سب کچھ وارنے کو تیار، قدموں میں ڈھیر کرنے کو راضی، جھکنے کو تیار، جھکانے سے برگشتہ، ملن کو بے قرار، تن من وارنے کو تیار و راضی، وہ کتنی ہی خواہشیں دل میں جگائے، آنکھوں میں مسرت و خمار لیے با اعتماد و سرشاری سے لبریز چال چلتا اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا کہ یہ کمرہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے اپنی پسند سے سجایا تھا، بیڈ روم سیٹ سیاہ رنگ کا تھا، دیوار پر پینٹ اور پردے وائٹ تھے، بلیک فرشی کارپٹ جو وائٹ پھولوں سے مزین تھا، کمرے کی دیواروں پر آویزاں ان کے نکاح کی سب سے حسین تصویریں، ڈریسنگ ٹیبل کے عین سامنے والی دیوار پر لگا اس کا پورٹریٹ جو اتنا حسین تھا کہ دیکھنے والی ہر آنکھ کو ساکت کر دے، بیڈ سے اٹھتی گلاب اور موتیے کی مہک، کمرے کے ملگجے سے اندھیرے میں کھلی کھڑکی سے جھانکتی چاندنی کی نرم سی روشنی ہر چیز بہت مکمل تھی، بہت حسین تھی، اس کے احساسات ڈر و خوف کے ساتھ ساتھ عجیب سی لے اختیار کرنے لگے تھے کہ دروازہ کھل کر بند ہونے کی آواز نے رہی سہی کسر بھی پوری کر ڈالی تھی، بیڈ سے ذرا فاصلے پر اس نے ٹھہر کر اسے دیکھا تھا، جو گلاب کے پھولوں اور پتیوں میں گھری بیٹھی خود گلاب کا پھول لگ رہی تھی، اس کے لرزتے وجود اور ارتعاش زدہ پلکوں کو دیکھ کر وہ دھیمے سے مسکاتا بیڈ کے سرہانے ٹک گیا تھا، اس نے آنکھیں سختی سے بند کر لی تھیں، مگر زد و نفس کا وہ عالم تھا کہ بند پلکوں پر بھی لرزاہٹ طاری تھی، خوبصورت لب ڈارک سرخ لپ اسٹک سے سجے لرزتے ہوئے بڑے ہی قاتل لگ رہے تھے۔

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کر دیکھتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو اس سے بات کر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کے بدن کی تراش ایسی ہے
کہ پھول اپنی قبائیں کتر کے دیکھتے ہیں

کمرے کے خوابناک ماحول میں اس کا گمبھیر لہجہ کیا گونجا اس کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب ہونے لگا، اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"آج میں کتنا خوش ہوں، خود کو کتنا مطمئن پا رہا ہوں لفظوں میں تو کیا اپنے کسی انداز سے بیان نہ کر سکوں گا، تم تو وہ ہو جانِ کنعان! کہ جسے میں نے خود سے زیادہ سوچا، محسوس کیا، لگتا ہے کہ آج میرے پہلو میں تم نہیں، میری خواہشیں، میرا جنون، میرا عشق براجمان ہے۔" وہ گمبھیر لہجے میں اپنے جذبوں کا کچھ حصہ کہہ گیا تھا اور ایک ہاتھ، ہاتھ میں تھامے دوسرے ہاتھ سے اس کے چہرے کے تیکھے نین نقش چھو رہا تھا اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولی تھیں، دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں، وہ بھیگی پلکیں جھکا گئی تھی اور وہ دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔

"یار! کہنے کو تو اتنا ہے کہ اگر تم سے اپنے جذبات، محسوسات کہنے پر آؤں تو ایک عمر بیت جائے"۔ وہ خمار آلود
لہجے میں اظہار کی ابتدا کر گیا تھا۔

"اپنی آخری سانس تک کے لیے تمہیں اپنا بنا لیا ہے، آخری سانس تک کے لیے یہ ماہ کنعان عابدی بس
صرف تمہارا، کہ اب صرف تمہارے لیے ہی جیے گا، زندگی میری نام تمہارے، آج پورے کا پورا ماہ کنعان عابدی
تمہارا"۔ وہ بہت میٹھے جذبوں سے چور لہجے میں کہہ رہا تھا، اسے اس سے مانگنے کے بجائے خود کو اسے سونپ دیا تھا
اور وہ ڈر و خوف بھلائے حیرانگی سے اسے سن رہی تھی کہ جو وہ کہہ رہا تھا، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی، مگر دل کی لے بھی
عجیب ہی تھی۔

"میں تمہیں تم سے نہیں مانگوں گا کہ میں نے صرف تمہارا بننا ہے، کیونکہ تم تو میری اسی دن بن گئی تھیں، جب
تمہیں پہلی دفعہ دیکھا تھا، جب پہلی دفعہ تمہیں چھوا تھا، جب پہلی دفعہ تمہیں محسوس کیا تھا، جب تمہیں اپنے نام کیا تھا،
تم تو صرف میری ہو اور میں تمہیں بس یہ یقین سونپنا چاہتا ہوں کہ میں صرف تمہارا ہوں، میری ہر سانس صرف
تمہارے نام، یہ ماہ کنعان عابدی تمہارا ہوا حنین عابدی! اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اپنے کنعان کو دل میں رکھتی ہو،
نظر میں رکھتی ہو، محبت بناتی ہو، نفرت سمجھتی ہو، کہ جذبہ کوئی بھی ہو، احساس کوئی بھی ہو تم سوچو گی مجھے ہی کیونکہ تم
میری ہو، تم نے مجھے ہی سوچنا ہے اور میں بھی تمہارا ہوں، میں نے بھی صرف تمہیں ہی سوچنا ہے، میں تمہیں دل
سے نکلنے نہ دوں گا اور تم کیا کرتی ہو، یہ تمہارا کام ہے کہ مجھے اپنی حنین کی حفاظت خود کرنی ہو گی اور تمہیں اپنے ماہ
کنعان کی حفاظت خود کرنی ہو گی"۔ وہ عجیب بہکے بہکے لہجے میں کہہ رہا تھا اور وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اس کے ہاتھ
کا لمس آنکھوں سے لبوں تک آ جانے پر محض سوچ کر ہی رہ گئی تھی اور اس نے اس کی جیولری اتارنی شروع کر دی
تھی۔

"یار! میں تو تمہاری ایک جھلک پر ہی مرمٹا تھا، مزید میرے قتل کا سامان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ اب
کے دوستانہ انداز میں اس کو تیاری کے حوالے سے چھیڑ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے کہ وہ اس کی
بے تابیوں کی تاب نہیں لا پا رہی تھی۔

"اف.... تمہارے یہ آنسو، کسی دن اس کھاری ندیا میں ڈوب جاؤں گا"۔ وہ اس کے آنسو شوخی سے کہتا لبوں
سے چن رہا تھا، اس کا چہرہ شدت ضبط و جذبات سے تمتما اٹھا تھا، وہ خاموش تھی اور صرف وہ بول نہیں رہا تھا، اس
کے جذبات، اس کے محسوسات ہی نہیں اس کا لمس بھی بول رہا تھا، وہ اس کی مرمریں کلائی سے چوڑیاں اتار رہا تھا
اور اس کی جان پر بن آئی تھی۔

"جس شام میں نے تمہاری نازک کلائی مرمریں ہاتھوں کی خوبصورتی کو محسوس کیا تھا، نگاہ سے چھوا تھا تب ہی
سوچ لیا تھا کہ میں تمہیں رونمائی میں کنگن دوں گا"۔ نہایت حسین سیاہ جڑاؤ کنگن اس کی دودھیا کلائی میں سج کر قیمتی
ہو گئے تھے، اس نے اپنے لب بے ساختگی میں کنگن پر رکھے تھے وہ چھوئی موئی سی ہوئی جا رہی تھی، اس کی ساری
توجہ اس کے ہاتھوں پر ہی مرکوز تھی، وہ دھیرے دھیرے کنگن کو چھو رہا تھا کہ یکدم اس نے اسے مسکرا کر دیکھا تھا، اس
کی تو وہ حالت تھی کہ اب جان نکلی کہ تب نکلی اس نے سرخ زرتار آنچل کو بڑی نرمی سے اس کے وجود سے کھینچ لیا تھا
اور دراز ہو کر اس نے ساری لائٹس ہاتھ مار کر بجھا دی تھیں، چاند کی نرم روشنی کمرے کی خوابناکی کو الگ ہی سحر عطا
کرنے لگی تھی۔ اسے اپنے چہرے و گردن پر اس کی پر حدت سانسوں کی تپش محسوس ہونے لگی تھی، اس نے لب کچلتے
ہوئے آنکھیں میچ لی تھیں اور وہ اس کو اپنے سینے پر گرائے اس کا ہاتھ تھامے مخمور لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"اور جب کبھی بند قبا کھلنے لگتی جاناں!
اپنی آنکھوں کو تیرے حسن سے خیرہ کرتا
مجھ کو بے تاب سا رکھتا تیری چاہت کا نشہ
میں تیری زلف کے آنگن میں مہکتا رہتا
کچھ نہیں تو یہی بے نام سا بندھن ہوتا
کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا"

وہ دودھیا کلائی میں سجے کنگن کو انگلی سے جنبش دیتا لبوں سے چھوتا مخمور لہجے میں دل کی شدتوں سے کہہ رہا تھا،
اپنے حق کا استعمال کر رہا تھا، اور وہ اس کے جذبوں اور جسارتوں پر بند نہ باندھ سکی تھی، اور وہ کاش کی گردان کرتا،
بے نام سے بندھن میں الجھا سب سے مضبوط رشتے کی بنیاد رکھ چکا تھا، وہ رشتہ جو نکاح کے تین بولوں سے شروع
ہوا تھا، وہ رشتہ جسے بہت اہمیت حاصل تھی، وہ رشتہ جس میں بندھ کر دو انجان لوگ بہت اپنے بن جاتے تھے اور دو
انجان و اجنبی دل کی ڈور سے بندھے، حجاب و دوری کی قبا کھولتے، قربت و ملن کی قبا اوڑھ گئے تھے۔

☆............☆............☆

"پلیز یسریٰ! اسے چپ کرواؤ، اس کی آواز میرے اعصاب پر ہتھوڑے برسا رہی ہے"۔ وہ اس کی شکل
دیکھتی لب کچلتی روتی ہوئی ننھی حسنیٰ کو لیے کمرے سے نکل گئی تھی اور آدھے گھنٹے بعد اسے سلا کر بوا جی کے حوالے
کر کے، وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی، تو وہ کھڑکی میں کھڑا سگریٹ پھونک رہا تھا، اسے حیرت ہوئی تھی کہ ایسا
فرسٹ ٹائم دیکھا تھا تو حیرت بے جا نہ تھی۔

"اسجد! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" حیرت کو سائیڈ میں رکھتی نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

"دھیرے دھیرے میرے ہاتھوں سے سب کچھ نکلتا جا رہا ہے، رشتے ریت کی مانند ہاتھوں سے پھسلتے جا
رہے ہیں"۔ وہ آزردگی سے کہتا فضا میں دھواں آزاد کر گیا تھا۔

"ابو نے تو کیا امی نے بھی میرے سلام کا جواب تک نہیں دیا، شازمین الگ ناراض ہے کہ راحم اس سے خفا
ہے، میں نے شازمین کے بیٹے کو پیسے دینے چاہے تو وہ اس نے اٹھا کر پھینک دیے، اپنی خوشگوار ازدواجی زندگی
میں آنے والی دشواریوں کا وہ مجھے سبب سمجھتی ہے اور وہ کچھ غلط بھی تو نہیں سمجھتی ناں، میں ہوں ہی برا، مجھے رشتے
نبھانے نہیں آئے ان کی عزت نہیں کر سکا میں"۔ وہ اس سے لپٹ کر رو پڑا تھا۔

"اور اس سب کی ذمے دار صرف میں ہوں، میری خود غرضی نے آپ کو یہ دن دکھایا ہے"۔ وہ اس کو بیڈ پر
بٹھاتی اسے پانی پلانے کے بعد نیچے کارپٹ پر اس کے پیروں میں بیٹھ گئی تھی۔

"لیکن میں بہت مجبور تھی اسجد! آپ کو کھونے کا حوصلہ ہی نہیں تھا مجھ میں، اس لیے میں نے آپ کو مجبور کیا کہ
آپ شادی کر لیں، لیکن میں غلط تھی اسجد! اور آپ صحیح تھے، آپ نے صحیح کہا تھا کہ اتنے لوگوں کی زندگی برباد ہونے
سے بہتر ہے کہ ہمارے دل اجڑ جائیں، لیکن میں اس کے لیے آمادہ نہ ہو سکی، آپ کی محبت مجھے آپ سے دور
ہونے کا حوصلہ نہیں دیتی تھی، آپ کے دور جانے کا خیال میری سانسیں چھیننے لگتا تھا اور آپ کو پا لیا میں نے مگر
ہمارے ملن میں کتنی آہیں تھیں، کتنے دل کتنے رشتے ٹوٹے تھے اور ان میں سے کسی کی ایک آہ ہمیں لگ گئی، ہم
بہت کچھ پا کر بھی ادھورے ہیں کہ ہمارے پاس رشتے نہیں ہیں، اپنوں کا ساتھ ان کا مان نہیں ہے، دیر ہو گئی ہے
اسجد! بہت دیر.... مگر کوئی روزن ابھی بھی ضرور کھلا ہو گا، اسی کے ذریعے آپ اپنے رشتوں تک پلٹ جائیں، میں

"آپ کے بغیر مر مر کر جی لوں گی، بس آپ لوٹ جائیں اپنوں میں، مجھے چھوڑ دیں اسجد!" وہ رو رہی تھی، بلک رہی تھی، وہ اپنی ہر تکلیف بھلا کر، مائدہ کے لفظوں اور نگاہ سے اتری دل میں اذیت کو فراموش کیے ناگواری و غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے آپ سے آپ کے رشتے چھیننا کبھی نہیں چاہے تھے، اسی لیے آپ سے کہا تھا کہ آپ مائدہ سے شادی کر لیں، مجھے لگا تھا کہ وہ کمپرومائز کر لے گی، مگر وہ نہیں کر سکتی تو آپ اسے مجبور نہ کریں کہ وہ آپ کی خاندانی بیوی ہے، آپ کے ابو کی پسند ہے، آپ اسے کیسے بھی کر کے ساتھ رہنے کو راضی کر لیں، اس سے کہہ دیں کہ آپ مجھے چھوڑ دیں گے۔" وہ کہہ رہی تھی اس نے اسے بازو سے تھام کر اپنے مقابل کھڑا کیا تھا اور ہچکیاں بھرتی یسریٰ کے رخسار پر گھما کر ایک طمانچہ لگایا تھا۔

"بکواس بند کرو اپنی، ہر بات کہہ دینا تمہارے لیے کتنا آسان ہوتا ہے، جان وار بھی دیتی ہو اور کھینچ بھی لیتی ہو، اتنی ظالم کیسے ہو سکتی ہو تم؟" وہ اس پر چلاتے ہوئے اسے کھینچ کر خود سے لگا گیا تھا، اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی، جب وہ ہاسپٹل سے بہت غصے میں گھر پہنچا تھا تو اس کے کچھ گھنٹوں بعد ہی نوید عالم بھی آ گئے تھے اور انھوں نے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گھر سے نکال دیا تھا، اس سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ آئندہ انھیں اپنی شکل بھی نہ دکھائے اور وہ اس وقت تو یسریٰ سے چھپا گیا تھا مگر کب تک کہ وہ گھنٹہ دو گھنٹہ بعد ہی اس کے بہت اصرار پر بھی ٹھہرے بغیر چلا جاتا تھا اور اب دو دن، دو راتوں سے ساتھ تھا، وہ سوال کر رہی تھی اور اس نے ڈپٹ کر غصہ دکھا کر خاموش کرا دیا تھا کہ وہاں راحم الحسن کا آنا اس کی باتیں اسے کچھ نہ کچھ سمجھا گئی تھیں اور اس کے اصرار پر اس نے کہہ دیا تھا کہ گھر میں اس کی شادی کا پتہ چل گیا ہے، مائدہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے اور نوید عالم نے اسے گھر سے نکال دیا ہے، وہ اس کو اپنے کارنامے کو چھپا کر باقی ہر بات سچائی سے بتا گیا تھا، وہ اس کے ساتھ ساتھ دکھی تھی، مگر اس کے لیے کچھ کر نہیں پا رہی تھی اس نے جب کہا تھا کہ وہ مائدہ سے ملے گی تو اس نے سختی سے منع کر دیا تھا، یہاں تک کہ اپنے پیرنٹس سے بھی اسے کسی قسم کا رابطہ کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

"اسجد! یہ میرے لیے آپ کے لیے بہت مشکل ہے، مگر اب یہی مناسب رہے گا۔" وہ اس سے الگ ہوتی بولی تھی۔

"اب بکواس کی ناں تو جان سے مار دوں گا۔" اب کے وہ غصے سے پھنکارا تھا۔

"اتنے لوگوں کی زندگی میری وجہ سے برباد ہو رہی ہیں، کتنے لوگ میری وجہ سے ناخوش ہیں، مجھے تو مر ہی جانا چاہیے۔" وہ ہچکیاں لے رہی تھی۔

"سب کچھ بہت مشکل ہو گیا ہے اور اس کا سبب میری ذات ہے، تمہارا لینا دینا نہیں ہے، میں ہی بہت کمزور تھا، جو اپنی محبت نہ منوا سکا، یا پھر کم از کم شادی کے بعد تو تمہیں ابو کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیتا، مگر میں نے کچھ نہیں کیا، تمہارے ساتھ ناانصافی کی اور مائدہ... اس کو بھی پریشان کیا، اذیت دی، وہ سب کچھ بہت پہلے جان گئی تھی، اس کو منا لیتا، تم دونوں کو ساتھ رکھ لیتا، مگر میں نے سب کچھ تہس نہس کر دیا، معاملات بہت بگڑ چکے ہیں، کسی طرح قابو میں نہیں آ رہے کہ مائدہ کو طلاق چاہیے اور میں چاہوں بھی تو ایسا نہیں کر سکتا، اور جب میں اسے نہیں چھوڑ سکتا، تمہیں کیسے چھوڑ دوں، جو لہو بن کر میری سانسوں میں گردش کر رہی ہے۔" وہ اپنا بھرم رکھنے کو اپنا ضبط آزماتا جھوٹ بول رہا تھا، مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ مائدہ سے جڑے معاملات کے علاوہ اس کا ایک ایک لفظ سچا تھا اور سچائی اور اس کی محبت اس کی آنکھوں میں لکھی تھی۔

"اسجد! مجھے بتائیے آپ نے ایسا کیا کیا ہے جو آپ اتنا پریشان ہیں، نادم ہیں، آپ کی آنکھوں میں اس وقت ہر جذبے پر ندامت غالب نظر آ رہی ہے، بتائیے مجھے کیا چھپا رہے ہیں؟" وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام گئی تھی اور وہ نظر چراتا اس کے سامنے سے ہی ہٹ گیا تھا۔

"اسجد! میں اور آپ الگ تو نہیں ہیں ناں، بتائیے مجھے کیا بات ہے؟ آپ نے مائدہ سے کیا کہا ہے؟ جب وہ پہلے سے جانتی تھی تو اس وقت کی بجائے اب طلاق کا مطالبہ کیوں کر رہی ہے؟" وہ اس کی شرٹ پشت سے دبوچ کر اسے روکتی اس کے سامنے کئی سوال لے کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"اب ہر بات بھی تمہیں نہیں بتا سکتا۔" وہ چیخ کر بولا تھا۔ اور وہ اس کو دیکھنے لگی تھی، وہ غصے کا تیز تھا اور وہ اس پر بھی اچھے، برے موڈ پر اپنا غصہ عیاں کر چکا تھا، مگر وہ اس وقت غصے میں نہ تھا، جھلاہٹ و بے بسی کا شکار محسوس ہو رہا تھا۔

"بات کہہ دینے سے شیئر کر لینے سے مسئلوں کا حل نکل آتا ہے اور مجھ پر یقین رکھیں اسجد! میں آپ کا یقین ٹوٹنے نہیں دوں گی، ہر اچھے و برے وقت میں، آپ کی اچھائی و برائی میں آپ مجھے ہم قدم اور رہنما پائیں گے۔" وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے نرمی سے کہتی بھیگی آنکھوں سے مسکرائی تھی۔

"ہمقدم... رہنما! اور ڈائیورس کی جو بات کر رہی تھیں؟" اس کے سوالوں سے بچنے کو اس نے خود کو کمپوز کر کے سوال داغا تھا۔

"کیسے کی تھی آپ تصور میں بھی نہیں لا سکتے، مگر میں مجبور ہوں اسجد! کہ میں آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں، آپ کو اپنے رشتوں کے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں، میں نہیں چاہتی کہ زندگی کے کسی موڑ پر بھی آپ کو پچھتاوا ہو کہ آپ نے مجھے چنا، اس لیے سب آپ سے بچھڑ گئے، والدین ناراض ہو گئے، بہن کا گھر خراب ہو گیا، میں اپنے اسجد کو رشتوں کا مقروض نہیں بنانا چاہتی، اس لیے یہی بہتر لگا کہ میں آپ کو اپنی محبت سے آزاد کر دوں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر کہتی اس کو چونکا گئی تھی۔

"کیا تم سے کسی نے کچھ کہا ہے؟ کیا تم نے پھر میری کوئی کال ریسیو کی ہے؟" وہ اس کو اب کے غصے سے دیکھ رہا تھا کہ اس نے زرمین کی کال ریسیو کرنے کے بعد ہی تو اسے اپنی قسم دے کر شادی کے لیے مجبور کیا تھا، اور اب نیا مطالبہ!

"آج جب آپ حنین کی شادی میں چلے گئے تھے، اس کے بعد یہاں راحم الحسن آئے تھے۔" وہ اس کو بری طرح ٹھٹکا گئی تھی، الحسن کے مکینوں میں وہ واحد تھا، جو اس سے کلام تک نہیں کر رہا تھا، باقی تین افراد نے تو خوش اخلاقی و اعلیٰ ظرفی کی مثال قائم کی تھی۔

"کیا... راحم یہاں آیا تھا؟" وہ حیرت سے بولا تھا اور وہ تفصیل بتانے لگی تھی۔

"جی، انھوں نے کہا تھا کہ وہ شازمین کے شوہر اور مائدہ کے بھائی ہیں، اپنے تعارف کے بعد انھوں نے کہا کہ میں آپ کی زندگی سے خود ہی چلی جاؤں، اگر میں آپ کو چھوڑ کر نہیں گئی اور آپ نے مائدہ کو چھوڑ دیا، تو وہ شازمین کو ڈائیورس دے دیں گے، میں نے اسی لیے آپ سے کہا کہ آپ مجھے چھوڑ دیں، میری وجہ سے شازمین کا گھر خراب ہو، یہ مجھے گوارا نہیں کہ اتنے لوگوں کی ناپسندیدگی کے باوجود آپ کو پا کر بھی نہ خوش ہوں کہ ہماری خوشیاں تمام عمر ادھوری رہیں گی اس لیے بہتر ہے کہ ہم آدھی ادھوری خوشیوں کے لیے مائدہ اور شازمین کی مکمل خوشیاں نہ چھینیں، اس سارے قصے میں شازمین بے قصور ہے اور اس کے ساتھ کوئی ناانصافی ہو گئی تو میں تمام عمر خود

کو معاف نہیں کر پاؤں گی‘‘۔ وہ حیرت سے بت بن گیا تھا، اس نے روتے ہوئے نہ صرف تفصیل بتائی تھی بلکہ اپنے فیصلے سے بھی آگاہ کیا تھا۔

’’تم پریشان نہ ہو، کچھ نہیں ہوگا، میں پھپھو کو جانتا ہوں وہ شازمین کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دیں گی، اور راحم بھی ایسا کبھی نہیں کرے گا کہ وہ شازمین سے محبت کرتا ہے‘‘۔ وہ حیرانگی سے تکتا اس کو ہی نہیں خود کو بھی پریشان کن سوچوں سے بچانے کے لیے مثبت سمت دیکھ رہا تھا۔

’’وہ بہت غصے میں تھے اسجد! وہ جو اس دن آئے تھے ان کے برعکس کہ انھوں نے مجھے کچھ نہیں کہا تھا اور راحم الحسن کا بس چلتا تو وہ مجھے آپ کی زندگی سے لمحہ ضائع کیے بناء نکال دیتے، اس سارے مسئلے میں، میں ہی فساد کی جڑ ہوں اس لیے آپ مجھے ہی چھوڑ دیں‘‘۔

’’بکواس بند کرو دیسری! اور یاد رکھنا کہ تمہیں چھوڑ دیا تب بھی مائدہ کے ساتھ میری زندگی شروع نہیں ہو سکتی کہ وہ میرے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی، وہ میرے لیے اتنی اہم ہے بھی نہیں کہ اس کے لیے تمہیں چھوڑ دوں‘‘۔ وہ اسے گھورتا کمرے سے ہی نکل گیا تھا اور وہ بیڈ پر گرتی رو پڑی تھی۔

☆..........☆..........☆

’’میں اس شخص کے لیے اتنی زیادہ غیر اہم ہوں کہ شادی کی تقریبات میں سامنے پر بھی اس نے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا مجھے‘‘۔ وہ بستر پر دراز آزردگی سے سوچ رہی تھی کیونکہ وہ تو کسی خوشبو جیسی بات اور دل میں اتر جانے والی نگاہ کی منتظر تھی، مگر اس کا انتظار، انتظار ہی بنا اس کا منہ چڑاتا اسے دکھ سے دوچار کر رہا تھا، کہ برتھ ڈے پارٹی میں حادثے کے بعد جو آنے کا وعدہ کیا تھا وہ بھی اس نے پورا نہ کیا تھا، اس کے اکلوتے بھائی کی شادی تھی اس نے ایک ایک چیز بڑی شاندار لی تھی جو اس پر سج کر اور حسین ہو گئی تھی، مگر اس کی تیاری بطور خاص جس شخص کے لیے تھی اس کے سوا سب ہی نے اس کی تعریف کی تھی، اس سنگدل کی ماں نے بلائیں لی تھیں، کتنے ہی نوٹ اس پر سے وارے تھے، اور وہ خوش فہم ہو گئی تھی، آج تو وہ اسے سراہے گا، مگر وہ تو سنجیدگی سے بھی اس کے ساتھ تو کبھی ان کے ساتھ کھڑا باتیں بنا رہا تھا، یہ نہ تھا کہ دونوں کا سامنا ہی نہ ہوا ہو، مایوں کی شب وہ اسٹیج پر آیا تھا، تو وہ بھائی کے پہلو میں بیٹھی اسے تنگ کر رہی تھی، ہنس رہی تھی، دونوں کی ساتھ پکچرز بنی تھیں، مگر مجال ہے جو اس نے کچھ کہا ہو یا باقی سب سے ہٹ کر کسی خاص نظر سے دیکھا ہو، اور ولیمے کی شب تو وہ مہوش کے پیچھے بھاگتی اس سے ٹکرا گئی تھی، گجرے اس کے قدموں میں گر گئے تھے اور وہ سادگی سے اٹھا کر انھیں اسے پکڑاتا نکلتا چلا گیا تھا، جب سے ہی اسے رونا آ رہا تھا کہ وہ کوئی عام سی آرام سے نظر انداز کر دینے والی بھی نہ تھی کہ اس کی خوبصورتی اپنی مثال آپ تھی، اوپر سے ان کے درمیان جڑا رشتہ کسی شرارت اور سرگوشی کا متقاضی تھا، مگر لگتا تھا جیسے وہ جذبات سے عاری ہو، شخص ’’سوری‘‘ کہہ کر گجرے پکڑاتا اس کے برابر سے نکلتا چلا گیا تھا اور وہ جو پوری محفل میں ضبط کرتی رہی تھی، گھر آ کر ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے، ساری آرائش اس نے بے دردی سے نوچ ڈالی تھی اور تکیے میں منہ دیے سسکنے لگی تھی۔

’’کہیں حنین نے اپنی جذباتیت میں ہر بات ارحم سے کہہ تو نہیں دی تھی؟‘‘ وہ نئی سوچ پر گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

’’حنین تو ان سے کچھ چھپاتی بھی نہیں، اس نے انھیں بتا دیا ہو اور انھوں نے منگنی صرف حنین کے کہنے پر کی ہو کہ وہ حنین کی کوئی بات ٹالتے بھی تو نہیں‘‘۔ وہ لب کچلتے ہوئے بے چینی سے سوچ رہی تھی۔

’’نہیں، کوئی اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کسی کے لیے کیسے لے سکتا ہے؟‘‘ اس نے سر کو ہلاتے ہوئے اپنی ہی

سوچ کی نفی کی تھی۔

’’لیکن جن سے محبت کی جائے، ان کی خوشی کا خیال رکھا جائے تو کیا چھوٹا فیصلہ اور کیا بڑا‘‘۔ دماغ نے نیا پوائنٹ اٹھایا تھا۔

’’لالہ جان سے شادی کا فیصلہ اس نے بھی تو صرف ارحم کے لیے کیا، تو پھر ارحم اس کے لیے کیوں مجھ سے رشتہ نہیں جوڑ سکتے‘‘۔ وہ خود سے سوال جواب کا کھیل کھیل رہی تھی، الجھتی پریشان ہو رہی تھی۔

’’تو کیا حنین اور ارحم ایک دوسرے سے...!‘‘ وہ یکدم ہی لب کا کونا دانتوں تلے کچل گئی تھی، ہونٹ کے کنارے سے خون رسنے لگا تھا کہ یہ خیال ہی اس کے لیے سوہان روح تھا کجا کہ وہ اس خیال کو ذہن سے نکال کر لبوں تک لاتی۔

’’نہیں وہ حنین سے محبت نہیں کرتے، ایسا ہوتا تو ان کے درمیان تو کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی‘‘۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی تھی اپنی سوچ کی شدت سے نفی کرنے لگی تھی۔

’’ارحم! حنین سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی مجھ سے لالہ جان، ان کے انداز میں، پیار میں نرمی و شائستگی اور پاکیزگی جھلکتی ہے‘‘۔ وہ اپنے ذہن میں کتنے ہی مناظر کو لا کر تجزیہ کرتی زیر لب بولی تھی۔

’’اس دن جب حنین نے مجھ سے لالہ جان کی وجہ سے لفٹ نہیں لی تھی، تب ان کی آنکھیں دیکھی تھیں میں نے کتنی صاف تھیں، آئینے کی طرح شفاف.... اور حنین .... اس نے تو خود مجھ سے کہا تھا کہ...!‘‘ وہ ٹھہر کر اس کی کہی بات سوچنے لگی تھی۔

’’یہ میرے پاپا کی تصویر ہے اور میرے ارحم بھیا، میرے پاپا سے بہت ملتے ہیں، جب میں بہت چھوٹی تھی تب میرے پاپا مجھے چھوڑ گئے تھے، ارحم بھیا مجھ سے تقریباً گیارہ سال بڑے ہیں، مجھے دھیرے دھیرے ان میں اپنے بابا کی شباہت محسوس ہونے لگی اور میں ان کے قریب ہو گئی، مجھ سے وابستہ میرا ہر رشتہ میرے لیے بہت اہم ہے، میرے اپنوں نے مجھے میری سوچ سے بڑھ کر چاہت دی ہے، مجھے کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا گیا اور جیسے بیٹیاں ماں سے بڑھ کر باپ کے نزدیک ہوتی ہیں، میں تایا ابو کے قریب ہوتی چلی گئی تھی، اپنے پاپا جیسے نظر آنے والے ارحم بھیا تو میری کل کائنات ہیں اور شاید وہ میرے لیے ممی، تایا ابو اور زرمین آپی سے بڑھ کر اہم ہیں کہ ممی بھی ایک ہیں، تایا ابو بھی مگر ارحم بھیا تو میرے لیے تین ہیں، میرے پاپا، میرے بھیا اور میرے دوست، اور میں جو بات ایک باپ سے نہیں کہہ سکتی، بھائی سے کہہ دیتی ہوں اور جو بھائی سے نہیں کہہ سکتی وہ دوست سے کہہ جاتی ہوں کہ وہ ایک شخص میرے لیے چاہت و عزت کا شجر و سائبان ہے، وہ جب سے پنڈی گئے ہیں، میں بہت اداس ہوں، دعا کرتی ہوں ان کا ٹرانسفر یہاں کراچی ہو جائے، تم بھی دعا کرنا لاج! کہ وہ واپس آ جائیں اور زندگی میں چاہے مجھ سے ہر کوئی روٹھ جائے، ارحم بھیا نہیں، اسی لیے صرف ان کو منانے کو ان کی بات کا مان رکھنے کو میں نے نکاح کیا ہے اور میں ڈرتی ہوں کہ کہیں میں ارحم بھیا کا مان نہ توڑ دوں، اس لیے دعا کرنا میں نئے رشتے کو ایکسپٹ کرلوں کہ خود ٹوٹ بھی جاؤں گی تو ارحم بھیا کا مان نہ ٹوٹنے دوں‘‘۔ اس کا بھیگا لہجہ اس کے کانوں میں کیا گونجا تھا، وہ اپنی سوچ پر شرمندہ ہو گئی تھی اور خود کو ڈپٹنے لگی تھی۔

’’آئی ایم سوری حنین! میں لمحے بھر کو اپنی سوچ کے ساتھ بھٹک گئی تھی، ایکسٹریملی سوری، بٹ اگر ارحم نے مجھ سے منگنی صرف تمہارے کہنے پر کی ہے، تو میں رشتہ توڑ دوں گی‘‘۔ اس نے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا تھا کہ دل تکلیف سے بھر گیا تھا، وہ شخص اپنی تمام تر بے اعتنائیوں اور سنجیدگیوں کے ساتھ اس کے دل میں اتر گیا تھا، اور وہ

اس کے سنجیدہ رویے کو سوچتی پریشان ہوتی رات آنکھوں میں ہی کاٹ گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

"تمہاری یہ اداسی اور خاموشی میری سمجھ سے باہر ہے حنین!" وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا کہ بے شک وہ کچھ کچھ خود سمجھ رہا تھا، کچھ باتیں سننے کے سبب جان گیا تھا، مگر منہ اٹھا کر کہہ تو نہیں سکتا تھا، اس لیے اسے کھوجنا چاہا تھا، آیا وہ اسے کیا بتاتی ہے؟ بتاتی بھی ہے یا نہیں؟

"میں اداس نہیں ہوں"۔ وہ دھیمے لہجے میں کہتی جیولری اتارنے لگی تھی، یہ اس نے کل سے اب تک پہلا مکمل جملہ اپنے منہ سے کمرے کی فضا میں آزاد کیا تھا۔

"تم اداس نہیں ہو، لیکن پھر مجھے اداس کیوں لگ رہی ہو؟" ہلکے پھلکے انداز میں بولا تھا۔

"دیکھو حنین! بات کہنے سے مسائل حل ہو جاتے ہیں، تمہیں کوئی بات پریشان کر رہی ہے تو کہہ دو"۔ وہ نرمی سے اسے بولنے کو اکسا رہا تھا۔

"میرے کل کے اور آج کے موڈ میں اور رویے میں ذرا بھی فرق نہیں ہے اور جو بات آپ کو کل محسوس نہیں ہوئی، اس کو آج محسوس کر کے اس کا حل نکالنے کا کوئی مطلب نہیں نکلتا"۔ وہ بھرائے ہوئے لہجے میں کہتی، آنسو بہاتی اٹھی تھی کہ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے واپس بٹھا گیا تھا۔

"ہر بات کا ایک مناسب وقت ہوتا ہے اور اسی لیے میں نے کل کی رات ضائع نہیں کی کہ گلے شکوے تو عمر بھر دور کیے جا سکتے ہیں، مٹانے کو فاصلے بھی بعد میں مٹائے جا سکتے ہیں، مگر خوبصورت وقت تو نکل جاتا کہ زندگی میں کتنی ہی نحسیں، کتنی ہی راتیں آئیں، کل کی رات اور آج کی صبح ہر رات وصبح پر بھاری ہی رہے گی اور میں کل کی رات گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ تمہارے انداز میں اداسی تھی، جھجک تھی، ڈر تھا، لیکن اس سب کے باوجود بے زاری و نفرت نہ تھا، لاتعلقی تھی مگر خود سپردگی بھی تھی، کچھ پوزیٹیو تھا، کچھ نیگیٹو تھا میں نے اگر پوزیٹیو پہلو پر نظر رکھی تو کیا غلط کیا؟ بات کر کے پریشانی تو آج بھی دور ہو سکتی ہے، لیکن کل کی رات مس کر دیتے تو عمر بھر تشنگی محسوس کرتے"۔ وہ خود اعتماد و بولڈ تھا اور بولڈنس کا ثبوت دیتا اس کے ماتھے پر شبنم کے قطرے نمودار کر گیا تھا، اور اس کی ذو معنی گفتگو سے اس کے چہرے کی رنگت تمتما اٹھی تھی۔

"خاموشی محسوس کی تھی میں نے تمہاری، مگر مجھے یقین تھا کہ تم کچھ بول ہی نہیں پاؤ گی کہ ہاں بول سکتی ہو تو ہوں میں تمہارے سامنے، بولو کیا بولنا ہے؟ دو سزا کیا دینی ہے؟ کہ بات تمہاری بات کو اہمیت نہ دینے کی نہ ہی وقت کو اہمیت دینے کی تھی، میں نے تو رات ہی کہہ دیا تھا کہ تم میری ہو گئیں، میں تمہارا ہوا، تم مجھے اس طرح خاموش شرمائی لجائی اچھی لگیں میں اس پر فدا، تم آج یوں اچھی نہیں لگ رہیں، تو اس فیز سے نکالنے کو کوشاں ہوں میں اپنی حنین کو اپنے انداز میں دیکھنا، رکھنا چاہتا ہوں اور اب یہ تم پر ہے کہ تم اپنے ماہ کنعان کو کیسے رکھو، اداس تو میں بھی ہوں کہ تم اداس ہو، میں بول اس لیے رہا ہوں تا کہ تمہاری خاموشی ٹوٹے، جب میں تمہارے لیے اتنا کچھ کر رہا ہوں تو کیا تم میرے لیے کچھ نہیں کرو گی؟ میں بھی تو تمہارے منہ سے اپنے لیے کچھ سننا چاہتا ہوں، آج تک تم نے تو میرا نام بھی پیار وحق سے اپنے احمریں لبوں سے ادا نہیں کیا"۔ وہ دھیمے دھیمے گمبھیر لہجے میں کہتا اس کے چہرے پر پرچھائیں کی قوس و قزح بکھرا گیا تھا۔

"کہو ناں کچھ حنین! میرے کان تمہاری آواز سننے کے منتظر ہیں، میری تعریف نہ سہی، برائی سہی، میری برائی نہ سہی، اپنی اداسی کا سبب ہی بتا دو کہ تم میرے لیے اتنی اہم ہو حنین! کہ میں تمہارے لیے تمہاری خوشی کے لیے خود کو

اپنی ذات کو بھول سکتا ہوں، تم بس مجھ پر اعتبار تو کر کے دیکھو"۔ وہ دلکشی سے کہتا اس کا ہاتھ تھام گیا تھا اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

"مجھے نہیں پتہ کچھ، نہیں سمجھ آ رہا کچھ بھی، سب خوش ہیں، مطمئن ہیں، لیکن میں خوش نہیں ہو پا رہی، پتہ نہیں کیسی بے اطمینانی میرے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گئی ہے کہ میں مطمئن نہیں ہو پا رہی"۔ وہ بری طرح رو رہی تھی۔

"اس ناخوشی و نامطمئن ہونے والے احساس کے پیچھے کوئی وجہ ہو گی، وہ کہو مجھ سے اپنے احساسات، خیالات شیئر کرو، یقین کرو حنین! ہم الگ نہیں ہیں، میاں بیوی کو قرآن حکیم میں ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے، اور جب اتنا قریبی رشتہ ہے، جب کوئی پردہ ہے ہی نہیں تو خیالات محسوسات بانٹنے میں کیسا تردد؟ کیسی جھجک، کیسا ڈر؟" وہ اس کے رونے سے خائف ہوا تھا، مگر جب بولا تھا تو نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہ وہ اس کو غیر تحفظات کا شکار پا رہا تھا اور نرمی سے اس کے تمام بے یقین و پریشان کن احساسات جان کر ختم کر دینا چاہتا تھا۔

"میں نہیں کہہ پا رہی، آپ پر یقین بھی نہیں کر پا رہی، آپ کے بارے میں سوچ بھی نہیں پا رہی"۔ وہ بے بسی سے کہتی اسے سن کر گئی تھی، اتنی چاہت کے بعد ایسا رسپانس اس کے شعور، لاشعور میں کہیں بھی نہیں تھا، اس کے رخسار پر رکھا ہاتھ بے جان، بے روح ہو کر اپنے مقام پر آن ٹھہرا تھا، بائیں ہاتھ میں موجود حنائی ہتھیلی یکدم چھوٹ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے تو فیصلہ کر لو کہ زندگی کس طور گزارنی ہے یہ تو طے ہے کہ خوشی کا احساس انسان کو اپنے اندر سے ہی نکالنا ہوتا ہے، اور جب انسان خوش ہونا ہی نہ چاہے تو اداسی یوں ہی خوشی کے بے کراں لمحوں میں ٹھہر جایا کرتی ہے، اب یہ تم پر ڈیپینڈ کرتا ہے کہ تم خوشی ڈھونڈتی ہو یا میری خوشی کو بھی ماند کر دیتی ہو"۔ وہ اس کے سامنے سے اٹھ گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

"مما پلیز! آپ لوگ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟ کم از کم آپ تو میرے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کریں"۔ وہ طلاق لینے پر بضد تھی اور وہ سب اس کے لیے پریشان، اس کی زندگی سے ہراساں، کیونکہ ایسا ہوا تو وہ ساری زندگی کیسے گزارے گی؟

"میں تمہارے محسوسات سمجھ رہی ہوں، تمہیں حق بجانب مانتی ہوں، لیکن جو سزا تم اسجد کے لیے منتخب کر رہی ہو، وہ صرف اس کے لیے نہیں ہم سب کے لیے خود تمہارے لیے بھی سزا ہے، زندگی کیسے گزارو گی؟" وہ روتی ہوئی بیٹی کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں دبا گئی تھیں۔

"مما! جیسے اب تک گزاری، مگر میں اب آگے ذلت نہیں چاہتی، کیوں آپ مجھے اس قفس میں بھیج کر میرا دم گھونٹ دینا چاہتی ہیں؟" اس کی لاچاری پر وہ دہل اٹھی تھیں۔

"ایسے نہ دیکھیں کہ اس شخص کی ہمراہی میری جان لے لے گی، ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے مجبور نہ کریں"۔ وہ روتی ہوئی اٹھی تھی مگر چند قدم ہی چلی تھی کہ آنکھوں کے نیچے ایسا اندھیرا آیا تھا کہ لہرا کر کارپٹ پر جا گری تھی۔

☆..........☆..........☆

"فری! کیا سوچ رہی ہو؟" مائدہ جب سے الحسن ہاؤس آئی تھی، وہ سب ہی پریشان تھے مگر آج فریدہ ہر دن سے زیادہ مضطرب تھیں، گہری سوچ میں مستغرق تھیں شوہر کی آواز پر انہیں دیکھنے لگی تھیں۔

"مائدہ کو لے کر پریشان ہوں یوسف! وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہیں، وہ غلط نہیں ہے اسجد نے اس

کے ساتھ اچھا نہیں کیا ہے، وہ حق بجانب ہے لیکن کیسا بھی ہے اسجد اس کا شوہر ہے۔" آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

"مائدہ نے کمال کا ضبط دکھایا ہے فری! جتنا وہ سہہ گئی کوئی نہیں سہہ سکتا، اس نے ہم سب کے لیے ایثار کا مظاہرہ کیا، کمپرومائز کی راہ پر چلی اور جب شوہر ہی اس کا نہیں تو وہ جو فیصلہ لے رہی ہے، درست ہے، ناآسودہ زندگی گزارنے سے بہتر ہے راستے الگ ہوجائیں کہ بہتری کی دوسری راہ ڈھونڈی جاسکتی ہے۔" وہ اشارتاً جو کہہ گئے تھے اسے سمجھتے ہی وہ مضطرب ہوگئی تھیں۔

"یہ ممکن نہیں ہوگا، طلاق کے بعد مائدہ دوسری شادی کے لیے کسی قیمت پر راضی نہیں ہوگی اور دوسری راہ ڈھونڈنے سے بہتر ہے کہ اس راہ کو سنوارا جائے، اسجد شرمندہ ہے، معافی مانگ رہا ہے، تو ہمیں گنجائش نکالنی چاہیے، اسی میں مائدہ کی بھلائی ہے کہ ہر صورت، ہر طریقے میں نقصان مائدہ کا ہے، اگر اس کا نقصان دونوں صورتوں میں نہ ہوتا تو میں کبھی اسے اسجد سے کمپرومائز کا نہ کہتی، کہ اس میں نقصان کی بھرپائی کے آثار موجود ہیں۔" وہ گہری سوچ کے بعد بولی تھیں، وہ ہر پہلو پر سوچ چکی تھیں۔

"اور اب تو مائدہ کے پاس کوئی آپشن بچا بھی نہیں ہے کہ اس نے اپنی راہیں الگ کرلیں تو سوچیں آنے والے بچے کا کیا مستقبل ہوگا؟" اصل پریشانی والی بات تو یہی تھی کہ اس کے قدموں میں بیڑیاں پڑ چکی تھیں۔ ابے اس خبر نے ساکت کردیا تھا اور وہ اضطراب سمیٹ لائی تھیں کہ آگے کنواں، پیچھے کھائی، بچاؤ کا کوئی راستہ نہ تھا۔

"یہ بات ہے پریشانی والی، لیکن مائدہ کو جبراً رشتے نبھانے کے لیے نہ کہا جائے تو بہتر ہے، اس لیے میں اپنی بیٹی کے فیصلے میں اس کے ساتھ ہوں، اس کی مزید ناقدری نہیں چاہتا، اپنی بیٹی کو اس کی اولاد کو ہر طرح سے سپورٹ کروں گا۔" ان کا لہجہ ٹھوس تھا۔

"یوسف! میں کب کہہ رہی ہوں کہ ہم اسے سپورٹ نہیں کریں گے، لیکن باپ کی کمی کوئی پوری نہیں کرسکتا، مائدہ کی زندگی آگے اور کٹھن ہوجائے گی، میں چاہتی ہوں آپ اسے سمجھائیں، مجھ سے تو وہ بحث کررہی ہے، اپنی بات پر ڈٹی ہے، آپ سے کچھ نہ کہہ پائے گی، کچھ لچک آجائے گی اس کے فیصلے میں۔" وہ شوہر کو آس سے دیکھ رہی تھیں۔

"یعنی میں اسے مجبور کروں، اموشنلی بلیک میل کروں، وہ بھی اس شخص کے لیے جو اسے یہاں سے لے جانے تک نہیں آیا، بھائی صاحب نے گھر سے نکالا تو خاموشی سے نکل کر اپنی من چاہی بیوی اور بچی کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کرنے لگا، اس بے حس ناقدرے شخص کے لیے اپنی بیٹی کو مجبور کروں؟ تو یہ مجھ سے نہیں ہوگا فریدہ! وہ رہے اپنی زندگی میں خوش، مائدہ کوئی لاوارث نہیں ہے، نہ مجھے وہ اتنی بھاری ہے کہ اسے اس سب کے باوجود اس کے گھر روانہ کردوں۔" وہ غصے میں آگئے تھے اور وہ خائف ہوگئی تھیں، وہ بہت نرم مزاج، بردبار انسان تھے، غصہ کم ہی کرتے تھے مگر جب کرتے تھے ان کی جان پر بن آتی تھی کہ غصہ نہ کرنے والا غصہ کرے تو سمجھ نہیں آتا اسے کیسے قابو کیا جائے؟ کیسے غصے سے باز رکھا جائے؟

"اسجد آیا تھا، شرمندہ ہے، مائدہ کو ساتھ رکھنا چاہتا ہے، لیکن مائدہ نے اس سے بات ہی نہیں کی، وہ طلاق چاہتی ہے، وہ دینا نہیں چاہتا۔" وہ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بولی تھیں۔

"ایسا واقعی میں وہ چاہتا ہے تو وہ کوشش کرے، بیوی کو منا کر ساتھ لے جائے، ورنہ میں اپنی بیٹی کے فیصلے میں اس کا ساتھ دوں گا۔" وہ کڑے لہجے میں انھیں باور کروا رہے تھے۔

"دیکھو فری! صرف بھائی صاحب کا منہ دیکھ کر میں خاموش ہوں ورنہ اسجد کا وہ حال کرتا کہ اسے پتہ چلتا مائدہ لاوارث نہ تھی جو اس نے یوں اس کو تکالیف دیں۔" وہ اداس ہوگئے تھے۔

"مجھے اپنی بیٹی بہت عزیز ہے، اسی لیے صرف اس کی خوشی کے لیے اسجد کے ساتھ نرمی سے پیش آیا کہ وہ میری بیٹی کا شوہر ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہ رشتہ قائم رہے، اگر ایسا نہ ہوا تو یا تو تم اپنے بھائی کو کھودوگی، یا بھائی صاحب بیٹے کو کھودیں گے، اور بھائی صاحب کو میں نے ہمیشہ اپنے بڑے بھائی، اپنے باپ کی جگہ رکھا ہے، انھیں شرمندہ نہیں دیکھ سکتا، نہ یہ چاہتا ہوں کہ ان سے ہم یا اسجد دور ہوں، مگر اس کے لیے اسجد کو کچھ کرنا ہوگا، ہم سب کے اچھا کرنے، سوچنے سے کچھ نہیں ہوگا، اسجد ہی تمام معاملات کو تمام رشتوں کو سلجھا کر ایک ڈوری میں باندھ سکتا ہے کہ دو شادیاں کرنا، دو بیویوں کو رکھنا مشکل ہے ناممکن نہیں، ظرف و حوصلہ اسجد کو بڑا کرنا ہوگا، اور ایسا نہیں کرتا تو باپ سے ہی نہیں آنے والی اولاد سے بھی محروم ہوجائے گا۔" وہ حقیقت بیان کرگئے تھے کہ کرنا تو اسجد نے ہی تھا۔

☆..........☆..........☆

"مجھے معاف کردیں امی! میں بہت شرمندہ ہوں۔" وہ ماں کے سامنے رو پڑا تھا کہ اتنے لوگوں کی نفرت وہ سہہ نہیں پارہا تھا۔

"مت کہو مجھے ماں، تم نے اپنی مردانگی کے زعم میں، میری پرورش کو بدنما داغ لگادیا ہے، کسی کے سامنے نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا۔" وہ بھی رونے لگی تھیں۔

"مائدہ سے صرف ایک بار میری بات کروادیں، میں اس کے پیر پکڑ کر معافی مانگ لوں گا، اس سے کہیں وہ مجھے جو چاہے سزا دے لے، بس طلاق کا خیال ذہن سے نکال دے، ایسا ہوا تو ابو بالکل ٹوٹ جائیں گے، میں ابو کو مزید اذیت نہیں دینا چاہتا، میں مائدہ کے ساتھ کیے ہر ظلم کا ازالہ کروں گا، اس کو عزت و مان بھری زندگی دوں گا، میں چاہتا تو نہیں لیکن اگر آپ سب اور مائدہ چاہے گی تو میں یسریٰ کو چھوڑ دوں گا کہ میں اپنی خوشی کے لیے آپ سب کو بہت اذیتیں دے چکا، مگر اب نہیں، اپنی زندگی کی پہلی و آخری خوشی کو اپنی زندگی سے بے دخل کردوں گا، میں نادم ہوں ہر حال میں اپنے کیے کا ازالہ چاہتا ہوں، اور اس کے لیے مجھے مائدہ کا ہر فیصلہ، ہر سزا قبول ہے۔" وہ روتے ہوئے کہتا اپنی بات مکمل کرکے آنسو پونچھتا راشدہ کو ساکت چھوڑ کر نکلتا چلا گیا تھا کہ وہ برا نہیں تھا بس حالات ایسے ہوئے کہ وہ برا بن گیا، مگر وہ جو کرچکا تھا اس کے بعد شرمندہ تھا، اذیت میں تھا اور اس کے ازالے کی بھی راہ اس نے سوچ لی تھی، جبکہ یہ بھی جانتا تھا، یہ وہ نہیں کرپائے گا کہ ایسا کرگیا تو جیتے جی مرجائے گا، یسریٰ اس کی محبت تھی، مگر وہ زندہ اب بھی کون سا تھا، تل تل مر رہا تھا، ایک ایک سے نظریں چرائے پھر رہا تھا اور روز کے مرنے سے، روز کے رونے سے کہیں بہتر یہ تھا کہ ایک دفعہ ہی جان کنی کے مرحلے سے گزر جاتا، خود پر فاتحہ پڑھ کر ایک ہی دن رو لیتا، نوید عالم کے کمرے کے باہر وہ دیوار سے چپکا کھڑا تھا اور اسجد بہت تیزی سے نکلا تھا ورنہ اس کو ضرور دیکھ لیتا، مگر وہ اس کے فیصلے پر حیران ہی نہیں دکھی بھی تھا، وہ ایسا کچھ کرتا یہ ان میں سے کسی کو گوارہ نہ تھا، وہ بھی سے بات کرنے کا ارادہ باندھتا باہر کے باہر ہی پلٹ گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

"دیکھو مائدہ! ہم سب تمہارے بارے میں غلط نہیں سوچ رہے، زندگی میں کتنی جگہ انسان کو کمپرومائز کرنا پڑتا ہے، تم نے ہم سب کے خیال سے اتنا سیکری فائز کیا، تو اب تھوڑا سا کمپرومائز بھی کرلو بیٹا! کہ یہ خوشیوں کے لیے ضروری ہے۔" ارحم نہایت نرمی سے کہہ رہا تھا اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

"مائدہ! ہم سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں، تمہاری پریشانی سمجھ رہے ہیں، دکھ کا اندازہ ہے اور ہم سب کی تکلیف کے احساس سے تم اور زیادہ دکھی ہو، تمہارے لیے تو میں اکیلا پریشان ہوں، لیکن تم تو ہم سب کے لیے پریشان ہو، اور میں تم سے فورس نہیں کر رہا بس اتنا چاہتا ہوں کہ اپنے رویے میں لچک لاؤ، اسجد نے غلط کیا ہے، وہ تمہارا مجرم ہے لیکن معاف کر دینا ہی مناسب ہے کیونکہ سزا دینے سے کیا حاصل ہوگا؟ دکھ و تکلیفیں بڑھیں گی، رشتوں میں دوریاں آئیں گی اور کیا تم کبھی یہ برداشت کر پاؤ گی کہ تمہاری وجہ سے کوئی ہرٹ ہو؟" وہ ناصحانہ انداز اپنائے ہوئے تھا جس میں نرمی و شفقت کا عنصر نمایاں تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم نے تو کبھی کسی چڑیا کے بچے کو بھی نقصان نہیں پہنچایا، اسجد نے مگر تمہارا بہت نقصان کر دیا ہے، اعتبار ایک دفعہ ٹوٹ جائے تو پھر نہیں کیا جاتا، لیکن وہ تمہیں اعتبار سونپنا چاہتا ہے، تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے اور ہر غلطی کے ازالے کے لیے وہ اپنی بیوی کو چھوڑنے تک کے لیے راضی ہے۔" وہ بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"وہ کاشانہ عالم لوٹنا چاہتا ہے، ماموں جان سے معافی مانگ رہا ہے، اس کے لیے وہ بیوی کو طلاق دینے کو بھی راضی ہو گیا ہے، اب تم بتاؤ اگر اس نے بیوی کو چھوڑ دیا تو کیا تم کبھی گلٹ سے باہر آ سکو گی؟ اس کی بچی اور تمہاری اولاد کا مستقبل کیا ہوگا؟ اتنے لوگوں کی زندگی خراب ہونے سے کیا بہتر یہ نہیں ہے کہ تم صرف ایک موقع اور اسجد کو دے دو؟ اس کو معاف کر کے بھروسہ کر لو۔" وہ اس کے یکدم کھڑے ہو جانے پر چپ ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"میں نہ اسجد عالم کو معاف کرنا چاہتی ہوں، نہ لوٹنا چاہتی ہوں، آپ سب کے لیے اس کڑوے زہر کو پی لوں گی، لیکن آپ لوگ یہ یاد رکھیے گا کہ اس سب سے میں راضی نہیں ہوں۔" وہ نکلتی چلی گئی تھی، اور وہ ساکت بیٹھا رہ گیا تھا اس کے ذہن میں کئی سوال سر اٹھانے لگے تھے، اس کا اٹل فیصلہ انھیں پریشان کر رہا تھا کہ وہ اس کی حساس نرم فطرت سے واقف تھے۔

"مما! پلیز آپ کو تو مائدہ نے بتایا ہوگا ناں کہ ایسی کیا بات ہے کہ وہ کوئی گنجائش نہیں نکال پا رہی؟ آج مجھے شدت سے احساس ہوا کہ میرے سامنے نرم خو، نرم فطرت مائدہ نہیں بیٹھی، مجھے لگا کہ ہم نے مائدہ کو کھو دیا ہے۔" وہ ماں کے سامنے ہرا بجھن کہہ گیا تھا۔

"تم تو جانتے ہو ناں کہ بات شیئر نہیں کرتی وہ۔" انھوں نے بمشکل کہا تھا۔

"مما! آج احساس ہوا کہ کچھ نہیں، بہت کچھ غلط ہے، اس لیے ہمیں مائدہ کے فیصلے کو قبول کر لینا چاہیے۔" وہ پرسوچ انداز میں کہہ رہا تھا اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی، مائدہ کا زرد دھواں دھواں بے تاثر چہرہ، کیلی مضطرب آنکھیں اس کے ذہن و دل میں تراز و ہو گئی تھیں۔

"اندازہ ہے کہ بات بڑی ہے، اسی لیے وہ کمپرومائز کی راہ نہیں منتخب کرنا چاہتی لیکن یہ راہ منتخب کرنا دشوار ہے، اس لیے میں چاہتی ہوں کہ وہ لوٹ جائے، میں اس کے اور اس کی اولاد کے مستقبل سے خوفزدہ ہوں اور کرنا ہے ہی کمپرومائز ہے، تو ہم اسے وہ راہ کیوں نہ دکھائیں جہاں اس کا نقصان کم ہو کہ جتنا نقصان ہونا تھا ہو گیا۔" انھوں نے دونوں کی باتیں سنی تھیں، وہ اس کے جبراً راضی ہو جانے پر بھی مطمئن ہو گئی تھیں، وہ آگے تک سوچ رہی تھیں۔

☆..........☆..........☆

سعدیہ عابد

قسط نمبر 21

بند قبا کھلنے لگی جاناں

''بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' وہ گلابی کاٹن کے سوٹ میں نکھری نکھری اس کے دل میں اتری جا رہی تھی اور وہ اس کی تعریف پر جھینپتی کمرے سے ہی نکل آئی تھی، کل ہی وہ ہنی مون ٹرپ سے لوٹے تھے اور آج وہ جامعہ جانے کے لیے تیار تھی، اس کا موڈ آف نہ ہو، اس لیے اس نے کچھ نہیں کہا تھا، ڈائننگ ہال میں اس کا پہلا ٹاکرا ماہ لقا سے ہوا تھا جو ایک سیمینار میں جانے کے سبب جلدی اٹھی تھیں، اس کے سلام کے جواب میں ان کا سرد انداز اس کی کانچ سی آنکھوں میں نمی بھر گیا تھا، ماہ کنعان نے بھی ماں کی سرد مہری صاف محسوس کی تھی، مگر کچھ نہیں بولا تھا مگر اس کی نم پلکیں اسے ڈسٹرب کر گئی تھیں۔

''مام کے رویے کو لے کر پریشان نہ ہو، کچھ دنوں تک سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ماں کی بے رخی کے ازالے کو ماہ لاج نرمی سے بولی تھی اور وہ بدوقت تمام مسکرا دی تھی، وہ ان دونوں کو جامعہ چھوڑ کر آفس چلا گیا تھا، چونکہ شادی کے بعد پہلی دفعہ گیا تھا، اس کا دل ہی نہیں لگا تھا اس لیے وہ 4 بجے ہی گھر چلا آیا تھا اور حیرانگی سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔

''ہاتھ ہی تو ملانے کو بڑھایا تھا کون سا تمہیں گلے لگا لیا تھا، جو تم وہاں سے بھاگ آئیں اور اب آنسو بہا رہی ہو۔'' ماہ لقا اس پر بگڑ رہی تھیں کہ ان کے بزنس پارٹنر وحید عثمانی سے اس کالابی میں ٹاکرا ہو گیا تھا، جنھوں نے

پنک کاٹن کے سوٹ میں بے حد حسین حنین میں فوراً ہی دلچسپی دکھائی تھی اور انھوں نے مسکرا کر تعارف کروایا تھا۔ نگران کے مصافحے کو بڑھے ہاتھ کو وہ نظر انداز کرتی وہاں سے چلی گئی تھی اور وہ اب وحید عثمانی کے سامنے ہونے والی سبکی کا احساس اس پر انڈیل رہی تھیں۔

"آنٹی! وہ انکل کتنی عجیب نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور میں ان سے ہاتھ کیوں ملاتی، جب میں مردوں سے ہاتھ ملاتی ہی نہیں۔" وہ ان کے غصے سے خائف ہوتی روتے ہوئے منمنائی تھی۔

"اوہ یُو شٹ اپ.. زیادہ پارسا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ غصے سے آؤٹ ہوتیں اسے پیچھے کی جانب دھکیل گئی تھیں، کنعان نے اسے بروقت سہارا دے کر گرنے سے بچالیا تھا، اور اس کے چہرے کی سرخی صاف ظاہر کر رہی تھی کہ اس نے سب کچھ سن لیا ہے۔

"مام! میں کسی کو بھی حنین سے اس طرح بات کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔" اس کا لہجہ سرد تھا وہ کنعان کو دیکھے بنا وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

"اجازت.... مائی فٹ!" وہ بیٹے کو خونخوار نگاہوں سے گھورتیں وہاں ٹھہری نہ تھیں اور جس وقت وہ غصے کو قابو کرتا کمرے میں پہنچا وہ بیڈ پر چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رو رہی تھی۔

"مام کی طرف سے میں تم سے معافی چاہتا ہوں، پرامس وہ اب تم سے اس طرح بات نہیں کریں گی۔" وہ اس کے برابر ٹکتا اس کے ہاتھ تھام گیا تھا۔

"صبح آنٹی نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا اور ابھی کتنی بری طرح سے ڈانٹا، جبکہ میری کوئی غلطی بھی نہیں تھی۔" اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

"وہ میری بڑی ہیں مجھے ڈانٹنے کا حق رکھتی ہیں مگر جب میری غلطی ہو، ان کا رویہ مجھے ہرٹ کر رہا ہے۔" وہ دکھ سے کہہ رہی تھی اس نے نرمی سے اسے خود سے لگا لیا تھا۔

"رویہ تو تمہارا مجھے بھی ہرٹ کر رہا ہے اور تمہیں مام کی ناراضی کی تو پرواہ ہے میری پرواہ نہیں ہے۔" اس کا لہجہ بوجھل ہو گیا تھا کہ وہ بہت مسرور تھا اسے اپنی چاہتوں کی اوس میں بھگو رہا تھا، مگر اس کی اداس سی خاموشی و سرد انداز اسے بے چین بھی رکھے ہوئے تھا۔

"تمہارے لیے تو صرف میری چاہتیں کافی ہونی چاہئیں اور جب میں تم سے خوش ہوں، تو باقی سب کی ناراضی کی اہمیت ہی نہیں رہ جاتی، اس لیے سب کو بھول کر صرف مجھے یاد رکھو۔" اس کا لہجہ جذبوں سے مہک رہا تھا، وہ بے ساختہ ہی اس سے دور ہو گئی تھی۔

"جس طرح تم مجھ سے ایک دم فاصلے پر چلی جاتی ہو، تمہاری اس ادا پر میں تم سے ناراض بھی ہو سکتا ہوں۔" وہ اس کے حیا سے لرزتے سراپے کو ایک بار پھر اپنے قریب کر گیا تھا۔

"مجھے کسی روٹھے ہوئے کو منانا نہیں آتا، کیونکہ ارحم بھیا اور زرمین آپی مجھ سے کبھی روٹھے ہی نہیں، میں ہی ان سے ناراض ہوتی تھی اور وہ منا لیتے تھے۔" وہ اس کے سینے سے لگی منمنائی تھی اور فسوں خیز لمحات میں کسی کا ذکر اسے گراں گزرا تھا۔

"اور اگر جو میں روٹھ گیا تو مناؤ گی نہیں ناراض ہی رہنے دو گی مجھے؟" اسے گرفت سے آزاد کیا تھا مگر اس کے حسین چہرے پر ایک نا سمجھ آنے والی الجھن دیکھ کر وہ ایک دم ہی بے اختیار سا سوال کر گیا تھا۔

"آپ جانتے ہیں ناں کہ مجھے منانا نہیں آتا، اس لیے آپ مجھ سے کبھی روٹھیے گا ہی نہیں۔" وہ اس کے حسین چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنے طور پر سادہ سا حل پیش کر گئی تھی اور وہ اس کے پرحجاب سے بھیگے چہرے کو دیکھ کر مبہوت رہ گیا تھا کہ شادی کے ڈیڑھ ماہ بعد آج کوئی فرمائش کی تھی۔

"جو حکم جانِ حیات!" وہ والہانہ انداز میں اسے خود سے لپٹا گیا تھا، وہ یوں ہی اس کی بات مان کر باقی سب کی طرح اسے سر پر چڑھا رہا تھا۔

☆..........☆..........☆

"مائدہ بیٹی! تم کس کے ساتھ آئی ہو؟" مائدہ کو دیکھ کر وہ دونوں ہی خوشگوار سی حیرت میں آ گئی تھیں۔

"مقتل گاہ تک کون چھوڑ گیا، یہ اہم نہیں ہے، مقتل گاہ تک ایک بار پھر خود سے ہی آ گئی ہوں، یہ زیادہ اہم ہے۔" وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ بولی تھی اور ساکت کھڑے شرمندگی سے نظر چراتے نوید عالم کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔

"ماموں جان! میں پہلے بھی آپ کے سہارے آئی تھی آج بھی میرا سہارا آپ ہی ہیں کہ بیٹیاں والدین کی چھایا میں ہی سکھ پاتی ہیں۔" ان کا لرزتا ہوا ہاتھ اس کے سر پر آن ٹھہرا تھا۔

"آپ میری چھایا ہیں، اسی طرح اسجد عالم کی آنے والی اولاد کو بھی اپنے باپ کے سائے کی ضرورت ہو گی۔" ان سب کو خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی کہ ایسی کوئی خوشخبری ان کے علم میں نہ تھی، مگر دوسرے ہی پل وہ سب ہی اس کے واپس آ جانے کا سبب سمجھ گئے تھے اور بناء کہے بھی وہ جان گئے تھے کہ اس نے ایسا کیوں کہا، اسی لیے انھوں نے بھیگی آنکھوں سے اسجد کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

"مائدہ نہ چاہتے ہوئے بھی لوٹ آئی ہے، اس لیے تمہارے لیے کاشانہ عالم کے دروازے کھل گئے ہیں۔" بہت دنوں بعد باپ کی آواز سن کر اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

"مگر میرے دل کے دروازے تم پر بند ہو چکے ہیں اس لیے اگر صرف مائدہ اور اپنی آنے والی اولاد کے لیے لوٹنا چاہو تو لوٹ آؤ۔" انھوں نے فون بند کر دیا تھا اور وہ ہوا میں معلق رہ گیا تھا کہ خوشی کی خبر نے بھی اسے کوئی خوشی نہ دی تھی، بلکہ ضمیر پر کچھ اور بوجھ آن پڑا تھا اور اسی بوجھ کے ساتھ اس نے آنسو پونچھ کر رختِ سفر باندھ لیا تھا وہ شاخ سے کٹ کر مرجھانے لگا تھا۔

☆..........☆..........☆

"آپ صرف یہ بتائیے کہ مجھے لے جا رہے ہیں یا نہیں؟" وہ غصے میں تھی۔

"مجھے لے جانے پر اعتراض نہیں ہے، مگر تم رکو گی نہیں۔" وہ اس کے غصے سے پڑے سرخ چہرے کو دیکھ کر شوخی سے بولا تھا۔

"تم سے ایک لمحے کی دوری برداشت نہیں ہوتی، کجا کہ پوری ایک رات گزار لوں۔" اس نے واک آؤٹ کرتی حنین کی کلائی پکڑ کر اسے اپنی اور کھینچا تھا۔

"پلیز فلمی ڈائیلاگز نہ بولا کریں۔" اس کی بے باکی و حرکت گراں گزری تھی اور ہاتھ چھڑا کر فاصلے پر جاتی غصے سے بول اٹھی تھی، اس کے لب اس کی جھنجھلاہٹ پر مسکرانے لگے تھے۔

"آپ آفس بھی تو جاتے ہیں ناں، آفس میں وقت گزر جاتا ہے، میکے چلی جاؤں گی تو قیامت آ جائے گی؟" اس کے انداز میں برہمی و جھنجھلاہٹ تھی کہ اس کی سادہ فطرت اس کی شدت پسند رومانوی فطرت سے خائف رہنے لگی تھی۔

''تم کہو تو آفس بھی نہ جایا کروں کہ آفس جانے کو دل کس کافر کا کرتا ہے۔'' اسے دیوار سے لگا کر دائیں بائیں ہاتھ ٹکائے ہوئے گویا اسے اپنے حصار میں مقید کر لیا تھا۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا سمجھے آپ؟'' اس کے انداز پر روہانسی ہوگئی تھی۔

''پھر کیا کہا تھا سمجھا دوناں!'' وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوتا نظریں اس کے چہرے پر گاڑھے مسکرا رہا تھا اور وہ اب کچھ بھی کہہ ہی نہیں سکتی تھی، حیا سے لب کچلنے لگی تھی، کہ وہ دھیرے دھیرے اب اس سے بات کرنے لگی تھی، بحث کرنے اور فرمائش بھی کرنے لگی تھی، مگر اس کی شدتوں سے خائف ہوجاتی تھی کہ بہت چاہ کر بھی کم از کم اس کے جذبوں پر بند نہیں باندھ سکتی تھی، اس کا دل ماہ کنعان کی جانب جھکنے لگا تھا، مگر اس کے باوجود بھی کچھ ایسا تھا جو ان کے درمیان حائل تھا اور اسی کی تلاش میں وہ اس کی ہر جا بے جا مان لیتا تھا۔

☆..........☆..........☆

''مائدہ! میں تم سے معافی....!'' وہ اس کے کملائے ہوئے چہرے کو دیکھ کر احساس ندامت میں گھر تا معذرت طلب کرنے لگا تھا۔

''میں عزت نفس اور پندار لٹا کر بھی مقتل گاہ تک آ گئی ہوں اس لیے بہتر ہوگا کہ معافی کے قصے کو جانے دیں، اسجد عالم! میں زندگی کے کسی بھی موڑ پر آپ کو معاف نہیں کروں گی۔'' اس کا لہجہ جذبوں سے عاری و سرد تھا۔

''معاف نہیں کرسکتیں تو پھر سزا بھی تجویز کر دو۔'' اس کی آنکھیں بے بسی سے چھلک اٹھی تھیں کہ وہ برا نہیں تھا، مگر غصے میں وہ برا بن گیا تھا، اور اب نادم تھا۔

''آپ کی سزا یہی ہے کہ آپ کو معافی نہیں ملے گی۔'' اسجد نے اسے دیکھا تو اسے لگا کہ اس کے سامنے نرم خو مائدہ نہیں ایک پتھر دل مائدہ کھڑی ہے۔

''شادی کی پہلی رات آپ نے مجھے یہاں سے دھتکار کر اٹھا دیا تھا، مگر میں پھر یہاں تک آ گئی ہوں۔'' وہ بیڈ کی جانب بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''زمین سے اٹھتی خاک ہمارے نہ چاہتے ہوئے بھی ہمارے جسم سے لپٹ جاتی ہے مگر وہی گرد روح کو نہیں چھوتی، اسی طرح آپ بھی میری روح تک کبھی رسائی حاصل نہیں کرسکیں گے۔'' اس کا ایک ایک لفظ اسے زمین میں نیچے اور نیچے اتارتا جا رہا تھا۔

''جبری استحقاق سے آپ ہمارے رشتے کی بنیاد رکھ چکے اور اب ہم مستقبل میں اس کی آبیاری کریں گے، چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی کہ آپ کے دل میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں اور مجھے آپ بے دل کر چکے، اس لیے زندگی کے کاسے میں جب تک سانسوں کے سکے گرتے رہیں گے، ہم اس رشتے کو نبھاتے رہیں گے۔'' اس کا انداز ایسا تھا جیسے اخبار پڑھ رہی ہو اور اس نے اس کے بے تاثر چہرے سے نگاہ ہٹائی تھی، اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ سب کچھ اس کے ہاتھ سے نکل گیا اب وہ کبھی مائدہ کے دل تو کیا نظر میں بھی اپنا مقام نہیں بنا سکتا کہ اس نے منفی عمل سے سب کچھ اپنے خلاف کر لیا تھا۔

☆..........☆..........☆

''آ جاؤ یار! رک ایسے گئی ہو جیسے میں شوہر نہیں تمہارا بوائے فرینڈ ہوں۔'' اس کو یونیورسٹی گیٹ پر دیکھ کر وہ متحیر سی تھم گئی تھی اور اس نے دلکشی سے کہہ کر اس کو خفت سے دوچار کر دیا تھا کہ ماہ لاج کو بخار تھا، اس لیے وہ

ٹیسٹ دے کر تیسرے ہی پیریڈ میں چلی گئی تھی، مگر اسے خیال نہیں آیا تھا کہ ڈرائیور کی جگہ وہ لینے آئے گا، اسی لیے حیران ہوئی تھی۔

''آپ لینے کیوں آ گئے، ڈرائیور کو ہی بھیج دیتے۔'' وہ عام سے انداز میں بولی تھی۔

''عجیب عورت ہو یار! شوہر کی اتنی محبت پر فخر کرنے کے بجائے چڑ کر قدغنیں لگاتی رہتی ہو۔'' وہ اسے چھیڑ رہا تھا، اس نے لب چبانا شروع کر دیے تھے۔

''میں تمہارے آس پاس رہنے کے بہانے تلاشتا رہتا ہوں اور تم مجھ سے بچنے کے مواقع ڈھونڈتی رہتی ہو، کسی دن جان سے جاؤ گی مسز!'' ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالتا دوسرے سے اس کے ماتھے پر جھولتی لٹ کو کھینچتا شوخی سے کہہ رہا تھا۔

''پلیز! توجہ سے گاڑی چلائیں آپ کے ساتھ سفر کے دوران جان سولی پر اٹکی رہتی ہے، آپ کی ڈرائیونگ پر توجہ ہی نہیں ہوتی۔'' وہ ہمیشہ کی طرح جھنجلا گئی تھی، مگر اس نے قہقہہ لگا کر گویا کہا تھا کہ میں اپنی روش سے نہیں ہٹنے والا وہ بڑی مہارت سے نہ صرف ڈرائیونگ کرتا تھا، اس پر بھی نگاہ رکھتا اسے چھیڑتا رہتا تھا، اسی لیے وہ اس کے ساتھ کہیں آنے جانے سے بھی گریزاں ہونے لگی تھی۔

''اوہو.... اپنی جان کی بڑی پرواہ ہے، کبھی میرے بارے میں سوچ کر دیکھو کہ دن میں کتنی بار تمہارے ہاتھوں قتل ہوتا ہوں، کبھی تمہارا قرب قتل کرتا ہے تو کبھی تمہاری دوری۔'' وہ اسپیڈ کم کرتے ہوئے اسے بازو سے تھام کر اپنی اور کھینچتا جسارتوں پر آمادہ تھا اور وہ تڑپ کر اس سے دور ہوگئی تھی۔

''خبردار! جو آئندہ آپ مجھے لینے آئے۔'' دہکتے چہرے کے ساتھ نظر چراتی منمنائی تھی، گاڑی میں اس کا بے باک قہقہہ گونج اٹھا تھا۔

''سوچ لو اس طرح کی قدغن لگائی تو میکے کیسے جاؤ گی؟'' اس نے بے ساختہ اس کو دیکھا تھا جو اپنی ہی شرارت پر متبسم تھا، اس نے دیکھنے پر آنکھ دبائی تھی، تو وہ صحیح معنوں میں روہانسی ہوگئی تھی، اوپر سے اس کی بے دنت کی راگنی شروع ہوگئی تھی۔

''پھر رات کو خیرات ملے بند قبا کی
پھر لطفِ شب وصل کو دہراؤ کسی دن''

وہ گاڑی کاشانہ عالم کے باہر روکے ذومعنی لہجے میں شعر پڑھ رہا تھا، اس کی نگاہ اس پر اٹھی تھی اور پھر جھک گئی تھی۔

''فرار کے لیے مچلتی اچھی لگ رہی ہو مسز! لیکن آج رات شب وصل کو دہرانے کا ارادہ ہے، اکیلے فرار کی ہر راہ بند نہ کر دی تو ماہ کنعان عابدی نام نہیں۔'' اس کا خمار آلود لہجہ اس کی پلکیں لرزا گیا تھا اور وہ خود کو بڑی مشکل سے سنبھالتی اس کے لبوں کی حدت سے دہک اٹھنے والی پیشانی دوپٹے سے مسلتی گاڑی سے اتری تھی اور وہ اس کی پرحجاب سی چال کو دیکھ کر مسرور سا مسکرا دیا تھا، کہ اس نے اسے کاشانہ عالم چھوڑا تو تھا ساتھ میں یہ بھی باور کروا دیا تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرف ٹھہرے گی نہیں اور وہ بھی اس انداز میں کہ اس کے پاس انکار تو کیا بحث کی بھی گنجائش نہ رہی تھی وہ اس کے اندر داخل ہوتے ہی کچھ سوچ کر فیصل کے آفس کے راستے پر گاڑی ڈال گیا تھا، اس سے ملے بھی کئی دن ہوگئے تھے دوران ڈرائیونگ اس کے لب مسکرا رہے تھے۔

☆..........☆..........☆

"زرمین بیٹا! یہاں ایسے کیوں بیٹھی ہو؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" مہوش کچن سے پانی لینے آئی تھیں، کھڑکی کھلی دیکھی تو بند کرنے لگی تھیں کہ لان میں نیم اندھیرے میں کرسی پر کسی کو بیٹھے دیکھ کر وہ پریشانی سے وہاں چلی آئی تھیں، تو دیکھتے ہی سمجھ گئی تھیں کہ وہ زرمین ہوگی اور زرمین ان کی آواز پر بری طرح چونکی اور انھیں دیکھنے لگی، جن کی پریشانی اسے روتے دیکھ کر بڑھ گئی تھی، وہ رات کے ڈیڑھ بجے اسے لان میں دیکھ کر ہی کم متفکر نہ تھیں مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی اور کرسی کھسکا کر اٹھ گئی تھی۔

"زرمین چندا! کیا ہوا ہے، کیوں رو رہی ہو؟" وہ اس کا ہاتھ تھام گئی تھیں اور لہجے میں ممتا سمو کر بولی تھیں اس کی ذہنی وقلبی حالت ابتری کا شکار تھی، اسی سبب تو وہ کچھ نہ بولی تھی اور یکدم ان سے لپٹ کر جو اس نے رونا شروع کیا، تو وہ حق دق رہ گئی تھیں۔

"زرمین! اس طرح کیوں رو رہی ہو، بتاؤ مجھے، کسی نے کچھ کہا ہے؟ فیصل سے کوئی بات ہوئی ہے؟" وہ اسے لیے لاؤنج میں آ گئی تھیں، صوفے پر بٹھا کر پانی لا کر اسے پلایا تھا اور نہایت نرمی وشفقت سے استفسار کیا تھا۔

"مما! فیصل مجھ سے ناراض ہیں، میں نے انھیں ناراض کر دیا ہے، اسی لیے وہ ناراضی وغصے میں ہم سے اتنی دور چلے گئے ہیں، گزرے مہینوں میں انھوں نے ایک دفعہ بھی مجھ سے بات نہیں کی، وہ مجھ پر بہت خفا ہیں۔" وہ خود سے لڑ لڑ کر تھک گئی تھی، اس لیے آج مہوش کے سامنے دل کھول کر رکھ دیا تھا اور وہ تو اس انکشاف پر حیران تھیں، وہ دونوں بات نہیں کرتے تو ان کے سامنے اب تک ڈرامہ کرتے رہے تھے؟

"سب کہتے ہیں کہ وہ آ جائیں گے، لیکن میں جانتی ہوں وہ نہیں آئیں گے، کیونکہ وہ مجھے سزا دینا چاہتے ہیں۔" وہ سسک رہی تھی، اور وہ پوچھ بیٹھی تھیں۔

"کس بات کی سزا؟ تم دونوں کے درمیان کس بات پر جھگڑا ہوا ہے؟" وہ بہو کو دیکھ رہی تھیں جو بری طرح رو رہی تھی، شکستہ وآزردہ لگ رہی تھی۔

"مما! انھیں لگتا ہے جیسے میں نے انھیں دھوکا دیا ہے، لیکن میرا یقین کریں مما! میں نے انھیں دھوکا نہیں دیا۔" وہ بلک رہی تھی، وہ جی جان سے اس کی جانب متوجہ تھیں، اسے اپنا ہی ہوش نہ تھا اسی سبب قدموں کی چاپ سے انجان رہی تھی۔

"تم کیا کہہ رہی ہو، کیا کہنا چاہتی ہو، میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی بیٹا! میں تمہاری ماں ہوں، بلا ڈر وجھجک ہر بات کہہ دو۔" انھوں نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے شفقت سے اس کی ڈھارس بندھائی تھی۔

"مما! مجھے ارحم اچھے لگتے تھے، میں ان سے شادی کرنا چاہتی تھی۔" اس کا انکشاف انھیں ساکت کر گیا تھا اور اس نے لب بھینچ لیے تھے کہ حقیقت جانتا تھا مگر اس کے منہ سے سننا کتنا اذیت ناک عمل ٹھہرا تھا، یہ کوئی ان سے پوچھتا جو اس سے دوچار تھا۔

"لیکن جب گھر میں میری اور فیصل کی شادی کی بات چلی، میں نے کسی پر اپنی پسندیدگی ظاہر نہیں کی، ابو کو مجھ پر بہت مان تھا، وہ میں توڑ نہیں سکتی تھی، شادی کے لیے میں ابو کے لیے اللہ کی رضا جان کر راضی ہوگئی تھی، اور جب میں نے نکاح نامے پر سائن کیے ہر پسندیدگی ومحبت بابل کی دہلیز پر ہی چھوڑ دی، دل سے فیصل کی ہمراہی قبول کی، لیکن جب میں فیصل کی منتظر تھی تب میں بہت ڈری ہوئی تھی، کیونکہ مجھے اپنا آپ فیصل کا مجرم لگ رہا تھا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور پریشان وحیران سی بیٹھیں مہوش کے قدموں کے پاس بیٹھ کر ان کی گود میں سر

رکھے بولنے لگی تھی۔

"مجھے لگ رہا تھا جیسے میں نے فیصل کو دھوکا دیا ہے، پسند کسی اور کو کرتی تھی، شادی ان سے کر لی اور کبھی لگتا کہ جیسے ہی فیصل کو یہ بات پتہ چلے گی، وہ مجھے غلط سمجھیں گے کہ یہ بات ان کے لیے قابل قبول نہیں ہوگی، ان کی بیوی کی محبت کوئی اور تھا، مگر مما! جو تھا صرف نکاح سے پہلے تک تھا، نکاح کے بعد میں نے صرف فیصل کو سوچا، میں نے کسی قسم کی خیانت نہیں کی، لیکن یہ بات میں فیصل کو بتا نہیں سکی، میرے خدشات کو فیصل نہ جانے کیا سمجھے اور انھوں نے مجھے ایک بیوی کی طرح ٹریٹ نہیں کیا، انھوں نے مجھے وقت دیا، اور میں بھی وقتی طور پر مطمئن ہوگئی تھی، وقت کے ساتھ میں نے خود کو فیصل سے جڑنے والے رشتے کے لیے ذہن ودل سے اپنانے، قائم رکھنے کے لیے راضی کر لیا۔ لیکن فیصل تو مجھے وقت دے کر بھول گئے تھے، مما! کہ میں ان کی کچھ لگتی ہوں۔" وہ ان کے سامنے سے کترا رہی تھی جب ہی گود میں منہ چھپائے سسکتے ہوئے کہہ رہی تھی، اس کا لفظ لفظ حیران کن تھا مگر ان کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے، انھوں نے اسے اتنا ہی فیئر پایا تھا۔

"اور جب وہ بھول گئے تھے تو میں کیسے یقین دلاتی کہ میں ان کی ہوں کہ میرے دل نے ان کے لیے دھڑکنا سیکھ لیا ہے، میں پہل کر نہیں سکتی تھی اور وہ کرنا نہیں چاہتے تھے، میں مجبوری، ڈر، خدشات کا شکار تھی، لیکن انھیں تو کوئی ڈر، مجبوری اور خدشہ لاحق نہ تھا، تو پھر کیوں انھوں نے مجھے سزا دی؟" اس نے سر اٹھا کر بھیگی، نمناک سرخ آنکھوں سے انھیں دیکھا تھا۔

"مما! اس دن جب ارحم کا ایکسیڈنٹ ہوا میں ان کے لیے پریشان تھی، روئی تھی ان کی صحتیابی کے لیے دعا گو تھی میری ہر فکر ان کے لیے تھی، مگر صرف اس لیے کہ وہ میرے کزن تھے، ارحم کی جگہ راحم یا فیصل ہوتے تب بھی میری حالت وہی ہوتی، جو ارحم کے ایکسیڈنٹ کا سن کر تھی، اس فکر کے پیچھے محبت نہیں تھی کہ میری محبت، میرا سب کچھ تو نکاح کے بولوں کے ساتھ ہی فیصل بن گئے تھے۔" اس نے آنسو رگڑے تھے لب چبائے تھے گویا خود کو مزید کہنے سے روکا تھا یا کہنے کے لیے کمپوزڈ کیا تھا۔

"مگر میری فکر کو فیصل نے غلط سمجھا، مجھے دھوکے باز کہا، آپ بتائیے مما! کہ شادی سے پہلے میں اگر کسی کو چاہتی بھی تھی تو کیا مجھے فیصل کو بتانا چاہیے تھا؟" انھوں نے اس کو دیکھتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"نہیں ناں! وہ بھی اس صورت میں کہ وہ صرف میری سوچ، میرا خیال تھے، جو فیصل سے رشتہ بننے کے بعد بدل گئے، ان کو ذہن ودل سے نکال دیا، اور جب میں نے شادی کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی ان کے متعلق اس طرح نہیں سوچا کہ میں انھیں کیوں نہ پا سکی؟ وہ میرے کیوں نہ بنے؟ نہ انھیں اپنانے کا سوچا تو پھر میں دھوکے باز کیسے ہوئی؟ آپ بتائیے مما! جب میں نے ارحم کو سوچا ہی نہیں، افسوس نہیں کیا تو میں دھوکے باز کیسے ہوئی؟ میں تو بس اپنے ماضی سے ہراساں تھی کہ غلط تو میں نے ماضی میں بھی نہیں کیا تھا، ارحم میرے کزن تھے، مجھے اچھے لگتے تھے، دل وذہن میں آتا کہ کاش کہ وہ میرے بن جائیں مگر ایسا نہیں ہوا، جو شخص میرا بنا اسے سوچا، اسے چاہا، بس ڈرتی تھی کہ میرے ذہن ودل کی بات فیصل کو پتہ چلی تو وہ کیسا ری ایکٹ کریں گے؟ اور مما! میرے خدشات کچھ غلط تو نہ تھے جب ان پر یہ بات ظاہر ہوئی وہ مجھے جھوٹا، دھوکے باز کہہ کر چلے گئے، اور ایک دفعہ بھی مجھ سے رابطہ نہیں کیا، آپ نے فون دیا تو لائن کاٹ دی، میں نے ملایا تو کال ریسیو نہیں کی، میری کسی میل کا جواب نہیں دیا، آپ بتائیے ناں مما! کہاں غلطی ہوئی مجھ سے، میں نے کب ماضی کی کسی محبت کے حصول کے لیے کسی قسم کی کوشش کی؟ کب میں ان سے ملی؟ کب

چاہا کہ وہ میرے ہو جائیں؟ میرے ذہن و دل میں ایسا کچھ ہوتا تو میں شادی ہی کیوں کرتی؟ پرانی محبتوں کو ہی دل میں بسائے رکھنا ہوتا تو نئی محبتوں کو اپنائی کیوں؟ اور جب فضیل نے ڈائیورس کی بات کی، مجھے فضیل سے نہیں ارحم سے محبت ہوتی تو میں فضیل سے کہہ دیتی ناں، کہ وہ مجھے چھوڑ دیں، اور وہ دے دیتے طلاق، لیکن میں تو گزرے مہینوں میں خوفزدہ رہی ہوں، ہر آہٹ پر دہلتی رہی ہوں کہ کہیں فضیل میری التجا کے باوجود میری ہر التجا کو ٹھکرا کر کہیں ڈائیورس پیپر نہ بھیج دیں۔ فضیل میرا سب سے مضبوط رشتہ، میری محبت، پسند سے دستبرداری قبول کر سکتی تھی ناں جب ہی کر گئی۔ مجھے کوئی فرق بھی نہیں پڑا، لیکن محبت سے زندگی سے دستبرداری قبول کرنا اتنا آسان بھی تو نہیں ہوتا ناں، میں آسانی سے ان سے خود کو کیسے الگ کر لوں، لیکن ان کے لیے سب کچھ بہت آسان ہے مما! رات گیارہ بجے کے قریب میں نے انھیں فون کیا تھا، انھوں نے پہلی دفعہ میری کال ریسیو کی اور میرے ہیلو کہنے سے پہلے ہی یہ کہہ کر فون رکھ دیا کہ وہ جلد فیصلہ کر دیں گے، انھوں نے فیصلہ کر لیا ہے مما! مجھے چھوڑنے کا فیصلہ، اگر ایسا کیا انھوں نے تو میں مر جاؤں گی، آپ کہیں ناں ان سے میں نے انھیں دھوکا نہیں دیا ہے، میں صرف ان کی ہوں، صرف ان سے محبت کرتی ہوں، میں جھوٹ نہیں بول رہی، آپ کو تو مجھ پر بھروسہ ہے ناں مما! یقین ہے ناں آپ کو مجھ پر کہ میں جھوٹ نہیں بولتی؟" وہ ان کا ہاتھ تھام گئی تھی۔ جن کی نظریں سامنے کھڑے شخص پر کافی دیر سے جمی تھیں، مگر وہ ان سے اب تک نظر نہیں ملا رہا تھا، اس لیے چونکی تک نہیں تھی، اس کے ہاتھ تھامنے پر مگر وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہو گئی تھیں۔

"مما آپ فضیل کو سمجھائیں ناں، ان سے کہیں میں جھوٹی نہیں ہوں، میں نے انھیں دھوکا نہیں دیا ہے، میرے دل میں صرف وہ ہیں، وہ مجھے نہ چھوڑیں، میں نے ان کی امانت میں خیانت نہیں کی ہے، میں ان کی ہوں، جب ان کی نہیں تھی تب بھی میں نے کچھ ایسا غلط نہیں کیا، جو شریعت کے خلاف ہو یا جو امانت میں خیانت کا سبب ہو، میری چھوٹی سی بھول کی، میرے خدشات کی مجھے وہ اتنی بڑی سزا نہ دیں، جان سے مار دیں لیکن رشتہ نہ توڑیں۔" وہ ان کی ٹانگوں سے لپٹ کر بری طرح بلکنے لگی تھی، اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انھوں نے ایک ناراض نظر بت بنے بیٹے پر ڈالی تھی، وہ کچھ بولی نہ تھیں اور وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ تھا انھوں نے اس کا سر اونچا کرنا چاہا تھا، تب انھیں احساس ہوا تھا کہ وہ ہوش میں نہیں اور جیسے ہی اس بات کا انھوں نے اظہار کیا تھا، وہ ہوش میں آتا اس کی طرف لپکا تھا۔

"زرمین کو کچھ ہو گیا ناں فضیل! تو میں تمھیں معاف نہیں کروں گی۔" اسے بیک سیٹ پر احتیاط سے لٹا کر وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال گیا تھا، وہ زرمین کا سر گود میں رکھے ہوئے ناراضی و غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بولی تھیں۔

"آپ تو شاید پھر بھی مجھے معاف کر دیں مما! لیکن میں خود کو کبھی چاہ کر بھی معاف نہیں کر پاؤں گا۔" اس نے دل گرفتگی سے کہتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور رش ڈرائیونگ کرتا گھر کے سب سے نزدیکی پرائیویٹ اسپتال پہنچا تھا، اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا، اس کی کنڈیشن مگر کافی بہتر تھی، ڈاکٹرز کی کوشش اور ٹریٹمنٹ کے بعد تقریباً 3 گھنٹوں میں اسے آئی سی یو سے ایک پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا، مبوش نے بیٹے کی اتری صورت دیکھی تھی اور فجر کی اذانوں کے بعد شوہر کو فون کر کے بلا لیا تھا، فضیل کو زبردستی گھر بھیج دیا تھا۔

☆.........☆.........☆

(جاری ہے)

سعدیہ عابد

آخری قسط

بند قبائے کھلنے لگی جاناں

"شام میں تیار رہنا، ہم شاپنگ پر چلیں گے۔" اسجد اس کے ہاتھوں سے بریف کیس لیتے ہوئے بولا تھا، اس نے بڑی سعادت مندی سے "جی ٹھیک ہے" کہا اور آگے بڑھ گئی، اسجد نے مڑ کر اسے دیکھا تھا اور جب تک

دیکھتا رہا جب تک وہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے میں نہیں چلی گئی، اور اس کے نظر آنا بند ہوتے ساتھ ہی وہ بوجھل ذہن و دل کے ساتھ آفس کے لیے نکل گیا، بظاہر سب ٹھیک ہو گیا تھا، اسجد اس کا خیال رکھنے لگا تھا اور وہ بھی بالکل نارمل تھی، اس کی پرواہ کا جواب پرواہ سے دے رہی تھی، اس سے بات کرتی تھی، پہلے کی طرح اس کی ضروریات کا خیال رکھتی تھی ان دونوں کا نارمل انداز گھر والوں کو مطمئن کرنے کے لیے کافی تھا، مگر اسجد غیر مطمئن تھا کہ جانتا تھا سب کچھ اتنا بھی نارمل نہیں جتنا وہ شو کر رہے تھے، مائدہ بظاہر جتنی مطمئن نظر آتی تھی، جتنا خود کو نارمل ظاہر کر رہی تھی، درحقیقت ایسا تھا نہیں ان کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہو کر بھی کچھ ٹھیک نہیں تھا، ان کے رشتے میں معافی کی گنجائش نہیں رہی تھی اور وہ احساس جرم کے ساتھ نارمل نہیں ہو سکتا تھا، اور وہ اسجد کو سزا دینے کی چاہ میں خود کو سزا دیتی اس سے زیادہ اذیت میں تھی، اس لیے نارمل کچھ بھی نہیں تھا، ہاں اسجد کے ذہن و دل میں سب کچھ مطمئن کر دینے کی چاہ و خواہش جنم لے چکی تھی، وہ اپنی ناپسندیدگی بھلائے، انا کو پیچھے رکھے اس کی جانب ہر طرح کی پیش رفت کر رہا تھا اور اسی سلسلے کی ایک کڑی شاپنگ پر جا رہی تھی کہ اس نے

دھیرے دھیرے اس کے آہنی خول کو چٹخانا تھا اور اس کے لیے اس نے لاشعوری و شعوری کوشش شروع کر دی تھی۔ وعدے کے مطابق وہ جس وقت گھر پہنچا دوپہر کے 4 بج رہے تھے، گھر میں خاموشی تھی، تینوں ہی بیٹیاں ایک ایک کر کے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئی تھیں، وہ سست روی سے چلتا، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا کمرے تک آیا تھا، سائیڈ ٹیبل پر والٹ اور موبائل رکھتے ہوئے اس کی نگاہ سوئی ہوئی مائدہ پر اٹھی تھی، اس کے گلابی چہرے پر آنسوؤں کے مٹے مٹے نشان اس کے روتے ہوئے سونے کے گواہ تھے، وہ نہایت آہستگی سے اس کے پہلو میں ٹک گیا تھا، جو کروٹ کے بل بے خبر سوتے ہوئے بھی قدرے مضطرب لگ رہی تھی۔

”میرا جرم ناقابل معافی ہے مائدہ! میں نے تمہیں بہت دکھ دیے ہیں، اذیتوں کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیلا ہے، مگر میں اپنے کیے پر نادم ہوں، معاف نہ کرو مجھے مگر سزا بھی نہ دو، اذیتوں سے گزر رہا ہوں، تو احساس ہوتا ہے کہ اذیت زدہ زندگی گزارنا بڑا کٹھن ہوتا ہے، کسی کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھ کر جیا نہیں جاتا، ہر سانس آزار بن جاتا ہے، مجھے اذیت سے آزاد کر دو۔“ وہ اس کا موی ہاتھ اپنے خوبصورت مردانہ ہاتھ میں لیے اس کے بہت قریب لیٹا تھا اور اس کے حسین چہرے پر ندامت بھری نگاہیں جمائے نہایت آہستہ گلو گیر لہجے میں کہتے ہوئے اس کی صبیح پیشانی پر لب رکھ دیے تھے۔ یہ پہلا لمس تھا جو بے اختیار ذہن و دل کی آمادگی کے ساتھ اس کے ماتھے پر ایک داستان لکھ گیا تھا اور اس کی گہری نیند ٹوٹتی چلی گئی تھی، اس نے بے اختیار چونک کر آنکھیں کھولیں، وہ اس پر جھکا ہوا تھا، اس کی جانب ذہن و دل کی آمادگی سے متوجہ اور مہربان تھا، اور وہ کسمسائی تھی، وہ چونک کر اس کو دیکھنے لگا تھا، وہ نہ شرمندہ ہوا تھا نہ ہی جھجک کر دور ہوا تھا، بلکہ اس پر اپنا حصار مضبوطی سے کھینچ دیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی، لبوں پر اس نے کب کے قفل ڈال دیے تھے، مگر اس کا دل رو اٹھا تھا۔

”اسجد عالم! میں تمہارے لیے محض ایک چور لمحہ ہوں، جسے تم تمام تر استحقاق کے باوجود چوروں کی طرح ہی حاصل کرو گے، کہ میں تمہاری محبت تو کیا پسند بھی نہیں، تم نے مجھے صرف طلب سمجھ لیا ہے اور طلب بس پوری ہونی چاہیے، چاہے کیسے بھی ہو۔“ وہ واش بیسن کے سامنے کھڑی چہرہ پانی سے ہی نہیں اپنے آنسوؤں سے بھی بھگو رہی تھی۔

”تم کہتے ہو کہ تم نادم ہو، معافی چاہتے ہو، سب بھول کر میرے ساتھ ایک اچھی و نارمل ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہو مگر تمہارے قول و فعل میں کس قدر تضاد ہے، مجھے واپس آئے آج ڈھائی ماہ ہو گئے ہیں اور تم نے اتنے عرصے میں آج پیش رفت بھی کی تو میرے عالم بے خبری میں، تم اپنے قول میں سچے ہوتے تو یہ پیش رفت پہلے کرتے یا کم از کم میری آنکھوں میں دیکھتے اپنے قول کی سچائی کا یقین دلاتے ہوئے مجھ تک آتے، مگر تم نے ثابت کر دیا کہ میں نہ کل کہیں تھی، نہ آج ہوں۔ کل تمہیں اپنی محبت کی پرواہ تھی، اس لیے مجھے دھتکارتے رہے، جب تمہیں اپنی مردانگی کا خیال آیا تو مجھے گلے لگا گئے، رشتے بچانا چاہے تو میرے واپس آنے پر مجھے قبول کر گئے، جیت ہر جگہ ہر طرح صرف تمہارا مقدر بنی ہے اور تم نے میرے مقدر میں صرف رسوائیاں، ذلتیں اور بد نصیبی لکھ دی ہے، اور تم اس کے باوجود بھی کہتے ہو کہ میں تمہیں معاف کر دوں، خود بتاؤ آج بھی تم مجھے عزت و مان دینے کو تیار نہیں، تو میں تمہیں کیسے معاف کروں اسجد عالم! کیسے؟“ وہ وہیں واش بیسن کے سامنے بیٹھتی چلی گئی تھی، ہچکیوں سے اس کا پورا وجود لرز رہا تھا، اسجد عالم کا اب ہر قول و فعل اسے بدگمان ہی کرتا تھا، ورنہ یہ سمجھنا اتنا مشکل بھی نہ تھا، اگر اسے چور لمحے کی ہی تلاش ہوتی تو ڈھائی ماہ میں ایسے کتنے ہی لمحے آئے تھے اور گزر گئے تھے، اور وہ چوری کا ارادہ ہی رکھتا تھا تو اس کے جاگ جانے پر شرمندہ ہوتا راہ فرار اختیار کر لیتا، جبکہ اس نے ایسا

نہیں کیا تھا، وہ سچ میں مکمل سچائی اور حقیقت کے ساتھ ندامت اور معافی کی خواہش لیے اس کی طرف بڑھ رہا تھا، تب ہی اس کے جاگ جانے سے بھی اسے فرق نہیں پڑا تھا، اس کے دل میں، اس کی نیت میں کوئی چور نہ تھا، مگر یہ بات اسے نہیں سمجھائی جا سکتی تھی، جو محبت کی منزل کو راہ میں ہی کھو بیٹھی تھی اور سفر میں اس کے پیر بدگمانی سے اٹ گئے تھے، اس کی مثال ایک خوبصورت و خوش رنگ مور کی سی تھی، جو سر مستی کے عالم میں ناچتا ہے، مگر جیسے ہی اپنے پیروں پر نظر پڑتی، ساری مستی بے بسی کی نظر ہو جاتی ہے اور اس مور کے ناچ میں دکھ و اذیت کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، وہ اپنے پیروں کو دیکھ کر اپنے خوش رنگ پنکھ بھلائے روتا چلا جاتا ہے، جیسے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

☆..........☆..........☆

”فضیل! میں تمہیں بہت زیادہ سمجھدار سمجھتی تھی، ایسی بے وقوفی کی مجھے تم سے امید نہ تھی۔“ وہ بیٹے پر خفا ہو رہی تھیں۔

”مما! آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔“

”تو میں تمہیں صحیح سمجھوں بھی تو کیسے، میں انجان تو نہ تھی کہ تم دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے، تم دونوں میں بے تکلفی نہ تھی، کہیں تم دونوں گئے نہیں، مگر تم دونوں کے انداز ایسے تھے کہ میں مطمئن تھی، زرمین کو نہیں جانتی تھی، اس کے دل کی خبر نہ تھی، مگر تمہیں جانتی تھی، تمہارے دل کی خبر تھی، اطمینان تھا مجھے کہ تمہاری محبت زرمین کا دل جیت لے گی، اس کے انداز میں گریز محسوس کیا تھا، تو تمہارے انداز میں نرمی پائی تھی، تو پھر ایک دم تم اپنی فطرت کے خلاف کیسے چلے گئے؟“ انھوں نے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا اور درشتگی سے کہتی چلی گئی تھیں۔

”صرف زرمین کی خوشی کے خیال سے جب تک مجھے لگا کہ وہ ہمارے رشتے کو نبھانے، سمجھنے کے لیے وقت چاہتی ہے، میں نے اسے وقت دیا، بیوی نہیں دوست سمجھا، کسی بہت اپنے کی طرح اس کا خیال رکھا، اس کو اس کی خوشیوں کو اہمیت دی، اور جس دن یہ پتہ چلا کہ اس کے گریز کے پیچھے اس کی فیلنگز تھیں، تو میں نے صرف اس کی خوشی کے خیال سے راہیں الگ کر لینی چاہیں، میں اس کو غلط نہیں سمجھ رہا تھا، اس کے لفظ لفظ پر یقین ہے مجھے لیکن میں نے سوچا مما! زرمین کا حق ہے کہ وہ اپنی پسند کے شخص کے ساتھ زندگی بسر کرے، اور وہ شخص میں نہیں تو مجھے اسے آزاد کر دینا چاہیے۔“ وہ سرخ چہرے کے ساتھ کہتا چلا گیا تھا اور وہ اسے تاسف سے دیکھنے لگی تھیں۔

”ایسا فیصلہ لینے والے تم ہوتے کون تھے؟ تم نے زرمین کی مرضی پوچھی تھی؟ صرف اتنا جان لینے کے بعد کہ وہ کسی کو پسند کرتی ہے، تم نے راہیں الگ کر لینی چاہیں، سارے فیصلے خود ہی کرتے چلے گئے، کیا تمہیں چند ماہ کے ساتھ میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں لگا تھا کہ وہ تمہارے رشتے کو قبول کر چکی ہے؟“ وہ نہایت غصے میں تھیں۔

”بارہا لگا تھا مما! لیکن ادراک کے بعد مجھے لگا کہ وہ کمپرومائز کرنا چاہتی ہے، میں نے سارے فیصلے خود کر لیے غلطی ہے میری، لیکن میں زرمین کو دھوکے باز نہیں سمجھ رہا تھا، مجھے تو بس اس کی خوشی عزیز تھی، اس لیے اپنے طور پر فیصلہ کر کے چلا گیا، مگر میں غلطی پر تھا کہ زرمین کو زندگی صرف اپنے لیے جینی ہوتی، اپنی پسند کے مطابق جینی ہوتی تو وہ مجھ سے شادی کرتی ہی نہیں، مجھ سے زرمین کو سمجھنے میں غلطی ہو گئی، لیکن یقین کریں مما! میں یہاں سے گیا ہی اس لیے تھا کہ دیکھوں میں اس کے بغیر رہ سکتا ہوں یا نہیں، مگر میں نہیں رہ سکا مما! جتنا اسے نظر انداز کیا، اتنا اسے اپنے دل کے قریب پایا، اس کو دور کر دینے کی شعوری کوشش اسے مجھ سے بہت قریب کر گئی یقین کریں میں نے زرمین سے نکاح اپنی خوشی اور دل کی رضا سے کیا تھا، اس نکاح کو زرمین کی خوشی کے مطابق

قائم رکھنا چاہا، اسی کی خوشی کے خیال سے ختم کرنا چاہا اور اسی کے بلانے پر صرف آٹھ ماہ بعد ہی لوٹ آیا ہوں، اس کے بغیر نہیں رہ سکتا ہوں۔" وہ ماں کی گود میں سر رکھے بچوں کی طرح رونے لگا تھا۔

"سب کچھ خود سے فرض نہیں کر لیتے بیٹا! کہ تم عورت کو نہیں جانتے، عورت صرف ایک بار کسی کو اپنا بناتی ہے، اگر محبت کر بھی لے تو مگر جس سے شرعی رشتے میں بندھتی ہے، وہ محبت سے بڑھ کر عزت دے تو تن من سے صرف اس کی ہو جاتی ہے اور تم نے اسے عزت دی، اس کی مرضی و خوشی کو اولیت دی، اہمیت دی، اور عورت اس انسان کو کبھی نہیں دھتکارتی، جو اسے مان و عزت دیتا ہے۔" انھوں نے بیٹے کو کمپوزڈ ہو جانے کا موقع فراہم کرنے کے بعد کہا تھا۔

"کچھ دیر میں زرمین ہاسپٹل سے آ جائے گی، تم سارے گلے شکوے دور کر لینا، اور اپنے دل سے ہر وہم و شک نکال دینا، تم بہت خوش نصیب ہو کہ تمہارے نصیب میں زرمین جیسی بچی و نرم جذبات سے گندھی لڑکی آئی ہے اور اس کی قدر کرنا، وہ ہر لحاظ سے تمہارے قابل ہے اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میرا بیٹا ایک بہت اچھا انسان ہے کہ جو فیصلہ تم نے لیا کوئی نہیں لے سکتا، مگر جو ہوا سو ہو گیا، اب تم دونوں نے ہی سب سے بڑھ کر اپنے رشتے کی عزت کرنی ہے، زرمین بھی کم خوش قسمت نہیں ہے کہ تم جیسے انسان تو لاکھوں میں ایک ہوتے ہیں، اٹھو اور جا کر فریش ہو جاؤ، میں ذرا جا کر انتظامات دیکھ لوں، زرمین نے گھر اس خوبی سے سنبھالا ہے کہ ایک دن وہ یہاں نہیں تھی تو لگا کہ سب کچھ تلپٹ ہو گیا ہے۔" وہ بیٹے کا رخسار تھپکتیں اٹھ گئی تھیں اور وہ مسکرا دیا تھا، زرمین کی اچھائی اس سے ہرگز بھی پوشیدہ نہیں تھی اور اب اس نے اس اچھی لڑکی کے ہر دکھ کا مداوا کرنا تھا، جانے انجانے میں کیے ظلم کو محبت کی قبا اڑھانی تھی، اس لڑکی کو عزت و مان سے اپنی قربتیں عطا کرنی تھیں، جس کی وہ حقدار تھی، اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنے دل میں موجود ہر جذبے کو، چھپی ہوئی محبت کو سب کچھ اس پر آشکارا کر دے گا، اس کو بتا دے گا وہ اس کے لیے کتنی اہم ہے اور جو اہم ہوں ان کے لیے ایثار و قربانی دینی پڑتی ہے، اور وہ بھی صرف قربانی دینے جا رہا تھا، مگر اللہ نے اس کے جذبے کی سچائی کے سبب صرف اس کا امتحان لے کر اسے اس کی محبت سونپ دی تھی، وہ امتحان میں بھی سرخرو رہا تھا، اس نے فریش ہو کر کسی کو کال کی تھی، اور آرڈر دے کر وہ کمرے کا جائزہ لینے لگا تھا، وہ اسے زرمین کے شایان شان سجانا چاہتا تھا، وہ کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اور اس کے لیے اس نے سب سے پہلے کچھ سال پہلے لیا گفٹ نکالا تھا اور اسے دیکھتے ہوئے دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔

☆..........☆..........☆

"آپ.... آپ کب آئے؟" وہ روم میں داخل ہوئی تھی جو تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، اس نے لائٹس آن کی تھیں اور کمرے کی سجاوٹ دیکھ کر متحیری کھڑی تھی، جا بجا بکھری گلاب کی پتیاں، مہکا مہکا کمرہ اس کو سب کچھ بہت اچھا لگا تھا، اس نے آہٹ پر مڑ کر دیکھا تھا اور مسکراتے ہوئے فیصل کو دیکھ کر لپک کر اس تک پہنچی تھی۔

"دو دن ہو گئے محترمہ! میں فیصلہ کر کے لوٹا تو محترمہ چند ماہ کی جدائی میں ہی ہاسپٹل کے دورے پر چل پڑنے کو تیار تھیں، اور میں نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ، تمہیں پہنچایا اسپتال، تھوڑا سا ہوا پریشان اور جب تم صحت یاب ہوئیں تو روپوش ہو گیا کہ سامنے دیکھ کر تمہاری جان نکل جاتی تو میرا کیا ہوتا، میں تمہارے بن نہیں رہ سکتا زرمین!" وہ غیر سنجیدگی سے کہتا بات کے آخر تک سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"جھوٹ نہ بولیں، میرے بنا نہ رہ سکتے تو مجھے چھوڑ کر ہی نہیں جاتے، اور چلے گئے تھے تو رابطہ تو رکھتے، سارے ہی سلسلے توڑ ڈالے تھے آپ نے، کیوں اور کس بات کی سزا دے رہے تھے مجھے؟" اس نے ہاتھ تھاما تھا

اور اس نے جھٹکے سے آزاد کروا کر نہایت غصے سے کہہ کر اسے گھورا تھا۔

"زرمین! جو ہوا اسے بھول جاؤ، سزا تمہیں ہی نہیں خود کو بھی دی، بس یاد رکھو تو اتنا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، آج سے نہیں برسوں پہلے سے جب محبت کے مفہوم سے بھی نا آشنا تھا تب سے، مگر کبھی کہہ نہ سکا، شادی کی بات تمہارے گریز نے لب سی دیئے، بعد میں پہل نہ کر سکا، میں چاہتا تھا کہ پہل تم کرو، کوئی ایک اشارہ دو، تم نے مجھ سے جڑے رشتے کو قبول کر لیا ہے، مگر تم حیا کے سبب ایسا کر نہ سکیں، حالات نے کروٹ لی اور میں دور چلا گیا، مگر یہ یاد رکھنا کہ بدگمان ہو کر نہیں گیا تھا، مجھے تم پر خود سے زیادہ بھروسہ ہے، بس یہ سمجھ لو کہ ہماری آزمائش تھی جو ختم ہوئی۔" اس نے آگے بڑھ کر اپنے ازلی نرم لہجے میں کہا تھا اور وہ رونے لگی تھی۔

"آپ نے خود انتظار کرنے کی بات کی اور پلٹ کر میری طرف نہیں دیکھا، تو میں خود سے کیسے کہتی کہ آپ کا انتظار ختم ہوا، اور آپ نے تو مجھے طلاق دینے کی بات کی تھی، اتنی ہی بری لگتی تھی ناں، تو شادی ہی نہ کرتے، یوں شادی کر کے ناکارہ شے کی طرح گھر میں کیوں رکھ چھوڑا تھا؟ اوپر سے بات کرتے ہیں محبت کی، مجھ سے محبت ہوتی تو کہتے ناں، آپ تو مجھے سزا دے رہے تھے، جبکہ میرا قصور کیا تھا، نکاح سے پہلے کسی کو بھی، کچھ بھی سوچا ہو، نکاح کے بعد تو صرف آپ کو سوچا، آپ کو چاہا اور آپ ہی بدل گئے، یہی تھی ناں آپ کی محبت؟" وہ سسکتے ہوئے شکوے کر رہی تھی۔

"تم سے محبت ہی تو تھی جو تمہاری خوشی کی پرواہ میں وصل کے قریب جا کر بھی ہجر سمیٹ لائی، بس تم خوش رہو، تمہاری خوشی کے خیال سے تمہیں اپنایا نہیں اور اسی خوشی کے خیال سے تمہیں آزاد کر رہا تھا، مگر اب میں جان گیا ہوں، تمہاری خوشی صرف مجھ سے جڑی ہے اسی لیے میں لوٹ آیا، اور اس رات میں نے مما اور تمہاری باتیں سنیں تو مجھے مزید احساس ہوا کہ میں انجان تھا، تمہاری خوشی میں ہوں، میں نے تمہیں ہرٹ کیا ہے جو چاہے سزا دے لو، مگر یقین رکھو زرمین! میں تمہیں دھوکے باز نہیں سمجھتا، نہ ہی تمہیں سزا دے رہا تھا۔" وہ اسے شانوں سے تھامے یقین سونپ رہا تھا۔

"آئی ایم سوری فیصل! میں نے جانے انجانے میں آپ کو بہت تکلیف دی ہے، مگر آپ بھی مجھ پر بھروسہ کریں کہ میری کل کی چاہت کوئی بھی ہو، میری آج کی چاہت آپ ہیں، میں نے ماضی میں ہی جینا ہوتا تو میری راہیں کٹھن نہ تھیں، میں نے آپ کا ساتھ والدین کی ایماء اور رب کی رضا جان کر قبول کیا تھا اور میرا ایمان ہے کہ والدین اولاد کا برا نہیں چاہتے، میرے والدین نے میرے لیے آپ کو چوز کیا، اور آپ ہی میرا سب کچھ ہیں، میں نے پوری زندگی صرف آپ کے ساتھ گزارنی ہے، آئندہ مذاق میں بھی چھوڑنے کی بات مت کیجیے گا، میں آپ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔" وہ روتے ہوئے کہتی اس کے شانے پر سر ٹکا گئی تھی۔

"تم سے دور جا کر تو احساس ہوا کہ میں بھی تم بن ادھورا ہوں۔" وہ اس پر گھیرا ڈالتے ہوئے جذبوں سے چور لہجے میں بولا تھا اور اسے لیے بیڈ کی طرف بڑھ گیا تھا، اسے بیڈ پر بٹھا کر اس نے سائیڈ ٹیبل سے باکس اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا تھا، جسے اس نے کھولا، ڈبے میں ایک بندیا تھی، جس میں کتنے ہی رنگ کے نگ جڑے ہوئے تھے، اس کی نگاہ میں واضح ستائش چمکی تھی۔

"تم اکثر ہمارے گھر آتی تھیں، میں نے تمہیں ہمیشہ سیدھی مانگ کے ساتھ سادہ چوٹی بنائے دیکھا تھا اور تصور کیا کرتا تھا کہ تمہاری سیدھی مانگ، چمکتی پیشانی پر اپنی چاہت کا مانگ ٹیکا سجاؤں، سلیقے سے گوندھی چوٹی کے سارے بل کھول کر تمہاری حسین کالی زلفوں میں اپنا دل پرو دوں۔" وہ جذب کے عالم میں کہتا اظہار محبت کی

منزل طے کر گیا تھا اور وہ حیا سے سمٹ کر رہ گئی تھی۔

☆............☆............☆

''بھیا! خدا کو مانیں یار! آج تو کم از کم اس فون اور ڈی آئی جی صاحب کا پیچھا چھوڑ دیں، آپ نے تو انھیں محبوبہ ہی بنالیا ہے، جبکہ اصل محبوبہ آپ کا انتظار کرتی سوکھ رہی ہوگی۔'' اس نے بڑی سہولت سے ارحم کے ہاتھ سے سیل فون جھپٹا تھا اور نہایت شوخی سے بولا تھا اور اس کے گھورنے پر بھی اسے ذرا فرق نہیں پڑا تھا۔

''ٹھیک ہی تو بول رہا ہوں، کمرے میں بھابی آپ کا انتظار کررہی ہیں اور آپ یہاں ڈی آئی جی صاحب کے ساتھ سیاست و مجرم کو زیر بحث لائے ہوئے ہیں، کم از کم آج کے دن تو دیوان غالب کو ذہن میں تازہ کیجیے، رومینس کے بارے میں سوچیے، رومینس...!''

''شٹ اپ راحم!'' ارحم نے سرخ چہرے کے ساتھ چھوٹے بھائی کو ڈپٹا تھا، مگر وہ بھی کافی ڈھیٹ واقع ہوا تھا، قہقہہ لگا کر معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''راحم! شرافت سے میرا سیل فون واپس کرو، ڈی آئی جی صاحب کو دس منٹ بعد میں نے کال بیک کرنی ہے۔'' وہ اسے ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا اپنے مخصوص لہجے میں بولا تھا۔

''آپ سے بات کرنا ہی فضول ہے، اب آپ کو تو بھابی ہی سدھاریں گی۔'' وہ تپ کر کہتا اس کا سیل واپس کرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا اور اس نے ڈی آئی جی صاحب سے بات کر کے رابطہ منقطع ہی کیا تھا کہ فریدہ چلی آئی تھیں اور رات کے 2 بج جانے کے باوجود اسے تسلی سے لاؤنج میں صوفے پر بیٹھے دیکھ کر وہ تاسف میں مبتلا ہوتیں اسے شرمندہ کرنے اس کے سامنے آرکی تھیں۔

''سوری مما! بٹ کال امپورٹنٹ تھی، آپ جا کر آرام کیجیے، میں بس کمرے میں ہی جارہا ہوں۔'' وہ ماں کو غصے میں پا کر اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں بولا تھا۔

''ارحم! میں تمہاری ماں ہوں، تمہاری نیچر سمجھتی ہوں، وہ بچی نہیں جس نے منگنی کے بعد تمہارے حوالے سے کتنے خواب سجائے ہوں گے اور تم نے مگر اپنی مصروفیت و فطرت کو جواز بنا کر اس سے رابطہ نہ کیا، مگر اب وقت د حیثیت بدل گئی ہے، اب تم نے لاج کو وقت دینا ہے، عزت، محبت دینی ہے، تمہاری تمام مصروفیات میں بھی سب سے اول لاج کو رہنا چاہیے، تم نے میری بہو کو ذرا بھی کام کا بہانا کر کے اگنور کیا، تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا، اس لیے کچھ ماہ تو تم جاب کو بھول ہی جانا۔'' وہ اس کو کڑے تیوروں سے ہدایت دے رہی تھیں کہ اس نے شادی کے لیے بہت مشکل سے حامی بھری تھی، اور ابھی بھی بڑی ہی مشکل سے اس نے شادی کی تھی، اسے ابھی بھی کچھ وقت چاہیے تھا، مگر اس بار انھوں نے اس کی ایک نہ سنی تھی مگر اس کی مرضی و خوشی کے مطابق شادی ہوئی، بہت سادگی سے تھی، ماہ لقا اور ذوالفقار عابدی جبکہ مہندی کرنا چاہ رہے تھے، مگر وہ راضی نہیں ہوا تھا، اور اس کے انکار کا جب ماہ لاج کو پتہ چلا تھا، تو اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ پیرنٹس کو سادگی سے شادی کے لیے راضی کرلیا تھا، شور ہنگامہ تو اسے بھی خاص پسند نہ تھا اور وہ ماں سے ڈانٹ کھاتا، ان کی بہو کا خیال رکھنے کا وعدہ کرتا جس وقت اپنے کمرے میں داخل ہوا، رات کے پونے تین بج رہے تھے، وہ مگر کمرے میں قدم رکھتے ہی بری طرح ٹھٹھک گیا تھا کہ روم میں داخل ہوتے ہی کوئی چیز اس کے جوتے تلے آئی تھی، اس نے پیر ہٹا کر دیکھا تھا، وہ پازیب تھی اور اس کی نگاہ کمرے میں بچھے بیش قیمت قالین پر بکھرے زیورات اور چوڑیوں پر پھسلتی چلی گئی تھی، اب اس نے پریشانی سے کسی کی تلاش میں نگاہ بیڈ، صوفے اور کمرے میں دوڑائی تھی، مگر اس کی تلاش تلاش ہی

ثابت ہوئی، نگاہ ناکام لوٹ آئی تھی، اور اب تو اسے فکر و پریشانی نے آگھیرا تھا، اس نے چند قدم بڑھا کر واش روم کے دروازے پر دستک دی تھی، مگر وہ ہلکے سے دباؤ سے ہی کھل گیا تھا اور اب وہ ڈریسنگ روم چیک کررہا تھا، مگر یہاں بھی ناکامی ہوئی تھی، وہ دوبارہ کمرے میں آیا تھا اور کچھ سوچ کر ٹیرس کی جانب کھلتے دروازے کی طرف بڑھا تھا اور دروازے میں ہی جم گیا تھا، جسے وہ کب سے ڈھونڈ رہا تھا، وہ ٹیرس کی چھت پر سیڑھیوں کی ریلنگ سے ٹیک لگائے گھٹنوں میں منہ دیئے بیٹھی کیا تھی، بری طرح سسک رہی تھی، وہ لمحہ ضائع کیے بنا اس تک پہنچا، عین اس کے سامنے دوزانو بیٹھ کر اس نے بڑی نرم سی فکر لہجے میں سموئے اسے پکارا تھا۔

''ماہ لاج!'' وہ بے طرح چونکی اور اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، اس کا بے تحاشہ سرخ چہرہ، لہو رنگ آنکھیں اس کے کافی دیر سے رونے کی چغلی کھا رہی تھیں، وہ کچھ کہتا کہ وہ ذرا سا پیچھے کھسکی اور کھڑی ہوگئی، وہ بھی کھڑا ہوگیا اور اسے دیکھنے لگا جو بلڈ ریڈ شرارے اور سبز کرتی میں، مٹے مٹے میک اپ کے نشان اور متورم چہرے، لرزتے ہچکیاں بھرتے سراپے کے ساتھ اس کے سامنے تھی، اس کا زرتار عروسی آنچل اس کے قدموں میں ڈھیر ہوا پڑا تھا، اس نے سب سے پہلے آنچل کو اپنے قدموں سے اٹھا کر اپنے ہاتھوں میں سنبھالا اور اس کی جانب دیکھا جو وہاں سے نکلنے کو تھی وہ یکدم راہ میں آتا اس کی کلائی تھام گیا تھا، اس نے کسی قدر ناگواری سے اسے دیکھا تھا اور ہاتھ چھڑانا چاہا تھا، لیکن اس نے گرفت مضبوط کر کے اس کی سرخ شکوہ کناں پرنم آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''ایسی بھی کیا ناراضی کہ آپ نے میرے آنے کا انتظار بھی نہ کیا، ہر آرائش بے دردی سے ختم کروالی اور یہاں ٹھنڈے موسم میں کیوں آ بیٹھیں تھیں؟ آپ کو تو میرا انتظار کمرے میں کرنا چاہیے تھا۔'' اس کے لہجے میں نرمی، لبوں پر شکوہ اور آنکھوں میں مسکان تھی۔

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں سمجھے آپ! اور میں کہیں بھی بیٹھوں آپ کو اس سے کیا، آپ جائیے یہاں سے۔'' وہ تڑخ کر بولی اور ایک جھٹکے سے کلائی آزاد کروالی۔

''اوف... اتنا غصہ.... بندۂ ناچیز سے ایسی بھی کیا خطا سرزد ہوگئی؟'' وہ نرم سی شوخی سے کہتا اس کو متحیر کر گیا تھا کہ کہاں امید تھی، اس کا لہجہ اتنا خوبصورت شوخ ہوسکتا ہے، اس کی نظریں یکدم اسے بے حد کنفیوز کر گئی تھیں اور وہ کچھ بھی کہے بغیر بڑی تیزی میں کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''ان تمام چیزوں کی اتنی ناقدری، مما کو پتا چلا ناں تو کان پکڑوا کر سزا دیں گی کہ انھوں نے یہ سب آپ کے لیے کتنی چاہت سے لیا ہے۔'' وہ صوفے پر آ بیٹھی تھی اور وہ کارپٹ پر بکھری جیولری اٹھاتا نہایت دوستانہ لہجے میں بولا تھا۔

''آپ نے تو نہیں لیا تھا ناں، تو آپ کو کس بات کی فکر؟'' وہ جز بز ہوتی سوں سوں کرتی بولی تھی، وہ اس کے تجل و گھبرائے انداز سے محظوظ ہوتا سمیٹی ہوئی جیولری اور چوڑیاں ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتا صوفے پر عین اس کے برابر ٹک گیا تھا، وہ جو اٹھنے لگی تھی، اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور وہ اس کو ناگواری سے دیکھنے لگی تھی، وہ مسکرا کر بولا تھا۔

''آپ کے لیے ہر چیز مما نے پسند کی ہے کہ آپ کو بھی میرے لیے مما نے پسند کیا تھا۔'' اس نے اس کے ہاتھ پر یکدم الٹے ہاتھ کی گرفت کی تھی اور سیدھا ہاتھ شیروانی کی جیب میں ڈالا تھا۔

''جانتی ہوں، بتانے کی ضرورت نہیں ہے اور مجھ سے آپ کو شادی نہیں کرنی تھی ناں تو صاف کہہ دیتے اپنی اور میری زندگی برباد کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' وہ روتے ہوئے کہتی اپنا ہاتھ چھڑاتی اس کے برابر سے اٹھی تھی، اور وارڈروب کھول کر ترتیب سے لٹکے ایک سے بڑھ کر ایک حسین سوٹ میں سے نسبتاً سادہ سوٹ لے کر

واش روم میں گھس گئی تھی۔اور اس کے لیے سوچوں کے کئی در وا کرگئی تھی اسی لیے جب وہ بہت سارا رو چکنے کے بعد منہ دھوکر چینج کرکے آئی تھی تو وہ اس کو بازو سے تھام کر بیڈ پر بٹھاتا سوال کرگیا تھا۔

''اتنی بدگمان کیوں ہیں آپ؟'' نظر اس کے نیم صبیح چہرے پر ٹکی تھی۔

''تقریباً 8 ماہ ہماری منگنی رہی، آپ نے کبھی خود سے رابطہ نہ کیا، اگر سر راہ و سر محفل ٹکرا گئے تو مجھے یوں نظرانداز کرگئے جیسے میں آپ کی کچھ لگتی ہی نہیں ہوں، شادی کے لیے انکار کرتے رہے، اور شادی ہوگئی تو آپ کو جیسے فرق ہی نہیں پڑا، ساری دنیا اہم ہے ایک میرے علاوہ۔ انتظار کرکرکے آپ کا تھک گئی، اور آپ کہتے ہیں کہ بدگمان کیوں ہوں؟ تو آپ ہی بتایئے کہ کیا اب بھی بدگمان نہ ہوں؟ نہیں کرنی تھی مجھ سے شادی تو نہ کرتے، اس طرح تو احساس نہ دلائیں کہ آپ نے شادی کسی کے مجبور کرنے پر کی ہے؟'' وہ اس کی حیران نگاہوں میں دیکھتی بولتی یکدم چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی تھی۔

''ماہ لاج! آپ غلط سوچ رہی ہیں، باخدا آپ سے رابطہ کرنے، یا شادی میں آنا کانی سے کام لینے کے پیچھے کوئی مجبوری یا ناپسندیدگی نہیں چھپی تھی، آپ بے شک مما کی چوائس ہیں، لیکن میں نے مما کی پسند کو اپنے لیے ہر لحاظ سے پرفیکٹ پاکر ہی اوکے کیا تھا، میں مجبوری میں کیوں اتنا مضبوط بندھن جوڑنے لگا؟'' وہ قدرے تاسف سے اسے دیکھتا اپنی مخصوص سنجیدگی سے بولا تھا۔

''جھوٹ مت بولیں، میں جانتی ہوں کہ آپ حنین کو کسی چیز کے لیے انکار نہیں کرسکتے اور آپ نے صرف اس کے مجبور کرنے پر ہی مجھ سے شادی کی ہے، ورنہ آپ کو مجھ میں ذرا دلچسپی نہیں۔'' وہ چہرے پر سے ہاتھ ہٹاتی اس کو دیکھتی بولی تھی۔

''آپ کیا بول رہی ہیں مجھے بالکل سمجھ نہیں آرہا اور اس سارے قصے میں حنین کا کیا ذکر؟'' وہ قدرے اچھنبے سے کہتا سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

☆..........☆..........☆

''صرف حنین کا ہی تو سب ذکر ہے۔ میں نے ہی اس کو اپنے دل کی بات بتاکر غلطی کی۔ اس نے میرے جذبات ایک ایسے سنگدل پتھر سے کہہ دیئے جو میرے جذبات کی قدر تک نہ کرسکا، میں حنین کو اور آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ آپ کو میں نہیں پسند تھی ناں تو آپ کو حنین کے کہنے پر بھی مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہیے تھی۔'' اس کے سرخ متورم چہرے پر احساسِ زیاں اور احساسِ ذلت کا سا امتزاج جگہ بنا گیا تھا۔ وہ اسے خاموشی سے دیکھتا اس کے رویے اور الفاظ کو سمجھنے کا کوئی سرا ڈھونڈنے کی کوشش میں تھا۔ وہ اس کے پہلو سے اٹھ گئی تھی۔

''مجھے اپنے جذبوں کی توہین گوارہ نہ تھی۔ اس لیے کبھی آپ سے کچھ نہیں کہا۔ حنین سے دوست سمجھ کر دل کی بات کہی اور وہ ایک راز راز نہ رکھ سکی اور آپ خود کو کیا بہت مہان سمجھتے ہیں کہ دوست کے کہنے پر اپنی خوشیوں کو خود کو گروی رکھ دیا؟ خود بتایئے بناء چاہت کے، بناء توجہ کے بھی زندگی گزرتی ہے؟'' اس کی خاموشی نے اسے جتنی اذیت پہنچائی تھی آج وہ اپنا رنگ دکھلا رہی تھی۔

''آپ کو کیسے خدشے لاحق ہیں میں سمجھ نہیں پارہا، ہاں اتنا کہوں گا حنین نے آپ کے بارے میں، آپ کی دل کی بات کے بارے میں کہنا تو دور مجھ سے کبھی ذکر تک نہیں کیا۔'' اس کا کہنا تھا کہ اس نے سسکتے ہوئے بہت چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا جس کے چہرے پر وہی نرم سا تاثر تھا جس نے اسے اپنی گرفت میں لے

لیا تھا۔

''آپ سے شادی میں نے حنین کے نہیں، مما کے کہنے پر کی ہے کہ آپ کو میرے لیے مما نے پسند کیا تھا۔ حنین سے آپ نے کیا کہا اس نے مما سے کیا کہا اس سے لاعلم ہوں۔ میری زندگی میں کوئی تھی نہیں مجھے شادی مما کی پسند کی لڑکی سے ہی کرنی تھی۔ اس لیے مما کی پسند سے آپ سے شادی کرلی۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔'' اس نے رونا بھول کر حیرانگی سے خود کو تکتی ماہ لاج کا ہاتھ پکڑا تھا اور وہ اسی حیرانگی کے عالم میں دوبارہ بیڈ پر آبیٹھی تھی۔

''کیونکہ میں اپنی فیلڈ میں نام بنانا چاہتا تھا، یہ میرا پروفیشن سے زیادہ میرا جنون میرا عشق ہے، میں سوچتا تھا کہ شادی ہوئی تو میری توجہ اس پر کم نہیں ہوگی تو بھی مجھے توجہ کم کرنی ہی پڑے گی۔ بس اس لیے میں شادی سے اس کی ذمہ داریوں سے خائف رہا اور اپنے پیشن میں ڈوبا کبھی یہ سوچ سمجھ نہ سکا کہ کوئی میری توجہ کا، میرے اظہار، میرے پیار کا منتظر ہے۔'' اس کے خوب صورت لبوں پر مسکان آن ٹھہری تھی وہ جو اس کو دیکھتی توجہ سے سن رہی تھی یکدم نگاہ جھکا گئی تھی۔

''آپ سے شادی نہ کرنے یا آپ سے منگنی کے بعد رابطہ نہ کرنے کے پیچھے صرف میرا پیشن تھا، نہ کوئی اور وجہ۔ آپ کو بے شک پسند مما نے کیا ہے مگر میں آپ کو ناپسند نہیں کرتا، اگر ایسا ہوتا تو میں شادی نہ کرتا کہ میں بہت اچھا ہوں مگر اتنا بھی نہیں کہ زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ صرف فرمانبرداری کی نذر کردوں۔'' وہ اس کے حیا سے سرخ پڑتے چہرے کو دلچسپی سے دیکھتا معنی خیزی سے بولا تھا اور اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی تھی، وہ بے چینی سے لب چبانے لگی تھی۔

''آپ مجھے اپنے لیے ہر لحاظ سے پرفیکٹ لگی تھیں۔ اسی لیے آپ کو شریکِ سفر بنایا ہے اور مجھے سچ کہوں تو آپ سے محبت نہ پہلی ملاقات میں ہوئی نہ منگنی کے بعد ہاں مگر اب لگتا ہے کہ حق سے رو رو کر لڑتی اپنی معصوم شریکِ حیات سے مجھے محبت ہونے لگی ہے۔'' اس کے انداز میں شوخی، لبوں پر مسکان اور نگاہ میں سچائی تھی، ماہ لاج سے وہ کئی بار ملا تھا مگر اس کے لیے کسی قسم کی فیلنگز محسوس نہ کی تھیں اور اب لگتا تھا کہ وہ ہر احساس پر ہی غالب آگئی تھی۔

''ہاں آپ پہلے کہہ دیتیں کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے تو شاید یہ محبت میرے دل میں بھی پہلے ہی جنم لے چکی ہوتی۔'' وہ اسے شانوں سے تھام کر اپنے قریب کرتا سرگوشی میں بولا تھا اور وہ حیا سے کٹ کر رہ گئی تھی کہ اس کی خاموشی سے جتنی اذیت میں تھی اس کے انکار کا سن کر جو تکلیف ہوئی تھی بس اسی سب کی وجہ سے وہ اتنی جذباتی ہوگئی تھی اس نے تو شادی سے بھی انکار کیا تھا لیکن ماہ کنعان نے اسے ڈانٹ کر چپ کروا دیا تھا اور وہ ہزار خدشے اور بدگمانیاں لے کر جب اس کے سنگ رخصت ہوکر آئی اس کی سیج سجائے اس کی کئی گھنٹے منتظر رہی اور جب وہ نہ آیا تو اس کا صبر بکھرتا چلا گیا تھا مگر اس کا پہلے ہی موڑ پر اظہار کردینا ان کے رشتے کے لیے اچھا ہی ثابت ہوا تھا۔ وہ بدگمانی کے حصار سے نکل آئی تھی اور اب حیا سے لب کچلتی اس کی مسکراتی نگاہوں سے بچنے، چھپنے کی راہ ڈھونڈ رہی تھی لیکن اس نے اس کی ساری راہیں مسدود کردی تھیں اور بہت نرمی اور پیار سے بھرپور استحقاق سے اپنے شرعی رشتے کی بنیاد رکھ دی تھی اور جن بنیادوں میں محبت، عزت اور حقوق و فرائض کی ادائیگی کا احساس رکھا جائے وہ زندہ جاوید رہتی ہیں جنہیں ہلایا نہیں جاسکتا۔

☆......☆

''ساری سبارک بادیں اکیلے ہی دصولتا رہے گا یا مجھے بھی تو سبارک باد دے گا۔'' سرشار خوشی سے جگمگاتے فیصل کے چہرے کو دیکھ اُس نے متبسم لہجے میں شکوہ کیا تھا۔

''تجھے کس بات کی سبارک باد دوں؟'' وہ مسکراتے ہوئے انجان بنا تھا۔

''آفٹر آل میں چاچو بن گیا ہوں۔'' اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر شوخی سے اسے چھیڑا تھا۔

''بیٹا چاچو، نہیں تایا بھول گیا یونیورسٹی میں تو مجھ سے دو سال سینئر تھا۔'' فیصل نے بشاشت سے اس کی بات کاٹی تھی اور وہ بے ساختہ ہی قہقہہ لگا بیٹھا تھا۔

''اوہوں مگر میری جان تو نے اپنا گریڈ خود ہی کم کرلیا ہے۔'' وہ متبسم سے کہہ گیا تھا اور جبھی پرائیویٹ روم سے بچی خوشی کا احساس چہرے پر سجائے مہوش بیٹے تک آئی تھیں مگر فیصل سے پہلے ہی ماہِ کنعان گلابی کمبل میں لپٹی بے تحاشہ پیاری سی بچی کو ہاتھ بڑھا کر بازوؤں میں لے گیا تھا اور اس نے پیشانی چوم کر اسے دیکھا تھا۔

''یہ ہم سب کی مصفرہ ہے اور جو تجھے پاپا اور مجھے بڑے پاپا کہے گی۔''

وہ بہت خوش و مسرور تھا اور اس نے اس بچی کو خود ہی نام دیا تھا۔ ایک بار پھر اس کی پیشانی چوم کر بچی اس کی طرف بڑھائی تھی جو مسرور سا کھڑا اپنے آپ کو بہت معتبر سا محسوس کررہا تھا۔

''کنعان! یہ کتنی پیاری سی ہے۔'' وہ اپنی ننھی سی پری کو دیکھتا بھیگتے لہجے میں بولا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ مہوش نے بھی ماشاءاللہ کہا تھا۔

''اللہ اس کے نصیب اچھے کرے، دنیا کی ہر راحت عطا فرمائے۔'' انہوں نے پوتی کو پہلی دعا دی تھی۔ ان سب نے دل سے آمین کہا تھا۔

☆......☆

''فیصل! ہم نے جو نام سوچا تھا اس کا کیا بنا؟'' کسی کو بھی ماہِ کنعان کے رکھے نام پر کوئی اعتراض نہ تھا یہاں تک کہ فیصل کو بھی نہیں مگر سیرا کو یہ سب جان کر صدمہ سا پہنچا تھا کیونکہ وہ مشترکہ طور پر پہلے ہی اپنے بچے کا نام سوچ چکے تھے۔

''یار! جانتی ہوناں میں کنعان کی کسی بات سے انکار نہیں کرپاتا اور اس نے اتنے مان سے اپنی بھتیجی کا نام رکھا ہے اعتراض کی گنجائش ہی نہیں ہے اور ویسے بھی مصفرہ نام تو کتنا خوب صورت پیارا سا ہے۔'' وہ اس کے خوب صورت روشنی بکھیرتے چہرے پر خفگی کا تاثر دیکھ کر نرمی سے بولا تھا۔

''ہم نے جو نام سوچا تھا وہ بھی خوب صورت اور پیارا ہے فیصل۔'' وہ منہ بنا کر بولی تھی اور وہ مسکرادیا۔

''تمہیں مصفرہ نہیں پسند، تم وہ کہہ لینا جو ہم نے سوچا تھا جو تمہیں پسند ہے۔'' اس نے دلکشی سے کہہ کر تمام توجہ بیٹی کی جانب مبذول کردی تھی جو سوتے ہوئے بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔

''اور آپ؟'' اس نے خفگی سے اسے دیکھا تھا۔ اس نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکرا کر بیٹی کو دیکھنے لگا۔

''آپ میرے خلاف تو جاسکتے ہیں، اپنے دوست کے نہیں، اس لیے آپ مصفرہ ہی کہیں گے۔'' اس نے ناراضی سے کہہ کر تکیہ اُس کے کاندھے پر مارا تھا۔ اب وہ اس کی جانب متوجہ ہوگیا تھا۔

''ہاں مجبوری ہے ناں یار! تم سے تو چند سالہ محبت ہے اور کنعان سے پورے گیارہ سال کا یارانہ ہے۔

اب سنیارٹی کا بھی تو خیال رکھنا پڑتا ہے۔'' وہ اس کو مسرور سا چھیڑ رہا تھا اور وہ خفگی سے دیکھتی اس کے مسکرانے پر مسکرادی تھی۔

''ناراض تو نہیں ہو؟'' نرمی سے استفسار کیا تھا۔

''نہیں میں آپ کی خوشی میں خوش ہوں۔'' وہ سادگی سے سچائی سے پُر لہجے میں بولی تھی اور وہ مطمئن سا مسکرادیا تھا۔

☆......☆

''اسجد! میں نے آپ کو معاف کیا۔'' اسجد عالم نے آواز پر اسے دیکھا جو لان میں اس سے قدرے فاصلے پر ٹھہری تھی۔ وہ اسے دیکھے گیا۔ گلابی کاٹن کے ڈھیلے ڈھالے سوٹ میں بڑی سی کشمیری چادر میں اپنے پھیلے وجود کو چھپائے اپنی تمام تر سادگی اور چہرے پر نرمی و ملائمت لیے اس کے سامنے تھی اور اسے اب تک اس کے کہے پر یقین نہیں آیا تھا۔

''تم...... تم نے مجھے معاف......'' وہ بے ربط ہوا تھا۔ وہ اپنی ازلی سادگی سے مسکرادی تھی۔

''میں آپ کو بہ حیثیت عورت تو کبھی معاف نہیں کرسکتی اسجد! میں اپنی نسوانیت کی تذلیل تو مر کر بھی نہیں بھول سکتی۔'' اس کی مسکراتی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی اور وہ نظر چرانے پر مجبور ہوگیا تھا۔

''میں نے اسجد عالم! آپ سے بے پناہ، بے انتہا محبت کی ہے۔'' اس نے یکدم اس پر نظر اٹھائی تھی اور وہ اس کے دیکھنے پر بھیگی پلکوں سے مسکرادی تھی۔

''میں اپنی تذلیل نہیں بھولتی اور میری محبت کسی تذلیل کسی دکھ کو نہیں مانتی، اس لیے میں نے آج آپ کو اپنی محبت کے لیے اپنی آنے والی اولاد کے لیے معاف کردیا ہے کہ میرے دل پر محبت کے بوجھ ہی کچھ کم نہیں ہیں، میں اپنی محبت کو پریشان، ملال میں ڈوبا چھوڑ کر اس دنیا سے چلی جاؤں، اس لیے میں نے آج آپ کو اپنی محبت، اپنی ممتا کے لیے معاف کردیا ہے۔ میرے بعد میرے موحد کا خیال رکھیے گا۔'' وہ رو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مگر بلا کا سکون تھا جب کہ وہ بے سکون ہوگیا تھا۔

''یہ کیسی فضول باتیں کررہی ہو، مائدہ؟'' اس نے اسے نہایت ناپسندیدگی و ناگواری سے ڈپٹا تھا۔

''کچھ فضول نہیں کہا میں نے اسجد! میں موت کی آہٹیں بہت قریب سے سن رہی ہوں۔'' اس کے اطمینان میں فرق نہ آیا تھا مگر اس کے اطمینان میں ضربیں سی پڑ گئی تھیں۔

''مائدہ؟'' اس نے اسے ٹوکنا چاہا تھا۔

''جینے کی خواہش تو کب کی دم توڑ چکی تھی اسجد! اب بس رسم پوری ہونے کو ہے مگر میں اپنے بیٹے کی طرف سے اطمینان کیے بغیر نہیں مرنا چاہتی، نہ آپ نے مجھے کچھ دیا نہ میں نے آپ سے کچھ طلب کیا مگر میں آج آپ کو معاف کرکے اپنے بیٹے کے لیے توجہ، محبت اور شفقت مانگتی ہوں۔ میرے بعد میرے موحد کا بہت خیال رکھیے گا اسجد!'' وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ درد و تکلیف پر ضبط کرتی کہہ رہی تھی اس پر ثابت کررہی تھی وہ اپنے بیٹے کے لیے سارے فیصلے پہلے ہی لے چکی تھی۔

''مائدہ! اس ساری بکواس......''

''میں کچھ بکواس نہیں کررہی اسجد! میں جانتی ہوں میرے پاس بہت زیادہ وقت نہیں بچا اور میں اس گھر میں اپنوں کے مجبور کرنے پر لوٹی تو صرف اپنے آنے والے بچے کے لیے کہ میں نہیں چاہتی تھی، میرا بیٹا اپنے

باپ کے سائے سے محروم رہے۔ میں تو جب کہ اس بچے کو چاہتی بھی نہیں تھی مگر میں نے اسے اللہ کی رضا جانا اور جس دن میں نے اپنے بچے کو اللہ کی رضا سمجھا، اس دن ہی اللہ نے میرے دل میں میرے بچے کے لیے محبت اور ممتا ڈال دی اور میری ممتا، اپنی اولاد کو بے آسرا چھوڑ کر جانے کو نہیں راضی اگر آپ نے مجھے محبت نہ سہی، عزت ہی دی ہوتی تو میں سکون سے مرجاتی لیکن آپ کا رویہ میرے مرنے کی راہ میں جیسے رکاوٹ ہے اس لیے آج اس ماں کو ایک وعدہ سونپ دیں کہ اس کی اولاد کو آپ محبت اور عزت دیں گے، اس کی ماں کو تو آپ نے محروم رکھا، اسے اپنی شفقت سے محروم نہیں رکھیں گے پلیز اسجد! صرف ایک وعدہ سونپ دیں آپ میرے موحد کا خیال رکھیں گے۔'' وہ اب شدتوں سے رو رہی تھی۔ تکلیف اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی، اس سے کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا تھا اور وہ جو اس کی ہر بات پر زمین میں خود کو گڑھتا محسوس کر رہا تھا اس کے مرنے مرنے کی گردان پر اپنے اندر تکلیف اترتی محسوس کر رہا تھا اس کی بدلتی رنگت اور ڈولتے وجود کو دیکھ کر وہ اس کی طرف بڑھا اور اسے کاندھوں سے تھام گیا تھا۔

''اسجد پلیز! بتایئے ناں آپ رکھیں گے ناں میرے موحد کا خیال؟'' وہ درد سے بے حال ہو رہی تھی مگر اس کی سوئی جیسے اٹک گئی تھی۔

''میں تمہارا شکر گزار اور احسان مند ہوں کہ تم نے کسی بھی سوچ، کسی بھی سبب مجھے معاف کر دیا ہے اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہمارے بیٹے کا بہت خیال رکھوں گا، ہم دونوں مل کر اس کا خیال رکھیں گے، اس کی اچھی تربیت کریں گے۔'' وہ اس کو شانوں سے تھامے کہہ رہا تھا اور وہ بے بس سی محض مسکرا دی تھی۔ اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں موت کی آہٹیں، کچھ کھونے کا احساس اور تشنگی سی تھی، اس نے نہ جانے کس احساس و جذبے کے تحت اسے خود سے لگا لیا۔

''مائدہ! میں نے تم سے محبت نہیں کی، تمہیں عزت بھی نہیں دی مگر میرا یقین کرو کہ میں نے چاہے کیسے ہی لفظوں کا استعمال کر کے تمہیں زخمی کیا ہو مگر میری نیت خراب نہ تھی، اس شب میں نے تمہیں مردانگی کے زعم میں یا ہوس کے لیے نہیں چھوا تھا۔'' وہ اس کی حرکت پر ساکت تھی۔ اس کے لفظ اسے بے یقین کرنے لگے تھے مگر اس کی آنکھوں میں جو اس نے دیکھا تھا اس کے بعد اس نے سوچا اگر آج بھی کچھ نہ کہا تو بہت دیر ہو جائے گی کہ وقت ابھی اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ وقت کی لگام ہاتھ میں تھامے اظہار کی منزل طے کرتا جا رہا تھا۔

''تم میری بیوی تھیں۔ تمہاری موجودگی فطری جذبوں کو جگا دیتی تھی مگر میں تمہیں دھتکار چکا تھا۔ تم پہل کر نہیں سکتی تھیں اور میں نے صرف خود کو برتر ثابت کرنے کے لیے تم پر زبردستی حق جتایا، میں تمہیں اہمیت نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں بہت کم ظرف ہوں۔ میں نے صرف اپنے بارے میں سوچا، تمہارے بارے میں نہیں سوچا۔ تمہارے جذبات کا خیال نہیں کیا مگر آج تمہارے ظرف کے آگے ہار گیا ہوں۔ اس لیے اعتراف کرتا ہوں کہ غلط تم نہیں میں تھا۔ غلطی میری سوچ، میری نیت کی نہیں میری انا میرے عمل کی تھی۔ میں زیر بار ہو کر نہیں زیر بار کر کے جینا چاہتا تھا مگر احساس ہو گیا ہے کہ رشتوں میں، محبت میں ہار تو ہوتی ہی نہیں کمتر، برتر نہیں ہوتا، اس لیے آج میں اپنی شکست قبول کرتا ہوں۔ تم اپنے ذہن و دل سے یہ بات نکال دو کہ میں نے اس شب تمہیں بیوی نہیں سمجھا تھا، میں اتنا نہیں گر سکتا مائدہ! تمہارے ساتھ اتنا کچھ غلط کرنے کے باوجود بھی میں اس حد تک برا اور نفس پرست نہیں ہوں۔'' وہ اس کو خود سے لگائے رو رہا تھا اور اس کی

سسکیاں اسے بے چین کرنے لگی تھیں۔ وہ بھی تو زیر بار ہو کر نہیں زیر بار کر کے جینا چاہتی تھی۔ اس کے دھتکارنے کو اس نے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا، اس کی نگاہ کا ٹھٹکنا ٹھہرنا تو محسوس کرتی رہی تھی مگر انجان بنی رہی اس سوچ کے ساتھ کہ آج بے قرار ہے تو خود چل کر آئے گا مگر آدم کا بیٹا حوا کی بیٹی تک آیا ضرور مگر اپنے ہی انداز میں کہ مرد عورت کے سامنے خود کو نہیں جھکاتا خاص کر اس عورت کے سامنے جسے ایک بار نہیں کئی بار ٹھکرایا ہو۔''

''آئی لو یو اسجد!'' وہ شدتوں سے روتی کہہ اٹھی تھی اور وہ کچھ مزید کہنا چاہتا تھا مگر اس کی بگڑتی حالت نے اسے موقع نہ دیا اور وہ اسے لیے اسپتال دوڑ گیا۔ سب ہی اس کے لیے اس کے بچے کی زندگی کے لیے دعا گو تھے۔ وہ ارحم کی شادی سے ایک ماہ پہلے سے احسن ہاؤس میں تھی۔ فریدہ نے کہہ دیا تھا کہ وہ ڈلیوری تک وہیں رہے گی۔ وہ اس سے اکثر ملنے آجاتا تھا اور آج جب وہ واپس جا رہا تھا تو اس کی آنکھوں میں بے بسی اور شرمندگی مائدہ سے برداشت نہ ہوئی اور اس نے جاتے ہوئے اسجد کو روک کر اسے معافی نامہ سونپ دیا۔ اسجد نے بھی غنیمت جانا اس سے ذہن و دل کی ہر بات انا کو بالائے طاق رکھ کر کہہ دی، جتنی اذیت میں تھا اسے یہی مناسب لگا تھا کہ وہ خالی خولی انا کو چاٹنے کے بجائے اس کے حصار سے نکل کر بات کلیئر کرے اور اذیت سے باہر نکل آئے۔ وہ خود کو بہت پرسکون محسوس کر رہا تھا مگر اندر ہی اندر ایک بے چینی سی سر اٹھا رہی تھی اور اس کی بے چینی اور مائدہ کا یقین رنگ لے آیا تھا۔ نرس نے بہت خوب صورت گول مٹول بچہ اسے لا کر دیا تھا اور وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

''ہم آپ کی مسز مائدہ عالم کو نہیں بچا سکے۔'' وہ سب ساکت رہ گئے تھے۔ قیامت سے پہلے ان پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

☆......☆

''ارحم!'' کمرہ مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے کمرے میں داخل ہو کر لائٹس آن کی تھیں اور اس کو صوفے پر ساکت بیٹھے دیکھ کر اس کا دل کٹ کر رہ گیا تھا اور وہ نم ہوتی پلکوں کے ساتھ سست روی سے چلتی اس کے برابر ٹکتی گلو گیر لہجے میں اسے پکار گئی تھی مگر اس کی پوزیشن میں ذرا برابر فرق نہ آیا تو اس نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا، اس نے چونک کر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور نگاہ جھکا دی۔

''ارحم! سنبھالیں خود کو یہی مشیتِ ایزدی تھی، زندگی اور موت تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مائدہ آپی کی زندگی ہی اتنی تھی۔'' وہ اس کی سرخ نگاہوں پر تڑپتی روتے ہوئے دکھی لہجے میں بولی تھی۔

''مجھے انکار نہیں ہے کسی بھی بات سے ماہ لاج! لیکن مائدہ کی موت کا ذمہ دار صرف میں ہوں۔ وہ بہت تکلیف میں تھی کسی بھی صورت میں اسجد کی زندگی میں واپس نہیں جانا چاہتی تھی لیکن میں نے اس کی بھلائی کے خیال سے اس کو لوٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ میں یہ اس کی کیسی بھلائی چاہتا تھا ماہ لاج کہ اس کی خوشیاں ڈھونڈتے ڈھونڈتے اسے ہی کھو دیا۔ ہم نے اس کی خوشیوں کی چابی ایک غلط انسان کو سونپ دی تھی اور اس نے ہماری مائدہ کی خوشیوں کو ہی مقفل کر کے چابی کہیں دفنا دی اور اسی چابی کی تلاش میں آج میں خود اپنی بازوؤں پلی بہت پیاری بہت معصوم بہن کو منوں مٹی تلے دفنا آیا ہوں۔'' وہ کہتے کہتے پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔ وہ تڑپتی بلکتی ماں اور ضبط سے گزرتے باپ کو دیکھ کر خود ایک چٹان بن گیا تھا۔ جو ذرا سے سہارے پر چیخ گئی تھی۔ مائدہ مر تو پہلے ہی گئی تھی بس وہ لوگ اسے دفنا کر آج آئے تھے۔ اسے زندگی سے کوئی محبت نہ رہی

تھی اور وہ اس سنگدل، بے مہر شخص کی اولاد کو دنیا میں لانے کے عمل سے گزرتی جان سے ہی گزر گئی تھی۔ اس کی زندگی ہی اتنی تھی لیکن ایک احساسِ زیاں اور ایک احساسِ جرم ان سب سے آن چمٹا تھا جس سے رہائی ممکن نہ تھی کہ وہ محبت کے سفر سے گزرتی موت کا سفر طے کر گئی تھی۔

جو رکے تو کوہِ گراں تھے ہم
جو چلے تو جاں سے گزر گئے

اسجد عالم جو پشیمان تھا اس کی پشیمانی تا قیامت قائم رہنی تھی اور اس کو اس کے کیے کا احساس دلانے کو تو موحد عالم کا بھی وجود کافی تھا۔ اس نے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر اپنے عمل پر پچھتاتا تھا۔ جانے والے کو آوازدیتی تھی لیکن سب بے سود ثابت ہوتا تھا۔ انہی تکلیف دہ دن و رات میں مائدہ کے فیصلے کے سبب نوید عالم نے نہ چاہتے ہوئے بھی یسریٰ کو کاشانہء عالم آنے کی اجازت دے دی تھی۔ سب اپنی اپنی زندگی میں سیٹ ہوتے جا رہے تھے کہ جانے والے تو چلے گئے تھے اور کسی کے چلے جانے سے خلا ضرور آتا ہے مگر زندگی نہیں رکتی۔

☆......☆

"فیصل! ڈیڈ کی موت کا ذمہ دار صرف میں ہوں۔" اس کی آنکھیں شدتِ گریہ سے لہو رنگ ہو رہی تھیں۔

"انکل کی موت کے ذمہ دار تم نہیں ہو، ان پر کرپشن کے بہت سے چارجز تھے۔ انہیں تو سزا ملنی ہی تھی تم نے قانون کی مدد کر کے ایک برائی کو ختم کیا ہے۔" فیصل کی جگہ جواب اندر داخل ہوتے ہوئے ارحم الحسن نے دیا تھا وہ اس وقت ڈی ایس پی لگ رہا تھا۔ اس کا انداز خالصتاً پیشہ وارانہ تھا وہ پولیس یونیفارم میں بہت دلکش لگ رہا تھا۔

"جس طرح تم نے قانون کی مدد کی۔ انہیں سمجھا کر ان کو قانونی گواہ بنا کر ان کی سزا کم کروائی جا سکتی تھی مگر انہوں نے ہمت ہی ہار دی۔" وہ کیپ ٹیبل پر رکھتا صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ فیصل کے کہنے پر اس نے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا اور نامحسوس طریقے سے خفیہ انداز میں ساری معلومات اکٹھی کی تھیں اور اس سب میں ڈی ایس پی ارحم الحسن نے اس کی مدد کی تھی۔ اس کی دی معلومات پر کام کرتے ہوئے ڈی ایس پی ارحم الحسن نے ذوالفقار عابدی اور ان کی پارٹی کے لوگوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ ان پر کرپشن کے چارجز تھے۔ ان کی کتنی ہی جائیداد بحقِ سرکار ضبط ہو جانے کا امکان تھا۔ کتنی ہی پراپرٹی تو سیل کر دی گئی تھی مگر انہوں نے کیس چلنے کی نوبت ہی نہ آنے دی اور مر گئے تھے۔ آج ان کا سوئم تھا ماہ لقا یکدم ہی سب کچھ بکھر جانے پر ٹوٹ گئی تھیں۔ ذوالفقار عابدی سے انہیں محبت تھی مگر وہ بیٹے سے ناراض نہ تھیں۔ انہیں احساس ہو گیا تھا برائی کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔ ماہ لاج مگر ارحم سے ہی نہیں ماہِ کنعان سے بھی ناراض تھی۔

"ارحم بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں کنعان! جو ہو گیا ہے ویسے بھی لوٹایا نہیں جا سکتا۔ تم نے تو ویسے بھی ملک وقوم کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ برائی ختم نہیں ہوئی مگر چند لوگ تو حوالات تک گئے ہیں۔ سزا کاٹ رہے ہیں اور بہت ممکن ہے کہ ان کا انجام کسی کے لیے مشعلِ راہ بن جائے۔" فیصل نہایت سنجیدگی سے بولا تھا۔

"تم سب کا کہنا درست ہے میں اپنے کیے پر نادم نہیں ہوں، اپنے عمل سے مطمئن ہوں مگر ذوالفقار عابدی جیسے بھی تھے میرے باپ تھے اور باپ کو کھونے کا غم تو ایسا ہے کہ پوری زندگی پر محیط رہے گا۔ خیر آپ لوگ بیٹھیے میں فریش ہو کر آتا ہوں۔" سنجیدگی سے کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

"میں بیٹھوں گا نہیں پولیس اسٹیشن سے آ رہا ہوں گھر جا کر آرام کروں گا۔ ملازمہ سے کہہ کر لاج کو بلوا دو تاکہ ہم جائیں۔" وہ اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

"لاج! مجھ سے ہی نہیں تم سے بھی ناراض ہو گئی ہے، ڈیڈ کی اچانک موت نے تو ہم سب کو ہی ہلا کر رکھ دیا ہے۔ وہ اسے ایکسپٹ کر ہی نہیں پا رہی۔ نرمی سے اسے منا لینا کہ تم نے تو محض اپنا فرض ادا کیا ہے اور یہ وہ کچھ دیر سے ہی سمجھ ضرور لے گی۔" وہ افسردگی سے کہتا نکلا لاج حنین و سمیرا وغیرہ کے ساتھ وہیں آ گئی تھی۔

"ارحم! تمہیں لینے آیا ہے۔" اس نے زرمین کے ساتھ کھڑی بہن سے کہا تھا۔

"مگر مجھے ان کے ساتھ نہیں جانا ہے۔" اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

"ڈیڈ کے جانے کا مجھے بھی دکھ ہے لاج! مگر ڈیڈ کو ہم سے ایسے ہی بچھڑنا تھا اس کے لیے تم ارحم سے ناراض نہ ہو، تمہیں تو اپنے شوہر پر فخر ہونا چاہیے کہ یہ ایک ایماندار آفیسر ہے جس نے رشتوں پر فرض کو وطن کی محبت کو اولیت دی۔" اس نے بہن کو کاندھے سے لگا کر اس کا سر تھپکا تھا۔ وہ بری طرح رونے لگی تھی۔

"میں آپ سے اور ارحم سے ناراض نہیں ہوں۔ لیکن آپ لوگوں نے بہت اچھا کر کے بھی بہت برا کیا ہے۔ ڈیڈ اچھے انسان نہیں تھے۔ وہ بہت اچھے پکے سیاست دان تھے۔ انہوں نے ملک وقوم کی جڑیں کمزور کرنے والوں کا ساتھ دیا۔ وہ بہت برے تھے۔ لالہ جان مگر ہمارے ڈیڈ تھے۔ ان کی موت کو میں قبول نہیں کر پا رہی۔ آپ نے اور ارحم نے فرض نبھا کر بہت اچھا کیا لیکن ڈیڈ نہیں رہے کیوں ڈیڈ ملک دشمن عناصر کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ کیوں انہوں نے برائی کو اپنایا۔ آپ کے، میرے، مام کے بارے میں نہیں سوچا ان کے بعد ہمارا کیا ہوگا۔" وہ اس کے کاندھے سے لگی بری طرح بلک رہی تھی۔ اس کا رونا ان سب کی آنکھیں نم کر گیا تھا۔ ماہِ کنعان میں تو اسے دلاسہ دینے کی ہمت ہی نہیں رہی تھی۔ فیصل نے ہی اسے آگے بڑھ کر اس سے الگ کر کے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے دلاسہ دیا تھا۔ کمرے کی فضا بوجھل ہو گئی تھی وہ روتے ہوئے افسردہ ہو جانے والے ارحم کے ساتھ نکلی تھی۔ ان دونوں کے پیچھے ہی وہ چاروں بھی نکل گئے تھے۔ ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس نے اچٹتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی تھی جواب تک رو رہی تھی مگر اس نے راستے میں اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور گیراج میں گاڑی رکتے ہی وہ یوں اتر کر بھاگی تھی۔ جیسے جیل سے قیدی بھاگتا ہے۔ وہ ایک گہری سانس کھینچتا جس وقت کمرے تک پہنچا روم لاکڈ تھا اس نے لب بھینچ کر دستک دی تھی مگر دروازہ ہنوز بند رہا تھا۔ اس نے غصے سے ملازمہ کو آواز دی، تب ہی فریدہ بھی وہیں چلی آئیں اور ان کے استفسار پر وہ کچھ ان سے چھپا نہیں سکا تھا۔

"جب ہم لوگ ماہ ولاز سے واپس آ رہے تھے ہم نے لاج کو ساتھ آنے کا کہا تھا مگر اس نے منع کر دیا تھا۔ اس لیے میں نے تم سے کہا تھا کہ تم پولیس اسٹیشن سے واپسی میں اسے لیتے آنا۔" وہ ساری بات سن کر بولی تھیں۔ سوئم میں وہ سب ہی گئے تھے مگر کال آ جانے کے سبب وہ فاتحہ کے بعد وہاں سے چلا گیا تھا۔

"مما! میں نے غلط تو کچھ نہیں کیا ہے۔ پھر لاج میرے فرض کی راہ میں کیوں آ رہی ہیں؟" انہوں نے بیٹے کے انداز میں دبا دبا غصہ محسوس کیا تھا۔

"وہ تمہارے فرض کی راہ میں نہیں آ رہی بیٹا! بس اپنے دل سے مجبور ہے۔ ایسا ہوتا تو وہ ایکسپٹ نہ کرتی کہ جو ہوا صحیح تھا۔ اس کا غم بہت بڑا ہے۔ اسے سہارے کی ضرورت ہے۔ نرمی سے اسے اس فیز سے نکال لو کہ یہ بھی تمہارا فرض ہے۔ نوکری کے فرائض تو تم نے پورے کر لیے۔ اب گھریلو فرائض کی باری ہے۔ وہ تم

سے ناراض ہے یا بدگمان ہو رہی ہے تو اسے منا لو کہ وہ اپنے شوہر سے نہیں ایک ایماندار آفیسر سے ناراض ہے۔ ہوتا ہے ناں کہ جب ہمارے کسی پیارے کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں سب کچھ برا لگنے لگتا ہے۔ ہم اللہ سے بھی شکوہ کر جاتے ہیں تو پھر تم تو ایک انسان ہو لاج کے شکوے دور کر دو، اسے ڈھارس دو، اس کا سہارا بن جاؤ۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے نہایت نرمی سے سمجھایا تھا۔

''موقع دے آپ کی بہو تب ہی تو کچھ کروں گا ناں، محترمہ روم لاکڈ کر کے بیٹھ گئی ہیں۔'' وہ بیٹے کے منہ بنانے پر ہنس دی تھیں۔

''میں تمہارے کمرے کی ڈپلیکیٹ چابی لا دیتی ہوں۔'' ان کے چھیڑنے والے انداز پر وہ جھینپ گیا تھا اور جس وقت وہ کمرے میں آیا وہ نماز پڑھ رہی تھی۔ اس لیے وہ فریش ہونے چلا گیا تھا۔

''اپنے مجازی خدا کو کمرے سے نکال کر خدا سے لو لگا رہی تھیں مگر یہ بھول گئی تھیں کیا مسز کے اللہ حقوق اللہ معاف کر دے گا مگر حقوق العباد نہیں اور بدتمیز، نافرمان بیوی جہنم میں جائے گی۔'' وہ جائے نماز رکھ کر مڑی تو وہ اس کے سامنے رکتے ہوئے اس کے سرخ متورم چہرے کو دیکھ کر بولا تھا۔

''آئی ایم سوری ارحم! بٹ میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔ اس نے نگاہ اٹھا کر نکھرے نکھرے ارحم الحسن کو نہیں دیکھا تھا۔

''سوری' تو آپ سے میں نے کرنی تھی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کو تکلیف دی مگر یقین کریں لاج! کہ میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا انکل اس طرح گزر جائیں گے کہ وہ آپ کے ہی نہیں میرے بھی فادر تھے۔ آپ جتنی نہیں مگر کچھ تو ان کی پرواہ مجھے بھی تھی۔'' وہ اس کا گرم ہاتھ تھام گیا تھا۔ کل سے اسے بخار تھا۔

''جانتی ہوں سب کچھ مانتی بھی ہوں مگر جس ہستی کو کھویا ہے اس کو کھونے کا احساس دست شفقت سے دور ہو جانے کا صدمہ مجھے کچھ بھی ماننے نہیں دے رہا۔ میں قائل نہیں ہو سکتی اس لیے مجھے کچھ وقت دیں۔ آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ بس حقیقت کو پوری سچائی سے تسلیم کرنے کا وقت مانگ رہی ہوں۔'' وہ ہاتھ چھڑا کر دور ہوتی بلکنے لگی تھی۔

''آپ کو جتنا وقت لینا ہے لیں مگر اتنا یاد رکھیں کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو مجھ سے برداشت نہیں ہوتے۔ آپ کی خاموشی بری لگتی ہے کہ مجھے تو اپنی وہی لاج اچھی لگتی ہے جو رو رو کر مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کرتی اپنے حق کے لیے لڑ رہی تھی۔'' وہ چند قدم چل کر اس بلکتی ہوئی لڑکی تک پہنچا تھا۔ جس نے اسے محبت کرنا سکھایا تھا۔ جس کو سوچنا جس کے ساتھ وقت گزارنا اسے اچھا لگتا تھا جو کام کے دوران خود کو فراموش کر دیتا تھا مگر وہ اسے یاد رہتی تھی اس کا دل گھر جانے کو کرنے لگا تھا اور اسے دیکھ کر اس کی ساری تھکن اتر جاتی تھی اس لیے اس کا رونا اس کی تکلیف میں ہونا اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

''میں آپ سے بہت سارا لڑنا چاہتی ہوں مگر کیسے لڑوں کہ پہلے میں حق پر تھی مگر اب حق پر نہیں ہوں ڈیڈ......'' وہ اور شدتوں سے رونے لگی تھی اس نے اسے آگے بڑھ کر خود سے لگا لیا۔

''بھول جائیں سب کچھ لاج! اور انکل کی مغفرت کی دعا کریں۔'' وہ اس کا رونا برداشت نہ کر پاتے ہوئے نرمی سے بولا تھا اس کی بات کاٹ دی تھی کہ وہ اسے تکلیف دہ موضوع سے ہٹا دینا چاہتا تھا۔

''اور آپ حق پر نہ ہوتے ہوئے بھی مجھ سے لڑ سکتی ہیں، آپ مجھ پر سارے حق رکھتی ہیں اور بہت رو چکیں۔ طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں، جا کر فریش ہو کر آئیں ورنہ اب میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گا۔'' وہ

اس کا مان بڑھا گیا تھا اور نرمی سے کہتے یکدم اس نے مصنوعی انداز میں دھمکی دی تھی۔

''آپ ناراض ہو جائیں گے تو میں آپ کو منا لوں گی۔'' وہ روتے روتے بولی تھی۔

''اوہو! آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں روٹھا اگر تو آپ آسانی سے منا لوگی؟'' وہ اس کے افسردہ متورم چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''جی! مجھے یقین ہے کہ میری محبت کبھی آپ کو روٹھنے نہیں دے گی اگر آپ روٹھے تو میری محبت آپ کو منا لے گی۔'' وہ یقین سے کہتی اسے بہت اپنی اور پیاری لگی تھی۔ وہ دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔ اس کے ساتھ میں وہ مطمئن اور خوش تھا اسے اپنی ماں کا فیصلہ درست لگتا تھا کہ انہوں نے اس کے لیے ایک اچھی لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔ وہ اس کو مسکراتے دیکھ کر بھیگی آنکھوں سے آسودگی کے مکمل احساس کے ساتھ مسکرا دی تھی، ارحم کو اس نے بہت چاہا تھا اور وہ اپنی چاہت کو اپنی سوچ سے بڑھ کر اچھا پا کر بہت خوش و مطمئن تھی۔

☆......☆

''آپ گھر آیا ہی نہ کیا کریں۔ اپنے دوست کے پاس ہی رہ جائیں۔'' مصفرہ کو سلا رہی تھی جب وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ اس پر نظر پڑتے ہی ناگواری سے بولی تھی، وہ تقریباً سات بجے کنعان کے ساتھ جانے کا بتا کر گھر سے نکلا تھا اور اب ڈیڑھ بج رہا تھا وہ اس کا انتظار کرتے سو گئی تھی۔ مصفرہ کے جاگنے پر کچھ دیر قبل ہی اسے بھی لامحالہ اٹھنا پڑا تھا۔

''اب تک تو تمہیں عادی ہو جانا چاہیے تھا۔'' وہ خفگی سے بولا تھا۔ اسے سیمرا کی یہ عادت پسند نہ تھی کہ وہ جاہل عورتوں کی طرح اس کے گھر میں آتے ہی شکوے لے بیٹھتی تھی۔

''اوہوں...... ہو جانا چاہیے تھا مگر میں ہی بے وقوف ہوں جو آپ کا انتظار کرتی رہتی ہوں۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''سوری، یار! بس کنعان کے ساتھ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا مگر آئندہ خیال رکھوں گا۔ یہ بتاؤ کھانا کھا لیا؟'' یکدم اسے اپنے لہجے کی بدصورتی کا احساس ہوا تھا وہ معذرت کرتا سوال نہیں کر گیا تھا بلکہ اسے مزید 'بھڑ' کا گیا تھا۔

''پہلے کبھی آپ کے بغیر کھانا کھایا ہو گا ناں، جو آج کھا لیتی۔'' غصے سے کہتی تکیہ برابر کر کے لیٹ گئی تھی اور وہ جو لیٹ چکا تھا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔ کھانے کا بھی کوئی وقت ہوتا ہے اور بہتر ہو گا اب سو جائیں۔ پہلے آپ کی بیٹی نے نیند خراب کی آپ مزید نہ کریں۔'' وہ دھیمی نہیں پڑی تھی۔ اس کا غصہ دیکھ کر وہ اٹھ کر کمرے سے نکل آیا تھا اور اس کی قسمت اچھی تھی کہ سحرش جاگ رہی تھی اور کچن میں کھڑی پانی پی رہی تھی۔ اس سے کھانا گرم کروا لیا تھا۔ اس نے اس کو شادی کی سالگرہ کی مبارک باد دی تو اسے اس کا ری ایکشن یاد آیا کہ اس طرح ری ایکٹ وہ نہیں کرتی تھی اور آج بے سبب نہیں کیا تھا کہ وہ اپنی شادی کی سالگرہ ہی فراموش کر گیا تھا۔ اسے کنعان پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس نے اسے فون کر کے بے نقط سنائی تھیں اور اس نے خاموشی سے سن کر اسے ڈن کر ڈالا تھا اور اس نے غصے سے لائن کاٹ دی تھی۔ اس سے بات کر کے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نے جو کیا اسے ستانے کو جان کر کیا تھا۔ تب ہی تو جیسے ہی وہ گھر جانے کی بات کرتا وہ کوئی نیا موضوع چھیڑ دیتا تھا۔ اس سے بعد میں بدلہ لینے کا سوچتا وہ ٹرے اٹھائے کمرے میں آ گیا۔ اس کو غصہ تو بہت تھا مگر وہ کھانا لایا

تو وہ شرمندگی سی محسوس کرتی خاموشی سے اُٹھ کر کھانا کھانے لگی تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ جب کافی کے مگ لے کر لوٹی تو حیران رہ گئی تھی کہ وہ بیڈ پر کیک رکھے، موم بتیاں جلائے اس کا منتظر تھا۔

"شادی کی دوسری سالگرہ مبارک۔" اس نے حیران کھڑی سمیرا کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"آپ کو یاد تھا؟" وہ اب تک بے یقین تھی۔

"دوپہر تک یاد تھا مگر کنعان نے باتوں میں ایسا اُلجھایا کہ بھول گیا۔ ابھی سحرش نے یاد دلایا ہے۔" اس نے نرمی سے اعتراف کیا تھا وہ اتنا ہی سچا تھا مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔

"اوہو! تو پھر یہ کیک؟" وہ اس کے سچائی سے کہنے پر مسکرائی تھی۔

"کنعان سے منگوایا ہے۔" اس نے مزے سے اپنا کارنامہ سنانا شروع کیا تھا، اس نے بے نقط سنائی تھیں اور اسے کیک لانے کا حکم جاری کر دیا تھا اور وہ بڑی فرمانبرداری سے محض 30 منٹ میں اسے کیک کینڈلز اور بوکے دے گیا تھا۔

"آپ نے خوامخواہ میں کنعان بھائی کو پریشان کیا۔" اس نے شرمندہ کرنا چاہا تھا۔

"اپنا بندہ ہے وہ اس کی رہنے دو اپنی بات کرو، تیار تو بڑے دل سے ہوئی ہو کیا کوئی خاص بات ہے؟" اس پر غور اب ہی کیا تھا۔ اس نے اسٹائلش سوٹ پہنا ہوا تھا اور میک اپ بھی کیا ہوا تھا وہ اس کے کہنے پر جھینپ گئی تھی اور پھر ان دونوں نے مسرور سے انداز میں کیک کاٹا تھا۔ وہ گزرے حسین لمحات کو یاد کرتے آنے والے ماہ و سال خوب صورت بنانے کی پلاننگ کرنے لگے تھے۔

☆......☆

"فضیل آپ بہت اچھے ہیں۔ آپ نے میری خامیوں، میری کمزوریوں کو کبھی نشانہ نہیں بنایا، ہمیشہ مجھے عزت و مان دیا۔" وہ اس کے خوبرو نرم نقوش والے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"تم میری محبت ہو زرمین! اور جس سے محبت ہو، اس کی خامی، کمزوری دکھائی نہیں دیتی۔ میرے نزدیک تم اس دنیا کی سب سے اچھی عورت ہو، تمہارا ساتھ میرے سکون اور خوشی کا باعث ہے اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں ہر سکھ، ہر دکھ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ اپنی زرمین کو اکیلا نہیں چھوڑوں گا، زندگی کے کسی بھی موڑ پر تم خود کو اکیلا نہیں پاؤ گی۔" وہ محبت لٹاتے لہجے میں بولا تھا۔

"آئی لو یو فضیل!" وہ اس کے سینے پر سر رکھتے ہوئے خوشی و اطمینان سے بھیگتے لہجے میں بولی تھی۔

اسے یقین ہو گیا تھا کہ زندگی کتنے ہی رنگ بدلے یہ شخص جو اس کا شریکِ حیات تھا اس پر مہربان ہی رہے گا۔ زندگی تو رنگ بدلتی ہی ہے کبھی خوشی کبھی غم، بس آپ کا ہمسفر آپ کو سنبھالنے والا آپ کا ساتھ نبھانے والا ہونا چاہیے اور اس کا ہمسفر ایسا تھا اس لیے وہ مطمئن سی مسکرا دی تھی، اسے اب کسی غم کی پرواہ نہ تھی اور فضیل فیاض اپنے سینے سے لگی اس پیاری سی لڑکی کو اپنے قریب پا کر مطمئن سا مسکرا دیا تھا کہ اس نے جو چاہا تھا وہ صبر اور حوصلے سے پا لیا تھا اس نے بہت دکھ دیکھے تھے، ہجر کاٹا تھا مگر اس کی سچی محبت اپنے نصیب میں وصل لکھوا کر لائی تھی، وہ اس کی چمکتی پیشانی پر لب رکھتا آسودگی سے رب کے آگے اپنا دل پورے سکون سے جھکتا محسوس کرنے لگا تھا کہ اسے اب کوئی غم نہ تھا۔

☆......☆

"مام! آپ کو حنین سے کوئی شکایت ہے؟" شادی کے اتنے عرصے میں آج پہلی دفعہ انہوں نے اس کو

کہا تھا۔ وہ حنین سے اپنا رویہ کچھ بدلے اور یہی بات اسے پریشان کر گئی تھی۔

"تم جانتے ہو کنعان! فضول میں عداوت پالنا، کدورت رکھنا میری فطرت نہیں۔ جب تم نے شادی کے لیے حنین کا نام لیا تھا تمہارے ڈیڈ سے زیادہ میں نے مخالفت کی تھی مگر اب سچائی سے کہوں تو بات اتنی سی ہے کہ تمہارا انتخاب بہت اچھا ہے۔" ماہ لقا کا سنجیدہ لہجہ اسے خوشگوار حیرت میں ڈال گیا تھا۔

"اُس کی پرورش اچھے ہاتھوں میں ہوئی ہے میرے ناروا سلوک کے باوجود اس نے آج تک مجھ سے بدتمیزی نہیں کی، مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ویسے بھی میرے لیے تمہاری خوشی زیادہ معنی رکھتی ہے۔" ذوالفقار عابدی کی موت کے بعد وہ کافی بدل گئی تھیں۔

"اور میں تمہاری خوشی کے ہی خیال سے چاہتی ہوں کہ تم اپنے رویے میں تبدیلی لاؤ، بیوی کی مانو مگر اپنی بھی منواؤ حد ہو گئی میرا ویل ایجوکیٹڈ بیٹا صرف ایک بے چارہ سا شوہر بن کر رہ گیا ہے۔" ان کا لہجہ آخر تک تلخ ہو گیا تھا۔ اس نے خفت زدہ ہو کر نگاہ چرا لی تھی۔ اس کی محبت میں شدت اور سب کچھ وارنے کا جذبہ صاف عیاں ہوتا تھا اور وہ تو ایک ہی گھر میں رہتی تھیں، خوب جانتی تھیں کہ ان کا بیٹا کیسے بہو کے آگے پیچھے پروانہ بن کر ڈولتا ہے۔ اس نے خاموشی سے ماں کی ہدایات سنی تھیں اور ان کے جاتے ہی آنکھیں موندھ لیں تھیں۔

"میری خوشی حنین کی خوشی سے وابستہ ہے۔ میں اس انداز میں خوش رہتا ہوں، جس حال میں وہ خوش ہوتی ہے میں نہیں چاہتا کہ اسے کبھی کسی قسم کا احساسِ زیاں ہو، اسی لیے اس کی "میں" کے لیے اپنی "میں" کو گزند پہنچا دیتا ہوں کہ عشق بھی تو اس سے میں نے کیا ہے تو عشق کے آداب بھی مجھے ہی بجا لانے ہوں گے۔" یہ سب سوچتے ہوئے اس کے لبوں پر بڑی ہی گہری دلکش مسکان سجی تھی۔ اپنی ہی جھونک میں آتی حنین اسے دیکھ کر بری طرح ٹھٹک گئی تھی اس کے دل نے ہارٹ بیٹ مس کی تھی۔ وہ بے خودی اس سراپائے عشق کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آہٹ وہ محسوس کر چکا تھا۔ اسے خود کو تکتا پا کر وہ مسکراتا ہوا اس کے سامنے آن ٹھہرا۔

"جانِ کنعان! ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا مجھ سے محبت ہو گئی ہے؟" اس کی آنکھوں پر لب رکھتے ہوئے دل سے مسکرایا تھا۔ وہ چھوئی موئی سی ہوتی نظر چراتی بھاگنے لگی تھی۔

"نگاہ چرا کر جاتی کہاں ہو جاناں! تمہارا ہی ہوں، حق ہے تمہیں مجھے دیکھنے کا دل کھول کر نظر بھر کر دیکھو۔" اس کی مرمریں کلائی تھامے کان کی لو چومتا بے باکی سے کہہ گیا تھا۔

"پلیز ماہ کنعان!" اس نے خود کو چھڑانا چاہا تھا۔

"تمہیں بے خودی سے خود کو تکتا پا کر مجھے بے حد اچھا لگا تھا مگر تمہیں اس بے اختیاری سے صرف اس لیے آزاد کر گیا کہ تمہاری نگاہ میں رہنے سے زیادہ تمہیں کسی صحیفے کی طرح اپنی آنکھوں میں سمائے رکھنا مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے۔" وہ اس پر جھکا اپنے عشق کی عجب منطق بیان کر رہا تھا۔ اسے چاہے جانے کی تمنا تھی۔ اس کا عشق تو لٹانے پر ایمان رکھتا تھا اور بس وہ اسیر چاہتیں، شدتیں نچھاور کیے جا رہا تھا بغیر کسی صلے و تمنا کے اور وہ اس سے بچنے کی چاہ میں اس سے ہی لگی اس کی شدتوں سے گھبراتی روہانسی ہو گئی تھی اور وہ استحقاق کی نئی داستانیں رقم کرتا چلا گیا تھا۔

☆......☆

"تم تو مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کر گئیں مگر مجھے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔" کئی بار کا کیا شکوہ اس نے

مائدہ کی قبر پر سرخ پتیاں بکھیرتے ہوئے پھر سے دہرایا تھا۔ اس دن اس نے سارے اعتراف کر لیے تھے۔ ایک اعتراف نہیں کر سکا تھا کیونکہ وقت کی لگام اس کے ہاتھ سے پھسل گئی تھی۔ وہ ہر لحاظ سے مطمئن تھا کہ اس نے اسے معاف کر دیا تھا مگر ایک تشنگی تھی کہ جس لمحے اس نے اسے معافی کا عندیہ دیا تھا اور وہ اس کی طرف بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔ اس لمحے کے نہ جانے کون سے حصے میں وہ اس پر اپنا دل ہار بیٹھا تھا۔ اسی مائدہ سے محبت کر بیٹھا تھا جس کو اس نے ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی اور دل میں جنم لینے والے احساس کا ہی کمال تھا کہ اس نے اپنی شکست قبول کر کے خود کو انا کے خصار سے نکال کر اس پیاری سی لڑکی کے زخم زخم جذبات پر زم اعتراف کی قبا ڈال کر اس کی ہر تشنگی مٹا ڈالی تھی۔ اپنی صفائی دیتا وہ شخص اسے یکدم زندگی کی نوید دے گیا تھا۔ مائدہ نے اس کے سینے سے لگے اس کے دل کی دھڑکن سنی تھی۔ اس کے دل نے جینے کی تمنا کر ڈالی تھی لیکن اس کی یہ تمنا ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ موت کا فرشتہ اپنے مقررہ وقت پر ہی آیا تھا مگر وہ جاتے ہوئے پرسکون تھی لیکن وہ اب پرسکون ہو کر بھی پرسکون نہ تھا۔ مائدہ کا خیال اسے اکثر بے چین کر دیتا اور اس کی بے چینی کو محسوس کرتی۔ یسریٰ منہ سے ایک لفظ نہیں کہتی کہ وہ محبت کے مسافروں میں سے تھی۔ اہلِ دل کی مجبوریوں کو سمجھتی تھی اگر اسجد عالم کی رات مائدہ کو یاد کرتے کٹتی تھی تو وہ اپنا تکیہ بھیگنے سے روک نہیں پائی تھی کہ وہ جانتی تھی، محبت خوشبو کا سفر ہے جو مائدہ کے دل سے ہوتا اسجد کے دل میں اتر گیا تھا اور جب مائدہ نے عشق کا عذاب جھیلا تھا تو وہ دونوں اس سے کیسے بچ سکتے تھے کہ عشق کا سفر کامیاب ٹھہرے یا رائیگاں چلا جائے۔ سلسلہ ٹوٹتا سانسوں کی ڈور کے ساتھ ہی ہے۔ مائدہ اس سفر سے آزاد ہو گئی تھی لیکن انہوں نے زندہ رہنے تک عشق کی غلامی کرنی تھی۔ یسریٰ اس کے خوبرو چہرے کی یاسیت اور سرخ آنکھوں سے ہی سمجھ گئی تھی کہ وہ کہاں سے آیا ہے مگر بولی کچھ نہیں تھی۔ عشق کی پہلی منزل ضبط تھی اور وہ ضبط و برداشت کی قبا اوڑھے اس کی بند قبا سی محبت میں بھی پرسکون تھی کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھی تھی اور اس کے وجود سے لگی اس کے وجود کی خوشبو سے اٹھتی مٹی کی مہک بھی دل میں اتارتی چلی گئی تھی۔

کاش! کہ محبت کی بند قبا ایسے کھلتی جاناں
دوری کا شائبہ تک نہ رہتا
مگر بند قبا کھل تو گئی ہے مگر ایسے جاناں
کہ محبت کی حسرتیں بے قبائی پر روتی ہیں
ارمانِ محبت بند قبا میں سسکتے ہیں
کاش! کہ ایسے نہ کھلتی بند قبا جاناں!

☆......☆

"بھابی! آپ کو کنعان بلا رہا ہے۔" ماہ لاج کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف حنین چونک اٹھی تھی اور عین العارفین اسے لوکیشن سمجھا کر چلا گیا تھا اور وہ رنگ و بو کا سماں پیش کرتے ہال سے نکلتی وزیٹنگ روم کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ آج سہرینہ کی برتھ ڈے تھی اور شادی کے بعد یہ پہلا فنکشن تھا جو اس نے اپنے سسرال میں اٹینڈ کیا تھا اس نے مطلوبہ کمرے کے سامنے رک کر دروازے پر دستک دینا چاہی تھی مگر دروازہ ہلکے سے دباؤ پر ہی کھلتا چلا گیا تھا اور اندر کا منظر اس کی آنکھیں پتھرا گیا تھا۔

"ریلی لو یو کنعان پلیز! اب تم حنین کو ساری سچائی بتا دو کہ تمہاری دوری میں مزید برداشت نہیں کر

سکتی۔" ماہِ کنعان بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نیم دراز نیم غنودگی کی سی حالت میں تھا اور سہرینہ اس پر جھکی کہہ رہی تھی کچھ ہی لمحوں میں اس نے ماہِ کنعان کے ہاتھ اپنی کمر کے گرد باندھ دیے تھے۔

"تم خاموش کیوں ہو، جواب دو کب حنین کو ہمارے بارے میں بتاؤ گے۔" اب وہ اس کے گھنیرے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھی۔ بائیں ہاتھ سے اس کا گال تھپکا تھا کہ وہ جانتی تھی کہ کچھ ہی دیر میں دوا کا اثر ختم ہو جائے گا، اس لیے اسے ہوش میں لانے کے لیے کچھ کوشش بھی کرنے لگی تھی۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھولی تھیں۔ نگاہ کے سامنے ہی وہ ساکت سی کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ دھندلا گیا تھا اس نے چکراتے سر کو تھاما تھا۔

"حنین۔" اس کے لبوں سے اس کا نام آزاد ہوا تھا۔

"کنعان! او مائی گاڈ، اب کیا ہوگا؟" وہ کمال کی اداکاری کرتی اسے جھنجھوڑتی کھڑی ہو گئی تھی اور بے بسی سے بت بنی حنین کو دیکھا تھا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہاں تمہاری بیوی بھی ہے، اس لیے آج مجھ سے نہ ملو۔" وہ خود کو ڈرا ہوا ظاہر کر رہی تھی۔ ماہِ کنعان دکھتے سر کو دباتا کھڑا ہو گیا تھا۔

"تم نے مجھے ٹھکرا دیا تھا یہ کہہ کر کہ تم صرف حنین سے محبت کرتے ہو۔ میں اپنی بے عزتی بھولی نہیں تھی۔ اب مزہ آئے گا جب تمہاری بیوی تمہیں دھتکارے گی۔" وہ اس کی راہ میں آئی تھی اور اس کے بہت قریب ہو کر سرگوشی میں بولی تھی اس نے نفرت سے اسے خود سے پرے دھکیل دیا تھا اور مجسمہ بنی حنین تک آیا تھا جو اس کی پکار پر ہی ٹوٹتی چلی گئی تھی۔

"حنین۔" اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اس کے گال پر سہرینہ کے لبوں کی سوغات ٹھہری تھی۔ اسی سبب اس کی نگاہ نہ ٹھہر سکی اس نے جاتی ہوئی حنین کی کلائی تھامی جسے اس نے ایک جھٹکے سے آزاد کروا لیا۔

"آپ اتنا بھی گر سکتے ہیں میں نے تصور نہیں کیا تھا۔" وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ سہرینہ کے لب مسکرا اٹھے تھے۔ جب کہ وہ ایک نفرت زدہ نگاہ اس پر ڈالتی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی اس کے پیچھے جانے کے بجائے اس نے کچھ سوچ کر لاج کا نمبر ملایا، اسے کچھ ہدایت دی سیل فون جیب میں ڈال کر اس نے آگے بڑھ کر روم لاکڈ کر دیا۔

"سہرینہ ڈارلنگ! تم روم لاکڈ کرنا بھول گئی تھیں اس لیے میری بیوی نے ہماری پرائیویسی میں دخل اندازی کر دی مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔" وہ اس کے روم لاکڈ کرنے پر حیران تھی۔ اس کے لفظوں کے بعد آنکھوں سے نکلتے شعلے دیکھ کر وہ پوری جان سے کانپ اٹھی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے کنعان! چھوڑو مجھے۔" وہ اس کے تیوروں سے خائف ہوتی باہر کی طرف بڑھی تھی کہ اس نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور اس کی یہ حرکت اس کے چودہ طبق روشن کر گئی تھی۔

"دس از ناٹ فیئر ڈارلنگ پہلے مجھے اس مقام تک لائیں اور اب ہاتھ آیا پیا نہ چھین لینا چاہتی ہو، ایسا نہ کرو ڈیئر! قسم سے میری بیوی اب یہاں نہیں آئے گی اسے لاج کے ساتھ گھر بھیج دیا ہے۔ سو انجوائے دس نائٹ ڈارلنگ!" وہ اس کی گرفت میں پھڑپھڑا رہی تھی اور وہ اس کی بے بسی سے حظ اٹھاتا بے باکی سے کہتا گیا تھا۔

"کنعان! آئی ایم سوری، میں نے سب کچھ صرف اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے کیا، پلیز چھوڑ دو

مجھے ڈونٹ ٹچ ی۔'' بے باک سی سحرینہ عام سی لڑکی لگ رہی تھی جسے اپنی آبرو دنیا کی ہر شے سے پیاری ہوتی ہے اس کے گڑگڑانے پر اس نے اسیر گرفت کمزور کی اور ایک تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا وہ لڑکھڑا کر کارپٹ پر جا گری تھی۔

''تم جیسی لڑکیوں کو چھونا تو دور تھوکنا بھی میں اپنی توہین سمجھتا ہوں۔'' وہ سسکتی ہوئی سحرینہ کو اپنے مقابل کھڑا کرتا نفرت سے پھنکارا تھا۔

''بدلہ لینے کی چاہ میں تم اتنا گر گئیں عقل ہوتو سوچتا کہ میں اگر نفس کی غلامی کرنے والا ہوتا تو تمہاری عزت کا آبگینہ محفوظ رہتا؟'' وہ مدھم نہیں پڑا تھا اس کی ہچکیاں روتا کمرے میں بکھرنے لگا تھا۔

''میں نے جو کیا صرف تمہاری محبت میں۔''

''مگر میں تم سے محبت تو کیا نفرت بھی نہیں کرتا، میں نے صرف حنین سے محبت کی ہے اور آج تم نے ہمارے درمیان غلط فہمی پیدا کردی ہے مگر غلط فہمی و بدگمانی کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو ایک دن ختم ہو جاتی ہے مگر عزت ایک بار جائے تو نہیں آتی۔'' وہ متاسف نگاہوں سے اسے روتے دیکھ رہا تھا۔

''یاد رکھنا سحرینہ کہ مرد 100 گناہ کرکے بھی دودھ کا دھلا ہی رہتا ہے اور عورت کی ایک معمولی سی غلطی بھی اسے وہ مکھی بنا دیتی ہے جسے دودھ میں سے فقط دو انگلیوں کی مدد سے نکال کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔'' اس کے تذلیل سے سرخ پڑے چہرے پر اس نے آخری نگاہ ڈالی اور باہر نکل آیا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی جلی گئی تھی کہ اس نے محبت تو پہلے ہی کھو دی تھی اب اپنا مقام بھی کھو بیٹھی تھی۔

☆......☆

''حنین! صرف ایک بار تو ٹھنڈے ذہن و دل سے میری بات سنو، مجھے پلیز صفائی کا ایک موقع تو دو۔'' وہ اس کے سامنے بے بسی سے بیٹھا کہہ رہا تھا کہ اس نے رو رو کر اپنا حشر کرلیا تھا۔

''میرے سامنے سے چلے جائیں، با خدا ممی نے اگر مجھ سے یہ نہ کہا ہوتا کہ آپ سے لڑ کر جانے پر کاشانہ عالم کے دروازے مجھ پر بند ہوں گے تو میں ہرگز وہ سب دیکھنے سننے کے بعد یہاں نہ آتی۔'' وہ بری طرح سسکتے ہوئے بولی تھی اس کا رونا اس سے کب برداشت ہوسکتا تھا۔ تڑپ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا مگر اس نے موقع ہی نہ دیا۔

''خدا کے لیے ہاتھ بھی نہ لگائیں، گھن آرہی ہے مجھے آپ سے کہ انہی ہاتھوں سے آپ کسی رشتے کے نہ ہوتے ہوئے اس لڑکی کو چھو رہے تھے۔'' وہ بری طرح ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

''آپ کہتے تھے ناں کہ میں کیوں خوش نہیں ہوں کیوں اداس رہتی ہوں تو یہی سبب تھا آپ سے شادی نہ کرنے کا۔'' وہ بیڈ سے اٹھ گئی تھی اور وہ منہ کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔

''یہ خیال مجھے آپ پر بھروسہ کرنے نہیں دیتا تھا کہ جو آپ نے آپی کی شادی میں میرے ساتھ کیا نہ جانے کتنی لڑکیوں کے ساتھ کیا ہوگا۔'' بلی آخر تھیلے سے باہر آگئی تھی مگر اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس سے اس حد تک بدگمان تھی۔ اس سے اس سبب ہراساں تھی۔

''مگر مجھے یقین دلایا گیا کہ آپ کی کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے اور جب کوئی گرل فرینڈ نہیں تھی تو یہ سحرینہ کہاں سے آگئی؟'' اس نے بدگمانی سے اسے دیکھا تھا۔ اس نے لب سختی سے بھینچ لیے تھے۔

''کس حق سے آپ اس کے ساتھ تھے؟ کس رشتے سے اسے چھو رہے تھے؟ کس لیے وہ مجھ سے نفرت کا

اظہار کررہی تھی؟ کیوں آپ اس کی بکواس سن رہے تھے۔ اس کے قرب کی سوغات اپنے گال پر اپنے کپڑوں پر سجا کر لے آئے ہیں۔ کیوں؟'' چیخ چیخ کر اس کے گلے میں خراشیں سی پڑ گئی تھیں۔

''میں مر کر بھی آپ کو معاف نہیں کروں گی کہ آپ نے میرا بھروسہ توڑا ہے۔ مجھے دھوکا دیا ہے۔'' اس نے خاموش کھڑے کنعان کو گھورا تھا۔

''تم نے مجھ پر بھروسہ کیا ہی کب تھا جو میں توڑ دیتا۔'' وہ دکھ سے بولا تھا۔

''آپ پر اعتبار نہ کیا ہوتا تو مجھے فرق بھی نہ پڑتا آپ پر بھروسہ کرنے لگی تھی۔ اسی لیے تو اتنا دکھ پہنچا ہے۔'' وہ کارپٹ پر گرتی چلی گئی تھی اور وہ تو جیسے کھڑے ہی جی گیا تھا۔

''خدا کی قسم حنین! تم اس دنیا کی پہلی و آخری لڑکی ہو، جسے میں نے عزت و پیار سے اپنی خلوت میں شامل کیا ہے۔'' وہ اس کے سامنے دوزانو آن بیٹھا تھا وہ بے اعتباری سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''فیصل کی شادی میں جو کیا اس میں میرے کردار کی کمزوری کا نہیں میرے بے اختیار سے جذبوں کا ہاتھ ہے اور میں فیصل کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج جو تم نے دیکھا وہ سب حقیقت بھرا افسانہ تھا، سحرینہ کی سوچی سمجھی سازش تھی۔'' وہ حیران سی اس کو تک رہی تھی۔

''اس پوری کائنات کی میں جھوٹی قسم کھا سکتا ہوں حنین! مگر فیصل کی نہیں، اس لیے یقین کرو میرا کہ میری زندگی میں تمہارے سوا کوئی نہیں۔ میرا بے اختیار سا قدم مجھے کٹہرے میں کھڑا کر گیا ہے مگر یقین کرو میرے کردار میں کوئی جھول نہیں ہے۔'' وہ اپنی صفائی دیتا بے اختیار رو پڑا تھا۔ اس کے دل کی یکدم ہی عجیب حالت ہوگئی تھی اور وہ اب اسے سحرینہ کی چال کی داستان سنا رہا تھا کہ کیسے اس نے اس کی کولڈ ڈرنک میں بے ہوشی کی دوا ملائی تھی اور اثر کم ہوتے ہی اسے وہاں بلا لیا تھا۔

''اگر تم غور کرتیں تو تمہیں اندازہ ہوتا کہ میں اسے نہیں چھو رہا تھا۔ ہر پیش رفت اس کی جانب سے تھی۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''آئی ایم سوری! وہ سب دیکھ کر میں کنٹرول کھو گئی تھی۔ یہ احساس کہ آپ صرف میرے نہیں مجھے بے چین کرتا، مجھے اس طرح ری ایکٹ کرنے پر مجبور کر گیا۔'' وہ شدتوں سے رو رہی تھی۔ وہ اس کو پھر حیرت سے تک رہا تھا۔

''محبت کیا ہوتی ہے؟ کیسے ہوتی ہے؟ مجھے نہیں معلوم کہ بس میں تو اتنا جانتی ہوں کہ آپ کی شدتوں کی تاب نہ لاتے ہوئے بھی میں ان کی عادی ہوتی جا رہی ہوں۔ جب آپ میرا خیال رکھتے ہیں تو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ آپ کا ساتھ مجھے اچھا لگتا ہے آپ میرے ساتھ ہوتے ہیں تو میں خود کو سیکیور فیل کرتی ہوں۔'' وہ پہلی دفعہ اظہار کی منزل طے کرتی ماہ کنعان کی محبت کو معتبر کر گئی تھی۔ اس نے بلکتی ہوئی اس دشمن جاں کو اپنے قریب کرلیا تھا اور وہ اس سے لپٹی شدتوں سے روتی چلی گئی تھی۔

''مجھ سے وعدہ کریں ماہ کنعان! مجھے کبھی اکیلا نہیں کریں گے۔ میری آخری سانس تک آپ کی بے لوث چاہت مجھ پر حصار کیے رہے گی۔'' آج اسے دور ہوتا محسوس کیا تھا تو اس کی اہمیت کا شدت سے اندازہ ہوا تھا وہ اس سے یقین مانگ رہی تھی تاعمر چاہتے رہنے کا وعدہ طلب کررہی تھی۔ اس کے لب عشق کی معراج پر پہنچ کے مسکرا دیے تھے۔

''میری چاہت کی قبا تمہارے بند کلی سے جذبات پر تاحیات سایہ کیے رہے گی۔'' وہ پر یقین لہجے میں

بولا تھا اور وہ اس کی محبت کی قبا اوڑھے خوشی، طمانیت، یقین مان دبے اختیاری کے ساتھ ذات سے ذات کا سفر طے کر گئی تھی۔ آج تک وہ اسے اپنے قریب کرتا آیا تھا اور آج وہ خود سے اس کے قریب تر ہو گئی تھی کہ بدگمانی کے بادل چھٹ گئے تھے۔ آسمان نے بھی چاہت کی قبا اوڑھ لی تھی۔ دنیا میں جو کچھ ہے محبت کی کارستانی ہے اور وہ سب بھی لڑتے، جھگڑتے روٹھتے مانتے مثبت طریقے سے اپنی اپنی زندگی شروع کر گئے تھے، سب کی ہی زندگیاں ایک ڈگر پر چل پڑی تھیں کہ کچھ کھو کر کچھ نہ کچھ سب ہی پا گئے تھے اور یہی زندگی ہے، آگے کبھی کوئی مشکل آئی تو وہ محبت کی قبا کو اپنی پہچان بنائے اس مشکل سے نکل آئیں گے کہ محبت ہو تو کوئی مشکل، مشکل نہیں رہتی۔

''آئی لو یو ماہِ کنعان! آپ میری پہلی و آخری چاہت ہیں آپ کی محبت میری روح کی قبا بن گئی ہے۔ اس لیے مر کر بھی ہمارے دل ایک دوجے کے لیے ہی دھڑکتے رہیں گے۔'' وہ اپنی گردن پر ٹھہرے اس کے ہاتھ کو تھام کر کہتی اس کے ہاتھ پر اپنے لب رکھ گئی تھی کہ اسے ماہِ کنعان کے ہاتھ بہت پسند تھے اور وہ سرشاری سے اسے خود سے لگا گیا تھا۔

''جانتا ہوں ڈیئر! تمہیں میرے ہاتھ بہت پسند ہیں۔ کتنی ہی دفعہ تمہاری نظریں محسوس کی تھیں جاناں! میں تم سے تمہارے جذبوں سے کبھی انجان نہیں رہا۔'' وہ چوری پکڑے جانے پر جھینپ گئی تھی اور اسی پل اس نے اس سے ایک عجب فرمائش کر ڈالی تھی اور وہ بھی بنا کچھ کہے حیا سے اقرار کر گئی تھی۔ اس نے اسے نکاح کا ڈریس پہننے کو کہا تھا اور اس کے آنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں اس کے جذبے صادق تھے۔ اسی لیے اس کے جذبے حنین کے دل میں اتر گئے تھے اور وہ بے فکری سے اس کے انتظار کے لیے آنکھیں موندھ گیا تھا اب اسے کسی دن کسی رات کی فکر نہ تھی۔ اس کا عشق بلندیوں کی اور رواں دواں تھا اور اسے رواں ہی رہنا تھا۔ احساس اور عشق لافانی ہیں۔

جب تو پاس میرے آنے لگی جاناں
زندگی درد میں مسکرانے لگی جاناں
تیرے عشق نے کر ڈالا مجھے معتبر
میری چاہت تیرے دل تک جانے لگی جاناں
عشق پہنچا معراج کو اپنی، طے ہوا ذات سے ذات کا سفر
تیرے مسکراتے ہی میری زندگی ہنسنے لگی جاناں
میرے لمس نے تجھے صندل کر ڈالا
تیرے احساس کی بند قبا کھلنے لگی جاناں
عشق کے مرحلے کیا طے ہوئے ہم ہوئے معتبر
اعتبار کے سائے تلے بند قبا کھلنے لگی جاناں!
بند قبا کھلنے لگی جاناں

......☆ختم شد☆......

☆..........☆..........☆